فوائد صفدریہ

المسمّٰی

برموز القرآن

افادات

شیخ التفسیر امام اہل السنت حضرت مولانا

سرفراز خان صفدر صاحب قدس سرہ

تفسیر کی خصوصیات

ربط، شان نزول، صرفی نحوی تحقیق، قواعد، باطل عقائد کا رد، مشکل مقامات کی تشریح نیز تفسیر (کبیر، روح المعانی، بحر المحیط، ابو سعود، بیان القرآن، معالم التنزیل، خازن، مظہری، قرطبی، حقانی، مواہب الرحمن، روح البیان، جلالین، کمالین، جمل) کا نچوڑ نہایت سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ضبط و ترتیب

مولانا مفتی عمر نیاز بنوی مدظلہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

CamScanner

تقریظ

استاد العلماء، امام الفضلاء حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی

استاذ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

فوائد صفدریہ المسمی بہ رموز القرآن کے جستہ جستہ مقامات کے مطالعہ سے حد درجہ انبساط و سرور نصیب ہوا، ماشاء اللہ فوائد صفدریہ زرین تفسیری جواہر پاروں، سینکڑوں فقہی، عقائدی مسائل واحکام، متعدد لغوی، صرفی، نحوی تحقیقات، مختلف اشکالات واعتراضات کے جوابات، شان نزول، ربط بین السور والآیات اور دیگر بیشمار علمی نکات ودقائق وفوائد کا گنج گرانمایہ ہے۔ جن کو فقیہ العصر، امام اہل السنۃ والجماعت، ترجمان مسلک دیو بند شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ ضریحہ شعبان ورمضان کے دورہ تفسیر میں بیان کیا کرتے تھے ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی عمر نیاز بنوی حفظہ اللہ تعالی ورعاہ قابل صد سپاسی وتشکر ہیں، کہ دوران درس وقیع دروس تفسیر یہ کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر رہے تھے۔ پھر روزانہ ان دروس کو ٹیپ سے کاپی میں لکھ دیا کرتے تھے دورہ تفسیر کے اختتام پر فوائد صفدریہ ایک کتابی شکل میں منضبط ہوگئی تھی۔ جس سے دورہ تفسیر کے شرکاء نے اپنے لیے فوٹوسٹیٹ کاپیاں نکلوائیں۔

حضرت رحمہ اللہ کے تلامذہ کرام اور دورہ تفسیر کے فیض یافتہ فضلاء کرام کے مسلسل اصرار پر حضرت مولانا مفتی عمر نیاز بنوی صاحب نے افادہ عام کی خاطر فوائد صفدریہ کو زیر طبع سے آراستہ کرا کر شائقین علم تفسیر کو ایک وقیع تفسیری شاہکار سے سرفراز فرمایا، بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس عظیم قرآنی خدمت کو شرف پذیرائی عطا فرما کر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے لیے باقیات صالحات وصدقہ جاریہ بنا دے۔ اور محترم مفتی عمر نیاز بنوی کے نامہ اعمال کو اس جلیل القدر، روح پرور، ایمان افروز تصنیف سے منور ومعطر فرمائے۔

وصلی اللہ تعالی علی اشرف رسلہ وخاتم انبیائہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین الطیبین الطاہرین

کتبہ شیر علی شاہ خادم اہل العلم بجامعہ دار العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۴۳۲/۲/۲۰ھ

تقریظ

سید العلماء صفوۃ الصلحاء قاری مفتاح اللہ صاحب

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

ہمارے محترم دوست مولانا عمر نیاز صاحب نے فوائد صفدریہ کے نام سے حضرت العلام امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری فوائد کو انہی کی کیسٹوں سے اخذ کیا ہے جو انتہائی کارآمد نکات ہیں۔اس کے مستند ہونے کے لیے امام اہلسنت کا نام ہی کافی ہے احقر نے بھی وہ فوائد اسی وقت سے حاصل کئے ہیں جب سے وہ کاپی کی شکل میں تھے اور بندہ دورہ تفسیر میں ان پر نظر ڈالتا ہے اور طلباء کے سامنے نقل کرتا ہے۔

اللہ تعالی مؤلف کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ انہوں نے حضرت کے ارشادات اور تفسیری نکات کو علماء وطلباء کے سامنے پیش کیا ہے۔اور امت پر احسان عظیم فرمایا، جو بھی ان فوائد کو دیکھے گا، تو محسوس کریگا کہ عطر آنکہ بخود گویدنہ کہ عطار بگوید، اور کمال یہ ہے کہ اتنی عظیم دولت صرف ایک مجلد میں ہے جس کا حصول علماء وطلباء کیلئے آسان ہے۔اللہ تعالی امام اہلسنت کے فیوضات وبرکات جو ان کی تصانیف کی شکل میں ہے، اور شاگردوں کی شکل میں ہے، پوری دنیا میں عام فرمائے اور تاقیامت دنیا کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔وما ذالک علی اللہ بعزیز

کتبہ احقر الناس مفتاح اللہ عفی عنہ

۹ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ ۱۴ جنوری ۲۰۱۱ء

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

راقم کو شعبان ورمضان ۱۴۱۰ھ کو شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ سے دورہ تفسیر پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دورانِ درس روزانہ حضرت شیخؒ کے بیان فرمودہ اہم تفسیری فوائد ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ کیسٹوں میں محفوظ کرتا اور پھر کیسٹوں سے کاپی پر تحریر کرتا، جس دن دورہ تفسیر اختتام کو پہنچا اس دن راقم کی شبانہ روز محنت سے حضرت شیخؒ کے تفسیری فوائد پر مشتمل ''فوائد صفدریہ'' کے نام سے ایک کاپی تیار ہو چکی تھی۔ دورہ تفسیر میں شریک متعدد ساتھیوں نے کاپی سے فوٹوسٹیٹ کاپیاں نکلوائیں۔ کچھ عرصہ بعد ملک کے مختلف شہروں سے علماء نے اس کاپی کی فوٹو کاپیاں منگوانی شروع کردیں۔ کئی سالوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، بالآخر بعض مشفق اساتذہ اور چند مخلص ساتھیوں نے اس کاپی کو کتابی شکل میں چھپوانے پر اصرار کیا اور کہا کہ کتاب کی بنسبت فوٹو کاپی پر دُگنا خرچہ آتا ہے۔

لہٰذا راقم نے پوری کاپی پر نظر ثانی کر کے اغلاط کی تصحیح کردی اور اس نیت سے چھاپنے کا ارادہ کیا تاکہ حضرت شیخؒ کے تفسیری فوائد سے زیادہ سے زیادہ علماء وطلباء استفادہ کریں اور اللہ تعالیٰ راقم کی اس کاوش کو حضرت شیخؒ کے بلندی درجات کا ذریعہ اور راقم کی مغفرت کا وسیلہ بنادے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے آمین۔

قارئین سے راقم کی گذارش ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسے حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے راقم کی خطاء فی السماع پر محمول کیا جائے، اور اسکی اطلاع دی جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

(مفتی) عمر نیاز بنوی

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابه اجمعین

فرمانِ نبوی ﷺ ''العلماء ورثة الانبیاء'' کے مطابق تا قیام قیامت علماء حق کی ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری و ناگزیر ہے جو نسل انسانی کی اعتقادی اصلاح اور فکری نشو ونما کے لیے جدو جہد کرتی رہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علمی کی تقسیم کے لیے اپنی تمام جسمانی توانائیاں اور علمی وفکری صلاحیتیں صرف کردے، کیونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہونے کی بناء پر تمام تبلیغی ذمہ داریاں علماء حق کے کندھوں پر ہیں اور علماء حق نے اپنی ان شرعی اور ملی ذمہ داریوں کو کما حقہ نبھا کر اُمت مسلمہ پر جو احسان عظیم کیا ہے وہ تاریخ اسلامی کا ایک روشن اور سنہری باب ہے علماء حق کے اس مقدس قافلہ علم وعمل کا یوں تو ہر فرد گوہر یکتا کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کاروان زہد واتقا کے کچھ میر کارواں ایسے بھی گزرے ہیں جو دین وملت کے لیے اپنی ذات میں انجمن اور ادارہ تھے ان کی تقریری وتحریری اور دینی وملی خدمات اس قدر ہیں کہ ان کے پیش نظر بآسانی یہ فیصلہ کرنا محال ہے کہ یہ خدمات فرد کی ہیں یا جماعت کی۔

اس قافلہء علم وعمل اور کاروان زہد واتقا کے ایک میر کارواں عصر حاضر کے جید عالم دین، فقیہ العصر، محدث اعظم پاکستان، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی ذات گرامی ہے شیخ الحدیث صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، کیونکہ ان کا شمار عصر حاضر کی ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جن کے علم وعمل ، زہد وتقوٰی اور شرافت ودیانت پر بلاخوف تردد اعتماد کیا جا سکتا ہے بے لوث خدمات اور بے داغ کردار کی بناء پر وہ علمی ، ادبی اور عوامی حلقوں میں یکساں طور پر ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

پیدائش:

آپ ۱۹۱۴ء میں ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ (موجودہ ضلع مانسہرہ) کی ایک غیر معروف بستی ڈھکی چیڑاں داخلی ''کڑمنگ بالا'' کے ایک متوسط گھرانہ میں جناب نور احمد خان بن گل احمد خان کے گھر پیدا ہوئے قومیت کے اعتبار سے سواتی (پٹھان) ہیں۔ اس وقت غالباً کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر عزم واستقلال کی چٹان بن کر خداوندان ظلم واستبداد کے سامنے سینہ سپر ہوگا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ بچہ علم وعمل کا آفتاب بن کر سرزمین ہندو پاک کو اپنی روشن کرنوں سے منور کرے گا کسی کو علم نہ تھا کہ اس بچہ کے سینہ میں قرآن وحدیث ، فقہ وتفسیر اور علوم اسلامیہ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے

سمندر موجزن ہونگے اور ہزاروں انسان بالواسطہ یابلاواسطہ اس کے علم کے نور سے روشنی پائیں گے لیکن تقدیر اس بچہ کے مستقبل پر رشک کر رہی تھی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی جو ناظرہ قرآن پاک اور سکول کی چند کلاسوں تک محدود تھی اور گھر کے دیہاتی اور پہاڑی ماحول میں اس سے زیادہ تعلیم کا انتظام نہ تھا جس کی وجہ سے زیادہ تر وقت پہاڑی ماحول کے مطابق بھیڑبکریاں چرانے میں گزرتا، لیکن آپ کے قلب وفکر میں تو فطرتا اس تعلیم کے تصورات غالب تھے جس تعلیم کے ذریعے آپ نے انسانی افکار کی تسکین اور انسانی قلوب کی آبیاری کرنا تھی۔ انسانیت کو گمراہی کی تاریکیوں سے نجات دلاکر ہدایت کی روشنی سے منور کرنا تھا نسل انسانی کو شرک وبدعات کی آلودگیوں سے پاک کر کے توحید وسنت کے پاکیزہ تصورات کی طرف اس کی رہنمائی کرنا تھی معاشرہ کی رسومات باطلہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اسکی جگہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا تھی اور خداوندان ظلم واستبداد کو عدل وانصاف کا پیغام دینا تھا۔

دینی تعلیم کے لیے سفر:

بچپن میں ہی والدہ محترمہ اور والدمحترم کا انتقال ہوگیا اور تعلیم میں آگے بڑھنے کا بظاہر کوئی امکان باقی نہ رہا تو کسی نیک دل بزرگ نے انہیں اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کو دینی تعلیم کے لیے دینی مدرسہ کا رُخ کرنے کا مشورہ دیا اور آبائی گاؤں کے قریب قصبہ بفہ میں حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے مدرسہ میں پہنچا دیا جہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ، ملتان، کوئٹہ وغیرہ کے مدارس میں درس نظامی کی ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی لیکن دل ابھی ذوق تعلیم سے سیراب نہ ہوا اور مزید تعلیم کے لیے گوجرانوالہ کی قدیم دینی درسگاہ مدرسہ انوارالعلوم جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ سے مزید تعلیم حاصل کی آپ کا فرمان ہے کہ میرا تعلیمی ذوق وشوق اور علمی استعداد استاد محترم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ کی خصوصی شفقت اور توجہ کا مرہون منت ہے اور اکثر وبیشتر کتب آپ نے مولانا عبدالقدیر صاحبؒ سے ہی پڑھیں مولاناؒ کی ایک خصوصی شفقت آپ پر یہ بھی تھی کہ طالب علمی کے زمانے میں ہی جو کتب پڑھائیں وہ اپنی نگرانی میں آپ سے طلباء کو پڑھواتے یعنی مہربان اُستاد کی شفقت وتوجہ اور خصوصی نگرانی میں قابل وہونہار شاگرد اپنی علمی وفکری استعداد کی خصوصی نشوونما کے لیے تعلیم وتدریس کے ابتدائی مراحل یکساں طور پر طے کرتا رہا مہربان اُستاد کی خصوصی توجہ کے اثرات جو آپ کی تدریسی زندگی میں مؤثر ہوئے ان کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو ان حالات سے واسطہ پڑا ہو اس لیے جب بھی حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ آپ کے پاس تشریف لاتے تو آپ اپنے تمام معمولات (جن کو

عام حالات میں ترک کرنا تقریباً ناممکن ہوتا تھا) ترک کر کے ہمہ وقت استاد محترم کی خدمت میں مصروف رہتے ۔آپ کے برادر خورد حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مدظلہ مہتمم و بانی مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ بھی آپ کے ساتھ زیر تعلیم تھے لیکن اسباق میں آپ سے دو سال پیچھے تھے آپ نے تکمیل کے لیے عالم اسلام کی شہرہ آفاق یونیورسٹی دارالعلوم دیو بند جانا تھا لیکن شوق تھا کہ دونوں بھائی اکٹھے تکمیل کریں چنانچہ اس شوق میں تکمیل یعنی دورہ حدیث کو دو سال کے لیے مؤخر کر دیا اور اسی دوران استاد محترم کے حکم و شفقت کی تعمیل میں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ ہی میں استاد محترم کی زیر نگرانی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور پھر ۱۹۴۰ء میں سند فراغت حاصل کی قیام دارالعلوم دیو بند کے دوران آپ نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ ،مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرھم کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔

سیرت وصورت کے خدوخال:

وسعت مطالعہ ذہانت و فطانت اور فکر و تدبر کے اعتبار سے بے مثل ،ظاہر و باطن میں یکساں سنجیدگی ان کی خوبی ،علم ان کا کمال ،عمل ان کا جمال ،شرافت ان کا وقار اور سادگی ان کا شعار ،گفتار اور کردار کی پختگی ان کے اسلامی افکار کی ترجمان ہے لباس میں سادگی ،انداز میں اپنائیت ،چہرے پر نورانیت ،افکار میں بلندی ،آواز میں پستی ، گفتگو میں ٹھہراؤ ارادوں میں سختی اور عزم میں پختگی کسی دیکھنے والے کو متاثر کیے بغیر نہ رہتی کلام و طعام ،نشست و برخاست اور سیرت وصورت میں دیکھنے والے کو سنت رسول ﷺ کی جھلک نظر آتی ہے زندگی عاجزانہ ،چال باوقار ،مزاج عارفانہ انداز ناصحانہ اور کلام عالمانہ سننے والے کی دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے مضبوط بدن کی طرح عزم بھی قوی ،بڑھاپے میں بھی ارادے جوان اور اس پر بیماریوں کا سیل رواں لیکن کوئی چیز ان کے عزم و استقلال کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

روحانی سلسلہ:

علمی وفکری صلاحیتیں اور قابلیتیں اپنے مقام پر لیکن واردات نفسانی اور وساوس شیطانی سے پوری طرح تحفظ حاصل کرنے کے لیے کسی مرشد کامل کے دامان محبت وعقیدت سے وابستگی ضروری و ناگزیر ہے جید و مستند اساتذہ سے تحصیل و تکمیل کے بعد آپ کو کسی مرشد کامل کی تلاش ہوئی جس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر وہ اپنے لیے روحانی تسکین کا سامان فراہم کر سکیں۔انہی دنوں پنجاب میں رئیس الموحدین ،سرتاج المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب نوراللہ مرقدہ (واں بھچراں ضلع میانوالی) کے دورہ قرآن کا غلغلہ مچا ہوا تھا اور ہزاروں شائقین علوم قرآنیہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس دورہ تفسیر قرآن میں شرکت کرتے آپ بھی یہی شوق لے کر ان کے دورہ تفسیر قرآن میں شرکت

کے لیے تشریف لے گئے اور دیدہ ودل ان کی اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی زندگی پر نچھاور وقربان کر کے چلے آئے نقشبندی سلسلہ میں ان سے بیعت کی مرشد کامل نے بھی اپنی ایمانی فراست سے اس جوہر قابل کو پہچاننے میں تاخیر نہ کی اور خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مرشد کامل کے ساتھ آپ کے انتہائی قلبی تعلق ومحبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب سبق کے دوران مرشد کامل کا نام آجائے آپ انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ مرشد کامل کا تذکرہ فرماتے ہیں یعنی ہمارے حضرت نے یہ فرمایا ہمارے حضرت نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہمارے حضرت نے اس کا ربط اس طرح بیان کیا غرضیکہ آپ کے الفاظ اور انداز میں مرشد کامل کے ساتھ جس سچی اور والہانہ عقیدت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے ان سے سننے والا بآسانی آپ کی دلی کیفیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

معمولات میں استقامت:

جب تک صحت نے اجازت دی اپنی ڈیوٹی اور معمول میں حتی الوسع ناغہ نہیں کرتے تھے اور نہ تاخیر کرتے تھے کالج ڈیوٹی میں ایک دفعہ لڑکوں نے سوال کیا کہ آپ کبھی ناغہ بھی کرتے ہیں آپ نے جواب دیا ہاں جب یہاں موجود نہ ہوں یا ایسا بخار ہو جائے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قاصر ہوں اور واقعتاً تیز بارش میں بھی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے درس کا عموماً ناغہ نہ کرتے اگر باہر کہیں تبلیغی سلسلہ میں جانا ہوتا تو یہی شرط ہوتی کہ رات کو واپسی ہوگی تاکہ صبح کا درس اور اسباق کا ناغہ نہ ہو ۱۹۵۴ء سے مدرسہ نصرت العلوم میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ ۱۹۷۷ء سے مدرسہ کی طرف سے آپ کو لانے اور چھوڑنے کے لیے گاڑی خریدی گئی اس دوران تقریباً بائیس سال تک وہ بس یا ریل کے ذریعے سبق پڑھانے کے لیے گکھڑ سے گوجرانوالہ جاتے رہے اس دوران آپ کے معمولات میں استقامت کا یہی عالم تھا بسا اوقات ایسا منظر بھی دیکھنے میں آتا کہ تیز بارش کی وجہ سے طلباء یقینی چھٹی سمجھ کر کمروں میں آرام کرنے لگتے لیکن آپ کی آمد کی اطلاع کی گھنٹی طلباء کو نیند اور آرام سے جھنجھوڑ ڈالتی بے یقینی کے عالم میں کمروں سے باہر نکل کر دیکھتے تو آپ چھتری ہاتھ میں لیے مدرسہ میں موجود ہوتے معمولات میں استقامت آپ کی خصوصی انفرادیت ہے آج کے دور میں معمولات کی یہ استقامت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔

معمولات:

وہ کون سے معمولات ہیں جن میں استقامت آپ کا طرہ امتیاز رہا ہو رات کو نماز عشاء کے بعد جلدی سو جانا آپ کا معمول ہے اگر گھر میں موجود ہوں اور کوئی مجبوری (مہمانوں وغیرہ کی) نہ ہو تو اس معمول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی صبح تہجد کے لیے بیدار ہونا اذان کے بعد نماز سے پہلے ناشتہ کر لینا نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں جانا درس

دینا اور درس سے فارغ ہو کر اسباق پڑھانے کے لیے گوجرانوالہ چلے جانا اسباق سے فارغ ہو کر دوپہر کے وقت واپس آنا، کھانا کھا کر قیلولہ کرنا، ظہر کی نماز پڑھا کر بچیوں کو اسباق پڑھانا جو وقتاً فوقتاً آپ کے زیر درس رہتی تھیں اور گکھڑ کی بہت سی بچیوں نے آپ سے براہ راست درس نظامی کے مختلف اسباق پڑھے ہیں مہمانوں کے پاس بیٹھنا اور تصنیفی کام کرنا عصر کی نماز کے بعد اپنی (قرآن پاک کی) منزل پڑھنا تصنیفی کام کرنا اور مقامی تعویذ کرانے والوں کے لیے تعویذ کرنا نماز مغرب کے بعد کھانا کھانا اور تعویذ وغیرہ کرنا نماز عشاء کے بعد آرام کرنا۔

جب تک صحت نے اجازت دی معمولات کا یہ تسلسل قائم رہا اور جوں جوں عمر، ضعف اور علالت میں اضافہ ہوتا گیا بتدریج ان معمولات کا متاثر ہونا بھی فطری بات تھی۔

پابندیٔ وقت:

آپ کی پابندیٔ وقت ضرب المثل رہی ہے نماز کے مقررہ وقت سے ایک منٹ پہلے آپ مسجد میں موجود ہوتے امامت کے فرائض خود سرانجام دیتے۔ درس کے لیے نصف گھنٹہ مقرر ہے اس میں ایک منٹ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی تھی اسباق میں بھی پابندیٔ وقت کا پورا لحاظ ہوتا پابندی وقت پر آپ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ استاد محترم حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ نے ایک دفعہ مجھے جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں درس دینے کا حکم فرمایا میں ان کے حکم پر درس دینے کے لیے چلا گیا آدھا گھنٹہ درس دیتا رہا جو مضمون میں نے شروع کیا تھا وہ وقت سے دو منٹ پہلے ختم ہو گیا لہٰذا میں نے درس ختم کر دیا ایک آدمی فوراً بولا کہ ابھی وقت ختم ہونے میں دو منٹ باقی ہیں میں نے سوچ کر کہ انہیں دین کا کافی شوق ہے ان کے اصرار پر دوسرا موضوع شروع کر دیا جب وقت سے دو منٹ اوپر ہو گئے تو پھر وہ آدمی بولا کہ دو منٹ اُوپر ہو گئے ہیں اس سے حضرت شیخ مدظلہ کی پابندیٔ وقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

گھریلو زندگی:

آپ کی گھریلو زندگی بھی ایک نمونہ ہے آپ نے دو شادیاں کیں دونوں بیویاں فوت ہو چکی ہیں دونوں بیویوں کی زندگی تک ان کا اور ان کی اولاد کا کھانا پینا اور رہنا سہنا ایک جگہ رہا ہے دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کا باہمی اتحاد و اتفاق آپ کی خصوصی توجہ اور گھریلو کنٹرول کی زندہ مثال ہے دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ آپ کا مساویانہ حسن سلوک ضرب المثل ہے۔

آپ کی اولاد:

دونوں بیویوں سے آپ کے نو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ تین بیٹے (عبدالکریم، عبدالرشید اور راشد) بچپن میں ہی وفات پا گئے، بڑی اہلیہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جبکہ چھوٹی اہلیہ سے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہے

تمام بیٹیوں اور بیٹوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے ان میں اکثر باضابطہ عالم دین ہیں اور دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اولاد کی تربیت:

اولاد کی تعلیم وتربیت میں بھی آپ نے اخلاقی وشرعی تمام ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کیا ہے دنیوی تعلیم صرف ضروری حد تک دلوائی ہے صرف دینی تعلیم کی طرف توجہ دی ہے اسی طرح اب تک آپ کے بیٹے (۱) مولانا زاہد الراشدی (۲) مولانا عبدالقدوس قارن (۳) مولانا عبدالحق خان بشیر (۴) مولانا شرف الدین حامد (۵) مولانا رشید الحق خان عابد (٦) مولانا عزیز الرحمٰن خان شاہد (۷) مولانا منہاج الحق خان راشد درس نظامی کے فضلاء ہیں اور تدریسی خدمات میں مصروف ہیں جب کہ قاری محمد اشرف خان ماجد اور قاری عنایت الوہاب خان ساجد حافظ وقاری ہیں اور قاری ماجد مرحوم ایک عرصہ تک جامع مسجد گکھڑ میں قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے ہیں ان کے علاوہ حضرت مدظلہ کی تینوں بیٹیاں قرآن کریم کی حافظہ ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم دیتی ہیں منجھلی صاحبزادی جہلم کے قاری مولانا خبیب احمد عمر کی اہلیہ ہیں اور جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کے شعبہ بنات میں دورہ حدیث کے اسباق پڑھاتی ہیں۔

علمی و دینی خدمات:

مولانا نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صرف احیائے دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جو الحمدللہ کئی کئی بار طبع ہو چکی ہیں اور خواص وعام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان میں درج ٹھوس اور واضح دلائل اور معقول پیرائے اور صریح عقلی ونقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے اور ان کے معرض وجود میں آنے کو بے حد سراہا گیا ہے اور قدر دان حضرات نے خوب داد تحسین دی ہے مگر کچھ حضرات کو ان سے بے حد کوفت ہوتی ہے اور ان سے خاصے سیخ پا ہوتے ہیں ان مدلل کتابوں سے ان کا پریشان ہونا ایک نفسیاتی امر ہے اور حضرت محمد ﷺ کی شریعت حقہ سے شرک وبدعت اور رسم ورواج کے دبیز پردے دور ہو جائیں دین اسلام اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے اُجاگر ہو جائے اور محفوظ ہو جائے جس پر کاربند ہو کر ہم دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت ہے آخر بدعات ورسومات کی شب ظلمت اور تاریکی کب تک فضاء پر چھائی رہے گی؟ حکمت خداوندی کے تحت آخر آفتاب ہدایت کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے   یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

تدریسی خدمات:

گکھڑ منڈی میں آپ نے ابتداءً ہی اپنے تعلیمی ذوق کے مطابق، تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اس دوران

بیس پچیس طلباء عموماً آپ کے زیر درس رہتے تھے۔ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں آپ کا تقرر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ہوا اور اس وقت سے ۲۰۰۱ء تک وہاں مسلسل تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے درس نظامی کی کم وبیش سبھی کتابیں بار بار پڑھائیں اور خاص طور پر بخاری شریف، ترمذی شریف اور ترجمہ قرآن کریم مع تفسیر تو سالہا سال تک آپ کے زیر درس رہا۔

دورہ تفسیر قرآن:

۱۹۷۶ء میں بھٹو گورنمنٹ نے مدرسہ نصرۃ العلوم اور اس سے متصل جامع مسجد نور کو محکمہ اوقاف کی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا تو ارباب مدرسہ نے اس کے خلاف باقاعدہ احتجاجی تحریک کا اعلان کر دیا چھ ماہ کی اس مسلسل تحریک میں تین سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے جن میں آپ کے تین صاحبزادے مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس قارن اور حافظ عبدالحق خان بشیر بھی شامل ہیں اسی تحریک کے دوران مدرسہ کی سالانہ چھٹیاں ہوگئیں کسی بھی مدرسہ کی حفاظت کے لیے مدرسہ کے طلباء ایک مستحکم اور مضبوط قوت ہوتے ہیں سالانہ تعطیلات کی وجہ سے جب خالی مدرسہ پر جبری قبضہ کا اندیشہ پیدا ہوا تو دانشوران مدرسہ نے سالانہ تعطیلات کے دوران دورہ تفسیر کا اعلان کر دیا تاکہ ان سالانہ تعطیلات کے دوران بھی مدرسہ طلباء سے خالی نہ رہے چنانچہ اس مجبوری کے تحت آپ نے دورہ تفسیر قرآن کا آغاز فرمایا جسے بعد میں اس کی علمی اہمیت کی بناء پر مستقل طور پر جاری کر دیا گیا جو کم وبیش پچیس برس جاری رہا اور اس میں ہر سال تقریباً تین سو سے پانچ سو تک طلباء شامل ہوتے رہے ان میں اکثر وبیشتر فارغ التحصیل علماء ہوتے تھے چونکہ یہ تقریباً دو ماہ کا مختصر کورس ہوتا تھا اس لیے اس میں جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی بکثرت شامل ہوجاتے تھے آپ کا انداز تفسیر بعینہٖ اپنے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحب جیسا ہے ربط آیات اور ردِ شرک وبدعات کی جو اہمیت وانفرادیت آپ کے شیخ کا خاصا تھا وہی طرز یہاں بھی موجود تھا۔

آپ کے فتاوٰی:

فتوٰی نویسی ایک مستقل فن ہے جو اہم بھی ہے اور نازک بھی، اگرچہ گزشتہ صدی میں فتوی نویسی کا قلمدان بہت سے ناتجربہ کار یا ناعاقبت اندیش ہاتھوں میں چلا گیا جس کی وجہ سے عرب وعجم کی پوری اُمت مسلمہ فتوی کفر وارتداد کے ثقیل پتھر کے نیچے کراہنے لگی۔ فتوی نویسی انتہائی دشوار کام ہے جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھ کر فتوی دینا ہوتا ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تحقیق کے مطابق اگر ایک لفظ کے سو معنی ہوں ایک اسلام کا اور ننانوے کفر کے تو اس لفظ کے استعمال کرنے والے پر اس وقت تک فتوی کفر نہیں دیا جاسکتا جب تک وہ اپنی مراد معنی کفر سے معین واضح نہ کر دے فتوی نویسی میں تو حتی الامکان آدمی کو کفر سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے حتی کہ یہ اصول ہے کہ

اگر کسی نے ایسا جملہ استعمال کیا ہے جو بظاہر کفریہ ہے لیکن اس کی تاویل ہوسکتی ہے تو اس پر فتوی کفر نہ دیا جائے گا۔

فتوی نویسی جیسے دشوار ترین کام میں بھی آپ کا قلم اپنے اکابر و اسلاف کے نقش قدم میں راہ اعتدال سے نہیں ہٹا آپ مدرسہ نصرۃ العلوم میں صدر مفتی بھی رہے ہیں اور ملک بھر کے علمی و تحقیقی حلقوں میں آپ کے فتاوی کو خاص قدر و منزلت اور اہمیت حاصل ہے ملک بھر کے بڑے بڑے مفتیان کرام بھی اپنے فتاوی پر آپ کے تائیدی و تصدیقی وستخط کروانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں فتاوی جاری ہو چکے ہیں اگر چہ آپ کی دیگر مصروفیات کی بناء پر مدرسہ نے دو مفتی رکھے ہوئے ہیں لیکن بڑے بڑے اور اہم فتوے پھر بھی آپ کی طرف سے جاری ہوتے رہے ہیں۔

آپ کے استقلال کا ایمان افروز واقعہ:

تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران حسب معمول جب اپ جلوس کی قیادت کر رہے تھے آپ کی قیادت میں جلوس مسجد بوہڑ والی سے باہر نکلا، تو فیڈرل سیکورٹی فورس (ایف۔ایس۔ایف) کے کمانڈر نے جلوس کو روکنے کی کوشش کی لیکن جلوس نہ رُکا۔ اس نے لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ اگر کسی نے یہ لکیر عبور کی تو گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ آپ نے انتہائی شان قلندری سے فرمایا "میں تریسٹھ برس کی مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا و آرزو رکھتا ہوں" یہ کہتے ہوئے کمانڈر کی کھینچی ہوئی لکیر عبور کر گئے اس مرد درویش کی شان قلندری کے سامنے فیڈرل سیکورٹی فورس کی سنگینیں اور رائفلیں ندامت سے جھک گئیں اور یہ مرد قلندر جلوس لے کر آگے بڑھ گیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوّت:

قادیانیت کے خلاف تحریک ختم نبوت میں بھی آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں دیگر علماء کی طرح آپ بھی گرفتار ہوئے اور ۹ ماہ تک سنٹرل جیل ملتان میں رہے۔ آپ کے برادرِ خورد مولانا صوفی عبدالحمید سواتی بھی اس تحریک میں چھ ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں گرفتار رہے اس دوران آپ کو ملتان جیل میں زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی جو کامیاب نہ ہوسکی۔

خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار:

اسی دوران جیل میں ہی رات کو خواب میں آپ کو حضرت عیسی علیہ السلام کا دیدار ہوا فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جیل میں ہی ہوں اور مجھے کسی نے اطلاع دی کہ حضرت عیسی علیہ السلام تیرے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں، میں پریشان ہوگیا کہ جیل میں میرے پاس ان کی خدمت کے لیے کوئی چیز نہیں ہے میں نے دری بچھائی اتنے ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے میں نے انہیں دری پر بٹھایا اور عرض کی حضرت

جیل میں اس وقت میرے پاس آپ کی خدمت کے لیے کوئی اور چیز نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں قہوہ بنالوں آپ نے فرمایا فوراً بنالو کیونکہ میں نے جلدی جانا ہے اور دجال کو قتل کرنا ہے میں نے جلدی سے قہوہ بنایا آپ نے نوش فرمایا اور تیزی سے چلے گئے۔

تصنیفی کارنامے:

تصنیف کے میدان میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں آپ کی تصانیف میں قاری کے لیے تمام دلچسپیوں کا سامان فراہم ہوتا ہے اردو ادب کی چاشنی، دلائل و براہین کی بھرمار، ظرافت، انداز بیان میں شائستگی اور نفس مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر آپ کی تصانیف کی انفرادی خصوصیات ہیں، اب تک ۶۰ کے قریب کتب تالیف فرما چکے ہیں جو علماء اور عوامی حلقوں میں بے حد مقبول ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مختلف موضوعات مثلاً ردّ بدعات، فاتحہ خلف الامام، سماع الموتی وغیرہ پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کی تعداد تقریباً ساٹھ تک جا پہنچی ہے، ان کتب میں ''راہ سنت'' جو ردّ بدعات پر مفصل اور باحوالہ کتاب ہے اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ اس کے تقریباً پندرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اور مانگ بدستور جاری ہے آپ کی کتابوں پر (۱) حضرت مولانا شمس الحق افغانی ؒ (۲) حضرت مولانا عبدالحق صاحب ؒ (۳) حضرت قاری محمد طیب ؒ (۴) حضرت مولانا عبداللہ درخواستی ؒ اور دیگر اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات موجود ہیں۔

درس قرآن کریم کے افادات:

درس قرآن کریم کے حوالے سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تین جداگانہ معمول رہے ہیں ایک درس وہ تھا جو جامع مسجد گکھڑ میں نماز فجر کے بعد روزانہ ہوتا تھا اور کئی بار مکمل ہوا، اور دوسرا ترجمہ وتفسیر وہ ہے جو مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں روزانہ صبح اسباق کے آغاز سے قبل حضرت مدظلہ پڑھاتے رہے، یہ درس دو سال میں مکمل ہوتا ہے اور کافیہ سے اُوپر کے تمام طلبہ کی حاضری اس میں ضروری ہوتی ہے جبکہ تیسرا درس قرآن وہ ہے جو مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی سالانہ تعطیلات کے دوران دورہ تفسیر کے عنوان سے کم وبیش ربع صدی تک تسلسل کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم والے دونوں درس چونکہ علماء کرام اور طلبہ کے لیے ہوتے تھے اس لیے ان میں علمی مباحث زیادہ ہوتی تھیں جن سے علماء کرام اور محنتی طلبہ ہی صحیح معنوں میں استفادہ کر سکتے ہیں جب کہ گکھڑ والا درس عوام کے لیے ہوتا تھا جو زیادہ تفصیلی ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی تھا اور عام لوگوں کے لیے اس کی افادیت بھی بہت زیادہ ہے۔ (ماخوذ از ذخیرۃ الجنان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مذہب اسلام کی بنیاد قرآن، حدیث اور اجماع قطعی پر ہے جبکہ قیاس بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔

لفظ قرآن کی تحقیق:

سب سے پہلے لفظ قرآن کی بحث ہے کہ قـرآن کونسا صیغہ ہے۔اس کا مجرد کیا ہے اس کا معنی کیا ہے؟ قرآن کونسا صیغہ ہے؟۔اس میں علماء کا اختلاف ہے ۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ لفظ قرآن علم ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قرآن مصدر ہے جیسا کہ غفران ، سبحان یہ مصادر سماعی ہیں قیاسی نہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کا مجرد کیا ہے۔بعض علماء عربیہ کا قول یہ ہے کہ اس کا مجرد قــرن، یــقــرن (ضرب) ہے جس کے معنیٰ جوڑنے اور ملانے کے ہیں اور قرآن بھی وہ کتاب ہے جس میں مضمون کو مضمون کے ساتھ، دعویٰ کو دلیل کے ساتھ، معانی کو قافیہ کے ساتھ، جنت کو دوزخ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ قرآن قـرء یـقـرء کا مصدر ہے۔مصدر کبھی مبنی للفاعل ہوتا ہے کبھی مبنی للمفعول ہوتا ہے۔یہاں پر بھی مصدر مبنی للمفعول بمعنی مـقــروءٌ کے ہے۔جیسا کہ خلق بمعنی مخلوق، شرب بمعنی مشروب وغیرہ مقـروءٌ کے معنی پڑھی جانے والی یعنی یہ وہ کتاب ہے جو پڑھی جائے۔یہ معنی بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کتاب دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ہے۔

قرآن کا معنی اصول فقہ میں ہے کہ

﴿القرآن علم للکتاب المنزل من اللّٰہ بواسطۃ جبرئیل ؑ علی الرسول صلی اللّٰہ علیہ والٖہ وسلم المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلًا متواترًا بلا شبہۃ﴾

اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔﴿انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون ﴾

اسماء قرآن:

اس کے کئی نام ہیں۔مثلاً، فرقان، یہ اسم فاعل کے معنی پر ہے۔یعنی ''الفـارق بیـن الـحق والبـاطل'' (حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب)موعظۃٌ، ھدی ، تذکرۃ ، نور یہ قرآن کے چند نام ہیں۔

طریقہ نزول قرآن:

قرآن پاک کے نزول کے دو طریقے ہیں۔طریقہ اولیٰ یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نزول، دوسرا طریقہ آسمان دنیا سے زمین پر نزول۔لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن پاک کا نزول دفـعـۃً واحـدۃً ہوا۔اس مقام کا نام بیت العزت اور بیت العظمت ہے۔یہ بات حافظ ابن کثیرؒ نے لکھی ہے۔

اس کے متعلق قرآن کریم میں اشارہ [illegible] ﴿انا انزلنٰہ [illegible] لیلۃ القدر﴾ [illegible] بار [illegible] نازل [illegible]

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب چالیس سال کو پہنچی تو آپ جبل نور کی چوٹی پر واقع غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ صبح کے وقت سب سے پہلے قرآن کا نزول ہوا، وہ سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات تھیں۔ ﴿اقرا باسم ربک الذی خلق ..... العلم﴾ یہ پیر کا دن تھا۔

مسلم شریف کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتے میں دو دن سوموار اور جمعرات کو اہتمام سے روزہ رکھتے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ آپ ﷺ ان دو دنوں میں اہتمام سے روزہ کیوں رکھتے ہیں؟
تو فرمایا کہ ''فیہ ولدت و فیہ بعثت'' پھر اس کے بعد ۱۳ سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں رہے۔ قرآن پاک نازل ہوتا رہا۔ مکہ معظمہ میں کل ۸۶ سورتیں نازل ہوئیں۔ اور باقی مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ کبھی ایک سورۃ، کبھی ایک آیت اور کبھی ایک لفظ بھی نازل ہوتا رہا۔

جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الا سود﴾ تو بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے ساتھ سفید اور کالے دھاگے رکھ لئے اور اسی سے فجر کا وقت معلوم کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عدی بن حاتمؓ بھی تھے۔ جب اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوا تو اس وقت صرف ''من الفجر'' کا لفظ نازل ہوا کیونکہ باقی آیات تو پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اس سے پتہ چلا کہ صرف ایک لفظ بھی نازل ہوا ہے۔

سب سے آخری آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ جمعہ کے دن عصر کے وقت ۱۰ھ میں میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ اس وقت کم از کم ایک لاکھ کے قریب نفوس قدسیہ موجود تھے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جس قرآن کا آغاز جبل نور سے ہوا تھا وہ آج ختم ہوا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸۲ یا ۸۳ دن تک زندہ رہے۔ اگرچہ وحی نازل ہوتی رہتی تھی لیکن نزول قرآن بند تھا۔

اس کے بارے میں ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت (الیوم اکملت ....) ہمارے ہاں نازل ہوتی۔ تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔

آپؓ نے جواب دیا کہ تم ایک عید کی بات کرتے ہو، ہمارے اوپر اس دن دو عیدیں جمع تھیں، یعنی ایک یوم عرفہ دوسرا جمعہ لیکن عید، عید میں فرق ہوتا ہے۔ ان کی عید جشن ہوتی ہے اور ہماری عید فاذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا ہے

تفسیر قرآن کے مأخذ:

قرآن کریم کی سب سے اعلیٰ تفسیر وہ ہے جو کہ خود قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کی ہو۔ کیونکہ قرآن خود ایک جامع اور مانع تفسیر ہے۔ اس لئے کہ یہ قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہے۔

اور گر قرآن کریم میں ایک چیز کی تفسیر موجود نہ ہو تو پھر حدیث والی تفسیر معتبر ہوگی۔ اس لئے کہ جس ذات مبارکہ پر قرآن پاک کا نزول ہوا ان سے بہتر اسے کون سمجھ سکتا ہے۔

اور اگر قرآن کریم کی تفسیر نہ قرآن میں ملے نہ حدیث میں ملے تو پھر صحابہ کرامؓ کی حیاۃ طیبہ اور ان کے

اقوال وافعال سے تفسیر پوچھیں گے کیونکہ جتنا انہوں نے قرآن کریم کو سمجھا کسی اور نے اتنا نہیں سمجھا۔
بالخصوص ان میں سے دو شخصیتیں ایسی تھیں جو اس فن میں خصوصی مہارت رکھتی تھیں۔
(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۲) دوسرے حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فن تفسیر میں مقام:

پھر ان دونوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فن تفسیر میں جو مقام حاصل ہے وہ جزوی طور پر حضرات خلفائے راشدین کے مقام سے بھی بڑھ کر ہے۔ انہوں نے ۸۶ سورتیں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو تم میں قرآن شریف پڑھنا چاہے۔ "فلیقرء من ابن مسعودؓ" اور وہ خود فرماتے ہیں۔ "والذی نفسی بیدہ انی لا علمهم بکتاب اللّٰہ" اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا ماہر موجود ہے اور میرے پاس سواری ہو کہ میں اس تک پہنچ سکوں تو ضرور اس تک پہنچ جاؤں گا۔ نیز آپؓ فرماتے تھے کہ کوئی آیت یا سورت ایسی نہیں اتری جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ "فیمن نزلت و أین نزلت" اس کے بعد مقام عبداللہ بن عباسؓ کا ہے، جن کو ترجمان القرآن کے لقب سے پکارا گیا ہے۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت "انا ابن عشر سنین" لیکن کم سنی کے باوجود اُن کو یہ مقام اس طرح حاصل ہوا کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے، تو حضرت ابن عباسؓ نے مٹی کا ڈھیلا اور پانی رکھ دیا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب واپس ہوئے تو دیکھا اور پوچھا "من وضعها ههنا" آپؓ نے عرض کی "فداک ابی و امی یارسول اللّٰہ انی وضعتها" یہ سن کر حضورؐ کے دل پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ دل سے دعا نکلی۔ "اللّٰهم علمه الکتاب و فقهه فی الدین او کما قال ﷺ"

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو عالم اسلام کا عظیم مفسر بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ بعض مسائل میں آپؓ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ میں دوسرے صحابہ کرامؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھی منتخب کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت آپؓ کی عمر مبارک ۱۴ یا ۱۵ سال کی تھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اعتراض کیا کہ زبیرؓ، طلحہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سب بیٹھ جائیں تو شوریٰ پر بچوں کا قبضہ ہو جائیگا۔ آپؓ نے ان کو فرمایا کہ اس کو ایسا مت دیکھو۔ پھر پوچھا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سورۃ النصر میں راز کی بات کونسی ہے؟
تو کسی نے جواب نہیں دیا۔ جب ابن عباسؓ سے پوچھا گیا تو فرمایا "فیه اجل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واله وسلم"۔

اب اگر کسی کو قرآن کی آیت کی تفسیر قرآن سے نہ ملے حدیث میں نہ ملے نہ صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال سے اس کی تفسیر ہو سکے۔ تو پھر تابعین سے اس کی تفسیر معلوم کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن پاک صحابہؓ سے سیکھا تھا۔

تابعین میں حضرت حسن بصریؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ مشہور ہیں۔
پانچویں نمبر پر اگر قرآن کی تفسیر قرآن، حدیث، صحابہ وتابعین سے نہ ملے تو تبع تابعین سے اسکی تفسیر معلوم کریں گے۔
کیونکہ انہوں نے قرآن پاک صحابہؓ کے تربیت یافتہ حضرات سے سیکھا تھا۔
کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''وخیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم'' قرن کے معنیٰ ''طائفة من الناس'' پہلے تین ادوار خیر القرون کہلاتے ہیں۔ اگرچہ برے لوگ بھی اس زمانے میں تھے۔ مگر اچھے لوگوں کی اکثریت تھی۔ برے لوگوں میں مروان اور حجاج بن یوسف ہیں جنہوں نے ترمذی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ وہ لوگ (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) حقیقۃً قرآن کے طول وعرض وعمق کو پہچانتے تھے۔ مگر ہم لوگ صرف طول وعرض سے واقف ہیں عمق کو نہیں پہچانتے۔

تلاوت قرآن مجید کے آداب:

﴿لا یمسهٗ الا المطهرون﴾ پہلا ادب یہ ہے کہ قرآن کو طہارت کے ساتھ چھوا جائے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اس اتفاق کو فتح الباری اور اتقان الباری میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ البتہ بغیر وضو کے زبانی پڑھ سکتے ہیں۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ ہاں جنابت، حیض ونفاس کے زمانہ میں نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ حیض کی حالت میں اگر بطور دعا پڑھے تو جائز ہے۔

دوسرا ادب جس کے بارے میں قرآن پاک نے خود تصریح کی ہے۔ کہ قرآن شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لینی چاہئے۔ (کما قال اللّٰه تعالیٰ) ﴿فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰه من الشیطان الرجیم﴾
علامہ بیضاوی، صاحب روح المعانی اور صاحب کشاف معنیٰ کرتے ہیں۔ اذا قرأت القران ای اذا اردت ان تقرء القرآن وجہ یہ ہے کہ انسان جب نیکی کا کام کرتا ہے تو شیطان قسم قسم کے وساوس اس کے دل میں ڈالتا ہے ان وساوس سے بچنے کیلئے تعوذ پڑھ لینا چاہئے شیطان انسان کا دشمن تو ہے ہی۔
دشمن دو قسم کے ہیں۔
(۱) ظاہری دشمن، اس سے مقابلہ آسان ہوتا ہے۔
(۲) باطنی، شیطان باطنی دشمن ہے۔ اس سے مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔ نظر نہ آنے والے دشمن سے سخت خطرہ ہوتا ہے۔ کہ معلوم نہیں کسی وقت حملہ آور ہو کر نیکیاں برباد کر دے۔ تو اس لحاظ سے جب قرآن جیسی عظیم کتاب کی تلاوت کا ارادہ کرو تو پہلے سے ہی شیطان سے پناہ لے کر رب کی مدد طلب کر لی جائے تاکہ وہ حملہ آور نہ ہو اور نیکیاں ضائع نہ ہوں۔
مستدرک کی روایت ہے کہ ابلیس نے اپنی جگہ پانی پر بنا رکھی ہے۔ چھوٹے چھوٹے شیطان اس کے پاس آتے ہیں اپنی اپنی کارگزاریاں بیان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں گناہ کرایا۔ لیکن شیطان (ابلیس) ان سے خوش نہیں ہوتا کہ اچانک ایک چھوٹا سا شیطان آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی کو مشرک بنایا۔ تو ابلیس خوش ہو کر اس کو گلے لگاتا ہے۔ شیطان عام ہے اور ابلیس خاص ہے۔ ابلیس ایک جگہ پر ساکن رہتا ہے جبکہ چھوٹے چھوٹے شیطان دورے

کرتے ہیں اور اس کو پیغام پہنچاتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔ کل أمر ذی بال لم یبدأ ببسم اللّٰه أو بحمداللّٰه فهو اقطع أو فهو أبتر أوفهو أجزم. ابن ماجہ، فتح الباری، عمدۃ الباری میں ہے کہ اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے پہلے پڑھے کیونکہ اس کا ثبوت نص قطعی سے ہے اور تسمیہ کا ثبوت خبر واحد سے ہے۔ تعوذ کا ثبوت قطعی الثبوت قطعی الدلالت سے ہے نیز تعوذ میں سلب ہے اور تسمیہ میں اثبات ہے اور عدم ہمیشہ وجود پر مقدم ہوتا ہے۔

(ع) یہ رکوع کا مخفف ہے، رکوع کا معنی حصہ کے ہیں اس کے اوپر ایک ہندسہ ہوتا ہے جبکہ ایک پیٹ میں اور ایک نیچے اوپر والا ہندسہ سورۃ کے رکوع کا نمبر یعنی عدد بتاتا ہے اور درمیان والا ہندسہ آیات کی تعداد بتاتا ہے اور نیچے والا ہندسہ پارہ کے رکوعات کی تعداد بتاتا ہے۔

سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط:

کیا قرآن کی سورتوں اور آیات میں ربط ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

بعض کے ہاں قرآن کی سورتوں اور آیات میں کوئی ربط نہیں ہے کیونکہ یہ ایک شاہی کلام ہے کہ جس طرح بادشاہ وزیر داخلہ کو ایک کام کرنے کا حکم کرتا ہے کہ یہ کام اب کرو اور ہر ایک کو اس کے مناسب حکم دیتا ہے۔ اس طرح خالق کائنات ہر ایک کام کے بارے میں الگ الگ حکم دیتا ہے۔ اس میں کوئی ربط نہیں۔

دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن ایک شاہی کلام تو ہے لیکن ربط اس میں ضرور ہے۔ اس کے قائلین متقدمین میں سے علامہ آلوسیؒ، ابوالسعود، فخر الدین رازی وغیرہ ہیں۔ اور متاخرین میں سے مولانا عبدالحق حقانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا حسین علی صاحب۔ یہ سب حضرات ربط کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

کلام اللہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

کلام اللہ پر سب سے زیادہ اعتراضات ہندوستان کے ایک لعین انسان دیانند سرسوتی نے کئے ہیں جو بسم اللہ سے لیکر آخر قرآن یعنی والناس تک ہیں۔ ان کے مقابلہ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے انتساب الاسلام لکھی ہے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے بھی اس کے جواب میں کتابیں لکھیں ہیں۔

اعتراض: اول کہ سورۃ فاتحہ میں رب تعالیٰ نے خود اپنی تعریف کی ہے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا چاہتا ہے جبکہ اپنی تعریف خود کرنا یہ غلط ہے؟

جواب: هذا مقول علی السنة العباد یعنی یہ تعریف کے الفاظ لوگوں کی زبان سے ادا کروانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مشفق استاد اپنے شاگردوں کو درخواست کا طریقہ بتلاتا ہے کہ استاد کی خدمت میں جب درخواست لکھو تو ان القاب کو لکھو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ استاد اپنے منہ میاں مٹھو بننا چاہتا ہے بلکہ شاگردوں کو طریقہ بتلاتا ہے۔ اسی طرح اللہ میاں بھی اپنے بندوں کو تعریف کا طریقہ بتلاتا ہے۔ کہ ان الفاظ کیساتھ اللہ کی تعریف کرو لہٰذا دیانند سرسوتی کا اعتراض مبنی برفساد ہے۔

سورة الفاتحه

سورۃ فاتحہ کے نام:

جس سورۃ سے قرآن کریم کوشروع کیا جاتا ہے۔اس کا نام سورۃ فاتحہ ہے۔اس کے اور بھی متعدد نام ہیں۔
مثلاً ام الکتاب،ام القرآن،کافیہ،شافیہ،الدعاء،سورۃ المسئلہ
یہ سورت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع ہوتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا:

سورۃ فاتحہ میں طریقہ سوال سکھایا جاتا ہے کہ جب کسی کوکسی سے سوال کرنا ہوتا ہے تو پہلے اس کی تعریف کرتا ہے پھر اس کے ساتھ اپنا تعلق بتاتا ہے کہ آپ کا اور میرا رشتہ یہ ہے۔اور پھر مقصود بیان کرتا ہے کہ اس مقصد کیلئے آیا ہوں۔یہی کلام کا طرز بادشاہ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔
اس طرح ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ تک تعریف ہے۔
﴿إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَإِیَّاکَ نَسْتَعِیْن﴾ میں تعلق ہے۔اور﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ سے آخر تک میں مطلوب کا بیان ہے۔

(۱)﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

الحمد پر الف لام کونسا ہے؟ اکثر مفسرین استغراقی کہتے ہیں یا جنسی ہے۔
حمد وہ تعریف ہے جو افعال اختیار یہ پر ہو اور اگر افعال غیر اختیار یہ پر ہو تو یہ مدح ہے۔
رب باب نصر سے ہے اور مصدر تربیت ہے بمعنی پرورش کرنا۔اگر رب کے مفہوم کو سمجھ لیا جائے تو بندے شرک کے قریب ہی نہ جائیں۔
عالمین جمع عالم بمعنی مایعلم بہ جیسے خاتم بمعنی ما یختم بہ(بیضاوی) عالمین جمع لائے اس لئے کہ عالم کئی ہیں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق:

(۲)﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ رحمٰن وہ ہے جو بن مانگے عطا کرے،اور رحیم وہ ہے جو مانگنے پر دے۔اب رب تعالیٰ جو پیدا کرتا ہے،اعضاء دیتا ہے بغیر مانگے دیتا ہے تو رحمٰن ہوا۔اور ہم صحت وغیرہ مانگتے ہیں اور وہ دیتا ہے تو رحیم ہوا۔
دوسرا فرق یہ ہے کہ رحمٰن کا معنیٰ ''عام الرحمۃ'' ہے جو کافر و مؤمن سب کو عطا کرتا ہے۔
اور رحیم کا معنیٰ ''تام الرحمۃ'' ہے جو صرف مؤمن کو دیتا ہے۔

(۳)﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾

دین بمعنی بدلہ، جزاء

(۴)﴿إِیَّاکَ نَعْبُدُ وَإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾

ایاک ضمیر منفصل لائے حصر کیلئے کہ تمام قولی،فعلی،عبادتیں خالص رب تعالیٰ کیلئے ہیں۔

(۵) ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾

اس میں ہدایت کے بارے میں راہنمائی کی درخواست ہے اور اس کے بعد "ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ" میں اجابتِ درخواست ہے۔ کہ لو جو ہدایت تم طلب کرتے ہو، وہ یہ ہے۔

کتاب اللہ کی ہدایت کے بارے میں تین گروہ ہیں۔

(۱) پہلا گروہ وہ ہے جو زبان اور دل کے ساتھ دین اسلام کو مان لے اس کا ذکر اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ تک ہے۔

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے، جو زبان اور دل کے ساتھ اسلام کو نہ مانے ان کا ذکر اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سے آگے تک ہے۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے، جو زبان سے تو مان لے لیکن دل سے نہ مانے، ان کا ذکر وَ مِنَ النَّاسِ سے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ تک ہے۔

سورۃ البقرۃ

بسم اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحِیم

﴿الم oذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ oالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلاۃَ وَمِمَّا رَزَقْنَاھُمْ یُنْفِقُوْنَ oوالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَo﴾

لفظ بقرۃ کی تحقیق:

اس سورۃ کا نام سورۃ البقرۃ ہے۔قاموس،صراح،مختارالصحاح والوں نے اس پر تصریح کی ہے کہ بقرۃ کا لفظ گائے اور بیل دونوں پر بولا جاتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ’’ان تذبحوا بقرۃ‘‘ کا معنی کیا ہے کہ بیل کو ذبح کرو۔

مقطعات قرآن کے بارے میں متعدد اقوال:

قرآن پاک کی وہ سورتیں جن کے شروع میں حروف مقطعات ہیں وہ انیس ہیں۔ان حروف مقطعات کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) بعض حضرات نے ان کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ’’ھو رمز فیما بین اللّٰہ و بین رسول اللّٰہ‘‘۔

(۲) اکثر مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ اللّٰہ اعلم بمرادہٖ

(۳) تیسری تفسیر یہ ہے۔کہ الف سے مراد اللہ،لام سے جبرئیل اور میم سے محمد ہے۔یعنی اللہ کی طرف سے جبرئیل کے ذریعے سے نبی کریمؐ پر اس قرآن کا نزول ہوا۔

(۴) چوتھی تفسیر یہ ہے کہ الف سے مراد الآء اللّٰہ ای نعم اللّٰہ ہے، لام سے مراد لطف اللّٰہ، میم سے مراد ملک اللّٰہ ہے۔

(۵) پانچویں تفسیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ’’ اسمٌ من اسماء اللّٰہ تعالٰی ‘‘

اشکال اور اس کا جواب:

اس تفسیر پر بظاہر اشکال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے تو کل ننانوے نام ہیں۔ان میں سے تو الٓمٓ نہیں ہے۔

جواب اول: تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر ابوسعود میں تصریح ہے۔ خمسۃ آلا ف اسماء اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے میں منحصر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام اور بھی ہیں تو شاید یہ بھی ان میں سے ہو۔

جواب دوم: ھی من اسماء اللّٰہ تعالٰی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک حرف اسم کی طرف مشیر ہے۔الف سے مراد اللہ، لام سے مراد لطیف اور میم سے مراد ملک ہے۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ پر اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے بعد وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا ......الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ شک ہے۔تو بظاہر اس میں تناقض ہے۔

جواب: ...ہے کہ تناقض میں آٹھ شرائط کا ہونا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع ومحمول ومکاں
وحدت شرط واضافت، جزوکل قوت وفعل است در آخر زماں

آپ کا اعتراض صحیح نہیں کیونکہ وحدت موضوع نہیں ہے یہاں موضوع کتاب ہے اور آیت ثانی میں موضوع لوگوں کے اذہان ہیں۔قرآن میں تو شک نہیں لیکن لوگوں کے اذہان میں شک ہوسکتا ہے۔

﴿هُدًى﴾

یہ مصدر ہے اس کا حمل یہاں مبالغۃً ہے جیسا کہ ''زید عدل'' میں کہ یہ کتاب صرف ہادی نہیں بلکہ سراسر ہدایت ہے متقین کیلئے۔

۲. ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ پر اعتراض اوراس کا جواب:

سوال: یہ تو کوئی کمال نہیں کہ صرف متقین کیلئے ہدایت ہے غیر متقین کیلئے نہیں؟

جواب: اس کا جواب صاحب جلالین نے یوں دیا ہے کہ اس کا مطلب ''الصائرين الى التقوىٰ'' ہے یعنی جو لوگ تقویٰ کی طرف جانے والے ہیں ان کیلئے ہدایت ہے۔

اس سورت میں دوسری جگہ اس طرف اشارہ ہے۔شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔یعنی تمام لوگوں کیلئے ہدایت ہے چاہے وہ متقی ہوں یا غیر متقی

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالقوۃ سب کیلئے ہدایت ہے جبکہ بالفعل صرف متقین کیلئے ہے۔

یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ تقویٰ کا معنی لغوی مراد ہے اصطلاحی نہیں مطلب ہوگا کہ ہر ڈرنے والے کیلئے ہدایت ہے اور ڈرتا کافر بھی ہے۔

۳۔﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط میں لکھا ہے کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہو۔خواہ علم ہو یا مال ہو یا قوۃ بدنی ہو یا عقل یعنی اصابت الرائے ہو یہ سب اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

لا یؤمنون پر ایک سوال اوراس کا جواب:

٦. ﴿ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

روح المعانی وغیرہ میں یہاں یہ سوال نقل کیا ہے کہ یہ آیت خلاف واقعہ ہے کہ یہاں فرمایا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ انہی لوگوں میں سے بعض ایمان لے آئے۔

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ الذین میں الف لام موصول عہد کیلئے ہے یعنی معلوم اور معہود قسم کے لوگ مراد ہیں مثلاً ابو جہل، عتبہ وغیرہ یہ ایمان نہیں لائیں گے چاہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔

عام حکم نہیں بلکہ خاص حکم ہے خاص لوگوں کیلئے۔

دوسرا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تو آپ کو انذار پر مامور کیوں کیا؟ بظاہر آپ کو ان کے بارے میں حکم کرنا بے کار ہے۔

اس کا جواب علامہ آلوسیؒ اور قاضی بیضاویؒ نے یہ دیا ہے کہ بے کار وہ ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

مراد ہے۔سواء علیهم فرمایا کہ ان لوگوں کے حق میں انذار کا کوئی فائدہ نہیں، باقی رہا آپ ﷺ کے بارے میں تو

آپ ﷺ تو مبلغ تھے آپ ﷺ کو تو تبلیغ کا اجر ملے گا۔

۷۔﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

قلوبھم و ابصارھم کو جمع اور سمعھم کو مفرد کیوں ذکر کیا؟

اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قلوبھم و ابصارھم کو جمع اور سمعھم کو مفرد کیوں ذکر کیا؟

(۱) اس کا جواب ایک تو وہ ہے جو قاضی بیضاوی، صاحب کمالین اور قرطبی نے دیا ہے کہ سمع مصدر ہے اور المصدر یطلق علی القلیل والکثیر۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے ای خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى مواضع سَمْعِهِمْ۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ دل اور بصر کا تعلق کثیر چیزوں کے ساتھ ہے لیکن کان کا تعلق ایک چیز کے ساتھ ہے و ھوالصوت اسی لئے مفرد ذکر کیا۔

ختم اللّٰہ علٰی قلوبھم پر ایک اشکال اور اس کا جواب:

ایک اشکال یہاں پر یہ وارد ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تو ان بے چاروں کا کیا قصور ہے کہ ان کو سزا دی جاتی ہے وہ تو غیر مختار ہیں۔

جواب: اس اشکال کا جواب پارہ ۲۴ سورۃ حم سجدہ میں دیا گیا ہے وقالوا قلوبنا فی اکنة یعنی کافروں نے کہا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔

انہوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا کہ توحید، رسالت و معاد سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ نُوله ماتولی۔

دوسرا جواب: ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بأنفسھم تو انہوں نے خود اپنی حالت تبدیل نہیں کی تھی۔

تیسرا جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ أنلزمکموھا وانتم لھا کارھون اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو قبول کرنے والے نہیں تھے ورنہ ان پر پیش تو کر دیا گیا۔

یخادعون اللّٰہ پر اشکال اور اس کا جواب:

۹۔﴿يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے۔

اس کا جواب بیضاوی نے یہ دیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے کہ یخدعون رسول اللّٰہ

اور صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ صنیعھم و فعلھم فعل المخادعة یعنی وہ دھوکہ تو نہیں دے سکتے لیکن فعل مخادعہ کرتے ہیں۔

اور بعض نے یہ جواب دیا کہ مومن کو دھوکہ دینا دراصل خدا کو دھوکہ دینا ہے اس لئے یخدعون اللّٰہ فرمایا۔

علم اور شعور میں فرق:

علم کے معنی کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننا اور علم عقل والوں کی صفت ہے جبکہ شعور کا معنی ہے، کسی چیز کو حواس خمسہ ظاہرہ کے ساتھ معلوم کرنا تو یہاں کافروں سے شعور کی نفی کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ بتلانا چاہتے ہیں کہ منافق کے پاس علم تو کیا شعور بھی نہیں جس میں حیوان بھی شریک ہوتے ہیں یعنی یہ لوگ حیوانات سے بھی بدتر ہیں کیونکہ حیوانات کے

پاس کم از کم شعور تو ہے انکے پاس تو یہ بھی نہیں ہے۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

صاحب کشاف کہتے ہیں کہ الیم بمعنی مولَم یعنی فعیل بمعنی اسم مفعول کے ہے جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ اسقدر سخت ترین عذاب ہوگا کہ عذاب خود تکلیف میں ہوگا۔ جبکہ علامہ آلوسی اور اندلسی فرماتے ہیں کہ الیم بمعنی مولِم یعنی فعیل بمعنی اسم فاعل کے ہے کہ عذاب تکلیف دینے والا ہوتا ہے۔

۱۳۔﴿ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَآءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾

کفار مسلمانوں کی طرف سفاہت کی نسبت کرتے کیونکہ اس زمانے میں جو کوئی مسلمان ہو جاتا کافر اس پر ظلم کرتے ، اس کے کپڑے چھین لیتے اور رشتہ دار اس سے تعلقات ختم کر لیتے اس لئے وہ کہتے کہ ہم کوئی بے وقوف تو نہیں ہیں کہ اپنے رشتہ داروں سے تعلقات ختم کر لیں اور مسلمان بن جائیں۔

۱۵ .﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

(۱) اللّٰہ یجازیھم یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سفاہت کا بدلہ دے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ حقیقی طور پر استھزاء فرمائے گا۔

۱۸ .﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾

یہ اخبار ہیں اور مبتدا ان کا محذوف ہے ۔ای ھُم صم و ھم بکم یعنی وہ سماع قبول نہیں کرتے .

بکم ای ساکتین عن الحق (حق کہنے سے خاموش ہیں)

شیءٍ کا لفظ جب اللہ پر بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

۲۰ .﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ شئ کا لفظ تو اللہ پر بھی بولا جاتا ہے تو پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھی قادر ہے؟

جواب: (۱) تفسیر روح المعانی، کبیر وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ شیءٍ مصدر ہے کبھی شاء کے معنی میں بولا جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کو بھی شامل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مشیء بولا جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کو شامل نہیں ہوتا. مَشِیٌّ کے معنی میں ہے۔ای مَشِیٌّ وجودہ، پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھی قادر ہے۔

۲۱ .﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

تفسیر کبیر، ابوسعود، بیان القرآن، سبق الغایات میں ربط یہ لکھا ہے کہ جن لوگوں نے ہدایت کا مطالبہ کیا وہ تین گروہ ہیں یا اصل الاصول تین چیزیں ہیں: (۱) توحید (۲) رسالت (۳) معاد۔

ما قبل میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ فرمایا تھا۔اب عمومی طور پر سب لوگوں کو خطاب ہے اور توحید کا حکم دیا جارہا ہے اور نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

قرآن میں لفظ عبادت سے مراد توحید ہے:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن میں عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے توحید مراد ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ پر اشکال اور اس کا جواب:

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ترجی اور امید وہاں ہوتی ہے جہاں نتیجے سے بے خبری ہو اور ذات باری کو تمام چیزوں کے انجام کا علم ہے تو یہ کیوں فرمایا کہ شاید تم متقی بن جاؤ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لعل بندوں کے کلام میں ہو تو ترجی کے معنی میں ہوتا ہے اور اللہ کے کلام میں تحقیق کے معنی میں ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ترجی دو قسم پر ہے، ایک مخاطب کے اعتبار سے دوسرا متکلم کے اعتبار سے یہاں مخاطبین کے اعتبار سے ترجی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ آتا ہے ''لعلہ یزکی'' پہلا جواب صاحب کشاف اور صاحب روح المعانی نے دیا ہے۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ لعل بمعنی کی تعلیلیہ کے ہے۔

۲۴ . ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ﴾

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ جنت و دوزخ ابھی موجود نہیں:

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ ابھی موجود نہیں جس وقت ان کی ضرورت پڑے گی اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو تیار فرمائیں گے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ابھی موجود ہیں۔

دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں ان کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے ''أعدت للکافرین ، أعدت للمتقین'' یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ پہلے سے دوزخ و جنت موجود ہیں۔ نیز احادیث میں اس بات کی تصریح ہے۔

۲۷ . ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴾

عھد اللہ سے کیا مراد ہے؟

اس میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

(۱) ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد عہد ''الست بر بکم قالوا بلیٰ'' ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ قبلت جمیع احکامہ مراد ہے۔

حضرت شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ تمام مطالب صحیح ہیں اس لئے کہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ (مرتب)

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

ربط: یہاں سے معاد کا ذکر شروع فرمایا، بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہو اور اس میں جان نہ ہو تو وہ اموات کے معنی میں ہے۔ تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر نے ثم یحییکم سے قبر سے اٹھنے کے بعد والی زندگی مراد لی ہے۔ امام رازی نے اس تفسیر کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ ثم حرف تراخی کیلئے ہے۔

۲۸ . ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

ربط: پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا اب نعمتوں کی تعمیم کا بیان ہے۔

[illegible] العزیز دہلویؒ سے ایک شاگرد نے پوچھا کہ کافر پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

آپ نے اس کا جواب دیا کہ کافر کو پیدا کرنا بے کار نہیں اگر کافر کو مارا تو غازی بن جاؤ گے اسی طرح اگر تم کو مارے تو شہید ہو جاؤ گے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اجسام خبیثہ ضارہ کی تخلیق میں بھی حکمت باری ہے۔

فسوّٰھن سبع سمٰوٰت : فسوّٰھن میں ھن کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟

علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں۔کہ سماء کی طرف راجع ہے۔جو کہ سماء ۃ کی جمع ہے۔اور اس کی جمع الجمع سمٰوٰت ہے۔

جبکہ کشاف والے فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر مبہم ہے بعد میں اس کی تفسیر ہے۔ھن ای سبع سمٰوٰت۔

۳۰۔﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥﴾

ربط: پہلے حسی نعمتوں کا ذکر تھا۔اب معنوی نعمتوں کا ذکر ہے۔کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے باطنی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں سے ممتاز فرمایا۔

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "خلقت الملائكة من نور" لیکن یہاں نور سے مراد وہ نور نہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔اس نور سے مراد وہ نور ہے جو کہ مخلوق ہے۔

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ ﴾

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ لینا مخلوق کی تعلیم کے لئے تھا:

سوال: حق تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا حالانکہ مشورہ تو علامت نقص ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

جواب: مشورہ لیا تھا لیکن اس سے غرض مخلوق کو تعلیم دینا تھا۔

﴿ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾

خلیفہ کا معنی:

الخليفة من يخلف غيره ويقوم مقامه ۔رب تعالیٰ نے جنات کو دور کیا تو آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔

خلیفہ اس لئے ہے کہ جو مستخلف علیہ ہے یعنی انسان اس میں قصور تھا اور وہ رب تعالیٰ سے براہ راست بات نہیں کر سکتا تھا، استفادہ نہیں کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔

۳۰۔﴿ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥﴾

فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان زمین میں سرکشی کرے گا؟

(۱) فرشتوں کو یا تو جنات کی سرکشی کرنے سے معلوم ہوا کہ انسان بھی سرکشی کرے گا۔

تفسیر کشاف، روح المعانی، خازن، مستدرک میں ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو ہزار سال پہلے جنات کو پیدا فرمایا۔

(۲) انہوں نے لفظ خلیفہ سے معلوم کیا کہ خلیفہ کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے، جہاں پر کوئی لڑائی جھگڑا ہو۔

(۳) لوح محفوظ کے مقرب فرشتوں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا اور انہوں نے آگے بتایا۔

آدم ادیم الارض ۔سے ہے بمعنیٰ گندم گوں رنگ والا کہ زمین کے مختلف مواضع سے مٹی لے کر پیدا کیا گیا۔آدم کا لفظ

غیر منصرف ہے اس میں وزن فعل اور علمیت ہے۔

(۳۱) ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾

اللہ تعالیٰ نے تعلیم آدم علیہ السلام کو دی اور امتحان فرشتوں سے لے رہے ہیں:

سوال: یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور امتحان فرشتوں سے لے رہے ہیں۔ یہ تو خلاف انصاف ہے؟

جواب: یہ ہے جو کہ بیان القرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی لیکن فرشتوں کی استعداد نہ تھی اس لئے وہ اخذ نہ کر سکے لیکن آدم نے اس کو یاد کر لیا کیونکہ ان میں اخذ کی استعداد تھی۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں یہ استعداد کیوں نہیں رکھی؟

جواب: یہ ہے کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ مذکر ہیں نہ مؤنث اگر ان میں یہ استعداد رکھ دیتے تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے۔

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَ سْمَآءَ﴾

اہل بدعت کا ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَ سْمَآءَ'' سے انبیاء کے عالم الغیب ہونے پر استدلال اور اس کا جواب:

اہل بدعت اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم دیا تھا تو علم غیب اور کیا ہوتا ہے یہی تو علم الغیب ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو ان اشیاء کے ناموں کا علم تھا لیکن ان کی مقدار و تعداد کا علم نہ تھا مثلاً گھوڑا۔ اس کے نام کا علم تھا لیکن یہ کہ دنیا میں قیامت تک کتنے گھوڑے پیدا ہوں گے یہ علم نہ تھا۔

واقعہ:

ایک شخص نے مجدد الف ثانیؒ کے دور میں انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنا ٹھیک نہیں یہ شخص عالم تھا، مقامی علماء نے اس کو سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ مجدد الف ثانیؒ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ عالم الغیب ہونے کے دلائل قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہیں یعنی دلائل قطعیہ سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہے۔

نیز فرمایا کہ عالم الغیب کا معنی یہ نہیں کہ جو چیزیں رب تعالیٰ سے غائب ہیں ان کا رب تعالیٰ کو علم ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ماغاب عن مشاهدة المخلوق.

(۳۴) ﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا یہ سجدہ تعظیمی تھا، جو اس وقت جائز تھا یہاں پر کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام شرائع اور ادیان میں سجدہ تعظیمی جائز تھا لہٰذا یہاں پر سجدہ حقیقی مراد ہے نہ کہ جھکنا کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ فخرو اله سجدًا اس سے ابن کثیر سجدہ تعظیمی مراد لیتے ہیں۔

﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ﴾

اباء اور اعتذار میں فرق:

اباء وہ انکار ہے جو بلا عذر ہو اور اعتذار وہ انکار جو عذر سے ہو۔

اعتراض:

یہاں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الآدم" تو شیطان جب فرشتوں میں شامل نہیں تھا تو یہ حکم گویا صرف فرشتوں کو دیا گیا کیونکہ رب تعالیٰ دوسری جگہ خود فرماتے ہیں" کان من الجنّ ففسق عن امر ربہ" لہٰذا جب حکم اس کو شامل نہیں تھا تو عتاب کیوں ہوا؟

جواب: سورۃ اعراف پارہ ۸ میں رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا ہے قال ما منعک الاتسجد اذ امرتک۔ تو معلوم ہوا کہ شیطان بھی مامور تھا جب حکم نہ مانا تو مستحق عتاب ٹھہرا۔

﴿ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴾ای صار من الکافرین یا و کان فی علم اللہ من الکافرین.

۳۵۔﴿وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾

وہ خاص درخت جس کے کھانے سے روکا تھا:

ابن کثیر فرماتے ہیں ابھموا ما ابھمہ اللہ اور بعض نے کہا ہے کہ گندم کا درخت تھا بعض فرماتے ہیں کہ کیلے کا درخت تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ انجیر کا تھا اور بعض نے کھجور کا کہا ہے۔

۳۶۔﴿فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾

یہاں باب افعال استزل کے معنی میں ہے اگر ازل (افعال) ہو تو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی کوئی غلطی نہ تھی البتہ ان کی لغزش تھی۔

استزل شیطان نے ان کو پھسلایا یعنی ان کا پھسلانا طلب کیا۔

شیطان نے کس طرح آدم وحواء کو مغالطے میں ڈالا؟۔

اعتراض:

شیطان کو تو وہاں سے نکال دیا گیا تھا تو اس نے کس طرح ان دونوں کو مغالطے میں ڈالا؟

جواب:

(۱) تفسیر روح المعانی، قرطبی، خازن میں لکھا ہے کہ شیطان دروازے پر فقیر کی شکل میں آیا تھا۔

(۲) دور سے اپنا اثر ان تک پہنچایا اور ان کو ورغلایا اور ممنوع کام کروایا۔

﴿ وَقُلْنَا اهْبِطُوا ﴾اس میں خطاب حضرت آدمؑ اور حواءؑ کو ہے

اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی خطاب ہے

اور بعض نے کہا کہ اس میں انسانوں، جنات اور حضرت آدمؑ وحواءؑ کو خطاب ہے۔

یہ جسمانی تکلیف تھی کہ جنت سے ان کو نکالا گیا اور روحانی تکلیف "بعضکم لبعض عدو" میں ہے۔

﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾

اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی طرف کی جاسکتی ہے اگر اس کا صلہ علیٰ آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی اور جب الیٰ آئے تو مخلوق کی طرف نسبت ہوگی۔

پہلی صورت میں معنی ہوگا، متوجہ ہونا اور دوسری صورت میں [illegible] کے ہوں گے۔

﴿ فَإِمَّا ﴾

میں ان حرف شرط ہے ، ما زائدہ للتاکید ہے اس لئے آگے نون تاکید کو ذکر کیا۔ قاعدہ نحو یہ ہے کہ جب جملہ شرطیہ آجائے اور اس میں قسم اور طلب کا معنی نہ ہو تو نون تاکید آجاتا ہے لہذا یہاں پر طلب نہیں ہے۔

خوف اور حزن میں فرق:

تفسیر کبیر اور جلالین میں یہ لکھا ہے کہ خوف ہوتا ہے اپنی ذات کے لئے اور حزن ہوتا ہے دوسروں کے لئے مثال کے طور پر لاتحزن ان اللہ معنا اس لئے کہ ابوبکرؓ کو اپنی ذات کی فکر نہ تھی بلکہ حضور ﷺ کی فکر تھی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ الحزن علی مافات و الخوف علی ما آت۔

قیامت کے دن انبیاء پر بھی ایک قسم کا رعب ہوگا:

اعتراض:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غم ہوگا نہ خوف حالانکہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہ السلام بھی نفسی نفسی اور سلّم سلّم کی آواز لگائیں گے؟

جواب: اس سے مراد رعب ہے کہ انبیاءؑ پر ایک قسم کا رعب ہوگا مثال کے طور پر ایک آدمی نے چوری کر لی جرم اس کا ثابت ہوا گواہ بھی عدالت میں موجود ہیں اب اس کو ڈر ہے کہ سزا ہوگی اور ایک شخص وہ ہے جس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ اس پر ویسے ہی عدالت کا رعب ہے بالکل اسی طرح انبیاءؑ پر بھی رعب ہوگا، خوف نہیں ہوگا۔

۴۰۔ ﴿ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴾

ربط: بیان القرآن، ابوالسعود، تفسیر کبیر، سبق الغایات فی نسق الآیات میں یہ لکھا ہے کہ پہلے نعمت عام کا ذکر مخلوق عامہ پر تھا، اب نعمت خاصہ کا ذکر مخلوق خاصہ پر ہے۔

اسرائیل، یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور یعقوبؑ کا لقب ہے اسرا کے معنی عبد کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ تو اسرائیل کا معنی ہوا اللہ کا بندہ تو یعقوب نام اور اسرائیل لقب ہے۔ زمخشری کا خیال اس کے برعکس ہے وہ کہتا ہے کہ اسرائیل نام اور یعقوب لقب ہے آپ کو تراجم میں ملے گا میری نعمتیں یا میری نعمت، کوئی تعارض نہیں کیونکہ نعمت مصدر ہے اس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔

﴿ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ﴾

اوفوا بعهدی سے مراد وہ وعدہ ہے جس کا ذکر سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۲ میں ہے " ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل..... واقرضتم اللہ قرضا حسنا" اور اوف بعهدکم سے مراد وہ عہد ہے جس کا ذکر اسی آیت میں یوں ہے " لاکفرن عنکم سیاتکم..... من تحتها الانهٰر"

﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾

قرآن مصدق ہے، تورات اور انجیل مصدق ہیں اگر تم قرآن کا انکار کرتے ہو تو گویا تم نے تورات وانجیل سے بھی انکار کر دیا کیونکہ مصدِق کا انکار مصدَق کا انکار ہوتا ہے۔

۴۱۔﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴾
اس کا یہ مطلب نہیں کہ کثیر مال لے سکتے ہو بلکہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔
ترمذی شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے هذا حديث حسن صحيح۔

۴۲۔﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾
اگر لاتلبسو باب سمع سے ہو تو معنی پہننا اور اگر ضرب سے ہو تو معنی گڈمڈ کرنا۔
﴿وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾
حق دو طریقوں سے مٹتا ہے (۱) جب حق اور باطل کا اختلاط ہو جائے (۲) جب حق پر پردہ ڈالا جائے۔

بدعت کی قباحت کی وجہ:
اس میں بدعت کی قباحت کو بیان کر دیا ہے بدعت اس وجہ سے قبیح ہے کہ اس سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے اور گناہ کرنے سے دین کا نقشہ تبدیل نہیں ہوتا۔
مجمع الزوائد کی روایت ہے، جس کے تمام راوی صحیح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند فرمایا ہے اس وجہ سے کہ وہ اس بدعت کو دین سمجھتا ہے تو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

۴۳۔﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾
اس آیت سے علماء نے فرضیت جماعت کا اثبات کیا ہے اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔
(۱) جماعت کے ساتھ نماز پڑھو۔
(۲) اعتدال سے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

۴۴۔﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾
بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے جو اپنے رشتہ داروں سے کہتے تھے کہ ایمان لے آؤ حضور ﷺ حق پر ہیں لیکن خود ایمان نہ لاتے تھے جب ان سے ایمان نہ لانے کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ تمہارا کام تو ویسے چل جاتا ہے ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہمارا کام تو ان شکرانوں اور وظائف پر ہے اس لئے ہم ایمان نہیں لاتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۵۔﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾

استعانت کے مسئلے پر اہل بدعت کا اعتراض اور اس کا جواب:
انہوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ"۔ اور صبر و صلوٰۃ نہیں ہے مگر غیر اللہ؟
جواب: صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ باء سبب کے لئے ہے یعنی صبر اور نماز کے سبب اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں واللّٰه هو المستعان۔

۴۵۔﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾
(۱) تفسیر کبیر، بیضاوی، کشاف اور کمالین وغیرہ میں ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع صلوٰۃ ہے اس لئے کہ صلوٰۃ اہم اور مقصود بالذات ہے۔

(۲) دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع استعانت ہے جو استعینو افعل کے ضمن میں ہے کیونکہ ہر فعل کے ضمن میں مصدر ہوتا ہے اور مصدر مذکر و مؤنث ہو سکتا ہے۔

(۳) تیسری تفسیر یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع امور مذکورہ ہیں۔

۴۶۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

قاموس اور مختار الصحاح میں ہے کہ ظن کا لفظ اسماء اضداد میں سے ہے یظنون کے معنیٰ "یقین کرتے ہیں" کفار کے لئے مجہول کے صیغے قرآن پاک میں استعمال ہیں اس لئے کہ وہ حیاۃ بعد المماۃ کا عقیدہ نہیں رکھتے، مثلاً "ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" اور مسلمانوں کے لئے معروف کے صیغے استعمال ہیں کیونکہ ان کا حیاۃ بعد المماۃ کا عقیدہ ہے مثلاً انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۴۷۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط:۔ پہلے بنی اسرائیل پر نعمتوں کا اجمالی ذکر تھا اب تفصیلی ذکر ہے۔

فضلتکم علی العٰلمین میں عالمین سے کیا مراد ہے؟

تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، مظہری وغیرہ میں ہے کہ اگر جزوی فضیلت ہے تو یہ امت اور تمام امتیں اس میں (عالمین میں) شامل ہیں اور اگر فضیلت سے کلی فضیلت مراد ہو تو عالمین سے اس وقت کے تمام لوگ مراد ہوں گے۔

۴۸۔ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝﴾

گرفتار آدمی کے چھڑانے کے چار طریقے ہوتے ہیں:

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ جب آدمی گرفتار ہو تو اس کے چھڑانے کے چار طریقے ہوتے ہیں۔

(۱) کوئی اس کا ضامن بن جائے یعنی ضمانت کے طور پر رہا ہو۔

(۲) سفارش کے طور پر رہا ہو۔

(۳) جرمانہ دے کر رہا کیا جائے۔

(۴) دوست کو حملہ کر کے چھڑا لیا جائے۔

یہاں کفار کے لئے چاروں طریقوں کی نفی فرمائی پہلے طریقے کی نفی "لاتجزی نفس عن نفس شیئا" سے فرمائی کہ کوئی ضامن وکفیل نہ ہوگا، دوسرے طریقے کی "لا یقبل منھا شفاعۃ" سے نفی کی کہ سفارش نہ ہوگی۔ تیسرے طریقے کی نفی "ولا یؤخذ منھا عدل" سے فرمائی کہ جرمانہ نہیں لیا جائے گا اور چوتھے طریقے کی نفی "ولاھم ینصرون" سے فرمائی کہ ان کی مدد نہیں کی جائے گی ان کے چھڑانے میں۔

سوال: پہلے نفس کا ذکر ہے جو مفرد مؤنث نکرہ ہے اور بعد میں وھم لا ینصرون جمع کی ضمیر راجع کرتے ہیں؟

جواب: نفس نکرہ ہے اور نکرہ جب سیاق نفی میں واقع ہو جائے تو اس میں تعمیم پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس عموم کی وجہ سے [illegible] گئے جمع کا صیغہ [illegible] لائے۔

۴۹۔ ﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾

نجيناكم اى آباء كم۔

حضرت موسیٰ کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا:

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب تھا جیسا کہ ایران کا کسریٰ، شام کا قیل، یمن کا تبع، روم کا قیصر۔ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ریان بن ولید تھا وہ ایمان لے آیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا جو ایمان نہیں لایا۔

﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾

اکثر مفسرین اس کا معنی کرتے ہیں يذيقونكم۔ ابوسعود معنی کرتے ہیں يؤلونكم اى يعطونكم.

﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ﴾

فرعون کو کیسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا اس کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا؟

یہاں تین تفسیریں ہیں۔

(۱) کسی نجومی نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔

(۲) فرعون نے خواب دیکھا۔

(۳) البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ پیشن گوئی کی تھی۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے لکھا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ۱۲ ہزار بچے قتل کیے نوے ہزار عورتوں کے حمل ساقط کروائے۔ صاحب شمس المعارف نے کہا کہ ستر ہزار بچے قتل کیے۔

﴿ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ﴾

اگر يستحيون کے مجرد کا مادہ الحیاۃ بفتح الحاء ہے تو اس کا معنی ہے زندہ چھوڑنا اور اگر بکسر الحاء ہے تو اس کا معنی عورتوں کی شرمگاہ کی تلاشی لینا۔

﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾

بلاء کا معنیٰ انعام بھی اور امتحان بھی:

بلاء کا معنی انعام بھی ہے اور امتحان بھی اگر ذٰلكم کا مشار الیہ نجينكم ہو تو بلاء کا معنی انعام ہوگا کہ ہم نے تم کو نجات دی یہ بہت بڑا انعام ہے

اور اگر ذٰلكم کا مشار الیہ عذاب ہو تو معنی امتحان ہوگا کہ تم کو عذاب دیا اس میں بڑا امتحان ہے تمہارے رب کی طرف سے۔

۵۱۔ ﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾

اصل میں تیس (۳۰) راتوں کا وعدہ تھا فاتممنٰها بعشر کہ تیس راتوں کے ساتھ دس اور ملائیں تو چالیس ہو گئیں روزانہ تورات کی ایک ایک تختی ملتی تھی۔ تیس راتوں کا وعدہ تھا جب تیس راتیں پوری ہو گئیں تو رب تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کی اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کی تھی جس سے منہ کی بدبو ختم ہو گئی تھی کیونکہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک سے زیادہ محبوب ہے تو اس بدبو کے جانے پر دس راتیں اور ملا دیں تو

چالیس ہوگئیں۔

۵۴۔﴿ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾

اتخذتم کا مفعول ثانی محذوف ہے ای العجل الٰھا من بعدہ ای من بعد ذھاب موسٰی۔

فاقتلوا انفسکم اس سے مراد خود کشی نہیں:

﴿ فَاقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ ﴾ اس سے مراد خود کشی نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی وہ اس کو قتل کرے جس نے بچھڑے کی عبادت کی ہو۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ ﴾ اس کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱) جب بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی تو ندامت کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجے کہ جا کر اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے معذرت کردتا کہ وہ ہماری غلطی معاف کردے۔

(۲) دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکام پڑھ کر سنائے تو انہوں نے کہا کہ یہ بہت مشکل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے آزاد زندگی گزاری ہے چند دن عمل کرو تو یہ آسان ہو جائیں گے کیونکہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب ملی تھی۔ فرعون کی موجودگی میں عمل نہیں ہوسکتا تھا۔ تو ان کی قوم نے کہا کہ رَب تعالیٰ سے درخواست کرو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے بھیجا۔ جب انہوں نے رَب تعالیٰ کا کلام سُنا تو کہنے لگے کہ "لَن نؤمن لک حتّٰی نری الله جهرة"

تو بجلی نے آ کر سب کو ہلاک کردیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی " اتهلكنا بما فعل السفهاء منّا"

بہر حال ان کو دوبارہ زندہ فرمادیا۔ جب قوم کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ رَب تعالیٰ نے فرمایا کہ جو احکام آسان لگیں ان پر عمل کرو اور جو مشکل لگیں ان کو چھوڑ دو۔

۵۷۔﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک میدان تھا جو وادی تیہ کے نام سے موسوم تھا۔ آج کل وہ وادی سینا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ میدان چھتیس (۳۶) میل لمبا، چوبیس (۲۴) میل چوڑا تھا، چالیس سال تک اس میں رہے۔ یہاں سے نکلنا حرام تھا جب سورج طلوع ہوتا تو بادل چھا جاتے "من" ترنجبین "سلوٰی" بٹیر۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ بٹیر بھونے ہوئے آتے تھے۔

دوسری یہ کہ زندہ بٹیر قریب ہی کثیر تعداد میں آتے اور ہاتھوں سے ان کو پکڑتے اور ترنجبین برف کی طرح درختوں وغیرہ پر رات کے وقت گرتی، جس طرح کہ رات کو شبنم برستی ہے۔

۵۸۔﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا﴾

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے زمانے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے میں۔

هذه القرية سے کونسی بستی مراد ہے؟

عمدۃ القاری اور فتح الباری وغیرہ میں ہے کہ ھذہ القریۃ سے مراد بیت المقدس ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صھیون بروزن برذون ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے اریحا مراد ہے جو بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ نووی شارح مسلم اور قاموس میں ہے صھیون سطح سمندر سے ۵۰۰۰ فٹ بلند تھا۔

﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ سجدًا ای ساجدین۔ساجد کی جمع ہے۔
﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ ای مسئلتنا حطة۔ لیکن انہوں نے بجائے حطۃ کے حطۃ یا حبۃ کہا ای حبة فی شعیرة۔
۵۸۔﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾
اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ سین جب مضارع پر داخل ہوتو استقبال قریب کے لئے ہوتی ہے اور سوف ہوتو بعید کے لئے لیکن صاحب کشاف کہتے ہیں کہ سین مضارع پر داخل ہوکر تاکید کا معنی دیتی ہے۔
تفسیر مدارک نے لکھا ہے کہ اریحا مقام پر طاعون کی وجہ سے 40 ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور جلالین میں 70 ہزار آدمی لکھے ہیں۔
۶۰۔﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ٥﴾
ربط:۔اسی وادی تیہ کا ذکر ہے۔بادل کا ذکر آپ نے پہلے پڑھا۔ اب یہاں پانی کا ذکر ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر کو لاٹھی سے مارا وہ کونسا پتھر تھا؟
حضرت موسیٰؑ نے جس پتھر کو لاٹھی سے مارا بعض لوگ کہتے ہیں کہ عام پتھر تھا
لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ وہ خاص پتھر تھا جو حضرت موسیٰؑ کے کپڑے بھگا کر لے گیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اس پتھر کو ساتھ لے جاؤ کام آئے گا۔
اس پتھر کے بارہ کونے تھے اس سے بارہ چشمے نکلے،فانفجرت یہ جزاء ہے شرط محذوف ہے ای اذا ضربت۔
﴿وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾
عثیان کا معنی ہے فساد کے لئے پھرنا،آگے ربّ تعالیٰ نے مفسدوں کا لفظ خود ذکر فرمادیا تو اب عثیان میں تجرید کریں گے کہ عثیان سے فساد کا معنی سلب کرلیں گے۔تجرید کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ان میں سے ایک مراد لیا جائے جیسا کہ اَسْرٰی میں تجرید ہے۔یخرج یہ جواب امر ہے اس لئے مجزوم ہے امر ما قبل میں ہے فادعُ۔

بقل کے معنی سبزی، قثاء کے معنی ترہ یا کھیرا، فوم کے معنی گندم یا تھوم،لہسن،
عدس مسور کی دال، بصل کے معنی پیاز۔

۶۱۔﴿اهْبِطُوْا مِصْرًا﴾
اهبطوا مصرا میں مصر سے مراد کونسا شہر ہے؟
مصر سے مراد یا تو عام شہر ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس سے وادی سینا مراد ہے۔اور بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مصر ہی مراد ہے یعنی مصر معہود جس میں فرعون تھا۔
اعتراض:
اگر کوئی اعتراض کرے کہ مصر کو غیر منصرف پڑھنا چاہیے علیت اور عجمہ کی وجہ سے؟
جواب:یہ ساکن الاوسط تین حرفوں والا ہے تو اس میں دونوں وجہیں (منصرف ، غیر منصرف) جائز ہیں۔

ذلت اور مسکنت میں فرق:
ذلت وہ ہے کہ دوسروں کی نظروں میں آدمی حقیر سمجھا جائے۔ اور مسکنت وہ ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو گھٹیا اور حقیر سمجھے۔
﴿وَبَآءُ وْ﴾
سوال: یہ جمع کا صیغہ ہے اسکے باوجود اس کے آخر میں الف نہیں ہے۔
جواب: مصحف میں ایسا ہے اور قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے۔
﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ﴾
بنی اسرائیل نے ایک سوستر (۱۷۰) انبیاء قتل کئے۔
شرعاً قتل تین طرح کا ہوسکتا ہے:
(۱) مرتد کا قتل کہ جب آدمی دین اسلام کو چھوڑ کر اور دین اختیار کرے تو اس کی سزا شریعت میں قتل ہے۔
(۲) محصن (شادی شدہ) جب زنا کرے اور خود اقرار کرے یا اس پر چار گواہ قائم ہوجائیں تو اس کی سزا قتل ہے۔
(۳) قصاص میں کسی کو قتل کرنا اور انبیاء کا قتل ان تینوں صورتوں میں سے کسی وجہ سے نہیں تھا۔ ان کو ناحق قتل کرتے تھے۔
اعتراض:
ارتداد کی وجہ سے قتل اکراہ فی الدین نہیں ہے:
ارتداد کی وجہ سے قتل تو اکراہ فی الدین ہے اور دین میں اکراہ نہیں ہے؟
جواب: مرتد کا قتل نقض عہد کی بناء پر ہے کہ اس نے ایک مرتبہ دین حق کو قبول کرلیا اور بعد میں اس عہد کو توڑ دیا۔
۶۲۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○﴾
ربط:۔ تفسیر کبیر، ابوسعود اور سبق الغایات میں ہے کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو شہید کیا اور ایسے کارنامے کئے تو اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید ان پر مغفرت کا دروازہ بند ہوگیا ہے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے تو یہاں سے اس کا دفعیہ ہے کہ نہیں بلکہ اب بھی ان کے لئے ایمان اور مغفرت کا دروازہ کھلا ہے۔
اعتراض:
پہلے فرمایا کہ الذین امنوا وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں پھر آگے فرمایا من امن کہ ان میں سے جو ایمان لے آئے گا۔ تو ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد دوبارہ ایمان لانا یہ تو تحصیل الحاصل ہے جو کہ باطل ہے؟
جواب: (۱) اِنَّ الذین امنوا بالانبیاء من قبلک کہ جنہوں نے انبیاء سابقین پر ایمان لایا ہوا اور پھر من امن سے مراد وہ ہیں جو آپ کے زمانے میں آپ پر ایمان لائے یا لائیں گے۔
(۲) پہلے امنوا سے مراد ہے الذین اظهروا الایمان بالسنتهم۔ یعنی جنہوں نے ایمان کو صرف زبانوں سے ظاہر کیا تھا اور دوسرے من امن سے مراد دل سے ایمان لانا ہے ای ثم امنوا بقلوبهم
یہود کی وجہ تسمیہ:

(۱) صاحب تفسیر خازن نے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا ایک بیٹا یہودا تھا۔اس کی اولاد اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہودی مشہور ہوئی۔
(۲) ان کے بڑوں نے جب غلطی کی تو کہا انّا ھدنا الیک۔
(۳) یہود کے معنی جھومنا ھود بمعنی تحرک یعنی جب تورات پڑھتے تو جھومتے تھے۔
نصرانی میں یاء مبالغہ کیلئے ہے جیسے رجلُ نصران و امرأة نصرانة نصاریٰ جمع نصران کی ہے۔
نصاریٰ کی وجہ تسمیہ:
(۱) عیسیٰ علیہ السلام کوانہوں نے کہا تھا نحن انصار اللّٰہ۔
(۲) وہ محلّہ جہاں عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔
صابئین روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ لوگ داؤد علیہ السلام اور زبور کو مانتے تھے، نماز، روزہ رکھتے تھے، آسمانی نبوت کے قائل تھے لیکن ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔
لعلکم تتقون : ای تتقون المعاصی مفعول محذوف ہے۔
﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾
مودودی کہتا ہے کہ طور کو حق تعالیٰ نے اُٹھایا نہیں بلکہ فرمایا کہ طور کتنا بلند ہے ہوسکتا ہے کہ تم پر گرے انہوں نے سمجھا کہ ہمارے اوپر گر جائے گا لیکن گرا نہیں۔لیکن مودودی کا یہ مطلب غلط ہے کیونکہ قرآن خود کہتا ہے "واذنتقنا الجبل فوقھم کانهُ ظلة"
۶۵۔﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ﴾
حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں جو لوگ خنزیر اور بندر بنائے گئے تھے ان کی نسل آگے نہیں چلی تھی:
یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا۔حضرت داؤد علیہ السلام بحر قلزم کے کنارے پر تھے۔ ان لوگوں کے لئے ہفتہ کے دن بشمولیت رات شکار کرنا منع تھا۔قمری مہینے کی تاریخ غروب آفتاب سے شروع ہو جاتی ہے تو انہوں نے نافرمانی کی۔حق تعالیٰ نے ان کے بوڑھوں کو خنزیر اور نوجوانوں کو بندر بنادیا اور نص قطعی سے اس کی تائید ہے کہ ان کی نسل آگے نہیں چلی بلکہ تین دن کے بعد ہلاک ہوئے فجعلنٰھا میں ھا ضمیر عقوبت کی طرف راجع ہے ای عقوبتھا یہ جلالین نے ذکر کیا ہے۔
﴿بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾
تفسیر ابن جریر طبریؒ، ابوسعودؒ، مدارک نے لکھا ہے کہ یہ ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی۔معنی ہوگا کہ ہم نے اس عقوبت کو عبرت بنایا اس سے آگے اور اس سے پیچھے والوں کے لئے۔
سوال: جو لوگ پیچھے آنے والے ہیں ان کے لئے عبرت ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن جو لوگ آگے گزر گئے ہیں۔ان کے لئے عبرت کیسے ہے؟
جواب: اس کو یوں سمجھو کہ دجال ابھی تو آیا نہیں لیکن ہم مانتے ہیں کہ آئے گا۔اس طرح سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوا لیکن ہم مانتے ہیں۔اسی طرح ان اگلے گزرے ہوئے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ بعد میں آنے والوں کو بندر بنایا جائے گا ان کی نافرمانی کی وجہ سے (واللہ علم)۔

نیز ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ بین یدیھا سے اس وقت کے موجودہ لوگ یعنی آس پاس کی بستیاں مراد ہیں اور ما خلفھا سے ان کے بعد آنے والے لوگ مراد ہیں اور حافظ ابن کثیر نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

۶۷۔﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا ﴾

لطیفہ:

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی کتاب میں یہ لطیفہ لکھا ہے کہ ایک ہندو اور مسلمان میں جھگڑا ہوا۔ ہندو نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہندو ہے (نعوذ باللہ) مسلمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان ہے۔

ہندو نے مسلمان سے کہا کہ اپنی کتاب سے ثابت کرو مسلمان نے کہا کہ ہمارے رَب نے فرمایا ہے'' انّ اللّٰہ یامرکم انْ تذبحوا بقرۃ ''معلوم ہوا کہ مسلمان ہے اس لئے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

﴿عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾

بین کا لفظ مضاف ہوتا ہے۔متعدد کی طرف۔ ذالک کا مشارالیہ دو چیزیں ہیں کہ نہ عمر میں بڑی ہو اور نہ چھوٹی

﴿تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ﴾

تسرّ کے ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں (۱) بقرۃ اس کا مرجع ہے (۲) لون اس کا مرجع ہے۔

سوال: لون کی طرف ضمیر تسُرّ کیسے راجع ہو سکتی ہے حالانکہ لون تو مذکر ہے؟

جواب: لون اگرچہ مذکر ہے لیکن اس کی اضافت ھا کی طرف ہے تو اس نے ھا ضمیر مؤنث سے اکتساب تانیث کیا تو تسُرّ کی ضمیر کا لون کی طرف لوٹنا درست ہوا۔ جیسے حسنت جمیع خصالہ میں لفظ جمیع نے اکتساب تانیث کیا ہے۔

﴿ذلول﴾

بروزن عروس۔ فعول کا وزن ہے اور یہ صفت مشبہ ہے۔ اس میں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ بقرۃ سے بیل مراد لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عموماً کھیتی باڑی بیل سے کی جاتی ہے نہ کہ گائے سے اور کنویں سے پانی بیل کے ذریعے نکالا جاتا ہے نہ کہ گائے کے ذریعے سے۔

۷۲۔﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ﴾

ربط واضح ہے کہ ایک آدمی کو قتل کر دیا حکم ہوا کہ گائے کو ذبح کرو تو یہ ماقبل کے لئے تتمہ ہے۔ الگ اس لئے ذکر کر دیا کہ ان کی برائی الگ الگ ذکر ہو جائے کہ گائے کی ذبح میں ٹال مٹول کرنا ایک گناہ ہے اور آدمی کو قتل کرنا دوسرا گناہ ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ جس آدمی کو قتل کیا تھا اس کا نام عامیل تھا، بڑا مالدار تھا لیکن تھا بخیل۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ بخل کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔

﴿فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ﴾

ای لاجل نفسھا (كَذٰلِكَ) ای كذالک الاحیاء من بعد ذالک المذکور.

﴿ اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ﴾

اضر بوہ ای النفس باعتبار شخص کے ببعضھا ای بلسانھا کہ اس کی لسان (زبان) سے اس کو مارو

اور بعض نے کہا کہ بعض سے مراد قلب ہے ای بقلبھا
اور بعض نے کہا کہ اس کے کبد یعنی جگر کے ساتھ مارو۔
اور بعض نے کہا کہ بعض سے دُم مراد ہے کہ گائے کی دم کے ساتھ اس کو مارو۔

۷۵۔﴿أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ﴾

ربط:- پہلے بنی اسرائیل کے جرائم کا بیان تھا اب مومنوں سے خطاب ہے کہ ان سے ایمان کی توقع نہ رکھو۔ ان یومنوا لکم ای ان یصدقوکم۔

۷۵۔﴿ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو تورات ملی تو انہوں نے اس میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کرنا شروع کی۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ کوہ طور پر جو ستر آدمی گئے تھے تورات لینے کے لئے رَب تعالیٰ نے ان سے فرمادیا تھا کہ تم اس پر عمل کرو اگر بمقتضائے بشریت کے کچھ کوتاہی ہوجائے تو میں بخش دوں گا۔ انہوں نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم نے عمل نہ بھی کیا تو پھر بھی میں تم کو بخش دوں گا تو یہاں تحریف سے یہ تحریف مراد ہے۔

﴿فَوَيْلٌ﴾

ویل نکرہ یہاں مبتدا واقع ہے۔ مغنی اللبیب میں ہے کہ دس جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں نکرہ مبتدا بن سکتا ہے۔
مثال کے طور پر (۱) جہاں دعا بالخیر ہو یا بالشر۔
(۲) کوئی چیز انوکھی ہو مثلاً ذئب یتکلم وغیرہ۔

۷۹۔﴿لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ﴾

یہود کی کتابوں میں تحریف لفظی بھی تھی معنوی بھی:
یہود کی کتابوں میں تحریف لفظی بھی تھی یا صرف معنوی۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ صرف تحریف معنوی تھی لفظی نہ تھی اس کے قائل حضرت ابن عباسؓ اور امام بخاریؒ وغیرہما ہیں۔ امام بخاریؒ نے تو اس پر مستقل باب قائم کیا ہے۔
جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے۔ والحق ھذا المذھب۔
علامہ آلوسیؒ نے تیسرے پارے میں اس پر خوب بحث کی ہے۔

﴿وَوَيْلٌ لَّهُمْ﴾

ویل کے معنی بربادی اور ہلاکت کے آتے ہیں اور ویل جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے جس میں کافروں کو ڈالا جائے گا۔

۸۰۔﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾

اس کی دو تفسیریں ہیں (۱) تفسیر کبیر، بیضاوی میں لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم چالیس دن تک دوزخ میں رہیں گے وجہ یہ ہے کہ ہمارے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی عبادت کی تھی لیکن قرآن نے اس کی نفی کی ہے "لاتزر وازرة وزر اُخریٰ"
(۲) وہ کہتے تھے کہ ہم سات دن دوزخ میں رہیں گے بقول ان کے دنیا کی زندگی سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال

کے بدلے میں ایک دن جہنم میں رہیں گے۔

۸۳۔﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ﴾

ربط:۔ پہلے بنی اسرائیل کی خرابیوں اور کجرویوں کا ذکر تھا۔ آگے بھی انہی کا ذکر ہے۔ یہاں ان کی نافرمانی، نقص عہد کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے حق تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا۔

لاتعبدون ، بیضاوی، مدارک اور ابو سعود میں ہے کہ یہاں خبر بمعنی انشاء کے ہے یعنی نفی بمعنی نہی کے۔اس پر قرینہ آگے امر کے صیغے ہیں۔ اقیموا، اتوا،

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ نہی کو خبر کے معنی میں لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں حکم دیا پھر گویا تم نے اس حکم کی تعمیل کی اور اب ہم اس کی خبر دے رہے ہیں۔

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

احساناً یہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کے لئے ای اَحسنوا احسانا۔

اگر والدین ترک فرائض کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں ایک فقہی ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر والدین ترک فرائض کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو کیونکہ **لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق** اور اگر ترک سنت کا حکم دے دیں تو کبھی مان لو۔ مثلاً ترک جماعت کا حکم دیں اور اگر ترک مستحب کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کو مقدم سمجھو اور مستحب کام کو چھوڑ دو۔

﴿ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾

فقیر اور مسکین میں فرق:

فقیر من لایملک قوتاً جو ایک دن کی روزی کا مالک نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔ علامہ آلوسیؒ نے ساتویں پارہ میں قسم کا کفارہ ذکر کرتے ہوئے مسکین کا ذکر کیا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور آج کل کے روپیوں کے اعتبار سے نصاب کی مقدار ساڑھے پینتیس سو روپے بنتے ہیں۔ (حضرت شیخ نے یہ اپنے وقت کے اعتبار سے فرمایا)

﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ ای قولا حسنا

وانتم معرضون اس سے موجودہ بنی اسرائیل مراد ہیں۔

۸۴ ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾

بنی اسرائیل سے تین چیزوں کا خصوصیت سے عہد لیا گیا تھا:

بنی اسرائیل سے تین چیزوں کا خصوصیت سے عہد لیا گیا تھا۔

(۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔

(۲) طاقتور کمزور کو گھر سے نہ نکالے۔

(۳) اگر تمہارا کوئی آدمی قیدی بن جائے تو اس کو فدیہ دے کر چھڑاؤ۔ انہوں نے تیسری بات پر خصوصیت سے عمل

کیا لیکن پہلی اور دوسری بات کو بالکل ترک کر دیا۔
لا تسفکون خبر بمعنی نہی کے ہے۔
۸۵﴿ثُمَّ أَنتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقاً مِّنكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ﴾
مدینہ منورہ میں مشرکین اور یہود کے قبائل:
مدینہ منورہ میں مشرکین کے دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ اسی طرح یہود کے تین قبیلے تھے۔
(۱) بنو قینقاع (۲) بنو نضیر (۳) بنو قریظہ۔
ان میں سے بنو قریظہ کا اوس کے ساتھ تعلق تھا اور بنو نضیر کا خزرج کے ساتھ تعلق تھا۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی میں مدد کرتے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑا لیتے۔ بنو قینقاع کا کسی کے ساتھ تعلق نہ تھا۔
تظاھرون اصل میں تتظاھرون تھا۔ باب تفاعل اور تفعل کا ایک خاصہ یہ ہے کہ دو تاء میں سے ایک کو مضارع میں حذف کر دیتے ہیں۔
﴿بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾
اثم اور عدوان میں فرق:
اللہ تعالیٰ کے حق کو توڑنا اثم (گناہ) ہے اور بندے کے حق کو توڑنا عدوان ہے۔
تفسیر کشاف، ابو سعود اور جلالین نے یوں لکھا ہے۔ کہ وھو محرم علیکم میں ھو ضمیر شان ہے فما جزاء میں ما استفہامیہ انکار کے لئے ہے۔
۸۷۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ٥﴾
ربط:۔ پہلے رکوع میں بنی اسرائیل کی خامیوں کا ذکر تھا یہ نافرمانیاں مختلف طور پر تھیں۔
سوال: اب سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا، کتاب نہیں آئی تھی یا انہوں نے جہالت کی وجہ سے یہ کام کئے۔
جواب: اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ نہیں ہم نے بہت سے انبیاء ان کے پاس بھیجے لیکن انہوں نے کسی کی بات نہ مانی۔
﴿وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ﴾
قـفـا سے مراد ہے گردن کی گُدی مطلب یہ کہ ایک دوسرے کے پیچھے انبیاء آئے یعنی ایسے آئے کہ ایک دوسرے کی گدی دیکھ رہے تھے مراد تتابع ہے پے درپے آنا۔
عیسیٰؑ کی نسبت مریم کی طرف کرنے میں نکتہ:
﴿عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾
عیسیٰؑ کی نسبت مریم کی طرف کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ عیسیٰؑ کا اگر باپ ہوتا تو اس کی طرف نسبت ہوتی۔
عیسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اصل میں عیشو تھا۔ جس کا معنی ہیں سیّد، سردار،

امام بخاریؒ نے مریم کا معنی کتاب التفسیر میں کیا ہے عابدہ۔عبادت گزار عورت۔
قرآن میں سوائے مریمؑ کے کسی عورت کا نام نہیں آیا ہے:
یاد رہے کہ قرآن میں کسی بی بی کا نام نہیں آیا ہے سوائے مریمؑ کے۔حضرت مریم کا نام تیس مرتبہ آیا ہے۔
باقی کا ذکر امرأة یا زوجه سے فرمایا ہے۔
﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾
نحاۃ کے دو گروپ ہیں۔(۱) بصریین (۲) کوفیین۔
نحاة جمع ناح بمعنی نحوی۔بصریین بفتح الباء اور بکسر الباء جائز ہے۔یہاں ان دونوں میں اختلاف ہے۔
کوفیین کہتے ہیں کہ اضافة الموصوف الى الصفة جائز ہے۔بصریین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔
کوفیین کہتے ہیں کہ یہاں (بروح القدس) میں روح موصوف ہے اور قدس صفت ہے۔اس کی طرف اضافت ہے ، والحق مذهب الكوفيين۔یہاں روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے۔اس وجہ سے حضرت جبرائیلؑ ان کے ساتھ رہتے تا کہ یہودی ان کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔
﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾
تقتلون اصل میں قتلتم تھا۔مضارع کے ساتھ اس کو ذکر کیا کہ گو تم اب بھی قتل کر رہے ہو۔تمہارا قتل اب تک جاری ہے۔
۸۸۔﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾
غلف اغلف کی جمع ہے۔جس کا معنی ایسا بچہ جس کا ختنہ نہ کرایا گیا ہو۔
سيفٌ اغلف ایسی تلوار جو نیام کے اندر ہو۔ان کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری باتیں گرد کی طرح ہیں۔
اس لیے ہم نے اپنے دِلوں کو اس گرد سے غلافوں میں رکھا ہے۔
۸۹۔﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ﴾
اس کی دو تفسیریں ہیں۔
(۱) باب استفعال مجرد کے معنی پر ہے یعنی فتح کے معنی ہوں گے کہ اس سے پہلے کھولتے تھے اور بیان کرتے۔
(۲) جمہور اور اکثر مفسرین نے یوں معنی بیان کیا ہے کہ یہود کافروں (مشرکین) کے ساتھ جب لڑتے تو حضور ﷺ کا نام وسیلے کے طور پر لیتے اور ان کے طفیل فتح کی دعا کرتے۔

توسل کے اقسام اور ہر ایک کا حکم:

توسل کے الفاظ یہ ہیں یا اللہ میں حضورؐ کے وسیلے سے یا ابوبکرؓ کے طفیل سے یا امام ابوحنیفہؒ کی حرمت سے یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی برکت سے یا شیخ احمد سرہندیؒ کی جاہ سے۔ان تمام کا مفہوم ایک ہے۔
تسکین الصدور میں تفصیل سے مذکور ہے۔

اقسام توسل:

توسل کی کئی قسمیں ہیں۔(۱) ایک خالص شرک (۲) ایک قسم مکروہ (۳) ایک قسم جائز۔

(۱) شرک یہ ہے کہ کوئی کہے کہ یا اللہ میرا یہ کام کر حضورؐ کے وسیلے سے اور آپؐ کی طفیل سے اور یہ سمجھتا ہو کہ حضورؐ عالم الغیب ہیں یہ خالص شرک ہے۔ فتاوٰی بزازیہ اور گلدستہ توحید میں منقول ہے۔

(۲) لفظ اگر وسیلے اور طفیل کا لے لیتا ہے لیکن مراد کی تعیین نہیں کرتا یعنی عالم الغیب یا حاضر ناظر ہونے کی۔ تو یہ مکروہ ہے۔

(۳) آپ ﷺ کو حاضر ناظر، مختار کل، عالم الغیب تو نہیں سمجھتا اور یہ کہتا ہے کہ میرا آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔ مجھے آپ ﷺ سے محبت ہے تو وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔

توسل اور حافظ ابن تیمیہؒ:

حافظ ابن تیمیہؒ نے **القاعدة الجليلة في مسئلة الوسيلة** میں وسیلہ کے ناجائز ہونے پر زور دیا ہے لیکن آخر میں فرمایا ہے کہ اگر وسیلہ **بايمانه وبحبه النبي** ﷺ ہو تو یہ جائز ہے۔ یعنی جو صورت ہم نے ذکر کی ہے۔ **تقوية الايمان** میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے وسیلہ پر بحث کی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے فتاوٰی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ اگر یہ کہہ دیں کہ یا اللہ آپ مجھے دے دیں حضورؐ کے وسیلے سے تو یہ درست ہے۔

یاد رہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سختی سے اس بات کا انکار فرماتے تھے کہ **تقوية الايمان** حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف ہے۔

۹۰۔﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ﴾

اشتروا یہ اضداد میں سے ہے اس کا معنی ہے خریدنا یا فروخت کرنا۔

۹۱۔﴿ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾

یہود کہتے تھے کہ ہم پر جو وحی نازل کی گئی ہے اس کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے علاوہ جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے اس کو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے الزامی اور تحقیقی جواب دیئے ہیں۔

الزامی جوابات کئی ہیں اور تحقیقی جواب ایک ہے وہ یہ ہے کہ تم قرآن پاک کا انکار کرتے ہو جو کہ ان کتب سابقہ کے لئے مصدق ہے تو جب تم نے مصدِق کا انکار کیا تو اس سے مصدَق کا انکار لازم آیا۔

الزامی جوابات:

(۱) اچھا اگر تم کہتے ہو کہ ہمیں **بما انزل علينا** پر ایمان ہے تو تم انبیاء کو کیوں قتل کرتے ہو۔

(۲) تمہارے پاس حضرت موسیٰؑ واضح دلائل لے آئے پھر بھی تم نے بچھڑے کی عبادت شروع کی کیا یہ **بما انزل علينا** پر ایمان ہے۔

(۳) جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور ہم نے کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھایا اور ہم نے کہا کہ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی ہے۔ اس کے بعد تم نے نقض عہد کر لیا، کیا یہ ایمان ہے؟

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے مطلب کی بات مانی اور باقی چھوڑ دی۔

یہود موت سے ڈرتے ہیں جب کہ مسلمان موت کو محبوب رکھتے ہیں اس پر چند واقعات:

۹۳۔﴿وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ . قُلْ

إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ
○وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا ﴾

اس کے تحت روح المعانی، بیضاوی، البحر المحیط، خازن میں چند واقعات اختصاراً نقل کئے ہیں۔

(۱) حضرت حذیفہؓ ایک مرتبہ غزوہ میں زخمی ہوئے خوشی کی وجہ سے نعرے لگائے کسی نے پوچھا تم تو زخمی ہوئے ہو خوشی کے نعرے کیوں لگاتے ہو فرمایا کہ الآ ن نلاقی محمدًا و حزبه'۔

(۲) حضرت علیؓ جنگ صفین میں بغیر زرہ پہنے ہوئے میدان میں آئے۔ صاحبزادے حضرت حسنؓ نے عرض کیا کہ ابا جان! تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ میدان میں بغیر زرہ کے گئے ہیں۔ فرمایا ''ان اباک واللّٰه ما یبالی وقع علی الموت او وقع علیه''

(۳) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایران کے پہلوان جرنیل رستم نے حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ رستم نے کہا کہ بھیڑ بکریوں کے چرانے والو! اپنے آپ پر ترس کھاؤ۔ میرے پاس اتنی فوج ہے کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جواباً لکھا انّا قوم یحبون الموت کما یحب الفرس الخمر.

﴿لَوْ يُعَمَّرُ﴾

لو مصدریہ ہے بمعنی اَن (کشاف) بمزحزحہٖ کے لئے نائب فاعل اَنْ یعمّر ہے۔

۹۷۔ ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾

ربط: بنی اسرائیل کی کجرویوں اور نافرمانیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ ایک موقع پر بیت المدارس یہودیوں کے مدرسے میں تھے۔ اس وقت عبداللہ بن سلام مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر وحی اترتی ہے انہوں نے پوچھا کون وحی لاتا ہے؟ فرمایا کہ جبرائیل۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل وحی لے کر آتا تو ہم اس کو مان لیتے۔

وہ فرشتے جن کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں:

قرآن پاک میں چھ فرشتوں کے نام مذکور ہیں۔ چار تو یہاں مذکور ہیں۔ (۱) جبرائیل (۲) میکائیل (۳) ہاروت (۴) ماروت۔ (۵) پانچواں رعد ہے۔ سورۃ رعد میں اس کا ذکر ہے اور (۶) چھٹا مالک ہے۔ یٰـمٰلک لیقض علینا ربک۔ یہ جہنم کا انچارج ہے اور جنت کا انچارج رضوان ہے۔

بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ جبرائیل مرکب ہے جبر اور ایل سے جبر کے معنی عبد اور ایل کے معنی اللہ تو معنی عبداللہ ہوا۔ اسی طرح میکا، اسراف، عزرا کے معنی عبد کے اور ایل کے معنی اللہ کے تو تمام کے معنی ہوں گے عبداللہ۔ یہ تمام عبرانی زبان کے لفظ ہیں۔ عزائیل کا نام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتاب العظمة للشیخ اصفہانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۱۰۰۔ ﴿أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○﴾

یہاں سے ان کی اور بدعنوانیوں کا ذکر ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدے لئے انہوں نے ان کو توڑ دیا۔

﴿ کِتَابَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾

(۱) کتاب اللہ سے مراد قرآن ہے (۲) یا اس سے مراد تورات ہے۔

۱۰۲۔﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا الشَّیَاطِیْنُ﴾

بنی اسرائیل کی ایک اور خرابی یہ تھی کہ وہ جادو کیا کرتے تھے اور عوام اس کو کرامت سمجھتی تھی۔

علامہ تاج الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں کرامت کی چوبیس قسمیں بتائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولیٌّ یاکل طعامًا کثیرًا "یہ تقریباً ہم سب میں پائی جاتی ہے۔

﴿ تَتْلُوْا ﴾

اشکال:

تَتْلُوْا یہ واحد مؤنث کا صیغہ ہے آگے الف آیا ہے خلاف قاعدہ حالانکہ واحد کے صیغہ میں الف نہیں آتا۔

جواب: مصحف امام میں یوں لکھا ہے۔ مصحف امام سے مراد قرآن کا وہ نسخہ ہے جو حضرت عثمانؓ نے لکھوایا تھا۔ اسے مسقط کی حکومت نے طبع کرایا ہے۔ ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ تتلوا کے دو معنی آتے ہیں۔ باب کی تبدیلی کی وجہ سے اگر مصدر تلاوۃً آجائے تو معنی پڑھنے اور تلاوت کرنے کے ہیں اور اگر مصدر تِـلـوًا آجائے تو اس کے معنی پیچھے چلنا۔

اسی طرح هجر یهجر هِجرًا مصدر آئے تو معنی ہجرت کرنے اور اگر مصدر هُجرًا آئے تو معنی لغو باتیں کرنا۔

﴿وَمَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ﴾

اس سے مراد ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جادو نہیں کیا۔ تعبیر مـا کفـر اس لیے اختیار فرمائی کہ جادو کرنا کفر ہے۔ جس کی تفصیل اور اقسام تفسیر عزیزی میں موجود ہیں اور یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کرتے تھے جو کہ درحقیقت کفر ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا یعنی جادو نہیں کیا۔

۱۰۲۔﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ﴾

بعض مفسرین مثلاً بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ما نافیہ ہے لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ آگے خود آتا ہے

﴿وَمَا یُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَا﴾

کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ ہے باقی سب اسباب کے درجے میں ہیں۔

ہاروت ماروت کا واقعہ اور محققین کی تردید:

بعض مفسرین نے یہاں پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ھاروت و ماروت دو فرشتوں کو حق تعالیٰ نے انسانی طبیعت دے کر زمین پر بھیجا۔ یہ دونوں دنیا میں آکر ایک زہرہ نامی عورت پر مفتون ہوئے اس سے خواہش پوری کرنی چاہی۔ اس عورت نے کہا کہ شرک کرو تو مجھے منظور ہے انہوں نے اس سے انکار کیا۔ وہ عورت چلی گئی اور پھر واپس آئی کہنے لگی، چلو اس بچے کو قتل کر ڈالو تو تمہاری خواہش پوری کر دوں گی۔ انہوں نے اس سے بھی انکار کیا پھر آئی اور کہنے لگی کہ چلو یہ شراب پی لو تو میں یہ کام تمہارے ساتھ کروں گی۔ انہوں نے اس شراب پینے کو چھوٹا گناہ سمجھ کر شراب پی لی۔ اس سے وہ دونوں بے ہوش ہوئے۔ اسی بے ہوشی میں ان سے زنا بھی کروایا اور اس بچے کو بھی قتل کروایا۔ اس کے بعد وہ عورت

آسمان پر چلی گئی اور زہرہ ستارے کی شکل میں مسخ ہوگئی۔ اس واقعہ کو اور بھی طریقے سے نقل کیا گیا ہے۔
لیکن بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور ان کا من گھڑت قصہ ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے اس واقعہ کی تردید کی ہے کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں، ان سے ایسے افعال سرزد نہیں ہوتے۔ بہر حال اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ اس کے بارے میں اگرچہ کوئی صحیح متصل مرفوع حدیث نہیں ملی لیکن اس واقعہ کی تائید اقوال تابعین سے اور قرآن کے ظاہری الفاظ سے ہوتی ہے (واللہ اعلم) حضرت شیخ اور اکثر ہمارے اساتذہ اس واقعہ کی تردید فرماتے ہیں۔ (مرتب)

۱۰۲۔﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

بیضاوی اور کشاف میں ہے کہ لو اگر شرطیہ ہو تو جزاء محذوف ہوگی ای لو کانوا یعلمون لطلبوا ثوابًا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ لو تمنی کے لئے ہے تو اس صورت میں جزاء کی ضرورت نہیں۔

۱۰۴۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ربط: بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ آگے بھی ان کی ایک خامی کا ذکر ہے۔ صحابہ کرامؓ لفظ راعنا بولتے تھے کہ ہماری رعایت کرو (مراعاۃ سے ہے) یہود اس کو مروڑ کر راعینا پڑھتے یعنی ہمارے چرواہے۔ جیسا کہ یہود سام علیکم کہتے تھے سلام کی جگہ۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سنا کہ ایک یہودی نے آپ پر سلام کیا اور سام علیکم کہا تو حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا علیک السّام واللعنۃ (تم پر موت اور لعنت ہو) آپ نے پوچھا کہ کل تو عائشہؓ بہت غصے ہوگئی تھیں۔ آپؐ نے عرض کیا کہ آپ نے سنا نہیں تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی تو جواب میں کہا وعلیک کہ تم پر بھی ہو یعنی موت۔

لفظ یا رسول اللہ کہنے میں تفصیل:

یا رسول اللہ کا لفظ مطلقاً جائز بھی نہیں اور مطلقاً حرام بھی نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ اگر کوئی شخص شوقیہ طور پر کہے یا رسول اللہ اور اس کا عقیدہ حاضر ناظر کا نہ ہو تو درست ہے جیسا کہ مسلم جلد ثانی صفحہ ۴۱۹ میں ہے کہ آپ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بچیوں اور لونڈیوں نے کہا یا محمد یا رسول اللہ۔ اور اگر کہنے والے کا عقیدہ حاضر ناظر کا ہو تو پھر کہنا شرک ہے اور حرام ہے۔

۱۰۵۔﴿اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ من خیر ای القرآن، الحدیث، والنصرۃ من اللہ۔

حسد اور غبطہ میں فرق:

تفسیر کبیر، روح المعانی، عمدۃ القاری، فتح الباری میں حسد کی مشہور دو شقیں ہیں۔
(۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوبی، مال، حسن جمال دیا دوسرا اپنے قلب میں یہ کہتا ہے کہ یہ مجھے کیوں نہ ملا۔ خدا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نہ رہے خواہ مجھے ملے یا نہ ملے یہ حسد ہے
(۲) اور غبطہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال وغیرہ دیا اور یہ کہے کہ رب تعالیٰ مجھے بھی اس جیسا دے دیں اور اس کے پاس بھی باقی رہے۔ یہ جائز ہے اور حسد جائز نہیں۔

۱۰۶۔﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾

تحویل قبلہ کا حکم اور یہود کی شرارت:

ما بمعنی الذی ۔قبلہ کا حکم جب منسوخ ہوااور تحویل قبلہ کا حکم آیا تو یہود شرارت کے طور پر کہتے کہ تم کہتے ہو کہ قرآن کتاب اللہ ہے حالانکہ اس کتاب کے احکام تو روزانہ تبدیل کرتے ہو کبھی کہتے ہو کہ یہ حرام ہے دوسرے دن کہتے ہو کہ جائز ہے کبھی ایک چیز کو جائز کہتے ہو دوسرے دن اس کو حرام قرار دیتے ہو۔ پہلے کافرہ عورت کے ساتھ نکاح جائز تھا،اب کہتے ہو کہ ناجائز ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ ہوتی تو احکام تبدیل نہ ہوتے۔

یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ جو حکم منسوخ ہوتا ہے وہ غلط فہمی کی بناء پر ہوتا ہے کہ پہلے ایک حکم دیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلط ہے تو اس کو تبدیل کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ سے کیسے غلطی ہو جاتی ہے کہ آج ایک حکم دیا دوسرے دن وہ غلط تو دوسرا حکم دیا۔ کلام اللہ میں ایسی غلطی نہیں ہوسکتی لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ قرآن کتاب اللہ نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نسخ کو مان لیا جائے تو اس سے حق تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے:

سوال: نیز بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نسخ کو مان لیا جائے تو اس سے حق تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے؟

جواب: (۱) اس کا جواب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب انتصار الاسلام میں دیا ہے کہ اگر ہم نسخ مان لیں تو اس سے جہالت لازم نہیں آتی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو تندرست رکھا، کسی کو بیمار بنایا، ایک کو فقیر دوسرے کو امیر بنایا۔ تو تم تکوینی امور میں تغییر کے قائل ہو تو تشریعی امور میں بھی تغییر ہوسکتی ہے اس سے جہالت لازم نہیں آتی۔

(۲) اللہ تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہے اور حکیم مطلق بیمار کے مزاج کے مطابق نسخ (تبدیلی) دوا میں کرسکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح یہاں دوائی کی تبدیلی سے حکیم کی جہالت لازم نہیں آتی، اس طرح اللہ تعالیٰ کی جہالت بھی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ روحانی بیماروں کے لئے نسخہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

﴿أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾

ننسھا کا مجرد مادہ نسیان ہے یا النسیئہ ہے:

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ مامن ایۃ میں ما شرطیہ ہے۔ من ایۃ ما کا بیان ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ننسھا کا مجرد مادہ نسیان ہے۔ جس کا معنی بھلا دینا ہے۔

فتح الباری اور عمدہ القاری میں اس پر خوب بحث ہے۔ حوالے ''اظہار العیب'' میں درج ہیں۔ نسیان کا معنی ہے کسی چیز کا عارضی طور پر ذہن سے نکل جانا۔ پھر ذہن میں آجانا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کا مجرد مادہ النسیئہ ہے، جس کے معنی مؤخر کرنا۔ ننسھا ای نؤخرھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے حکم میں بندوں کے لئے آسانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے حکم تھا کہ ایک کے مقابلے میں دس کافر ہوں تو بھاگنا جائز نہیں بلکہ لڑو گے۔ اس کے بعد حکم آیا کہ ایک کے مقابلے میں دو کافر ہوں تو بھاگنا جائز نہیں۔ تو اس حکم میں زیادہ آسانی اور سہولت ہے۔

ولی اور نصیر میں فرق:

﴿مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

دونوں میں فرق یہ ہے کہ ولی وہ ہے جو زبانی مدد کرے اور نصیر وہ ہے جو عملی طور پر مدد کرے۔ نیز ولی رشتہ دار ہوتا ہے اور نصیر رشتہ دار اور غیر رشتہ دار دونوں ہوسکتا ہے۔

﴿ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ﴾

عفواور صفح میں فرق:

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ العفو ترک عقوبة المذنب اور الصفح ترک تثریبہ۔(گناہ گار کی سزا کوچھوڑ دینا عفواوراس پرملامت کوچھوڑ دینا صفح ہے۔)

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا ﴾

اوپر سے ان کی نافرمانیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

شان نزول: جس وقت یہودیوں کا اور نجران کے عیسائیوں کا آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ ہوا اس وقت یہودیوں نے یہ کہا کہ یہود کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نصاریٰ نے کہا کہ نصاریٰ کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔

۱۱۳۔﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ﴾

ربط: اس کا واضح ہے کہ ماقبل میں یہود اور نصاریٰ اور ان کی غلط کاریوں کا ذکر تھا۔ یہاں بھی ان کی خامیاں بیان فرما رہے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ دونوں کا دین اصل میں حق تھا لیکن دونوں نے ضد کی وجہ سے ایک دوسرے کی مخالفت کرنی شروع کردی اور ضد میں آ کر دونوں اہل کتاب نے اپنی نازل شدہ کتاب کی مخالفت کی اور انکار کیا۔

حق تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا ایک فیصلہ دلیل سے ہوتا ہے، وہ تو دنیا میں ہوا اور ایک فیصلہ عملی ہوتا ہے۔ وہ آخرت میں ہوگا یہود اور نصاریٰ ضد میں آ کر اصل راستہ سے ہٹ گئے اور کافر ہوئے جبکہ مشرکین نے ان دونوں کے دینوں کا انکار کیا اور کہا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تینوں غلطی پر ہیں۔

۱۱۴ .﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ﴾

اس کے دو شان نزول بیان کئے ہیں۔

(۱) مسجد اقصیٰ میں طیطر وس رومی کی فوجیں داخل ہوئیں۔ وہاں کے نمازیوں کو شہید کر دیا۔ اگر یہ آیت مسجد اقصیٰ کے متعلق ہو پھر تو ربط ظاہر ہے کیونکہ اوپر یہود کا ذکر ہے۔

(۲) دوسری شان نزول یہ ہے کہ آپ ۶ ہجری کو پندرہ سو صحابہ کرام کو لے کر عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے رکاوٹ ڈالی اور مکہ میں داخل ہونے نہ دیا۔ اگر شان نزول یہ ہو تو آ گئے "وقال الذین" کا ذکر ہے جس سے مراد مشرکین ہیں۔

۱۱۴۔﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

لھم سے مراد اگر مشرکین ہوں تو بھی صحیح ہے کہ ابوجہل وغیرہ بدر میں ہلاک ہوئے اور بھی کافی ذلتیں اٹھائیں اور اگر اس کا مرجع یہود و نصاریٰ ہوں تو مراد اس سے قتل اور جزیہ ہے۔

قرآن میں "حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون" آتا ہے کہ رسوا ہو کر جزیہ دیں گے اور آخرت میں تو ان کے لئے عذاب ہوگا ہی ہوگا۔

۱۱۵۔﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

ربط: اوپر نسخ کے متعلق ان کا اعتراض تھا۔ اب وہ اعتراض جو قبلے کے بارے میں انہوں نے کیا۔ شان نزول کے

بارے میں دوقسم کی روایات ہیں۔
(۱) مسجد قبا یا بنو سلمہ کی مسجد میں آپ ﷺ ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے۔......
(۲) تفسیر مظہری اور ابوسعود میں ہے کہ جس وقت قبلہ تبدیل ہوا تو یہودیوں نے شوشہ چھوڑا'' ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها ''تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه﴾

علامہ ابوالبرکات نسفی تفسیر مدارک میں لکھتے ہیں۔جس طرف تم اپنے چہروں کو پھیرتے ہو، وہاں اللہ تعالیٰ موجود ہے۔یہ مسئلہ نفلی نماز کے متعلق ہے کہ جنگل میں سواری کا جس طرف منہ ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۱۱۶۔﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَo﴾

یہ کون لوگ ہیں؟ قیل: یهود و نصاریٰ وقیل: مشرکین۔اگر یہود و نصاریٰ ہوں تو وہ کہتے تھے قالت الیهود عزیر ابن اللّٰه و قالت النصارٰی المسیح ابن اللّٰه اگر مشرکین ہوں تو وہ کہتے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔''یجعلون للّٰه البنات'' یہود کے متعلق یہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ نحن ابناء اللّٰه واحبّاؤه''

﴿قانتون﴾ ای مطیعون

﴿كُن فَيَكُوْنُ﴾

نحوی اشکال:

کن امر ہے اور فیکون جواب امر ہے جواب امر مجزوم ہونا چاہئے حالانکہ یہاں مضموم ہے۔

جواب: مبتدا محذوف ہے۔اصل یوں ہے کن فهو یکون۔تو یکون خبر ہے(بیضاوی)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ فیکون جواب امر نہیں ہے۔

۱۲۱۔﴿اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾

یہود میں عبداللہ بن سلام اور حضرت اسد اور اسیدؓ مراد ہیں اور نصاریٰ میں سلمان فارسی، تمیم داری، عدی بن حاتم رضوان اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا﴾

بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط ہے کہ پہلے بھی بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر تھا اور اب بھی ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

۱۲۴۔﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾

ربط: تفسیر کبیر اور ابوسعود میں ہے کہ یہود نے قبلہ کے نسخ کے بارے میں اعتراض کیا۔اس سلسلہ میں مسجد حرام سے روکنے کا ذکر بھی آیا تھا تو آگے اس کے بانی کا ذکر ہے۔مشرکین کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں تو آگے رب تعالیٰ نے

ابراہیمؑ کے کارنامے ذکر فرمائے ہیں کہ تمہارا ابراہیم سے کیا تعلق وواسطہ ہے؟

﴿ ابْتَلٰى ﴾

روح المعانی اور البحر المحیط میں ہے کہ امتحان کی نسبت جب انسانوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے مسئول عنہ کی استعداد معلوم کرنا اور جب امتحان کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی ہے حاضرین مجلس پر مسئول عنہ کی فضیلت بیان کرنا۔

بکلمات سے کیا مراد ہے؟

﴿ بِكَلِمٰتٍ ﴾ اس کی مختلف تفاسیر ہیں۔

(۱) خصال فطرت مراد ہیں مثلاً ناخن کاٹنا، زیر ناف بالوں کو کاٹنا، ختنہ کرنا وغیرہ۔

(۲) ابراہیم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا شام کو جاتے ہوئے راستہ میں تکالیف برداشت کیں۔ بیوی بچوں کو وادِ غیر ذی زرع میں چھوڑا۔ اسی طرح اسماعیلؑ کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی ان کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح باطل کے مقابلے میں حق کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔

۱۲۹۔﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

حضور ﷺ کے چار کام ہیں:

(۱) یتلوا علیهم ایٰتک (۲) یعلمهم الکتٰب (۳) والحکمة (۴) ویزکیهم

الحکمۃ سے مراد کیا ہے؟

ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ الحکمۃ سے سنۃ مراد ہے۔ اور ابن القیم نے لکھا ہے کہ الحکمۃ سے باتفاق علماء سنت مراد ہے۔

حدیث وسنت میں فرق:

بعض نے کہا کہ الفاظ مترادفہ ہیں۔ حدیث کا تعلق قول سے ہے اور سنت کا تعلق فعل وعمل سے ہے۔

﴿ وَيُزَكِّيهِمْ ﴾

یہاں تزکیہ کا اسناد آپ کی طرف مجازاً ہے حقیقی تزکیہ کرنے والے رب تعالیٰ ہیں۔ ویزکی من یشاء.

۱۳۰ ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيمَ ﴾

پہلے ابراہیم کا تذکرہ تھا آگے فرمایا کہ جوان کے طریقے سے پھرے گا وہ بے وقوف ہوگا۔ یرغب کا صلہ جب عن آئے تو اس کا معنی ہوگا اعراض کرنا۔

سوال: آپ ﷺ مستقل پیغمبر ہیں پھر آپ ﷺ کو اتبع ملة ابراهيم حنيفا میں ابراہیمؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ آپ مستقل پیغمبر نہیں ہیں؟

جواب: روح المعانی، بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ابراہیمؑ یا دوسرے پیغمبروں کی پیروی کا حکم نہیں دیا بلکہ ملت کی پیروی کا حکم دیا۔

سوال: ملت ابراہیم کیوں کہا ملت عیسیٰ یا ملت موسیٰ کیوں نہیں کہا؟
جواب: (۱) موسیٰ وعیسیٰ کی شخصیات متنازع فیہ ہیں۔ یہود عیسیٰ کو اور نصاریٰ موسیٰ کو نہیں مانتے لیکن ابراہیم متفق علیہ شخصیت ہیں۔
(۲) حضور ﷺ کی شریعت کے بہت سے فروعی مسائل حضرت ابراہیمؑ کی شریعت سے مشترک ہیں۔
۱۳۳۔ ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰـهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○﴾
(قاعدہ) مجرور بالاضافت یا مجرور بحرف الجار پر اگر عطف کیا جائے تو اعادہ حرف جار ضروری ہے۔ بغیر اعادہ حرف جار عطف جائز نہیں۔
سوال: واله ابائك کا الهك پر عطف درست نہیں کیونکہ عطف مغایرت کا متقاضی ہے۔
جواب: اس لئے آگے فرمایا الٰهًا واحدًا تاکہ غایرت نہ آئے۔
۱۳۴۔ ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ﴾
سوال: تلک مؤنث ہے یعقوب علیہ السلام کی طرف راجع ہے وہ مذکر ہے۔
جواب: تلک کے بعد خبر امة مؤنث ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر دائر ہو تو خبر کی رعایت کرنا اولیٰ ہے تو یہاں بھی خبر کی رعایت کی گئی ہے اور ضمیر تلک مؤنث لایا گیا۔
ملۃ کا نصب قل بل ملة ابراهيم میں کس وجہ سے ہے؟
(۱) تفسیر بیضاوی، کشاف اور بحرالمحیط وغیرہ میں ہے کہ بل تتبع ملة ابراهيم تتبع کی وجہ سے منصوب ہے۔
(۲) اس کا نصب نکون کی وجہ سے ہے انہوں نے کہا کونوا ان کے جواب میں آیا نکون ملة ابراهيم۔
(۳) الزم کی وجہ سے ای الزم ملة ابراهيم.
﴿وَالْاَسْبَاطِ﴾
سبط کی جمع ہے قاموس میں لکھا ہے کہ اس کا معنی ہے ولد بعد ولد۔
﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾
انبیاء کے درمیان ایمان کے اعتبار سے عدم تفریق مراد ہے۔ درجات کے اعتبار سے نہیں
سوال: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے درمیان فرق نہیں کیا اور آگے تیسرے پارے میں تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض اسی طرح پندرھویں پارے میں ہے فضلنا بعضهم على بعض۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرق ہے۔
جواب: بیضاوی، مدارک اور ابوسعود میں ہے کہ عدم تفریق باعتبار ایمان کے مراد ہیں۔ اس کے دو قرینے ہیں۔
(۱) ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا﴾
اس ایمان کے سلسلے میں تفریق نہیں کرتے۔
(۲) چھٹے پارے میں ہے نؤمن ببعض نصاریٰ نے تفریق کردی۔ باقی ان کے درجات اپنے مقام پر ہیں۔

۱۳۷. ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾

اشکال:

اشکال یہ ہے کہ یہاں لفظ مثل ذکر کیا کہ اگر ما آمنتم بہ کے مثل پر ایمان لائے تو وہ ایمان لائے۔ تو تم ایمان لائے اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر اور وہ ان کی مثل پر۔ تم کتابوں، جنتوں اور دوزخوں، فرشتوں پر ایمان لائے اور وہ ان کی مثل پر ایمان لائے یہ تو کفر ہے؟

جواب:

(۱) جلالین نے لکھا ہے کہ مثل کا لفظ زائد ہے۔ جیسا کہ لیس کمثلہ میں لفظ مثل زائد ہے۔

(۲) باء کا لفظ زائد ہے توقیف کے لئے اور ما مصدریہ ہے معنی یہ ہے فان آمنوا مثل ایمانکم۔

﴿وَّاِنْ تَوَلَّوْا﴾

یہ کبھی ماضی کے لئے اور کبھی مضارع کے لئے آتا ہے۔ ان دونوں کا فرق سیاق وسباق سے ہوگا۔ جہاں یہ مضارع کے لئے ہوگا وہاں اس کے آگے پیچھے مضارع کے صیغے ہوں گے اور جہاں ماضی کے لئے ہوگا وہاں اس کے آگے پیچھے ماضی کے صیغے ہوں گے جیسا کہ فان آمنوا بمثل ما آمنتم۔

۱۳۸. ﴿صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللہ صبغۃً﴾ بیضاوی اور روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ صبغہ ایک قسم کا پانی تھا۔ جس سے وہ اپنے آپ کو رنگ دیتے تھے، جس کا نام محمودیہ تھا۔

صبغۃ اللہ کی نصب کی تین ترکیبیں ہیں۔

(۱) الزموا صبغۃ اللّٰہ یعنی مفعول بہ فعل محذوف الزموا کا۔

(۲) صبغۃ اللہ صبغۃً، مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا۔

(۳) بدل ہے پہلے ملۃ کے لفظ سے۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ﴾

اسم تفضیل نفس فعل کے معنی میں ہے۔ اگر اس کو حقیقی معنی پر کردیں تو اس کا معنی ہوگا کہ اس سے اچھا تو نہیں لیکن اس کے برابر تو ہے۔

اس کا جواب قرطبی نے لکھا ہے تفسیر مدارک میں بھی ہے کہ

(۱) یہ تاکید کے لئے ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ ہم صاحب حق اور صاحبزادے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں جب تک اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو نہ رنگ لو کوئی فائدہ نہیں۔

۱۴۲۔﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

ربط: جب قبلہ کے نسخ کا حکم آیا کہ مسجد اقصیٰ کی بجائے کعبۃ اللہ قبلہ مقرر ہوا تو یہود نے بہت اعتراضات کئے۔ ابھی تحویل نہیں ہوئی تھی کہ رب تعالیٰ نے پہلے خبر دی کہ یہ لوگ بہت کچھ کہیں گے۔

تفسیر ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ آپؐ ظہر کی نماز میں مشغول تھے، مسجد القبلتین میں، مقام قبیلہ بنو سلمہ تھا۔ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی کہ آپ اپنا چہرہ کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیں۔

۱۴۳۔﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ ﴾

اى كما جعلنا قبلتكم الكعبة كذالك جعلنكم امةً وسطا۔ کہ جیسا ہم نے تمہارا قبلہ کعبہ بنایا (جو بہترین قبلہ ہے) اسی طرح ہم نے تمہیں اعتدال والی امت بنایا۔

بخاری شریف میں اس آیت کے ذیل میں منقول ہے کہ قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نوحؑ کو بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا هل بلّغت رسالتک؟ وہ عرض کرے گا جی ہاں۔ اس کے بعد ان کی قوم ہوگی۔ وہ انکار کرے گی کہ ما بلغنا یعنی ہمیں نہیں پہنچایا۔ قوم کی حیثیت مدعی علیہ کی ہوگی اور نوحؑ کی حیثیت مدعی کی ہوگی۔ البینة على المدعى کے تحت حضرت نوحؑ آپؐ کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ پھر امت محمدیہ سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوحؑ نے رسالت پہنچائی ہے وہ کہیں گے نعم۔

قوم نوحؑ اعتراض کرے گی کہ یہ لوگ اس وقت موجود نہ تھے جواب دیں گے کہ ہم نے رب تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک میں پڑھا ہے۔

﴿ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾

معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ ظہور واقعہ کے بعد سب کچھ جانتے ہیں جبکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ وقوع سے پہلے بھی سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ وہ لوگ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک یہاں علم سے مراد علم مشاہدہ اور علم ظہور ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ظہور ہمارے ہاں ہے چونکہ ظہور سے پہلے ہمارے علم میں نہیں تھا کہ یہ اللہ کے علم میں ہے۔ ہمارے جاننے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کے علم میں پہلے سے تھا۔

معتزلہ کا تعارف:

معتزلہ کون ہیں؟ اور کب یہ فرقہ پیدا ہوا؟ تو فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ واصل نامی ایک آدمی بھی اس میں موجود تھا۔ کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ اگر کسی نے گناہ کیا تو وہ کافر ہے یا مومن؟ واصل، حسن بصریؒ سے پہلے بولا کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ اس کو کافی سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ انکار کرتا رہا۔ اسی طرح شفاعت تراز واور قبر میں جسم سے روح کے تعلق کا انکار کیا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔ اعتزل عنا۔ کہ یہ ہم سے الگ ہوگیا۔ اس کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ مل گئے اس طرح اس فرقے کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

﴿ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً ﴾

یہ ان مخففه من المثقلة ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی خبر پر لام آتا ہے۔ کانت کی ضمیر کا مرجع کیا ہے دراصل یہاں پر دو مصدر آتے ہیں ولی یولّی .تولّی اور تولیةً۔ یہاں کانت کی خبر تولیۃ کی طرف راجع ہے۔ یہ جلالین تک میں آپ کو ملے گا۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ ﴾

ای صلوتکم تحویل قبلہ کے بعد مسلمانوں کو اشکال ہوا کہ ہم نے پہلے جو مسجد اقصیٰ کی طرف نمازیں پڑھی ہیں اور جو لوگ اب وفات پا چکے ہیں اور انہوں نے مسجد اقصیٰ کی طرف نمازیں پڑھیں تھیں کیا ان کا ثواب ملے گا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں کریگا۔

۱۴۴. ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ﴾

قد جس وقت ماضی پر داخل ہو تو تحقیق کیلئے اور جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کیلئے آتا ہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ متن متین اور مغنی اللبیب میں لکھا ہے۔

نحاۃ کوفیین کہتے ہیں کہ حروف جارہ مطلقاً ایک دوسرے کی جگہ پر آتے ہیں بغیر کسی شرط کے اور یہاں بھی فی السماء بمعنی الی السماء کے ہے۔

جبکہ بصریین کہتے ہیں کہ فی اصل معنی میں ہے اور لفظ جهت یہاں پر محذوف ہے عبارت یوں ہے فی السماء ای فی جهة السماء.

﴿أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾

ضمیر کا مرجع تولّی ہے۔ یعرفونه میں ہٗ ضمیر کا مرجع ایک قول کے مطابق کتاب ہے کہ وہ کتاب کو جانتے

ہیں جب کتاب کو جانتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ صاحب کتاب کو بھی جانتے ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع آنحضرت ﷺ ہے قرینہ اس کا یہ ہے کہ پہلے خطاب کے صیغے تھے اب غائب کے۔ علم معانی وغیرہ میں اس کو التفات کہتے ہیں

علامہ سیوطیؒ نے بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے اس موقع پر کہا تھا کہ ہم اپنے بیٹوں کے بارہ میں تو شک کر سکتے ہیں کہ حقیقی بیٹے نہ ہوں لیکن آپ ﷺ کے بارے میں شک نہیں ہو سکتا۔

۱۴۸. ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾

ربط: اوپر بھی قبلہ کا ذکر تھا اب بھی قبلہ کا ذکر ہے۔ لکل میں تنوین عوض مضاف الیہ کے ہے ای ولکل من الامم۔ اوپر ذکر تھا کہ آپ اپنے چہرے کو کعبہ کی طرف پھیر دیں تو وہم ہو سکتا تھا کہ اقامت کی صورت میں یہ حکم ہے سفر میں نہیں ہے تو وضاحت کر دی کہ سفر میں بھی یہی حکم ہے۔

۱۵۰۔ ﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾

اس میں الناس سے کون مراد ہے؟

(۱) یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ ہمارا قبلہ تو مانا ہے مذہب کیوں نہیں مانا۔ نیز یہ کہ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفت نبی القبلتین بیان کی گئی ہے اگر تحویل قبلہ نہ ہوتا تو یہ یہود وغیرہ کہتے کہ محمد آخری نبی نہیں کیونکہ اس کی صفت تو نبی القبلتین ہے اور اس کا قبلہ تو ایک ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ الناس سے مراد مشرکین مکہ ہوں تو اس وقت اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتا ہے حالانکہ ابراہیم کا قبلہ تو کعبہ تھا اور اس کا بیت المقدس ہے تو کیسے کہتا ہے کہ میں ابراہیم کے دین پر ہوں۔

۱۵۱۔ ﴿كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ﴾

"كما ارسلنا" لاتمّ سے متعلق ہے تقدیر عبارت یوں ہے ای اتماما کاتمامھا باءِ رسالنا روح المعانی، سراج المنیر حتی کہ جلالین تک میں ہے،

۱۵۲۔ ﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾

اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال اور اس کا جواب:

اہل بدعت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سب کچھ جانتے تھے اس لئے یہاں ما

تعمیم کیلئے ہے۔اور تعلیم تعلم کے بعد ہوسکتی ہے۔

اس کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ اگر یہاں ما سے عموم مراد لیتے ہو تو سورۃ انعام آیت نمبر ۹۱ میں و علمتم ما لم تعلمو ا انتم و لا اباؤ کم اہل کتاب کے بارے میں ہے تو اس تعمیم کے مطابق ماننا پڑے گا کہ تمام یہودی علم غیب جانتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصول سرخسیؒ میں ہے الموصولات لم توضع للعموم بل للعموم و الخصوص ۔موصولات وضع کے لحاظ سے عموم کیلئے نہیں ہیں قرینے کے وقت عموم کیلئے آتے ہیں۔

۱۵۳۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾

ربط :تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات ،حقانی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قبلہ کا مسئلہ یہود اور مشرکین نے بہت اچھالا۔ابتداء میں مسلمانوں کو اس سے تکلیف ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبر کرو۔صبر اور نماز کے ذریعے استعانت طلب کرو۔

۱۵۴۔﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ قبر میں اعادہ روح الی الجسم ہوتا ہے:

اموات اور احیاء یہ خبریں ہیں مبتدا محذوف کیلئے ای ھم اموات بل ھم احیاء''. اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں اعادۃ روح الی الجسم ہوتا ہے۔

قال ابو حنفیةؒ واعادة الروح الی العبد فی القبر حق لیکن وہ حیات ہمیں محسوس نہیں ہوتی اس لئے فرمایا ولکن لا تشعرون یعنی حیات تو اس میں ہے لیکن تم کو شعور نہیں۔

شرح مواقف میں لکھا ہے کہ اس میں حیات اس طرح ہوتی ہے کمریض السکتة بعض لوگ اس کی غلط تاویلیں کرتے ہیں کہ اس حیات سے مراد روح کی حیات مراد ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ جسد مثالی کی حیات مراد ہے۔لیکن دونوں تاویلیں مردود ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں و لا تقولوا لمن یقتل الخ قتل روح کو نہیں کیا جاتا بلکہ جسد عنصری کو قتل کیا جاتا ہے۔اور نہ ہی جسد مثالی کو قتل کیا جاتا ہے۔

بل احیاء میں بل حرف للا ضراب ہے۔جب کوئی آدمی مرتا ہے تو گھر والوں کے ذہن میں دو باتیں آتی ہیں ایک یہ کہ کیوں مرا دوسرا یہ کہ ہم سے جدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہو انا للہ کہ اللہ کا وہ بھی تھا اور ہم بھی تو جو اس کا تھا اس نے لے لیا دوسرا فرمایا و الیه راجعون . کہ تمہارا بھی اسی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں ملاقات ہوگی

۱۵۷۔﴿ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ﴾

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰت سے خصوصی رحمتیں اور رحمۃ سے عمومی رحمتیں مراد ہیں کیونکہ التاسیس اولی من التاکید

۱۵۸۔﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾

ربط: تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے کعبہ کا ذکر تھا اب ان کے مناسک کا ذکر ہے یعنی وارنا مناسکنا کے ساتھ اس کا تعلق جوڑتے ہیں کہ یہ مناسک حج میں سے ہیں۔

جبکہ سبق الغایات فی نسق الآیات میں یہ ربط ہے کہ قبلہ کے ساتھ صفا مروہ کا تعلق ہے۔

شعائر اللہ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ بڑے شعائر اللہ چار ہیں۔

(۱) نبی (۲) قرآن (۳) کعبہ (۴) الصلوۃ۔

۱۵۹۔﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ ﴾

ربط: اس کا تعلق ماقبل میں ''انّ فریقًا منھُمْ لیکتمون الحق'' کیساتھ ہے۔

۱۶۳۔﴿ وَإِلٰـهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾

ربط: اوپر کتمان علم کی مذمت تھی اب یہاں سے توحید کا مسئلہ بیان کیا۔

۱۶۴۔﴿ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾

ربط: اوپر توحید کا مسئلہ تھا یہاں سے توحید کے دلائل بیان کئے۔

قرآن میں سمٰوٰت جمع اور ارض مفرد کیوں لائے ہیں؟

تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ میں ہے کہ قرآن میں سمٰوات جمع لائے ہیں اور زمین کہیں بھی جمع ذکر نہیں البتہ سورۃ الطلاق کے اخیر میں ہے ومن الارض مثلھن اس سے زمینوں کا بھی سات ہونا معلوم ہوتا ہے۔

تو سمٰوٰت جمع اور ارض مفرد کیوں لائے ہیں اس کے ان تفاسیر میں کئی جوابات دیئے گئے ہیں

(۱) ایک جواب یہ ہے کہ سمٰوٰت کی اجناس مختلف ہیں اور زمین کی اجناس مختلف نہیں بلکہ جنس واحد ہے تو سمٰوات کو تعدد اجناس کی وجہ سے جمع لائے۔

دوسرا جواب صاحب نبراس نے دیا ہے کہ اگر ارض کی جمع ہوتی تو ارضون ہوتی بفتحتین اور یہ ثقیل ہے

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زمین کے وجود کے بارے میں سب قائل ہیں لیکن آسمان کے بارے میں فیثا غورث یونان کا ایک حکیم تھا اس کا یہ نظریہ تھا کہ آسمان کا وجود نہیں بلکہ حد نظر کو یہ لوگ آسمان کہتے ہیں تو ان باطل لوگوں کے اس نظریہ کو رد کرنے کیلئے سمٰوٰت جمع ذکر فرمایا کہ تم ایک آسمان نہیں مانتے حالانکہ آسمان تو سات ہیں۔

۱۶۵۔﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا ﴾

ربط: وبضدھاتتبین الاشیاء کے تحت شرک کا رد ہے۔

۱۶۵۔﴿ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا ﴾

اس میں لو شرطیہ ہے جزاء محذوف ہے ای لرأوا امرًا عظیمایاامرًا عجیبًایاامرًا فزیعًا

۱۶۷۔﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا اب بعض رسوم شرکیہ کا رد ہے۔

حلال اور طیب میں فرق:

تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حلال وہ ہے جس کے استعمال کی شریعت نے اجازت دی ہو اور طیب وہ ہے جسمیں غیر کا حق ملا ہوا نہ ہو۔

۱۶۹۔﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ ﴾

سوء اور فحشاء میں فرق:

(۱) ایک فرق یہ ہے کہ سوء وہ گناہ ہے جس کا تعلق قول کے ساتھ ہو اور فحشاء وہ گناہ ہے جس کا تعلق فعل کے ساتھ ہو۔

(۲) سوء وہ گناہ جو تنہائی میں کر سکے اور فحشاء وہ گناہ جو دوسرے کے ساتھ مل کر کرے۔

(۳) سوء ایسا گناہ جو آدمی چھپ کر کرے اور فحشاء وہ گناہ جو کھل کر کرے۔ یہ تین فرق تفسیر کبیر، البحر المحیط، کمالین، قرطبی، خازن میں ہیں۔

غیر مقلدین کا عدم تقلید پر استدلال اور اس کا جواب:

۱۷۰۔﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا﴾

اس آیت کو غیر مقلدین حضرات اہل حق کے خلاف پیش کرتے ہیں کہ تم لوگ تقلید کرتے ہو اپنے بڑوں کی اور قرآن تقلید کی تردید کرتا ہے۔ تو گویا یہ لوگ عدم تقلید پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دیکھو قرآن نے جس تقلید کی تردید کی ہے اس کی ہم آپ لوگوں سے زیادہ تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ

قرآن نے اس تقلید کی تردید کی ہے جو منصوص علیہ مسائل میں ہو اور جس میں خدا اور رسول کے صریح حکم کو چھوڑ کر آباء واجداد کی پیروی کی جائے۔

ہم جو تقلید کرتے ہیں وہ غیر منصوص علیہ احکام میں ہے کہ جس کے بارے میں قرآن میں یا حدیث میں یا قول صحابی میں وہ مسئلہ مذکور نہ ہو تو ایسے مسائل میں مجتھد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ اور ایسی تقلید قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

۱۷۳۔﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾

نسبت دو قسم کی ہوتی ہے عرفی اور شرعی۔ عرفی کی مثال یہ ہے مثلاً گائے زید کی ہے یہ بکرا خالد کا ہے یہ عقیقہ اور ذبیحہ کا بکرا ہے یہ نسبت عرفی ہے

ایک نسبت وہ ہے جو تقرب کیلئے ہو کہ آپ کوئی چیز غیر اللہ کو اس لئے دے دیں کہ اگر نہ دوں تو نقصان ہوگا دوں تو فائدہ ہوگا۔

اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا تو مولانا عبد العزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اگر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو بھی حرام ہے حلال نہیں ہوتا بشرطیکہ تقرب غیر کیلئے ہو اور اگر اکرام ضیف کیلئے ہو تو جائز ہے۔ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے ماکولات، ملبوسات، مشروبات همی حکم دارد.

گیارھویں شریف کا حکم:

گیارھویں شریف اگر اس ارادے سے کرتا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ بزرگ تھے ولی تھے ان کے ایصال ثواب کیلئے کرتا ہوں، یہ کفر و شرک نہیں بدعت ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ تعیین یوم ہے دوسرا نقصان یہ ہے کہ شیخ کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے لوگ ہیں مثلاً امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کیلئے ایصال ثواب کیوں نہیں کرتے۔ اور اگر اس کو تقرب لغیر اللہ کیلئے کرتا ہے تو لا شک فی کفرہ ۔تفصیل اتمام البرھان میں دیکھیں۔

﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾

امام صاحب فرماتے ہیں کہ لذت کیلئے نہیں کھا سکتا اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ نہیں کھا سکتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باغ سے مراد اسلامی حکومت کا باغی ہے کہ وہ نہیں کھا سکتا اور عاد سے مراد ڈاکو ہے کہ ڈاکے وغیرہ کیلئے سفر کرے تو بھوک لگنے کی صورت میں نہیں کھا سکتا۔

۱۷۷۔﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾

ربط: قبلہ کے بارے میں یہود نے بہت پروپیگنڈہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکی صرف قبلہ میں بند تو نہیں اور بھی کئی

نیکیوں کے راستے ہیں بیضاوی میں ہے لیس البر منحصرة فی ان تولوا۔

اشکال نحوی:

قاعدہ یہ ہے کہ خبر مبتداء کی ہو یا حروف مشبہ بالفعل کی ہو یا افعال ناقصہ کی ہو وہ مبتدا اور اسم پر محمول ہوتی ہے۔لیکن یہاں پر ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ﴾ میں البر وصف محض ہے اور من امن خبر ہے اور ذات ہے اور ذات کا حمل وصف محض پر درست نہیں۔اس اشکال کے دو جواب دئے گئے ہیں۔

پہلا جواب صاحب کشاف نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ اسم سے پہلے مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے ای ولـكـن صاحب البر من آمن لہذا ذات کا حمل ذات پر ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خبر (من امن) سے پہلے مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے ولكن البر برُّ من امن۔

﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾

حبہ میں ہ ضمیر راجع بسوئے اللہ کے اور یہ بھی ہے کہ بسوئے مال کے راجع ہے۔

قاعدہ:

ابن،اَب، اَخ کی اضافت جب غیر ذوی العقول کی طرف ہو تو اس کا معنی والا ہوتا ہے

جیسا کہ ابوحنیفہؒ دین حنفی والا۔ ابو الخیر خیر والا، ابن السبیل راستے والا۔

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾

مشہور لغوی امام محمد بن احمدؒ الازھری (۳۷۰ھ میں وفات ہوئی) فرماتے ہیں کہ البأساءُ ایسی تکلیف جو مالی طور پر پیش آئے اور ضرّاء ایسی تکلیف جو بدنی طور پر پیش آئے۔

۱۷۷۔﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

ربط: ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ آگے تقوی کی کئی مدیں بیان کیں پھر آگے وصیت کا ذکر ہے اس کے بعد روزے کا، رمضان شریف میں عورتوں کے پاس نہ جانے کا تمام مدیں تھیں اس لئے اب ان کے ساتھ جوڑ دیا۔

۱۷۸﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾

قتلٰی قتیل کی جمع ہے بمعنی مقتول کے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حر کو عبد کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا۔

جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ عبد کے بدلے قصاص میں حر کو قتل کیا جائیگا۔

قاضی بیضاویؒ جو شافعی المسلک ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ حر کو عبد کے بدلے قصاص میں قتل کرنا چاہیے۔ زمانہ جاہلیت میں اگر کسی بڑے خاندان کے غلام کو کوئی چھوٹے خاندان والے قتل کر دیتے تو بڑے خاندان والے قصاص میں اس کے دو غلاموں کو یا ایک حر کو قتل کرتے یعنی زیادتی کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غلام کے بدلے غلام قتل کیا جائیگا تو اس سے خود بخود دو غلاموں اور حر کی نفی ہوگئی۔

مطلب یہ ہے کہ جو قتل کرے اسی کو قتل کیا جائے۔ قاضی بیضاویؒ نے الحر بالحر والی آیت کو تقابل الاحد بالاحد، والاثنین بالاثنین پر محمول کیا ہے کہ ایک کے بدلے ایک اور دو کے بدلے دو کو قتل کیا جائیگا۔ یہی امام صاحب کا مذہب ہے۔

﴿فَمَنِ اعْتَدٰی﴾

سو جس نے تجاوز کیا اور تجاوز من الجانبین ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ مقتول کے ورثاء نے دیت لی معاف کر دیا۔ اس کے بعد قاتل کو بھی قتل کر دیا۔

دوسرا یہ کہ قاتل کی طرف سے زیادتی ہو وہ یوں کہ پہلے مقتول کے ورثاء کے پیچھے لگے رہے کہ ہمیں معاف کرو دیت دے رہے ہیں پھر جب ان کو معاف کیا پھر دیت ادا کرنے میں وہ ٹال مٹول کرتے ہیں۔

۱۷۹۔ ﴿یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

میں اولو ذو کی جمع ہے من غیر لفظ۔

۱۸۰۔ ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَاۨ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ﴾

یہاں پر لفظی بحث ہے کہ کتب مذکر کا صیغہ ہے اور الوصیۃ اس کا نائب فاعل مؤنث ہے۔ اس کے تین جواب ہیں۔

(۱) کشاف والے نے جواب دیا ہے کہ الوصیة بمعنی الایصاء کے ہے۔

(۲) وصیت مصدر ہے اور مصدر کے بارے میں قانون یہ ہے کہ المصدر یذکر و یؤنث۔

(۳) فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو فعل اور فاعل کے درمیان کوئی فاصل آجائے تو فعل مذکر اور مؤنث دونوں استعمال کر سکتے ہیں۔

۱۸۱۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾

ربط: اوپر تقوی کی مدیں بیان کیں یہ بھی تقویٰ کی مد میں داخل ہے۔

۱۸۴۔﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ﴾

رمضان المبارک کے روزے دس سے کم ہیں؟

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ایام جمع قلت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان شریف کے روزے دس سے کم ہیں

جواب: (۱) قرآنی جواب یہ ہے کہ'' فمن شهد منكم الشهر فليصمه '' اس سے معلوم ہوا کہ روزے پورا ایک مہینہ ہے۔

(۲) رضی شارح الکافیہ نے تصریح کی ہے کہ بہت سے مقامات پر جمع قلت جمع کثرت کے معنی میں آتا ہے۔ رضی نحویت کے اعتبار سے امام ہے لیکن ہے غالی شیعہ۔

۱۸۴۔﴿ فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَّرِيْضًا ﴾

مریض روزہ کب چھوڑ سکتا ہے؟

اس سے مراد وہ مریض ہے جو خود نفی (ترک صوم) کا فیصلہ کرے فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ڈاکٹر کے کہنے پر روزہ ترک کرنے کیلئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) ایک یہ کہ جو ڈاکٹر ترک صوم کا حکم کرتا ہے وہ خود مسلمان ہو (۲) صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو۔ (۳) ڈاکٹر ماہر فن ہو۔

۱۸۴۔﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ ﴾

اس میں تین تفسیریں ہیں۔

(۱) ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ چاہے روزہ رکھے یا فدیہ دے دے بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا اور'' فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' یہ ناسخ ہے۔

(۲) دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں لا محذوف ہے ای لا يطيقونه'

(۳) تیسری تفسیر یہ ہے کہ لا مقدر نہیں بلکہ یہاں باب افعال کا ہمزہ سلب کیلئے ہے جیسا کہ کہتے ہیں ''من اکرم محمدًا فهو مؤمن ومن أبغض محمدًا فهو كافر''۔

۱۸۶۔﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾

ربط: حضرت شیخ ؒ نے از خود یہ ربط بیان فرمایا ہے کہ میں نے کہیں یہ دیکھا نہیں میرے نزدیک اس کا ربط یوں ہے کہ ماقبل میں روزوں کا حکم تھا اس میں یہ حکم ہے کہ ذکر تراویح میں آہستہ کرو نہ کہ زور سے۔

درمنثور اور معالم التنزیل میں ہے کہ ہمارا رب قریب ہے یا دور اگر قریب ہے تو آہستہ سے پکاریں اور اگر دور ہے تو زور سے۔اس پر آیت نازل ہوئی کہ تمہارا رب قریب ہے۔

۱۸۹۔﴿یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْأَهِلَّةِ﴾

ربط: حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم کا ربط تو یہ ہے کہ ماقبل میں تقویٰ کا بیان تھا اس میں بھی تقویٰ کا ذکر ہے امام رازیؒ یوں ربط بیان کرتے ہیں کہ پہلے رکوع میں روزے کا بیان تھا جو ارکان اسلام میں سے ہے اور اب حج کا بیان ہے دونوں کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔

﴿قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ﴾

مواقیت میقات کی جمع ہے وقت کے شناخت کے آلے۔

﴿وَلَیْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾

حج کیلئے جو آدمی جاتا تو اگر فراغت سے پہلے آجاتا تو گھر کے دروازے سے نہ آتا بلکہ پیچھے سے کہیں دیوار سے چھلانگ لگا کر آجاتا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں۔

۱۹۰۔﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾

صحابہؓ کرام کو تین مشکلات درپیش تھیں۔

(۱) ایک یہ کہ ہم احرام میں ہیں اگر کافروں نے حملہ کرلیا تو ہم ان کو کیا جواب دیں گے۔

(۲) دوسرا یہ کہ مقام حرم ہے اور حرم میں لڑائی جائز نہیں

(۳) تیسرا یہ کہ مہینہ حرمت کا ہے اور اشہر حرم میں لڑائی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ لوگ حملہ کریں تو تم بھی ان سے لڑائی کرو۔

۱۹۲۔﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ﴾

ابن عباسؓ وابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد شرک ہے۔

۱۹۴۔﴿وَأَنفِقُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

ربط: پہلے قتال و جہاد کا ذکر تھا اور قتال بغیر اسلحہ کے نہیں ہوسکتا اس لئے فرمایا کہ مال خرچ کریں ہتھیار خریدیں۔

۱۹۶۔﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾

ربط: یہاں سے حج کا ذکر ہے۔

۱۹۶۔﴿وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اذا رجعتم الی أوطانکم اور امام صاحب فرماتے ہیں اذا رجعتم من افعال الحج.

۱۹۷۔﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾

ربط: پہلے بھی حج کا ذکر تھا اب بھی حج کا ذکر ہے۔

سوال: یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ الحج مبتدا ہے اور أشهر معلومٰت خبر ہے تو معنی ہوگا کہ حج معلوم مہینے ہیں حالانکہ حج تو افعال کا نام ہے نہ کہ وقت کا؟

جواب: اس کا جواب بیضاوی اور کشاف میں یہ دیا ہے کہ الحج سے پہلے مضاف محذوف ہے عبارت یوں ہے وقت الحج أشهر معلومٰت.

سوال: دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں اشہر جمع کا لفظ لایا اور جمع کا اقل عدد تین ہے تو اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حج کا وقت تین ماہ یا اس سے زائد ہے حالانکہ ہے دو ماہ دس دن؟

جواب: اس کا یہ دیا گیا ہے کہ "أشهر" تغلیبا کہا۔

۲۰۴۔﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

ربط: اس سے پہلے ومن الناس میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر تھا یہاں سے ہر ایک گروہ کے بارے میں دو واقعے ہیں۔

اخنس بن شریق منافق کا ذکر:

ومن الناس من يعجبك سے اخنس ابن شریق مراد ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک منافق تھا آپ کے پاس آتا تھا اور خوشامد کرتا کہ حضرت ہمیں آپ ﷺ جیسے لوگ ملے ہیں ہم بہت خوش قسمت ہیں آپکو دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے جب آپ ﷺ سے دور ہوجاتے ہیں تو ہماری زندگی اس مچھلی کی مانند ہوتی ہے جو پانی سے باہر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن الناس من يعجبك قوله' ۔حالانکہ جب آپ ﷺ کی مجلس سے چلا جاتا ہے

تو لوگوں کے کھیتوں اور مویشیوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور زمین میں فساد مچاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو متنبہ کیا کہ اس کی باتوں میں نہ آنا۔

﴿وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ﴾

تقویٰ سے مراد سوال سے بچنا ہے:

امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ یمن کے کچھ لوگ تھے وہ حج پر جاتے تو سفر کا خرچہ ساتھ نہ لے جاتے وہ کہتے کہ "نحن المتوکلون" پھر وہاں جا کر سوال شروع کر دیتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ" یہاں تقویٰ سے مراد سوال سے بچنا ہے۔

۲۰۷۔﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ﴾

اس سے مراد حضرت صہیب رومیؓ ہیں کہ اپنا مال و جائیداد کفار کو دے دیا اور اپنے آپکو چھڑا کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جس وقت کفار نے آپ کو راستے میں گھیر لیا تھا واقعہ تفسیروں میں ہے۔

۲۰۸۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر چند صحابہؓ جو کہ پہلے یہودی تھے بعد میں مسلمان ہوئے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا کہ ہم اونٹ کا گوشت حلال سمجھیں گے لیکن کھائیں گے نہیں تاکہ احتیاط پر عمل ہو کیونکہ یہودیوں کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام سمجھا جاتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

۲۱۰۔﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ﴾

صفات متشابہات کا حکم:

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر طبری وغیرہ میں اس مقام پر بہت تفصیل ہے متقدمین کے نزدیک ایسی صفات اپنی حقیقت پر محمول ہیں یعنی لغوی معنیٰ حق اور کیفیت معلوم نہیں

متاخرین اور متقدمین سے مراد کون ہیں؟

محدثین کے ہاں تیسری صدی کے بعد والے متاخرین اور اس سے پہلے والے متقدمین ہیں اور فقہاء کے ہاں شمس الائمہ حلوانیؒ تک فقہاء متقدمین اور اس کے بعد والے متاخرین کہلاتے ہیں۔ متاخرین فرماتے ہیں کہ ایسی صفات اپنی حقیقت پر محمول نہیں بلکہ وہ ان جیسی صفات کی تاویل کرتے ہین۔ جیسا کہ الرحمن علی العرش استویٰ. یداہ مبسوطتان وغیرہ الا ان یاتیھم اللہ میں فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے عبارت یوں

ہے الا ان یاتیھم امر اللہ اور قرینہ پیش کرتے ہیں کہ سورۃ نحل میں ہے کہ ان یاتی امر ربک ـ

﴿سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات فی نسق الآیات میں یہ ربط بیان کیا ہے کہ پہلے عذاب کی دھمکی تھی اب یہاں وقوع عذاب کا بیان ہے آیۃ بینہ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیں مثلاً من وسلوٰی دیا۔ دریا میں بارہ راستے ان کیلئے بنائے، ان میں چار ہزار پیغمبر آئے وغیرہ تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ شکر یہ ادا کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

۲۱۲۔﴿زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا﴾

ربط: ماقبل میں بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر تھا یہاں ان کی نافرمانی کا ایک سبب کہ دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں بیان کیا گیا۔

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ﴾

ای اتقوا عنْ الشرک والمعاصی

فوقھم میں فوقیت حسی اور معنوی دونوں مراد ہیں کہ مومن جنت میں حسی فوقیت بھی رکھتے ہیں اور مرتبے کے اعتبار سے بھی فوقیت ہوگی۔ اور حسی فوقیت اور معنوی فوقیت دونوں مومنوں کو حاصل ہونگی۔

بغیر حساب کا لفظ قرآن میں تین معانی میں مستعمل ہے:

۲۱۲۔﴿وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾

تفسیر ابوسعود میں ہے کہ بغیر حساب کا لفظ قرآن میں تین معانی میں مستعمل ہے۔

(۱) بغیر حساب ای بغیر عدد یعنی بغیر گنتی وشمار کے (۲) بغیر تعب ومشقۃ (۳) بغیر مطالبۃ

۲۱۳۔﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً﴾

ربط: اس میں مسلمانوں کو تسلی ہے کہ کفار اگر دنیا میں موجود ہیں تو کوئی بات نہیں یہ لوگ پہلے سے ہیں حضرت آدمؑ کے بعد دو ہزار سال تک لوگ ایک ہی دین پر تھے۔

جب لوگ ایک دین پر تھے تو انبیاء کرام کے مبعوث کرنے کا کیا فائدہ؟

سوال: سوال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ جب لوگ ایک دین پر تھے تو انبیاء کرام کے مبعوث کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس کا جواب مستدرک حاکم اور درمنثور وغیرہ میں یہ دیتے ہیں کہ یہاں لفظ فاختلفوا مقدر ہے عبارت یوں

ہے "کان الناس امة واحدة فاختلفوا فبعث الله النبيين "اوراس پرقرینہ پیش کرتے ہیں" فیما اختلفوا فیہ"

۲۱۳۔﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ﴾

یہاں سے اختلاف کا منشاء بیان کررہے ہیں کہ غلط فہمی نہیں تھی بلکہ عناد تھا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ کسی کلام میں جب قید ہوتو حکم اثبات کا ہو یا نفی کا اس قید کی طرف راجع ہوتا ہے مثال کے طور پر "ماجاءنی زید راکباً" اب نفی رکوب کی طرف راجع ہے اب اگر یہ قاعدہ یہاں جاری کردیں تو چونکہ اس کلام میں بغیاً قید ہے تو معنی ہوگا کہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا سرکشی کی بناء پر اور چونکہ بغی کا متضاد رشد ہے تو معنی ہوگا کہ انہوں نے اختلاف کیا ہدایت اور رشد کی بناء پر حالانکہ یہ معنی اور مطلب بالکل غلط ہے۔

اس کا جواب علامہ سیوطیؒ نے جلالین میں یہ دیا ہے کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے الا الذین اوتوہ کے تحت بغیاً داخل نہیں۔اصل عبارت یوں ہے۔ وما اختلف فیہ من بعد ما جاء تھم البینت بغیا بینھم الا الذین اوتوہ۔

۲۱۴۔﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾

ربط: اوپر کافروں کا ذکر تھا کہ سرکشی کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اہل حق کو بھی کچھ کرنا پڑے گا جنت کے حصول کیلئے لہذا یہاں اس کا ذکر ہے۔

زلزلوا میں زلزلہ سے حسی زلزلہ مراد نہیں:

زلزلوا میں زلزلہ سے حسی زلزلہ مراد نہیں بلکہ دشمن کا دفعةً واحدةً حملہ کرنا (جیسا کہ زلزلہ آئے) مراد ہے

۲۱۵۔﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ﴾

ربط: اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو اللہ کی راہ میں تکلیفیں پیش آئیں تھیں۔اس پر صحابہ نے سوال کیا کہ اللہ کے راستہ میں کیا چیز خرچ کریں؟

۲۱۶۔﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾

ربط: اوپر ان لوگوں کے زلزلوں کا ذکر تھا کہ ان پر تکلیفیں آئیں لہذا ان پر بھی جہاد کو فرض کیا گیا۔

۲۱۷۔﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ﴾

حضرت حسین علی صاحب نے یہ ربط دیا ہے کہ ماقبل میں تھا یسئلونک ماذا ینفقون یہاں بھی ایک سوال کا ذکر ہے اور آگے بھی کچھ سوالات کا ذکر ہے جو صحابہؓ نے اور کفار وغیرہ نے آپ ﷺ سے کیے۔

شہر حرام میں ابن حضرمی کے قتل کا واقعہ:

شان نزول: اس آیت کا یہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا جمادی الاخریٰ کا مہینہ تھا انہوں نے یہ سمجھا کہ جمادی الاخریٰ ابھی تک ختم نہیں ہوا تو انہوں نے ابن حضرمی کو اس میں قتل کیا اس خیال سے کہ یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے حالانکہ وہ رجب کا پہلا دن تھا۔ اس پر کفار نے اعتراضات شروع کئے کہ دیکھو حرمت والے مہینے میں بھی یہ لوگ قتال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ

﴿قِتَالٍ فِيْهِ﴾ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ" قتال فیہ" بدل الاشتمال ہے الشھر الحرام سے۔

۲۱۷۔﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾

مرتد اگر دوبارہ اسلام قبول کرے تو اس کے اعمال سابقہ کا ثواب کیا اس کو ملے گا؟

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کا نکاح ختم، وراثت سے محروم اور مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن نہیں کیا جائیگا۔
امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مرتد اگر دوبارہ اسلام قبول کرے تو پہلے ارتداد کی وجہ سے جو اس کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں وہ اعمال اور نیکیاں اس کو دوبارہ نہیں ملیں گی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ وہ اعمال اور نیکیاں ملیں گی امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ فرمایا گیا ہے۔

۲۱۸:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾

جن لوگوں نے اس حرمت والے مہینے میں جہاد کیا تھا ان کو وہم ہوا کہ آیا ہمیں اس جہاد کا ثواب ملے گا یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ان کو ثواب ملے گا۔

۲۱۹: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ٥﴾

شراب سے متعلق چار دور گزرے ہیں:

ربط: حضرت حسین علی صاحبؒ ربط بیان کرتے ہیں کہ پہلے بھی سوال تھا اب بھی ایک سوال ہے شراب کے متعلق چار دور گزرے ہیں۔

پہلا دور مکی تھا اس وقت شراب کو نعمتوں میں سے شمار کیا ہے سورۃ نحل میں ہے۔

دوسرا دور وہ ہے جس میں شراب کے کچھ فائدے اور کچھ نقصانات بیان کئے جو کہ اس آیت میں ہے کہ' واثمھما

اکبر من نفعھما" تو گویا اس آیت میں ترک کرنے کی ترغیب ہے

تیسرا دورہ ہے جس میں ایک مخصوص وقت یعنی وقت نماز میں شراب کو ممنوع قرار دیا۔ فرمایا کہ "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری"۔

چوتھا دورہ ہے جس میں بالکل ہر وقت میں شراب کو مکمل حرام قرار دے دیا۔ انما الخمر والمیسر.........

رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ'۔

۲۲۱۔﴿ وَلاَ تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ جو مرتد ہوا اس کے اعمال ختم ہوئے دنیا اور آخرت میں۔ آگے ارتداد کے اسباب میں سے ایک سبب کا ذکر ہے کہ نکاح بھی جائز نہیں کیونکہ مشرکہ کے ساتھ نکاح ارتداد کا سبب بنتا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ اسی آیت کی روشنی میں حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناطہ جاری تھا اس آیت سے ٹوٹ گیا اور رشتہ حرام ٹھہرا۔

آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں مشرکوں کے نکاح میں تھیں:

اس آیت کے نزول سے پہلے آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ مشرکوں کے نکاح میں تھیں۔

۲۲۲۔﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ﴾

ربط: حضرت حسین علی صاحب مرحوم یہ ربط دیتے تھے کہ پہلے بھی کچھ سوال تھے آگے ان میں سے ایک سوال حیض کے بارے میں بھی تھا۔ المحیض مصدر میمی بھی بناتے ہیں اور اسم ظرف بھی۔

۲۲۳۔ ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾

انی بمعنی کیف کے ہے ای کیف شئتم۔ علامہ رضی نے تصریح کی ہے کہ انی بمعنی أین قرآن میں کہیں بھی نہیں آیا ہے۔

۲۲۴۔﴿لاَ تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ﴾

اصل میں یوں تھا ان لا تبروا ولا تتقوا ولا تصلحوا بین الناس یعنی لا کو مقدر مانتے ہیں یہ صاحب جلالین وغیرہ نکالتے ہیں اور علامہ آلوسی اور تعبیر اختیار کرتے ہیں وہ عن نکالتے ہیں ای عن ان تبرو الخ اور عن بمعنی آڑ رک جانا۔ تاکہ تم رک جاؤ نیکی کرنے سے وغیرہ۔

قسم کی تین قسمیں اوران کا حکم:

قسم کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) یمین لغو (۲) یمین غموس (۳) یمین منعقدہ۔

(۱) یمین لغو وہ قسم ہے کہ بغیر قصد وارادے کے کوئی قسمیہ لفظ کہے یا گذشتہ زمانہ کے کسی فعل پر قسم اٹھائے اور اپنے کو سچا سمجھتا ہو۔

(۲) یمین غموس وہ قسم ہے کہ زمانہ گذشتہ کے کسی فعل پر قسم اٹھائے اور اس کو معلوم ہو کہ میں اس قسم اٹھانے میں جھوٹا ہوں

(۳) یمین منعقدہ وہ قسم ہے کہ زمانہ آئندہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اٹھائے پہلی دوصورتوں میں کفارہ نہیں تیسری میں ہے۔

۲۲۶۔﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾

ایلاءاوراس کا حکم:

ربط: پہلے رکوع میں مطلق قسم کا ذکر تھا اس میں خاص قسم (ایلاء) کا ذکر ہے۔ایلاء چار ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو ایلاء شرعی ہے اور اس سے کم ایلاء لغوی ہے۔چار ماہ گزرنے سے پہلے جماع کیا تو کفارہ ہے اگر چار ماہ گزرنے کے بعد کیا تو اس میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے جب کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک مدت ایلاء گذرنے کے بعد یا طلاق دی جائے گی یا رجوع کیا جائے گا محض مدت گذرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۲۸:﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ﴾

اس سے پہلے طلاق کا ذکر تھا اب یہاں سے مطلقات کا ذکر ہے۔

ما خلق اللّٰہ: ما سے مراد ہے کہ پیٹ میں بچہ ہو تو نہ چھپائے یا حیض ہو تو نہ چھپائے۔

۲۲۹۔﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾

ربط: اوپر بھی طلاق کا ذکر تھا آگے بھی طلاق کا ذکر ہے۔

روح المعانی،قرطبی میں ہے کہ الف لام عہد کیلئے ہے مراد طلاق رجعی ہے اور بعض یہاں صفت محذوف نکالتے ہیں ای الطلاق الرجعی مرتان

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾

خلع میں شوہر کے بیوی سے مال لینے میں تفصیل:

خلع میں تفصیل ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر زیادتی شوہر کی ہو تو خلع میں مال لینا مکروہ ہے اور مہر سے زیادہ لینا درست نہیں۔ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ لینا غیر مکروہ ہے اور مہر سے زیادہ لینا بھی جائز ہے۔

امام صاحب استدلال کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے خلع لیا تھا اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ بلاء ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ لینا جائز نہیں۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾

صاحب کشاف کہتے ہیں کہ یہ خطاب حکام کو ہے **ای فان خفتم ایها الحکام الا یقیما حدود الله۔**

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے ولی اور رشتہ دار مراد ہیں کہ مرد و عورت کے اولیاء کو خطاب ہے۔

﴿وَمَآ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾

کتاب سے قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔

کتاب اور سنت میں فرق:

کتاب اور سنت دونوں لوح محفوظ سے اترے ہیں لیکن کتاب کے الفاظ بھی وہی ہیں جو لوح محفوظ میں ہیں لیکن سنت کے الفاظ وہی نہیں ہیں نیز حدیث قدسی میں الفاظ بھی وہی ہیں البتہ اس میں تواتر اور بلاشبہ نہیں۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾

ربط: طلاق کے مسائل چل رہے ہیں پہلے ذکر تھا کہ عدت ختم نہ ہو تو کیا کرو اب یہاں ذکر ہے کہ عدت ختم ہو جائے تو کیا کرو۔

معقل بن یسارؓ کا اپنی بہن کو پہلے خاوند کے ساتھ نکاح سے منع کرنا:

شان نزول: معقل بن یسارؓ کی بہن کا نکاح ہوا تھا خاوند نے طلاق دے دی۔ عدت ختم ہوئی تو لوگوں نے بھی اور سابقہ خاوند نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا تو بھائی نے منع کر دیا جبکہ بیوی کا رجحان بھی پہلے خاوند کی طرف تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۳۲۔﴿ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ﴾

ازکیٰ کا معنی کہ تمہارا دل بھی صاف ہو اور اطہر کا معنی کہ تمہارا بدن بھی صاف ہو۔

۲۳۳۔﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾

ربط: اوپر طلاق کا ذکر تھا اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ پیش آتا ہے کہ بچے کے دودھ کا کیا بندوبست ہوگا اس مناسبت سے یہاں رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا۔

۲۳۴۔﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾

ربط: اوپر طلاق کی عدت کا بیان تھا یہاں وفات کی عدت کو بیان فرمایا۔

۲۳۴۔﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾

تفسیر کشاف وبیضاوی والے کہتے ہیں کہ اربعة اشهر وعشرا ای لیالی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب ممیز مذکر ہو تو تمیز مؤنث ہوگی یہاں عشر ممیز مذکر ہے تو تمیز لیالی مؤنث ہوگی۔

۲۳۶۔﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾

ربط: پہلے طلاق کا ذکر تھا آگے طلاق کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے مالم تمسوهن جلالین تک ملے گا کہ ما مصدریہ ظرفیہ ہے کہ جس زمانے میں ہمبستری نہیں کی۔

متعہ کے تین معانی آتے ہیں:

ومتعوهن: متعہ کے تین معانی آتے ہیں۔

(۱) متعة الطلاق یعنی مطلقہ کو ایک جوڑا دو مہر مقرر ہو تو متعہ دینا مستحب ہے مہر مقرر نہ ہو تو دینا واجب ہے۔

(۲) متعة الحج یعنی حج تمتع۔(۳) متعہ بغیر نکاح کے عورت کے ساتھ جماع کرنا۔

۲۳۸۔﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾

ربط: شیخ الهندؒ فرماتے ہیں کہ اوپر معاملات کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف معاملات میں نہ الجھو بلکہ نماز کا بھی خیال کیا کرو۔

﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾

صلوۃ وسطیٰ کی تفسیر میں راجح قول:

وسطیٰ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے صلوٰۃ عصر مراد ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی تو گویا اس کا گھر و مال سارا ضائع ہو گیا۔

قوموا للّٰه قانتين ای ساكتين . فان خفتم فرجالاًاو ركبانا ای فصلوا راجلين او راكبين

امام صاحب فرجالا کا معنی کرتے ہیں قائماعلی الرجل۔امام شافعیؒ ماشی مراد لیتے ہیں۔

۲۴۰۔﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾

متوفی عنھا زوجھا کی عدت:

اس کی دو تفسیریں ہیں

(۱) پہلے متوفی عنھا زوجھا کی عدت ایک سال تھی خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ یہ حکم نزول کے اعتبار سے پہلے کا ہے بعد میں یہ عدت بتلائی گئی یعنی چار ماہ دس دن یہ نزول میں اس کے بعد کا ہے۔

(۲) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عدت غیر حاملہ کی پہلے بھی چار مہینے دس دن تھی اور اب بھی ہے اس میں تاکید ہے کہ اس کو کہیں کہ اس کو ایک سال تک نکالے نہیں۔

۲۴۳۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾

ربط: فان خفتم فرجالاً میں جہاد کا ذکر ضمناً تھا یہاں سے جہاد کا ایک واقعہ بیان کیا

شان نزول:

(۱) حضرت حزقیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے آمادہ کیا اور یہ لوگ نہ مانے

(۲) یا موت سے یہ لوگ بھاگے یعنی طاعون کی بیماری تھی اس سے بھاگے۔

﴿الم تر﴾ ،خازن، ابن جریر طبری اور ابن عوینہ نے لکھا ہے کہ یہاں رویت سے رویت العین مراد نہیں یعنی رویت سے آنکھ کا دیکھنا نہیں بلکہ دل کا دیکھنا مراد ہے۔

۲۴۵۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾

ربط: اوپر قتال کا ذکر تھا اور قتال میں پیسے کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا یہاں انفاق کا ذکر فرمایا قرضًا حسنًا۔

انفاق فی سبیل اللہ کو قرض کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟

سوال: سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کو قرض کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟

جواب: جواب یہ ہے کہ تشبیہ من کل الوجوہ مساوات کو نہیں چاہتی مثلاً زید کا لاسد میں زید کو اسد کے ساتھ تشبیہ صرف ایک وصف میں دی ہے من کل الوجوہ نہیں۔تو یہاں تشبیہ اس لئے دی کہ جیسا کوئی کسی کو قرض دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ مجھے واپس ملے گا اس طرح جو اللہ کو دیتا ہے اس کو بھی یقینی طورر پر ملے گا تو یہاں ملنے میں تشبیہ ہے یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ قرض کے محتاج ہیں۔

۲۴۶۔﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ﴾

شمویئلؑ اور یا اشمویئل کے واقعہ کا ذکر:

یہاں سے شمویئلؑ یا اشمویئلؑ کا واقعہ ہے یہ بوڑھے تھے قوم نے ان سے کہا کہ ہمارے لئے جرنیل مقرر کردیں تو انہوں نے طالوت کو مقرر فرمایا۔

طالوت کون تھے؟

یہ طالوت کون تھے اس کے بارے میں کئی روایات ہیں

(۱) یہ کہ رنگریز تھے۔(۲) چرواہا تھے (۳) ساقی تھے۔

جب طالوت کو اس کا جرنیل مقرر کردیا اور فرشتوں نے اس کو صندوق پیش کردیا تو جہاد کیلئے روانہ ہوئے۔

طالوت بڑے زیرک اور دانا تھے انہوں نے دیکھا کہ یہ سارے لوگ تو جہاد والے نہیں اس لئے ان کا امتحان لیا۔

جالوت کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی طالوت کے ہمراہ تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی تھے۔

روح المعانی، کبیر میں لکھا ہے کہ نہر پار کرنے کے بعد دو فریق بن گئے کامل الایمان، اکمل الایمان۔ جو کامل الایمان تھے انہوں نے کہا کہ ہم ایک لاکھ کے مقابلے میں کیا کریں گے اور جو اکمل الایمان تھے انہوں نے اسباب کی طرف نظر نہ کی۔

۲۵۰۔﴿ قَالُوْا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾

یہ میدان میں جاتے وقت دعا کی تھی اس لشکر میں داؤدؑ اور ان کے بھائی بھی تھے۔ جالوت کو داؤد نے قتل کیا لیکن یہ نبوت سے پہلے کی بات تھی اب تک ان کو نبوت نہیں ملی تھی۔

۲۵۱۔﴿وَ عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَآءُ﴾

اللہ تعالیٰ کی مشیت دو قسم پر ہے تشریعی اور تکوینی:

(۱) تشریعی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو نیکی اور برائی کی طاقت دی ہے فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر.

(۲) تکوینی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے لڑائی کا مادہ نہ نکالا اگر ایسا کرتے تو انسان انسان نہ رہتا بلکہ فرشتہ بن جاتا۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾

ربط: تفسیر کبیر، سبق الغایات، ابوسعود وغیرہ میں ربط یہ ہے: پہلے "من يقرض الله قرضا حسنا" میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا یہاں اس رکوع میں بھی اسی کی ترغیب ہے۔

عام مفسرین انفاق سے انفاق مال مراد لیتے ہیں لیکن امام رازیؒ، اندلسی اور علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس انفاق میں علم، قوت بدنی، اصابت رائے سب شامل ہیں۔

﴿وَلَا خُلَّةٌ ﴾

ابوسعود، مدارک، خازن اور بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ دوستی غیر متقین کی نہ ہوگی متقین کی ہوگی۔

۲۵۵ ﴿وَلَا شَفَاعَةٌ﴾

سوال: شفاعت تو حق ہے اس کی نفی کیوں کر دی؟

جوابات (۱) شفاعت نہ ہوگی الا باذنہ (۲) شفاعت نہ ہوگی کافروں کیلئے قرینہ ہے والكافرون هم الظالمون.

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾

ربط: اصل الاصول تین چیزیں ہیں۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) معاد

تلک الرسل میں رسالت کا ذکر ہے اور یہاں توحید کا ذکر ہے۔ آیت الکرسی کی فضیلت بخاری نے روایت کی ہے کہ جو اس کو جس وقت پڑھے گا شیطان کے اثر سے محفوظ ہوگا۔

قیوم کے دو معنی ہے لازمی اور متعدی۔ لازمی معنی قائم رہنے والا اور متعدی معنی قائم رکھنے والا۔

علم غیب کلی پر استدلال اور اس کا جواب:

۲۵۵ ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾

بریلوی مسلک کا ایک مولوی اس آیت سے آپ ﷺ کیلئے علم غیب کلی کو یوں ثابت کرتا ہے کہ یہاں ما عموم کیلئے ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ ان کا یہ استدلال دو طریقوں سے باطل ہے۔

(۱) الموصولات لم يوضع للعموم.

(۲) اگر ما کو عموم کیلئے مان لیں تو استثناء الكل عن الكل لازم آتا ہے جو باطل ہے۔ لازم یوں آتا ہے کہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ وہ احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز پر اس کے علم میں سے۔ یہ بھی کل پر دال ہے اور بعد میں ما بھی عموم پر دال ہے لہٰذا اس صورت میں استثناء الكل عن الكل لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

کرسیہ' کے معنی علمہ' یا اس سے حقیقی معنی کرسی کا بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ ساتویں آسمان کے اوپر پھر عرش کے اوپر کرسی ہے۔

اشکال:

السموٰت کو جمع ذکر کیا اور الارض کو مفرد ذکر کیا۔ السموات جب ارض کے ساتھ مل گیا تو چاہیے تو یہ تھا کہ ولا یؤدہ حفظھن کہہ دیتے کیونکہ جمع ہے اور اس کے بعد تثنیہ ذکر کر دیا حفظھما۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سمٰوٰت کو شی واحد قرار دیا۔ اور زمین کو الگ لہٰذا دو ہوئے اس لئے تثنیہ لایا۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ﴾

شان نزول:

مدینہ میں دو خاندان کفار کے تھے اوس اور خزرج۔ انہوں نے اپنے بیٹے یہود کو دیدئے وہ ان کے پاس پڑھتے تھے اور کھاتے پیتے تھے جس وقت یہود مدینہ سے چلے وہ بچے بھی ان کے ساتھ چلے والدین اس وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو مجبور کر دیا کہ ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ بچوں نے کہا کہ ہم تو انہی کے بیٹے ہیں یہاں تک کہ بعض نے اپنے بیٹوں کو مارا بھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین۔

۲۵۷ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ﴾

طاغوت سے کون مراد ہے؟

طاغوت سے مراد یا تو شیطان ہے یا بت۔ ہمارے خیال میں طاغوت کی جامع مانع تعریف امام جعفر صادقؒ نے کی ہے کل مایشغلک عن الحق فھو طاغوت۔ جلالین شریف میں ہے طاغوت جنس ہے یطلق علی المفرد والجمع۔

۲۵۷ ﴿يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾

ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد کیوں لائے؟

تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ہے کہ ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد کیوں لائے؟

جواب: باطل کے طرق کثیرہ ہیں اور ایمان وحق شی واحد ہے اس وجہ سے ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد لائے۔

۲۵۸ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ﴾

ربط: یہاں سے پہلے طاغوت والوں کا ذکر تھا اب آگے مومنوں کا ذکر ہے الم تر ای الم ینتہ علمک الی الذی۔ ابراھیمؑ کے مقابلے میں جو ظالم و جابر حکمران تھا اس کا نام کمالین اور قاموس والے نے (نمرود بن کنعان) لکھا ہے۔

چار بادشاہ ایسے گزرے جنہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے:

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے ان میں سے دو مسلمان اور دو کافر تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک حضرت سلیمانؑ اور ایک اسکندر اعظم (ذوالقرنین) تھے اور کافروں میں سے نمرود اور بخت نصر۔

دکھائے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح کر دیتا۔ فبھت الذی کفر ای حیر الذی کفر۔
۲۵۹﴿او کالذی﴾(او کالذی مرعلی قریۃ﴾ کا عطف الم تر پر ہے۔
حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:
واقعہ: حضرت عزیرؑ بیت المقدس کے قریب سے گزرے گدھے پر سوار تھے آپؑ کے پاس تورات بھی تھی وہاں بیت المقدس کا شہر دیکھا جو ایرانیوں کے حملوں کی وجہ سے برباد ہو چکا تھا۔ حیرانگی کی حالت میں کہا کہ یااللہ یہ شہر پھر کیسے آباد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپؑ کو موت دے دی سو سال گزرنے کے بعد عصر کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو زندہ کر دیا آپؑ کا کھانا جو کہ انجیر تھا صحیح سالم تھا اور گدھا متغیر ہو چکا تھا صرف اس کی ہڈیاں باقی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر کے دکھلایا۔
ولنجعلک کا عطف جلالین وغیرہ میں ہے کہ فعلنا ذالک لتعلم معطوف علیہ محذوف پر ہے۔
(قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ)
حیات انبیاء کے منکرین کا حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کا جواب:
بعض حضرات نے حضرت عزیرؑ کے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا تو ضرور اس کو سماع ہوتا اور وقت کا اس کو پتہ چل جاتا۔
لیکن یہ استدلال ان کا بالکل باطل اور مبنی بر فساد ہے کیونکہ آپ ادھر موجود ہیں زندہ ہیں اور میری بات سنتے ہیں
اب میں سوال کرتا ہوں کہ کم لبثتم فی الارض بعدالولادۃ میں اسی طرح پوچھتا کہ کتنے گھنٹے ہوئے کہ آپ حضرات ادھر موجود ہیں تو آپ قطعاً نہیں بتلا سکتے ہیں اگر آپ کی نہ بتانے کی وجہ سے کہہ دوں کہ تم سب مردے ہو سنتے نہیں ہو تو یہ سب غلط ہوگا۔
لہٰذا بالکل اسی طرح اس مسئلہ مذکورہ کا اس مسئلہ حیات و ممات سے کوئی تعلق نہیں۔
۲۶۰﴿كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ﴾
ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ یااللہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولم تؤمن۔
یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے سوال نہیں کیا کہ وہ نعوذ باللہ گویا کہ مومن نہیں تھے۔
بلکہ یہ سوال اس لئے کر دیا تا کہ ابراہیمؑ کا ایمان واضح ہو جائے جمہور اس کا یہی معنی کرتے ہیں ۔
وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي
تفسیر اتقان میں ہے کہ قلبی ابراہیمؑ کا ایک دوست تھا اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تا کہ میرا دوست قلبی مطمئن ہو جائے کیونکہ وہ قیامت کے بارے میں متردد تھا۔
﴿قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ﴾
تفسیر بیضاوی اور روح المعانی میں ہے کہ وہ چار پرندے یہ تھے۔
(۱) طاؤس (۲) مرغ (۳) کبوتر (۴) کوا۔
فرمایا کہ ان تمام کا قیمہ بنا کر رلا ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ لیں۔
ابوالکلام آزاد سے ایک تفسیری غلطی:

یہاں ایک غلطی بعض حضرات سے ہوئی ہے ان میں سے ابوالکلام آزاد بھی ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ان چار پرندوں کو کاٹا نہیں تھا بلکہ یوں فرمایا کہ ان کو پہاڑوں پر اسی طرح رکھ دو پھر ان کو بلاؤ لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں۔

۲۶۱۔ ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

ربط: پہلے انفاق کا ذکر تھا۔ اب اس کی فضیلت اور انفاق کے شرائط کا ذکر ہے۔

قرآن میں ہے ﴿من جاء بالحسنة فله عشرا مثالها﴾

لیکن فی سبیل اللہ ایک نیکی کرنا سات سوگنا ثواب ہے۔ علم دین کیلئے سفر، حج کیلئے سفر یہ تمام فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

الترغیب والترھیب میں روایت ہے کہ اگر ایک صحیح العقیدہ مسلمان جائز طریقہ سے مال کماتا ہے کسی دوسرے ملک میں بشرطیکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اس کو بھی سات سوگنا اجر ملے گا۔

نحوی اشکال:

مثل الذین الخ میں الذین مشبہ اور حبۃ مشبہ بہ۔ لوگوں کی ذوات کو دانے کیساتھ تشبیہ دینا کیسا ہے؟

جواب: جلالین تک ملے گا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اصل میں یوں ہے مثل نفقات الذین ینفقون اموالهم۔

انفاق فی سبیل اللہ کی قبولیت اور بقاء کی شرائط کا بیان:

کچھ صدقات کی قبولیت کی شرائط ہیں اور کچھ بقاء کی۔ شرائط قبولیت یہ ہیں ایمان ہو اور خرچ کرنے والی چیز حلال اور خدا کی رضا کیلئے ہو۔ بقاء کی شرط یہ ہے کہ انفاق کے بعد مَن اور اذیٰ نہ ہو۔ مال کا پاکیزہ ہونا اس لئے شرط ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے لا تقبل صدقة من غلولٍ۔ حرام چیز کا صدقہ کرنے کے بعد اگر ثواب کی نیت کرے تو کافر ہوجاتا ہے۔

حرام چیز کے صدقہ کرنے پر تعمیل حکم کا ثواب ملتا ہے صدقہ کا نہیں:

یہ حرام چیز غریب کیلئے جائز ہے حرام چیز کے صدقہ کرنے پر تعمیل حکم کا ثواب ملتا ہے صدقہ کا نہیں۔

۲۶۵ ﴿جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا﴾

تفسیر کبیر، روح المعانی میں ہے کہ اونچی جگہ کی قید اس لئے لگائی کہ ہر طرف سے دھوپ بھی لگے گی اور ہوا بھی لگے گی۔

﴿وَابِلٌ﴾

سے مراد کثیر مقدار میں صدقہ کرنا ہے اور طل سے قلیل مقدار میں صدقہ ہے نخیل واعناب فرمایا کیونکہ اس کا میوہ دیر تک رہتا ہے۔ اعصار وہ ہوا جو ستون کی شکل میں بہت تیزی سے چلتی ہے۔

فاحترقت لازمی ہو تو ضمیر راجع بسوئے جنة اور اگر متعدی ہو تو نار مراد ہوگا۔

۲۶۷۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۝﴾

ربط: پہلے نفقات کی قبولیت کی شرائط کا بیان تھا۔ یہاں مال کی صفت بیان کرتے ہیں۔

۲۶۸۔ ﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾

۲۶۸۔﴿اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾
مصادر کے تبدیل ہو جانے سے معانی میں تبدیلی آجاتی ہے۔
یہاں وعد یعد وعیداً ہوتو معنی ڈرانا اور اگر وعداً ہوتو معنی وعدہ کرنا۔
﴿يُؤتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ﴾
حکمت کی تعریف:
"العلم النافع المودی الی العمل"
﴿أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ﴾
نذر یہ ہے کہ میرے پروردگار اگر میرا یہ کام ہوا تو یہ کام کروں گا۔شریعت میں نذر مستحسن چیز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے سودا کرنا ہے۔دوسرا یہ کہ جاہل سمجھتا ہے کہ میرا کام نذر سے ہوا۔نذر غیر اللہ کیلئے ماننا باطل ہے کیونکہ نذر ایک عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کیلئے جائز نہیں۔نیز غیر اللہ کو (میت وغیرہ) کو متصرف تسلیم کرنا ہے۔
۲۷۱۔﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٥﴾
یہاں سے ان صدقات کی ادائیگی کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ھی ضمیر کا مرجع صدقات ہیں لیکن یہاں پر مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے"ان تبدوا الصدقات فنعم شیء" ابداؤھا" مخفی صدقہ کرنے میں ریاکاری نہیں ہوتی اگر آپ مجمع میں دیتے ہو تو لینے والے کا ضمیر اس کو برداشت نہیں کریگا۔
دوسرا نقصان یہ ہے کہ چور دیکھ لے گا کہ اچھا اتنا تو اس نے زکوۃ دی اس سے کہیں زیادہ اس کے گھر میں موجود ہے لہٰذا صدقہ خفیہ طور پر دینا چاہیے۔
۲۷۴۔﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾
ربط: پہلے صدقات کے اوصاف کا بیان تھا اب صدقات کے لئے وقت کو بیان کرتے ہیں۔
۲۷۵۔﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ﴾
ربط: اوپر صدقات کا ذکر تھا جس سے مال بظاہر کم ہوتا ہے اور اب ربٰو کا ذکر ہے جس سے مال بظاہر زیادہ ہوتا ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔
امام سرخسیؒ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ جنات انسان کو تکالیف پہنچاتے ہیں ایک اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور ایک ساتویں پارہ میں ہے (غالباً سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۷ ہے) شمائل ترمذی مع خصائل نبوی میں روایت ہے
عن عائشةؓ قالت حدث رسول الله ﷺ ذات ليلة نسائه حديثاً فقالت امرأة منهن كان الحديث حديث خرافة فقال أتدرون ما خرافة ان خرافة كان رجل من عذرة اسرته الجن فى الجاهلية فمكث فيهم دهراً ثم ردوه الى الانس فكان يحدث الناس بما راى فيهم من الا عاجيب فقال الناس حديث خرافة.
ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا ان میں سے ایک

عورت نے کہا کہ یہ قصہ حیرت اور تعجب میں خرافہ کے قصوں جیسا ہے۔ (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ جانتی ہو خرافہ کا اصل واقعہ کیا تھا خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے تھے ایک عرصہ تک انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا پھر لوگوں میں چھوڑ گئے وہاں کے زمانہ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیث خرافہ کہنے لگے۔

﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

الٹی تشبیہ دی کہ بیع اس لئے حلال ہے کہ ربوٰ حلال ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا مستدرک کی روایت ہے کہ جس قوم میں دو باتیں ہوں اللہ تعالیٰ اس قوم کو برباد کر دیتے ہیں ایک سود دوسرا زنا۔

۲۷۵۔﴿فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

سود کو حلال سمجھنا کفر ہے:

تفسیر روح المعانی اور بیان القرآن میں ہے کہ اگر سود حلال سمجھ کر کرتا ہے اور کھاتا ہے تو کافر ہوگا اور خلود فی النار اس کیلئے ہوگا۔ اور اگر حرام سمجھ کر کھاتا ہے اور کرتا ہے تو خلود سے مراد مکث طویل ہوگا۔ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ سجن مخلد سے مراد مکث طویل ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سمجھانے کیلئے مثال دی ہے ایک آدمی بیمار ہے اس کا بدن سوج گیا خوش ہوتا ہے کہ میں پہلوان ہوں لوگ کہتے ہیں کہ تم بے وقوف ہو یہ تو پاؤں سوج گئے اور تم خوش ہوتے ہو۔ تو ربوا سے بھی بظاہر مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ نقصان ہے۔ صدقات سے مواد غلیظہ ساقط ہوجاتے ہیں جیسا کہ جلاب سے مواد غلیظہ جسم سے خارج ہوجاتے ہیں۔

۲۸۰۔﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ٥﴾

اس میں دو ترکیبیں ہیں قاضی ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں نظرة یہ خبر ہے مبتدا محذوف کیلئے ای فالحکم نظرة الی میسرة۔

علامہ سیوطیؒ فنظرة کو مبتدا موخر بناتے ہیں ای فعلیکم نظرة

۲۸۲۔﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ اگر تمہارا مدیون تنگ دست ہو تو مہلت دے دو اب اسی ادھار کا ضابطہ بیان کر رہے ہیں۔

قرض اور دین میں فرق:

اگر کسی کو نقد پیسے دے دو تو یہ قرض ہے اور اگر کوئی چیز بیچ دو تو یہ دین ہے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ نفس شہادت پر اُجرت لینا جائز نہیں البتہ کھانا پینا اور کرایہ معمول کے مطابق لے سکتا ہے۔

﴿أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ﴾: یا تو گونگا ہے یا زبان نہیں چلتی یا عدم استطاعت کیوجہ سے۔

مرتھن رھن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا:

۲۸۳۔﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ﴾

سفر کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں امام بخاریؒ نے اس پر مستقل باب قائم کر دیا یعنی الرھن فی الحضر۔ یہاں رھن سے انتفاع کے متعلق سوال ہے اور بحث ہے میرے خیال میں اس کے بارے میں احکام القرآن میں ابوبکر

جصاصؒ نے ٹھوس بحث کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز رھن ہو اس سے مرتھن نفع نہیں اٹھا سکتا تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رھن صرف ایک وثیقہ ہے زمین تو راھن کاشت کرے گا وغیرہ۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے فقہی طور پر ٹھوس حوالے جمع کئے ہیں کہ مرتھن رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾

ربط: سورۃ بقرہ میں بہت سے مسائل مذکور تھے یہاں فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین کے مالک ہم ہیں ہم جو حکم دیں اس کو کرو۔

غیر اختیاری وسوسوں کا حکم:

۲۸۴۔﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ٥﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ پریشان ہوئے کہ وسوسے تو ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ اس کے بارے میں آگے حکم دیا لا يكلّف الله نفسًا الا وسعها۔

اشکال: خبر میں نسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ نسخ انشاء ہوتا ہے اور یہ خبر ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ خبر من حيث الخبر میں نسخ نہیں ہوسکتا البتہ خبر من حيث الانشاء میں نسخ ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسری تفسیر یہ ہے کہ غلط وسوسے اس میں داخل نہیں اگر وسوسے کے طور پر کسی گناہ کا خیال ذہن میں آئے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر عزم کے طور پر گناہ کا خیال آئے یعنی ارادہ کرے تو اس میں گناہ ہے۔ ما في انفسكم سے مراد وہ ہیں جو قصداً ارادۃً تم اپنے دلوں میں رکھتے ہو غیر ارادی طور پر نہیں۔

بخاری کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی بات کو معاف فرمایا ہے۔ مالم يتكلم او مالم تعمل. تو جب تک وہ بولے نہیں یا اس پر عمل نہ کرے اس سے پہلے معتبر نہیں اور جو چیز دل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے مثلاً عقیدہ، ایمان، حسد وغیرہ ان کیلئے تکلم یا عمل ضروری نہیں جبکہ وہ دل میں اس پر مطمئن ہو۔

﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا﴾

غفرانک یہ مفعول به للفعل المحذوف. ہے ای اسئل غفرانک۔

رضی شارح کافیہ کہتے ہیں کہ مفعول مطلق ہے ای اغفر غفرانک.

فقہی اختلاف:

امام صاحب فرماتے ہیں کہ خطاء کی صورت میں روزہ فاسد ہوتا ہے اور صائم کے ذمہ قضاء ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا تو پھر قضاء بھی واجب نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خطاء اور نسیان ایک ہی چیز ہے دلیل ان کی یہ

ہے ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں مواخذہ سے اخروی مواخذہ مراد ہے دنیا کا نہیں۔

خطاء اور نسیان میں فرق:

ہم خطاء اور نسیان میں فرق کرتے ہیں۔ نسیان یہ ہے کہ نفس فعل بھول جائے جیسا کہ روزہ کو بھول گیا۔ اور خطاء یہ ہے کہ نفس فعل یاد ہو لیکن غیر اختیاری طور پر کیا جائے۔

﴿ وَاعْفُ عَنَّا ﴾ ہمارے صغیرہ گناہ معاف فرما

﴿ وَاغْفِرْ لَنَا ﴾ ہمارے کبیرہ گناہ معاف فرما اور بعض نے اس کا برعکس معنی بیان کیا ہے۔

سورة اٰل عمران

﴿الٓمٓ oاللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾

ربط: بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے پہلی سورت کے آخر میں تھا فانصرنا علی القوم الکافرین.

مدد ونصرت دوقسم کی ہوتی ہے باللسان و بالسنان (زبانی اور سیفی)

اس سورت میں دونوں کا ذکر ہے پہلے نصرت باللسان کا ذکر ہے کہ نجران کے عیسائیوں کو زبان سے مغلوب کرلیا اور آگے نصرت بالسنان کا ذکر ہے جو کہ غزوہ بدر کی صورت میں آئی۔

شان نزول:

تفسیر طبری، مدارک اور روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ ہجرت کا نواں سال تھا رجب کا مہینہ تھا نجران کے ساٹھ عیسائی آپؐ کے پاس آئے۔ وہاں کچھ مذہبی گفتگو ہوئی اور مناظرہ ہوا انہوں نے کہا کہ عیسیٰؑ خدا کا بیٹا ہے عیسیٰ کا خدا کا بیٹا نہ ہونے پر آپؐ نے ایسے دلائل پیش کیے کہ انہوں نے اقرار کرلیا پھر انہوں نے کہا کہ تمہارے قرآن میں عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے مدعا کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے اس کی تردید قرآن کریم نے تحقیقی انداز سے منه ایٰت محکمات الخ سے فرمائی۔

قرآن میں دوقسم کی آیات ہیں ایک تو وہ ہیں جن کا مطلب اور مفہوم بالکل واضح ہے اور ان کے معانی میں اور کسی معنی کا احتمال نہیں ان کو محکمات کہتے ہیں دوسری وہ آیات ہیں جن کی مراد واضح نہیں اور کئی معانی کا احتمال رکھتی ہیں ان کو متشابہات کہتے ہیں اس سورۃ کا نام ال عمران ہے عمران حضرت مریمؑ کے والد کا نام تھا۔

۱۰۔﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ﴾

ربط: پہلے نصرت باللسان کا ذکر تھا اب کفار کا مقولہ ذکر کرتے ہیں کفار نے مسلمانوں کو کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں حالانکہ تمہارے پاس نہ مال ہے اور نہ اولاد ہے۔

کدأب ال فرعون یہ خبر ہے مبتدا محذوف ہے ای دأبهم کدأب الخ.

۱۲۔﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ﴾

غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح اور کفار مشرکین کو شکست ہوئی تو یہود کہنے لگے کہ تم ناتجربہ کار لوگوں سے لڑے ہو آؤ ہمارے ساتھ لڑو تا کہ پتہ چل جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل للذین کفروا الخ

۱۳۔﴿یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ﴾

اس میں دو ترکیبیں ہیں:

(۱) یرون کی ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے یعنی مسلمانوں نے کافروں کو اپنے آپ سے دگنا دیکھا۔

(۲) یرون کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافر اپنے آپ کو مسلمانوں سے دگنا دیکھنے لگے۔

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾

پہلے مال کا ذکر تھا اب لوگوں کی اور محبتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اُن لوگوں میں یہ محبتیں تھیں ان چیزوں کی

خواہش رکھتے تھے۔

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾

اس لفظ کے تین معانی ہیں:

(۱) خوبصورت گھوڑے (۲) تام الخلقت گھوڑے (۳) نشان لگائے ہوئے گھوڑے۔

(شهد الله انه لااله الّا هو والملئكة واولوا العلم) اولوا العلم سے انبیاء صحابہ اور علماء مراد ہیں۔ قائماً یہ حال ہے ھو سے (لا اله الا هو میں) اور اس میں عامل مضمون جملہ ہے۔ ای تفرد قائما بالقسط اور بعض نے شهد الله میں لفظ اللہ سے اس کو حال بنایا ہے۔

اور بعض نے تمام معطوفات سے اس کو حال بنایا ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے تفسیر کشاف دیکھیں)

۱۹۔﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِo﴾

ربط: اوپر یہود کا ذکر تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا دین قیامت تک رہیگا۔ یہ ربط بھی بیان کیا ہے کہ اوپر یہود نے کہا تھا کہ تم نے جو غلبہ حاصل کیا ہے وہ صدق دین کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ نا تجربہ کار تھے دین تو ہمارا سچا ہے اس کی یہاں سے تردید فرمائی کہ دین حق صرف اسلام ہے۔ ''ان الدين (مرضيا) عند الله الاسلام'' اس کا قرینہ ہے ورضيت لكم الاسلام ديناً ۔ بعض نکالتے ہیں ان الدين (كاملاً) عندالله الاسلام قرینہ یہ ہے اليوم اكملت لكم دينكم ۔ اور بعض نکالتے ہیں ان الدين (مقبولاً) عند الله الاسلام قرینہ ہے ومن يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منه اور بعض نکالتے ہیں ان الدين (المنجى) عند الله الاسلام۔.

۲۱۔﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ اہل کتاب نے سرکشی کی تھی انہوں نے جو اختلاف کیا تھا سرکشی کی بناء پر آگے ان کی سرکشی کا بیان ہے۔

یہود نے ایک دن میں ۴۳ انبیاء کرام کو قتل کیا:

روح المعانی اور درمنثور میں روایتیں ہیں کہ یہود نے ایک دن میں ۴۳ انبیاء کرام کو قتل کیا اور ان کے ایک سو ستر (۱۷۰) حواریوں کو بھی شہید کر دیا۔

۲۲۔﴿ أُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَo﴾

نصيباً مِنَ الكِتَاب (کتاب کا کچھ حصہ) سے مراد یہ ہے کہ صرف الفاظ دیے گئے نہ کہ معنی اور بعض نے کہا کہ کچھ الفاظ۔ اور يدعون الى الكتاب میں کتاب سے تورات مراد ہے۔

۲۶۔﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo﴾

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود عنقریب مغلوب ہوں گے نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا اس پر انہوں نے پوچھا کہ مسلمان وہاں کے بادشاہ ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس

پر انہوں نے قہقہہ لگایا یہاں ان کا رد ہے۔

۲۸۔﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾

ربط: اوپر یہود کے ساتھ گفتگو اور مشرکین کے ساتھ لڑائی کا ذکر تھا اب یہاں سے ان کفار کیساتھ ترک تعلقات کی تاکید ہے۔

کفار کے ساتھ تعلقات کی تین صورتیں ہیں:

بیان القرآن میں ہے کہ کفار کے ساتھ تعلقات کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) موالات (۲) مدارات (۳) مواسات

پہلی قسم موالات تو کسی صورت میں جائز نہیں یعنی دوستی رکھنا یہ حرام ہے۔ دوسری چیز مدارات ہے مدارات کے معنی ظاہری خوش خلقی یہ کفار کے ساتھ تین صورتوں میں جائز ہے۔

(۱) اکرام ضیف کی بناء پر

(۲) دینی مصلحت کی بناء پر جب امید ہو کہ اس سے دین اسلام کی طرف مائل ہوگا۔

(۳) دفع ضرر کی وجہ سے

(۳) مواساۃ یعنی مالی ہمدردی واحسان۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے۔

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾

اس میں مدارات کی صورت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یہاں تقیہ سے وہ شیعوں والا تقیہ مراد نہیں ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ نوحصے دین تقیہ میں ہے اور کہتے ہیں کہ لا دين لمن لا تقيه له'۔ اس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو بیان القرآن میں دیکھیں۔

۳۰۔﴿ما عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ﴾

روح المعانی اور بحرالمحیط میں ہے کہ وما عملت کا عطف پہلے ما عملت من خير پر ہے اور دونوں ملکر پورا جملہ ہوگا۔ اور تو دلو ان بينها وبينه امدا بعيدا جملہ مستانفہ ہے۔

اور تفسیر جلالین میں ہے کہ دونوں الگ جملے ہیں اور وما عملت من سوءٍ مبتدا ہے اور تو دلو ان اس کی خبر ہے۔

۳۱۔﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

ربط: پہلے رکوع میں توحید کا ذکر تھا یہاں رسالت کا ذکر ہے۔

۳۲۔﴿قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ۝﴾

اتباع اور اطاعت میں فرق:

اتباع اور اطاعت میں فرق یہ ہے کہ اتباع ہوتا ہے عمل میں اور اطاعت ہوتی ہے قول میں۔

﴿ذرية بعضها من بعض﴾

تفسیر کشاف میں ہے کہ ذریۃً منصوب ہے بدل ہے آل ابراهيم و آل عمران سے۔ دوسرے حضرات

کہتے ہیں کہ منصوب بنابر حال ہے۔

حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران بن ماثان اور والدہ کا نام حنہ بنت فاقوذا ہے:

یہاں آل عمران میں عمران سے مراد عمران بن ماثان ہیں جو حضرت مریمؑ کے والد اور حضرت عیسیٰؑ کے نانا تھے اور آگے امرأۃ عمران میں بھی اس سے امرأۃ عمران بن ماثان مراد ہے۔ جو کہ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی نانی تھی جس کا نام حنہ بنت فاقوذا ہے۔

﴿الْمِحْرَابَ﴾

یہ ظرف مکان کا صیغہ ہے لڑنے کی جگہ یہ علامہ آلوسیؒ کی تحقیق ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی سخت لڑاکا۔

۴۲۔﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ﴾

ربط: واضح ہے اوپر بھی حضرت مریمؑ کا ذکر تھا اب بھی انہی کا ذکر ہے۔ وطھرک افعال ذمیمہ سے پاک کردیا۔ یا مردوں کے اختلاط سے پاک کردیا۔

﴿عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ﴾ یہ اُن کی جزوی فضیلت ہے اور اپنی ہم عصر لڑکیوں پر کلی فضیلت ہے۔

مسیح کی وجہ تسمیہ:

یہاں سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں ان کو مسیح کیوں کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مسیح مسح یمسح (ف) بمعنی ہاتھ پھیرنا سے ہے کہ برص والے اور نابینا آپ کے مسح سے ٹھیک ہوجاتے۔ قاموس، عمدۃ القاری اور فتح الباری میں ہے کہ مسیح کا لفظ عیسیٰ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور دجال کیلئے بھی، فرق کیا ہے۔ (۱) اس کا مادہ مجرد مسح یمسح ہے اور دجال کے مسیح کا مادہ ساح یسیح سیاحت سے ہے۔ (۲) اگر دونوں کا اصل مادہ مسح یمسح ہو تو فعیل کا وزن چونکہ فاعل اور مفعول دونوں کیلئے آتا ہے۔ تو مسیح بروزن فعیل عیسیٰؑ کیلئے فاعل کے معنی میں ہے اور دجال کیلئے مفعول یعنی ممسوح عینہٗ کے معنی میں ہے۔

۴۸۔﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾

اس میں دو قول ہیں (۱) کتاب سے مراد کتابت ہے۔ (۲) مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمۃ سے سنت ہے کہ آخری زمانے میں اس کی تعلیم دیں گے۔

۵۰۔﴿وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

حلال اور حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ انبیاء کرام کا:

تاریخ ابن ہشام میں مبسوط بحث ہے حلال حرام کرنا رب کا کام ہے، مخلوق کا کام نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ حلال اور حرام کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انبیاء کرام صرف ان کو بیان کرنے والے ہیں۔

لفظ حواری کی تحقیق:

حواری کا لفظ حور سے مشتق ہے جس کے معنی سفید کے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کے رنگ سفید تھے بعض کہتے

ہیں کہ دھوبی تھے کپڑے صاف کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے دل سفید تھے۔

۵۵۔﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ﴾

مرزائی کا اس آیت کے لفظ متوفیک سے حضرت عیسیٰؑ کی موت پر استدلال:

مرزائی اس آیت کے لفظ متوفیک سے حضرت عیسیٰؑ کی موت پر استدلال کرتے ہیں کہ ان کو موت دی گئی ہے۔

جواب: متوفی کا مجرد مادہ وفیٰ سے ہے جس کا معنی ہے پورا پورا لینا مثال کے طور پر الکریم اذا وعد وفی. وفیت کل نفس کا مجرد مادہ بھی وفیٰ ہے اور وفات اس کا معنی مجازی ہے تو یہاں اگر معنی حقیقی لے لیں تو معنی ہوگا کہ میں تمہیں پورا پورا لوں گا۔ اور اس میں وفات کا کوئی معنی نہ ہوا اور اگر معنی مجازی یعنی وفات لے لیں تو بھی اہل حق پر زد نہیں پڑتی کیونکہ متوفیک ای ممیتک یہ اسم فاعل ہے تو معنی ہوگا کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اب اپنی طرف اٹھاتا ہوں کیونکہ اسم فاعل میں زمانہ استقبال بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے متوفیک بمعنی ممیتک کے کئے ہیں اور نیز حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے اور دوبارہ آنے کے بارہ میں احادیث متواترہ و مشہورہ موجود ہیں اور اس پر اجماع ہے۔

اتباع کی قسمیں:

اتبعوک: تفسیر روح المعانی اور بیان القرآن میں ہے کہ اتباع کی دو قسمیں ہیں (۱) اتباع کامل (۲) اتباع قاصر۔ اتباع کامل مسلمانوں نے کی اور اتباع قاصر نصاریٰ نے کی۔ اور یہاں پر اتباع کامل والوں کی فوقیت کا تذکرہ ہے۔ **الذین کفروا** سے مراد یہودی ہیں۔

۵۹۔﴿إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

ربط: پہلے ذکر کیا تھا کہ وفد نجران کے عیسائیوں نے آپؐ سے مناظرہ کیا جب دلائل سے عاجز آگئے تو کہنے لگے کہ تمہارے قرآن میں عیسیٰؑ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ خدا کا بیٹا ہے اگر بیٹا نہیں تو عیسیٰؑ کا باپ کون ہے؟ اس کا جواب دے دیا کہ جیسا حضرت آدمؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیدا کیا پھر آسمان پر اٹھا لیا پھر زمین پر بھیجا گیا اسی طرح عیسیٰؑ بھی ہیں۔

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ﴾

باب افتعال سے بھی آتا ہے اور مفاعلہ سے بھی مباہلہ کا معنی ہے الدعاء بالتضرع۔ عاجزی سے دعا کرنا۔ القصص یہ مصدر ہے بمعنی بیان۔

مباہلہ کے واقعہ سے شیعوں کا غلط استدلال:

اس واقعہ سے شیعہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت نبی علیہ السلام کی ایک بیٹی تھی کیونکہ اگر اور ہوتیں تو آپؐ ان کو بھی لے کر آتے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ نہ لانے سے نہ ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ آپؐ کے تین بیٹے تھے۔ لیکن ان کو نہیں لائے تھے۔ اور ان کو نہ لانے سے ان کا سرے سے انکار لازم نہیں آتا کہ تھے ہی نہیں۔ نیز یہ مباہلہ ۹ھ میں ہوا تھا اور آپ ﷺ کی ایک بیٹی ۲ھ میں اور ایک ۸ھ میں فوت ہوئی تھی۔

٦٤ ۔﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾
ربط: مناظرے میں جب ان کو شکست ہوئی اور مباہلے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودی بھی موجود ہیں اور نصاریٰ بھی ان کو کھلے طور پر دعوت دو۔
٦٩ ۔﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ ﴾
ربط: اوپر اھل کتاب کو دعوت کا بیان تھا آگے ان کی شرارتوں کا ذکر ہے کہ یہ لوگ ایمان کیا لائیں گے۔
حنیفاً المائل عن الادیان کلھا.
٧٢ ۔﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾
یہودیوں کے پیشواؤں کے اپنے چیلوں کو غلط مشورے:
ربط: اوپر تھا کہ اہل کتاب کا ایک طائفہ تمہیں بہکانا چاہتا ہے اب ان کے بہکانے کا طریقہ بیان کیا ہے وہ یہ تھا کہ عبداللہ بن صیف، عادی بن زید اور حارث بن عود یہ یہودیوں کے پیشوا تھے۔انہوں نے اپنے چیلوں کو سبق دیا کہ دن کے شروع میں زبانی مسلمان بن جاؤ نہ کہ دل کیساتھ پھر شام کے وقت اس سے پھر جاؤ یہ کہکر کہ ہمیں اسلام میں کوئی اچھی بات نظر نہیں آئی۔تو اس کو دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی اسلام سے پھر جائیں گے۔
وجه النهار میں ابتداء نہار کو وجہ کیساتھ اس لئے تعبیر کیا کیونکہ ملاقات کے وقت سب سے پہلے چہرے کو دیکھا جاتا ہے
٧٣ ۔﴿ أَنْ يُّؤْتٰى أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوْتِيْتُمْ أَوْ يُحَآجُّوْكُمْ﴾
روح المعانی کبیر، قرطبی وغیرہ میں ہے کہ (۱) ان یوتی احد '' یہ یہود کا مقولہ ہے اور لا یؤمنوا کیساتھ اس کا تعلق ہے یعنی یہ نہیں مانتا کہ کوئی دوسرا بھی دیا جائے تم جیسا اور یہ نہ مانتا کہ تم غالب آئے حق کی تعیین میں۔
(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مقولہ ہے یعنی اس لئے یہ کہتے ہیں کہ کوئی دیا جائے مثل اس کے جو تم کو دیا گیا ہے۔
سبیل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے ای سبیل الزام.
٧٩ ۔﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾
ربط: ابورافع یہودی تھا جب آپؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بندے ہیں معبود نہیں اور حضرت عزیز بھی خدا کے بندے اور رسول تھے اس پر انہوں نے کہا کہ کیا اپنے آپ کو رب کہتے ہو۔حق تعالیٰ نے یہاں اس کی تردید فرمائی۔
٨١ ۔﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ﴾
ربط: سبق الغایات میں ہے کہ اے یہودیو اور مشرکو تم حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ معصوم پیغمبر بھی آپ پر ایمان لانے کے مکلف ہیں۔
انبیاء کرام سے یہ وعدہ کب لیا گیا تھا اس میں دو قول ہیں:
(۱) تفسیر خازن میں ہے کہ عالم ارواح میں
(۲) تفسیر طبری میں ہے کہ جب کوئی نبی دنیا میں مبعوث ہوتا تو اس سے یہ وعدہ لیا جاتا کہ آپ پر ایمان لانا اور آپؐ کی نصرت کرنا اور اپنے متبعین کو اس کی تاکید کرنا کہ اگر ان کے زمانہ میں آئے تو آپؐ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد ونصرت کرے۔

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان تو پہلے لا نا ممکن ہے لیکن نصرت پہلے کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب: جواب اس کا یہ ہے کہ آپ کی جلالت شان کو بیان کرنے کیلئے فرمایا کہ ان کی نصرت کرنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے عربی کا مقولہ ہے مالا یدرک کله' لا یترک کلهٗ۔

﴿فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) جس نے نبی نہ ہو کر اس سے اعراض کیا تو وہ فاسق ہوگا۔ ای من تولی من غیر الانبیاء بعد ذالک.

(۲) پس جس نے اعراض کیا ان پیغمبروں میں سے تو وہ فاسق ہے۔

اشکال: اشکال اس پر یہ ہے کہ انبیاء کیسے انکار کریں گے اور کیسے وہ فاسق ہوسکتے ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ (۱) انبیاء کرام سے اس چیز کا ہونا محال ہے لیکن اس کی اہمیت بتلانے کیلئے کہ بالفرض اگر انبیاء بھی انکار کر لیں تو وہ بھی گناہ گار ہوں گے۔

(۲) من اسم شرط ہے اور جملہ شرطیہ کا تحقق خارج میں ضروری نہیں جیسا کہ لئن اشرکت لیحبطن عملک میں حبط عمل رسول اللہ ﷺ علی تقدیر الفرض ہے۔

ان الذین کفرو اای بعیسی بعد ایمانهم بموسٰی ثم ازدادوا کفرًا بمحمدٍ (تفسیر جلالین میں ہے)

٩٢ . ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ پہلے ذکر تھا کہ کافر اگر ملء الارض جتنا سونا پیش کریں قیامت کے دن وہ قبول نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی فائدہ ہوگا۔ یہاں فرمایا کہ مومن دنیا میں جو خرچ کرے گا فی سبیل اللہ اس کا اسے ثواب ملے گا اور قیامت میں فائدہ ہوگا۔

.لن تنالوا البر میں الف لام عوض مضاف کا ہے۔لن تنالوا البر ای ثوابه وهو الجنة

(٢) یہاں البر کی صفت محذوف ہے ای براً کاملاً اور مما تحبون میں ما موصولہ ہے اور من شي اس کے لئے بیان ہے۔

یہود کی ابراھیمؑ کی طرف غلط نسبت :

٩٣۔﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنتُمْ صَادِقِيْنَ○﴾

ربط: تفسیر کبیر میں ہے کہ اس کا ربط ان اولى الناس بابراهيم کے ساتھ ہے کہ آپؐ نے ابراھیمؑ کی طرف نسبت کی تھی اس پر یہود نے اعتراض کیا کہ ان پر اونٹ کا گوشت حرام تھا اور آپ ان کو حلال سمجھتے ہیں۔اس کا جواب یہ تھا کہ ابراھیمؑ کے زمانے میں یہ تمام چیزیں حلال تھیں تورات کے بعد بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام کی گئیں البتہ اونٹ کا گوشت اس سے پہلے حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کیا تھا کہ ان کو عرق النساء کی بیماری تھی تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھے اس بیماری سے شفادی تو سب سے محبوب کھانا میں چھوڑ دوں گا اور ان کے نزدیک محبوب ترین کھانا اونٹ کا گوشت تھا لہذا خدا نے شفادی اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

تفسیر احکام القرآن لابی بکر الجصاص اور روح المعانی میں ہے کہ اس قسم کی نذر ماننا ان کی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

٩٦۔﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ○﴾

ربط: اوپر ابراھیمؑ کا ذکر تھا آگے ان کے تعمیر کردہ گھر اور تعمیر کا ذکر ہے مکہ کو مکہ بھی اور بکہ بھی کہتے ہیں اس کا معنی ہے گردن توڑنا۔کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے اس کی طرف گردن جھکتا ہے اور مکہ کے معنی ناف کے ہیں کہ جیسا کہ بچے کو سرة (ناف) کے ذریعہ سے خوراک ملتی ہے اس طرح تمام عالم کے لوگوں کو روحانی خوراک اس سے ملتی ہے۔

دیانند سرسوتی کا اعتراض:

دیانند سرسوتی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہم اگر بت کو سجدہ کریں تو ہم کافر ہیں اور تم لوگ کعبہ کو سجدہ کرتے ہو لیکن تم کافر نہیں بنتے اس کا جواب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیا کہ کعبہ مسجود لہ نہیں بلکہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ' صرف اللہ ہیں اور کعبہ سجدہ کی جہت ہے تم بتوں کو مسجود لہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہو

(٢) کعبہ نہ بھی ہو ہمیں اس کی سمت کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں تعمیر کیلئے کعبہ کو گرایا گیا اس وقت کافی دنوں تک نمازیں ہوتی رہیں لیکن کعبہ موجود نہ تھا۔

٩٧۔﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا○﴾

ولله على الناس حج البيت: حج یحج کے معنی آتے ہیں قصد کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں کہتے

ہیں قصد کرنا افعال مخصوصہ کا اوقات مخصوصہ میں مقامات مخصوصہ کی طرف۔
ترمذی کی روایت ہے کہ جس پر حج لازم ہو اور نہ کرے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔
۹۸۔﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾
ربط: سبق الغایات میں لکھا ہے کہ اوپر تھا ’’ ودت طائفة من اهل كتاب ‘‘ کہ اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تم کو بہکائے اس کے ساتھ تعلق ہے۔

شماس بن قیس کی سازش:

واقعہ: شماس بن قیس ایک یہودی تھا مسلمانوں کے باہمی اتفاق ومحبت کو دیکھ کر جلتا تھا ایک دن ایک مجلس مسلمانوں کی لگی تھی جس میں کچھ خزرج کے مسلمان اور کچھ اوس کے تھے۔ اس یہودی نے ان کی مجلس میں اوس وخزرج والوں کی پرانی جنگوں کا اشعار میں تذکرہ کیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان دوبارہ وہ انتقامی جذبہ زندہ ہوا اور ایک دوسرے کو مارا پیٹا اس کی خبر آپ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نہایت غمگین ہوئے اور غصے میں آ کر دونوں کو ڈانٹا۔
اس آیت میں پہلے یہودیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم مسلمانوں کو کیوں لڑاتے ہو اور پھر مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی گئی۔
۹۹۔﴿لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾
سبیل کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔
بضاوی وغیرہ میں ترکیبیں یوں ہے۔(۱) تبغونها عوجًا ای لها عوجًا (۲)تبغون فيها عوجًا (۳)عوجًا مصدر بمعنی مفعول کے ہے ای تبغونها عوجاً ای معوجةً۔
﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ﴾ ای ومن يعتصم بدين الله یا بکلمة الله اور بعض نکالتے ہیں برسول الله۔
۱۰۲۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾
ربط: ماقبل میں یہود کو تنبیہ تھی اب مسلمانوں کو تنبیہ ہے۔
۱۰۳۔﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾
حبل سے کیا مراد ہے بعض کہتے ہیں۔(۱) کہ اس سے دین مراد ہے ای بدين الله اس کا قرینہ ہے ان الدين عندالله الاسلام (۲)اس سے مراد قرآن ہے اس کا قرینہ وانتم تتلى عليكم ايٰت الله (۳) اس سے آپ ﷺ مراد ہیں۔
۱۰۶۔﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾
تفسیر ابن کثیر: مظہری اور در منثور میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ آپؐ نے ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ سے پوچھا کہ تبیض وجوہ کا مصداق کیا ہے؟ تو انہوں نے نہ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا اس کا مصداق اہل سنت والجماعت ہے اور تسود وجوہ کا مصداق اہل بدعت ہیں۔
الملل لعبدالکریم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ یہود میں ۶۹، نصاریٰ میں ۷۲ فرقے ہیں اور میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے۔ سب دوزخ میں جائیں گے الا واحدة۔
فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ بعض ایسے ہوں گے جن کا افتراق کفر وشرک پر ہوگا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کا افتراق کفر پر نہ ہو وہ سزا بھگتنے کے بعد نکلیں گے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ نجات والے

کون ہیں فرمایا اہل سنت پوچھا گیا اہل سنت کون ہیں فرمایا ماانا علیه الیوم واصحابی۔

﴿أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾

روح المعانی میں ہے (۱) حضرت عکرمہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہودی مراد ہیں کہ یہود آپ ﷺ کے وسیلہ سے مشرکین پر فتح کی دعا مانگتے تھے۔ وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ (۲) ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ اس سے تمام کافر مراد ہیں کہ عہد ازل میں تمام نے مانا تھا (۳) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے منافق مراد ہیں کہ زبان سے ایمان لائے اور دل میں کفر تھا (۴) حضرت علیؓ وغیرہ سے منقول ہے ھم اھل البدعة (۵) علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ ھم المرتدون کہ اس سے مرتد لوگ مراد ہیں۔

۱۱۰۔ ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

ربط: اوپر یہ بیان تھا کہ ثالث لوگوں کا یہ فریضہ تھا کہ ان کو (اوس وخزرج والوں کو باہم دست وگریبان ہونے سے) روکتے آگے بیان فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کا فریضہ ہے نبوت کا بوجھ امت کے کندھوں پر ڈالا

بحبل من اللّٰه: اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ (۱) مسلمان ہو جائیں۔ تو ذلت سے محفوظ ہوں گے (۲) مسلمانوں کے زیر اثر رہیں۔ بیان القرآن میں ہے کہ ایک ریاست مسلمانوں کے زیر تسلط تھی تو وہاں کے لوگ عزت سے رہے۔ المسكنة احساس کمتری یعنی اپنی نگاہوں میں بھی حقیر ہونا۔

۱۱۳۔ ﴿يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾

اناء یہ انی کی جمع ہے جیسا کہ امعاء جمع ہے معًی کی، اس کا معنی ہے وقت۔

(۱) روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ آیات اللہ سے مراد قرآن کی آیتیں ہیں (۲) آیات سے مراد تورات ہے۔

۱۱۷۔ ﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

ربط: جب انہوں نے سنا کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو انہوں نے کہا کہ کیوں ہم بھی تو نیک کام کرتے ہیں ہم کیسے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ تو اس کا جواب دیا کہ یہ کام کچھ بھی نہیں بغیر ایمان کے۔ آگے اس کی مثال دی کہ جیسے چھپر کے بغیر سبزیاں کہ سردی کے موسم میں اگر چھپر نہ ہو تو سبزی ختم اور برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایمان کی چھپر نہ ہو تو کفر کی ہوا آدمی کے اعمال خیر کو ختم کر دیتی ہے۔

﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ﴾

قاموس اور مختار الصحاح وغیرہ میں ہے کہ صـــــر" کے معنی ایسی ہوا جسمیں برد شدید یا حر شدید ہو یہ اسماء اضداد میں سے ہے عموماً یہاں اس کا معنی برد شدید لیا جاتا ہے۔

۱۱۸۔ ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا یعنی اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں تو اب مؤمنوں! تمہیں بھی غیرت کرنی چاہیے کہ ان کو اپنا دوست اور رازدان نہ بناؤ۔

خبالاً یہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بخبال یا بالخبال

ما غنمتم کشاف میں ہے کہ ما مصدریہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ما موصولہ ہے تو عائد الی الموصول محذوف ہے۔

۱۲۱۔﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾
صبر اور تقویٰ کو اختیار کرنے سے متعلق دو واقعات:
ربط: اوپر ذکر تھا فان تصبروا وتتقوا کہ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کو اختیار کیا تو کوئی تدبیر تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی آگے دو واقعات ذکر فرما رہے ہیں کہ بدر میں تم نے صبر اور تقویٰ علی وجہ الکمال اختیار کیا تو کامیابی اور فتح نصیب ہوئی اور احد میں یہ کامل طور پر اختیار نہ کیا جس کی بناء پر شکست ہوئی اگر تقویٰ وصبر علی وجہ الکمال اختیار کرتے تو فتح ہوتی جس وقت آپ ﷺ گھر سے نکلے تو حضرت عائشہؓ گھر میں تھیں تو قرآن نے اہل کا لفظ حضرت عائشہؓ کیلئے استعمال کیا۔
۱۲۲۔﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلاَ﴾
منافقین کی واپسی کے بعد مسلمانوں کے دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے بھی ارادہ کیا کہ ہم بھی واپس چلتے ہیں لیکن جب حضورؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دیکھا تو پھر ارادہ تبدیل کر دیا۔ بدر کے بارے میں قاموس میں ہے کہ بدر بن قیس بن صباح ایک آدمی تھا اس نے کنواں کھودا اس کا نام بدر رکھا۔ یہ مدینہ منورہ سے اسی (۸۰) میل دور ہے۔
۱۲۸۔﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾
ربط: احد کے بارہ میں بات شروع کی تھی اب اسی پر ختم کر رہے ہیں۔
شان نزول:
بعض کفار و مشرکین کا نام لیکر آپؐ نے ان کیلئے بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
۱۳۰۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾
ربط: تفسیر ابو السعود وغیرہ میں ہے کہ پہلے صبر اور تقویٰ کا ذکر تھا آگے ان چیزوں کو ذکر کر رہے ہیں جو تقویٰ کو ختم کرنے والی ہیں اس میں حرام خوری اور سود سر فہرست ہے۔ مضاعفة یہ قید اتفاقی ہے تشنیع کیلئے۔
۱۳۴۔﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾
تعارض: اس آیت کا ماقبل والی آیت سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے تعارض یہ ہے کہ پہلی آیت میں ہے وھم ینتصرون یعنی وہ انتقام لیتے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ غصے کو پی لیتے ہیں اور معاف کرتے ہیں۔
جوابات: (۱) اشداء علی الکفار رحماء بینهم۔ یعنی کافروں سے بدلہ لیتے ہیں لیکن آپس میں مشفق اور رحم کرنے والے ہیں لہٰذا تعارض نہ رہا۔
(۲) اگر آدمی غلطی کرے اور اس پر نادم ہو تو معاف کرتے ہیں لیکن اگر غلطی کے بعد اس پر مصر ہو تو اس کو معاف نہیں کرتے اس میں موضوع الگ الگ ہے لہٰذا تعارض نہیں۔
۱۴۰۔﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾
ربط: پہلے غزوہ احد کا بیان تھا جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی یہاں سے مسلمانوں کو تسلی ہے۔
۱۴۰۔﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾
اس کا عطف لیتعظوا پر ہے جو کہ مقدر ہے اور تلک الایام نداولها بین الناس کے متعلق ہے۔ عبارت یوں ہوگی تلک الایام نداولها بین الناس لیتعظوا ولیعلم الله الخ

۱۴۱۔﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ﴾ تمحیص کا معنی ہے سونے کو کھوٹ اور میل کچیل سے صاف کرنا اور خالص کرنا۔
۱۴۲۔﴿وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یعلم کا نصب کس وجہ سے ہے اس سے پہلے تو لما ذکر ہے اور یہ حروف جازمہ میں سے ہے؟

جوابات: (۱) کشاف میں ہے کہ یہاں واو صرف ہے، جس کے بعد ان مقدر ہوتا ہے اس کی وجہ سے یعلم منصوب ہے۔

(۲) دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں مجزوم ہے لیکن پہلے لیعلم اللہ کی مناسبت سے اس کو بھی فتحہ دے دیا کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔

۱۴۴۔﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾

ربط: اوپر سے اُحد کا معاملہ چلا آرہا ہے، جس میں آپ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ اس پر فرمایا کہ محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، اگر وہ دنیا سے چلے جائیں تو کیا تم دین چھوڑ دو گے۔
حضور ﷺ کا نام مبارک قرآن پاک میں چار جگہ آیا ہے:

حضور ﷺ کا نام مبارک قرآن پاک میں چار جگہ آیا ہے۔ یعنی لفظ محمد اور آپ کا نام احمد ایک مرتبہ قرآن میں آیا ہے و مبشرًا برسول یأتی من بعدی اسمہٗ احمد۔ احمد اسم تفضیل کبھی فاعل کے معنی میں اور کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔ احمد اگر حامد کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا زیادہ تعریف کرنے والا اور جب مفعول کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا زیادہ تعریف کیا ہوا۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

قادیانیوں کا استدلال:

قادیانی اور عیسائی اس سے وفات عیسیٰ پر استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تفسیروں میں ہے قد خلت ای قد توفیت۔
اور قانون وقاعدہ یہ ہے کہ جمع پر جب الف لام آجائے تو جمعیت باطل ہو جاتی ہے اور استغراق کا فائدہ دیتی ہیں۔
یہاں بھی الرسل پر الف لام داخل ہے تو مطلب ہوگا کہ تمام رسول جو آپؐ سے پہلے گزرے ہیں ان کو وفات دی گئی ہے تو اس میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہوں گے۔

جوابات: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قواعد اکثری ہوتے ہیں اور یہ اس قاعدہ میں داخل نہیں اور اگر اس کو قاعدہ کلیہ مان کر یہاں بھی اس کو تسلیم کرلیں تو اس سے دوسری جگہ خرابی لازم آئیگی۔
پارہ نمبرا گیارھویں رکوع میں ہے وقفینا من بعدہ الرسل۔ تو اس قاعدہ کے مطابق مطلب ہوگا کہ تمام رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے ہیں حالانکہ یہ باطل ہے۔

۱۴۹۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا﴾

ربط: اوپر سے اُحد کا ذکر چلا آرہا ہے۔ احد کی لڑائی میں کل آدمی ایک ہزار تھے جن میں سے سات سو مسلمان تھے اور تین سو منافق تھے۔ منافقین جب واپس آنے لگے تو انہوں نے دوسرے مسلمانوں کو واپس لوٹنے کی ترغیب دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مضبوط کیا۔

١٥١ـ ﴿مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا﴾
تفسیر ابن عباسؓ میں ہے کہ لفظ سلطان جہاں قرآن میں آیا ہے اس سے بادشاہ مراد نہیں بلکہ برھان اور دلیل مراد ہے۔اور بادشاہ کیلئے لفظ ملک آیا ہے۔
١٥٣ـ ﴿فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ﴾ في اُخراكم: صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اُخریٰ صفوف مقدر کی صفت ہے
﴿غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا﴾
(۱) ایک غم شکست کھانا دوسرا غم مال غنیمت کا چلے جانا۔اور با علیٰ کے معنی میں ہے ای غما علی غم
(۲) دوسری تفسیر ہے کہ بغمٍ میں باء سببیت کیلئے ہے کہ تم نے آپ ﷺ کو غمگین کیا اس کے بدلے تمہیں یہ تکلیف پہنچی۔
١٥٦ـ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾
ربط: احد کا واقعہ چلا آرہا ہے۔یہاں منافقین کی باتوں کا تذکرہ ہے جب مسلمان جہاد کیلئے نکلے۔
١٥٩ـ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾
ربط: آپ ﷺ کو ان منافقین کے قول و فعل سے باخبر کر دیا کہ یہ لوگ نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں
١٥٩ـ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾
غیر منصوص چیزوں میں مشورہ کی اجازت ہے۔
١٦٤ـ ﴿اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾
رسول اللہ ﷺ کو بشر جاننا ضروریات دین میں سے ہے:
علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے اور البحر الرائق اور فتاویٰ عالمگیری اور شرح الموحدین میں بھی ہے کہ اگر کسی سے یہ پوچھا جائے کہ رسول اللّٰہ کان من العرب أم من غیر العرب، بشرًا ام غیر بشر.
اگر وہ جواب میں کہے لا ادری تو یہ کافر ہے وجہ کفر یہ ہے کہ یہ جاننا ضروریات دین میں سے ہے کہ آپ ﷺ عربی ہیں اور بشر ہیں اور ضروریات دین کے بارے میں یہ کہنا کہ لا ادری یہ کفر ہے۔
١٦٥ـ ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا......﴾
احد میں جب ستر آدمی شہید ہوئے تو مسلمان آپس میں کہنے لگے کہ یہ تکلیف کہاں سے آئی تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پریشان نہ ہوں کیونکہ یہ تمہاری وجہ سے ہے۔
١٧٢ـ ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ......﴾
اس کی تفسیر شان نزول پر موقوف ہے ایک شان نزول یہ ہے کہ اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو ابو سفیان نے مسلمانوں کو کہا کہ ائندہ سال اسی بدر کے مقام پر لڑائی ہوگی۔آپ ﷺ نے قبول کیا۔اگلے سال مسلمان پہنچے لیکن مشرکین نہ آئے۔اس کو بدر صغریٰ کہتے ہیں اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب احد میں کفار کو غلبہ ہوا۔تو واپسی میں انہوں نے حمراء الاسد پر پہنچ کر کسی کو کہا کہ

مسلمانوں کے دلوں میں ہمارا رعب ڈالنا اس پر مسلمان وہاں گئے لیکن کفار چلے گئے تھے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ استجابو ا اور اجابوا ایک ہے کیونکہ استفعال سے مراد افعال ہے۔

۱۷۹۔﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ...... ﴾

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو انباء الغیب دی ہے۔ تلک من انباء الغیب نوحیه الیه لیکن وہ انباء الغیب ہے غیب نہیں۔ لہٰذا الغیب اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے۔

اہل بدعت اس آیت سے وما کان الخ استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اگر اس سے آپ ﷺ کیلئے علم غیب کلی کو ثابت کریں تو اس وقت تو پورا قرآن بھی نازل نہیں ہوا تھا سورۃ النساء وسورۃ توبہ وغیرہ تو اس کے بعد نازل ہوئیں تو گویا ان کا علم نہ تھا تبھی تو بعد میں نازل ہوئیں ورنہ نزول کا پھر کیا فائدہ؟ جب پہلے سے علم تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت سے سارا علم غیب ثابت ہو جائے تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا۔ لا تعلمهم نحن نعلمهم۔ مزید باتیں ''ازالۃ الریب'' میں دیکھیں۔

۱۸۱۔﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ ...... ﴾

ربط: پہلے منافقوں کا ذکر تھا اب ان کے اصل یعنی یہود کا ذکر ہے۔

۱۸۲۔﴿وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ لیس داخل ہے ظلام پر اور ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلام تو نہیں البتہ نعوذ باللہ ظالم ہیں یعنی نفس ظلم تو ثابت ہوا۔

(۱) اس کا جواب علامہ آلوسی نے دیا ہے کہ یہاں اسم مبالغہ نفس فاعل کے معنی میں ہے جیسے تمار اور لبان۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ظلم کی صفت ثابت نہیں اگر ثابت ہوتی تو وہ صفت کامل درجے کی ہوتی اور وہ ظلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ ہیں۔

۱۸۳۔﴿الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا...... ﴾

یہود نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کسی نبی کو اس وقت تک نہ مانو جب تک وہ قربانی نہ کرے اور اسکی قربانی کو آسمان سے آگ آ کر نہ جلائے لہٰذا ہم آپ ﷺ پر بھی اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک آپ کی قربانی کو آگ آ کر نہ جلائے۔ اس کے حق تعالیٰ نے دو جواب دیئے ایک الزامی اور ایک تحقیقی۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے قد جاء کم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم اور الزامی جواب دیا فلم قتلتموهم ان کنتم صادقین۔

۱۸۵۔﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ...... ﴾

سوال: نفس کا لفظ تو حق تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ یحذر کم اللّٰه نفسه تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی موت آئے گی؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مضاف الیہ محذوف ہے ای کل نفس مخلوق۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سے موت دلیل قطعی سے ساقط ہے۔ الحی کا معنی ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا۔

﴿ بِمَفَازَةٍ ﴾ (۱) تفسیر بیضاوی میں ہے کہ مفازہ ظرف مکان ہے ای بمکان فوز (۲) مصدر میمی ہے بمعنی فوز کے۔

۱۹۰۔﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾

ربط: اوپر دعویٰ تھا توحید کا آگے توحید کے دلائل ہیں۔

مناد‌ی للایمان سے کون مراد ہے؟

منادیا ینادی للایمان: منادی سے مراد کون ہے تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ ﷺ مراد ہیں۔(۲) قرآن مجید مراد ہے۔ (۳) منادی سے ہر دور اور علاقے کا مدلل مراد ہے۔(۴) منادی سے مراد عقل سلیم ہے۔

۱۹٤﴿رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ﴾

کشاف میں ہے ماوعدتنا علی السنة رسلک۔ (۲) ماوعدتنا بتصدیق رسلک.

۱۹۵۔﴿لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ﴾

ایمان سے یا توبہ کرنے سے حقوق العباد معاف ہونے میں اختلاف ہے:

ایمان سے یا توبہ کرنے سے حقوق اللہ تو معاف ہوجاتے ہیں حقوق العباد معاف ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس میں دو گروہ ہیں۔ایک گروہ کہتا ہے کہ معاف ہوجاتے ہیں۔وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ معاف نہیں ہوتے وہ استدلال کرتے ہیں ایک واقعہ سے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کیلئے آیا اس نے چند قتل کیے تھے اور ان کا مال ومتاع بھی لیا تھا اس نے کہا کہ اسلام لاؤں تو یہ معاف ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کفر تو معاف ہوگا باقی یہ حقوق تیرے اللہ کا اور تیرا معاملہ ہے۔

سورة النساء

۱ ﴿ يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾

۱ ۔ ﴿ يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ﴾

تقویٰ کا حکم:

ربط: لفظی ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ تقویٰ پر ختم ہوئی اور یہ سورۃ تقویٰ سے شروع ہوئی۔

معنوی ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں معاملہ بالاغیار کا ذکر تھا اس سورۃ میں آپسمیں یعنی رشتہ داروں کے درمیان معاملے کا ذکر ہے۔

۱ ۔ ﴿تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ﴾

کشاف، روح المعانی میں ہے کہ الارحام کا عطف لفظ اللہ پر ہے معنی ہوگا کہ ارحام سے ڈرو یعنی قطع رحمی مت کرو۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہ میں ہو ضمیر مجرور پر اس کا عطف ہے۔ یعنی اس کے محل پر اس کا عطف ہے معنی ہوگا کہ ارحام کے واسطے سے مانگتے ہو۔

۲ ۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَهُمْ إِلٰى أَمْوَالِكُمْ ﴾

ای ولا تاکلوا اموالهم مضمومًا الی اموالکم: (تفسیر کشاف وغیرہ)

۳ ۔ ﴿فَانكِحُوْا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾

خوارج کہتے ہیں کہ اٹھارہ بیبیوں کے ساتھ ایک آدمی نکاح کر سکتا ہے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ مثنیٰ کے معنی دو دو اور ثلاث کے معنی تین تین رباع کے معنی چار چار۔ تو درمیان میں واو عاطفہ کو جمع کیلئے لے کر کل اٹھارہ بنتی ہیں۔

روافض کے ہاں ایک شخص نو بیویاں رکھ سکتا ہے:

روافض کہتے ہیں کہ ایک شخص نو بیویاں رکھ سکتا ہے وہ بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وہ بھی واو جمع کیلئے لیتے ہیں لیکن ان میں تکرار نہیں مانتے (فتح الباری)

بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۶۳ میں علی بن حسینؓ بن علیؓ جن کو امام زین العابدین بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ یہاں واؤ بمعنی أو کے ہے۔ تو مطلب ہوگا کہ دو یا تین یا چار۔

۳ ۔ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾

بیضاوی میں ہے فانکحوا واحدۃ۔ نصب کی وجہ بتلائی ہے کہ فانکحوا مقدر کی وجہ سے ہے۔

باندی اور غلام کو ملک یمین اس لئے کہتے ہیں کہ امیر کسی کو غلام یا باندی دیتا تو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے کے دائیں ہاتھ میں دے دیتا۔

٤ ۔ ﴿هَنِيْئًا مَّرِيْئًا﴾ هنيئاً کا معنی مزیدار اور مريئاً کا معنی خوشگوار (حضرت تھانویؒ کا ترجمہ)

اور شاہ عبدالقادر اور شیخ الہندؒ کا ترجمہ ہے رچتا پچتا۔ اس کے معنی بھی خوشگوار کے ہیں۔

٦۔﴿إِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا﴾
اسراف کہتے ہیں جائز مقام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور تبذیر کہتے ہیں ناجائز مقام میں خرچ کرنے کو۔ بدار کے معنی جلدی کے ساتھ۔
کبر یکبر (ک) شان اور مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہونا اور کبر یکبر (ن) سے معنی عمر کے اعتبار سے بڑا ہونا۔
﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾
ربط: اوپر یتیموں کے حق کا ذکر تھا آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا بھی حق ہے۔ کیونکہ جاہلیت میں وراثت میں عورتوں اور بچوں کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ ان کو وراثت دینی چاہیے جو لڑ سکتے ہیں۔
﴿فَارۡزُقُوۡهُمۡ﴾
شرط یہ ہے کہ (۱) سارے ورثاء بالغ ہوں (۲) حاضر ہوں (۳) راضی ہوں یعنی اجازت دیں ورنہ جائز نہیں۔
فتاویٰ بزازیہ اور عالمگیری میں ہے کہ نابالغ کی اجازت شرعاً اجازت شمار نہ ہوگی۔
۔﴿إِنَّ الَّذِيۡنَ يَأۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتَامٰى ظُلۡمًا﴾
عموماً جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی اولاد نابالغ ہوتی ہے۔ اگر اولاد نابالغ ہو تو یہ تیجہ، ساتواں وغیرہ بدعت ہونے کے علاوہ اس مال مشترک سے صدقہ کرنے کی وجہ سے مطلقاً حرام ہے۔
(حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ جہاد کرنا مشکل ہے لیکن بدعات کا رد کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔)
۔﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡٓ اَوۡلَادِكُمۡ﴾
ربط: اوپر اجمالی طور پر للرجال نصیب وللنساء نصیب میں وراثت کا ذکر تھا اب تفصیلی طور پر اس کا ذکر فرما رہے ہیں۔
سوال: سوال یہاں پر ہوسکتا ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی کے مقابلے میں دگنا کیوں ہے؟ بظاہر تو یہ انصاف کے خلاف ہے۔
جواب: اس کا جواب علامہ عثمانیؒ نے تفسیر عثمانی میں دیا ہے کہ لڑکی کا نان نفقہ اور مہر خاوند کے ذمے ہے اس کا خرچہ وہ برداشت کرتا ہے اور لڑکا اپنا بھی اور دوسروں کا بھی خرچہ برداشت کرتا ہے کسی اور کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں۔
۔﴿لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾
وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے کی تاکید:
لڑکوں کا حصہ مقیس اور لڑکیوں کا حصہ مقیس علیہ بنایا۔ یہ اس لئے کہ لڑکیاں اس میں اصل ہیں ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اس کو صریحاً اس لیئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر زمانہ میں لوگ لڑکیوں کی حق تلفی کریں گے۔ کبھی بہانہ بناتے ہیں کہ لڑکیوں کی شادی اور تعلیم پر خرچ کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ لڑکیاں عید اور شبقدر میں اپنا حصہ لے جاتی ہیں۔ یہ سب بہانے ہیں کہ اس میں لڑکا شمار نہیں لڑکے کے بھی تو بہی اخراجات ہیں۔ خمینی نے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کی صریحاً مخالفت کی ہے۔ قرآن کہتا ہے للذکر مثل حظ الانثیین۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو آپ ﷺ کے مال سے حصہ نہ دیا۔
اس کا مفصل جواب تو ارشاد الشیعہ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قطعی دلیل کو ظنی کیلئے نہیں چھوڑا بلکہ قطعی کو قطعی کے مقابلے میں چھوڑا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیغمبر خدا ﷺ سے براہ راست سنا تھا اور جو بات

پیغمبر خدا سے براہ راست سن لیں تو وہ قطعی ہوتی ہے اور وہ بات یہ تھی کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔
من بعد وصية وصیت بعد میں ہے لیکن پہلے ذکر کیا تا کہ اس کو نظر انداز نہ کرے۔
﴿ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ﴾
حضرت ابی ابن کعبؓ اور ابن مسعودؓ کی قراءت میں لامٍ کا لفظ ہے۔ تفسیر روح المعانی میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔
﴿غَيْرَ مُضَآرٍّ ﴾
اس کو اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کا صیغہ بنا سکتے ہیں اسم فاعل کا معنی ہوگا کہ وہ وصیت کرنے والا تکلیف دینے والا نہ ہو۔ اسم مفعول کا معنی ہوگا کہ وارثوں کو ضرر نہ دیا جائے پورا حصہ دیا جائے۔
۱۳۔﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ﴾
روح المعانی میں ہے کہ نافرمانی اگر یوں ہے کہ وراثت کو اعتقاداً مانتا نہیں تو یہ کافر ہے اس کو ہمیشہ جہنم میں داخل کیا جائیگا۔ اور اگر وراثت کو اعتقاداً مانتا ہے لیکن دیتا نہیں تو اس صورت میں خلود سے مراد مکث طویل ہوگا۔
۱۵۔﴿وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾
ربط: اوپر ذکر تھا کہ عورتوں کیلئے حقوق ہیں اب اس کا ذکر ہے کہ عورتوں پر بھی حقوق ہیں پاک دامنی وغیرہ کے۔
۱۵۔﴿وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ﴾
تفسیر ابن جریر طبری اور روح المعانی میں ہے کہ پہلے صرف عورتوں کا ذکر تھا۔ اب مردوں کا بھی ساتھ ذکر ہے۔ اس میں دو تفسیریں ہیں۔ (۱) اس سے مراد مرد اور عورت ہے جب وہ زنا کرے۔ (۲) اس سے دو مرد مراد ہیں جب وہ لواطت کریں اب یہ حکم نہیں ہے۔
لواطت کی سزا:
لواطت کی سزا کیا ہونی چاہیے اس میں مختلف اقوال ہیں امام صاحب کا ایک قول یہ ہے کہ اس پر دیوار گرا دیں۔
(السوء بجهالةٍ)
سوال: یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ ان لوگوں کی قبول ہوگی جو جہالت سے گناہ کرے اور بغیر جہالت کے گناہ کرے تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی؟
جواب: تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جہالت کبھی مبدأ میں ہوتی ہے اور کبھی مآل میں، یہاں مآل میں جہالت مراد ہے مبدأ کا معنی یہ ہے کہ اس کو گناہ نہیں سمجھتا کہ گناہ ہے یا نہیں۔ اور مآل میں جہالت یہ ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر سزا ملے گی یا نہیں اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ ہے۔
۱۹۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾
ربط: اوپر عورتوں اور ان کے حقوق کا ذکر تھا ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے۔
نکاح میں ایجاب وقبول کا صحیح طریقہ:
اہم مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ اگر ایک آدمی یہ کہے کہ فلاں کی لڑکی فلاں کی بیٹی اتنے مہر کے عوض تجھے قبول ہے اور

وہ کہے کہ قبول ہے تو یہ نکاح نہیں ہوا کیونکہ اس میں استفہام ہے اور اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔
بلکہ یوں کہے کہ فلاں لڑکی۔۔۔۔میں نے تمہیں دے دی تمہیں قبول ہے وہ کہے کہ ہاں قبول ہے تو نکاح ہوگا۔
۲۲۔﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾
یعنی ما بمعنی من کے ہے۔
۲۳۔﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾
جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا بیان:
ربط: پہلے ذکر تھا کہ جن کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اس کے ساتھ نکاح نہ کرو، آگے محرمات کی تفصیل ہے۔
﴿فی حجورکم﴾
مدارک میں ہے کہ عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ خاوند اس کو ساتھ رکھ لیتا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ قید اتفاقی ہے۔

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا٥﴾

﴿مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ کی قید متبنیٰ بیٹے کی بیوی کو نکالنے کیلئے ہے دودھ شریک کو نکالنا مقصود نہیں۔

۲۵۔ ﴿مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ تفسیر مدارک میں ہے کہ المؤمنات کی قید اتفاقی ہے اور استحباب کیلئے ذکر کیا۔

﴿ولا متخذات اخدان﴾ اخدان خدن کی جمع ہے۔خدن کے معنی بُرا دوست اور صدیق کے معنی اچھا دوست۔

(ذالک لمن خشی العنت منکم) کشاف میں ہے کہ لفظی معنی اس کا مشقت اور مراد اس سے زنا ہے وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوڑے اور آخرت میں سزا ہوگی۔لونڈی پر رجم نہیں غلام پر اس کو قیاس کرلیا۔یہ مسئلہ جلالین تک آپ کو ملے گا۔

۲۵۔﴿وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

یہ اس لئے فرمایا کہ اولاد حریت اور رقیت میں ماں کے تابع ہوتی ہے اگر نکاح نہ کرے تو زنا میں مبتلا ہوگا۔

۲۶۔﴿يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾

ربط: حق تعالیٰ نے پہلے وراثت کے احکام کو بیان فرمایا پھر محرمات کا ذکر کیا اب اپنے احسانات کا ذکر فرما رہے ہیں۔

۲۹۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

عدوان اور ظلم میں فرق:

ربط: اوپر نفوس کے حرام ہونے کا ذکر تھا اب آگے فرمایا کہ جس طرح نفوس تمہارے حرام ہیں اسی طرح دوسرے کا مال بھی حرام ہے۔عدوان کے معنی بندے کا حق توڑنا۔ظلم کے معنی خدا کا حق توڑنا۔

۳۱۔﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ﴾

ربط: پہلے گناہوں کا ذکر تھا آگے فرمایا اگر بچو گے تو ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے۔

۳۱﴿مُّدْخَلًا كَرِيمًا﴾

اس میں دو احتمال ہیں۔(۱) ظرف کا صیغہ ہے کیونکہ ابواب مزید کا ظرف اسم مفعول کے وزن پر ہوتا ہے۔

(۲) مصدر میمی ہے تو معنی ہوگا کہ عزت کے ساتھ داخل کرنا۔اور پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ ہم تم کو عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا بیان:

یہاں ایک بحث ہے کہ کبیرہ کونسے گناہ ہیں اور صغیرہ کونسے گناہ ہیں؟

اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جن گناہوں پر لعنت یا عذاب، یا حد، یا وعید آئی ہو وہ کبیرہ گناہ ہیں اگر ایسا نہیں تو وہ صغیرہ گناہ ہے۔

معتزلہ کا مسلک:

یہاں ایک مسئلہ ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔کیونکہ قرآن میں ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو تمہارے صغیرہ گناہ معاف کردیں گے۔ظاہر الفاظ سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔معتزلہ کو علامہ سیوطی نے جلالین میں یوں جواب دیا ہے کہ

نکفر عنکم سیئتکم بالطاعة ج سے معاف ہوجاتے ہیں تو نکفر عنکم کا تعلق بالطاعة سے ہے نہ کہ ان تجتنبوا کیساتھ۔ علامہ آلوسی نے فرمایا کہ وضوء سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۳۲۔﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

ربط: اوپر مردوعورت کی وراثت کو بیان کیا کہ عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف ملے گا اور عورتوں کی گواہی بھی نصف ہوتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ جن کا نام ہند تھا۔ عورتوں نے ان کو وکیل بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا کہ سب کام جہاد، اذان وغیرہ تو مرد کرتے ہیں ہمیں تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو خاوند کرے عورت اس کے ساتھ ثواب میں شریک ہے۔

۳۳۔﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾

زمانہ جاہلیت میں کوئی ایک دوسرے کا حلیف بن جاتا کہ اگر میرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو تو ساتھ دے گا اور مدد کرے گا اور اگر تیرے ساتھ کسی نے لڑائی کی تو میں تیرا ساتھ دوں گا، تو مر گیا تو تیرا مال میرا اگر میں مرا تو میرا مال تیرا ہوگا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا۔

۳٤۔﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا وللرجال علیهن درجة آگے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ مرد حکمران ہیں اور عورتیں تابع ہیں۔

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ بیضاوی اور جلالین میں ہے کہ لام بمعنی فی کے ہے ای حفظات فی غیبة ازواجهن۔

﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ میں ما مصدریہ ہے ای بحفظ الله

۳٦۔﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ﴾

ربط: اوپر بیویوں کے حقوق کا ذکر تھا۔ آگے فرمایا کہ تمہارے اوپر اور بھی حقوق ہیں یعنی حقوق اللہ و الجار ذی القربی اس والجار ذی القربی کی دو تفسیریں ہیں۔ (۱) پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ (۲) وہ پڑوسی جس کا تمہارے ساتھ مکان ملا ہوا ہو۔

﴿مُخْتَالًا﴾ عملی طور پر تکبر کرنے والا یعنی جو وضع قطع میں عملی طور پر تکبر کرتا ہو۔

﴿فَخُوْرًا﴾ جو دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو۔

۳۷۔﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾

اس کی دو ترکیبیں ہیں۔

(۱) علامہ سیوطیؒ نے الذین یبخلون آخر تک مبتدا بنایا ہے اور خبر محذوف نکالی ہے ای لهم وعید شدید۔

(۲) علامہ اندلسیؒ نے اس کو مختال فخور کی صفت بنایا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اور سیاق نفی میں ہے تو اس میں عموم آ گیا تو اس وجہ سے الذین الخ اسکی صفت بن سکتی ہے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا......﴾

تعارض قرآن کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا قول:

حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات میں تعارض ہے کیونکہ یہاں ہے کہ کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے اور پارہ ۷ نمبرے میں "واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین" کے لفظ آتے ہیں کہ وہ لوگ شرک کو چھپائیں

گے۔

جواب: حضرت ابن عباس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اوقات مختلف ہوں گے اور تناقض کیلئے آٹھ شرطیں ہیں ایک شرط زمان ہے اور یہاں زمان ایک نہیں۔

٤٣۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ امَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾

ربط: ابوسعود اور بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ پہلے تھا اعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا به شیئا شرک اتنی بڑی چیز ہے کہ شرک اختیاری طور پر تو کیا غیر اختیاری طور پر بھی پسند نہیں۔ (جبکہ مدہوشی کی حالت میں شرکیہ کلمات کا صادر ہونا بعید نہیں)

شان نزول:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی تھی اس میں صحابہ کو مدعو کیا تھا کھانے کے بعد شراب پلائی۔ مغرب کی نماز کی جماعت کرنے کیلئے حضرت علیؓ کو آگے کیا انہوں نے فاتحہ کے بعد سورۃ کافرون پڑھی قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون پڑھی یعنی درمیان میں لا کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ تو حق تعالیٰ نے اس شرک کو جو غیر اختیاری طور پر تھا معاف نہ کیا بلکہ اس پر تنبیہ فرمائی۔

٤٣۔﴿أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾

امام شافعیؒ اس سے لمس بالید مراد لیتے ہیں امام ابوحنیفہ اس سے جماع مراد لیتے ہیں امام صاحب کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) لامستم النساء باب مفاعلہ سے ہے اور یہ طرفین سے ہوتا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہے او لمستم النساء ای جامعتم النساء۔

٤٤۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوْا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ......﴾

ربط: یہ مسائل بیان کئے مؤمنوں کیلئے آگے یہود کا قصہ چھیڑ دیا کہ یہود کی طرح سے نہ ہوں جیسا کہ ان پر بوجھ ڈالا گیا۔ فتیل۔ گٹھلی کے درمیان میں دھاگہ، قطمیر گٹھلی پر چھلکا خشک ہونے کے بعد، نقیر کھجور کی گٹھلی پر آنکھ سی ہوتی ہے۔

٤٤۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ......﴾

ربط: پہلے اہل کتاب کا ذکر تھا اب بھی انہی کا ذکر ہے۔

شان نزول:

تجارت کے بہانے یہود کا ایک گروہ کعب بن اشرف کی زیر نگرانی مکہ گیا ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار کرنے۔۔۔۔۔۔۔ مشرکین نے کہا کہ ہم اس وقت تک ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم جبت و طاغوت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ بتاؤ کہ ہمارا دین مسلمانوں کی بنسبت اچھا اور حق ہے۔ یہود نے ایسا کر دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

٥٤۔﴿اٰتَيْنَا اٰلَ إِبْرَاهِيمَ﴾

آل ابراھیم سے مراد:

(۱) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ہیں (۲) آپ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔

۵۷۔﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ﴾
ربط: پہلے کفار کا انجام اور صلہ بیان کیا اب مسلمانوں کا صلہ بیان کر رہے ہیں۔
۵۸۔﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾

شانِ نزول:

ربط: موقوف ہے شان نزول پر، شان نزول نمبرا: روح المعانی میں ہے کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا عثمان بن طلحہ کعبۃ اللہ کے کلید بردار تھے۔ حضرت علیؓ نے ان سے چابی چھین لی۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور مسلمان بھی ہوا آپؐ نے فرمایا کہ چابی ان کو دے دو۔ لہٰذا کعبۃ اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ ہی کے خاندان کے پاس رہی۔
(۲) اگر اس سے اہل کتاب مراد ہوں تو پہلے اہل کتاب کا ذکر آ چکا ہے تو یہاں ان کو خطاب ہے کہ تم نے آپؐ کے جو اوصاف پڑھے ہیں کتابوں میں وہ تمہارے پاس امانت ہیں ان کو ادا کرو۔
۵۹۔﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾
ربط: پہلے ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اب عدل کیا ہے اس کو بیان کیا کہ اللہ اور آپؐ کی اطاعت کرنا۔
﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾

اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں:

شانِ نزول:

ایک صحابی تھے عبداللہ بن حذافہؓ آپ ﷺ نے ان کی امارت میں ایک لشکر ان کے ساتھ بھیجا اس لشکر میں حضرت ابن عمرؓ بھی تھے۔ امیر لشکر نے گرمی میں جانے کا حکم دیا لوگوں نے کہا کہ کچھ ٹھہریں گرمی ہے اس پر انہوں نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے تمہیں امیر کا حکم ماننے کا نہیں کہا۔ پھر کہا کہ جنگل سے لکڑیاں لاؤ اور ان کو جلاؤ پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم تو اسلام اسی لئے لائے تھے تاکہ آگ سے بچ جائیں چنانچہ ایک دوسرے کو روک لیا۔ جب آگ ٹھنڈی ہوگئی تو امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ اس واقعہ کو آپ کی خدمت اقدس میں بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس آگ میں چھلانگ لگا دیتے تو یہ خودکشی ہوتی کیونکہ لا طاعة للمخلوق فی معصية الله۔
۶۰۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ﴾
ربط: (۱) اوپر یہود کا ذکر تھا آگے جو یہود سے نکل کر منافق بنے ان کا ذکر ہے۔
(۲) اوپر گزرا کہ اگر تمہارا اختلاف ہو جائے کسی معاملے میں تو فردوا الی الله الرسول۔ آگے اس کے متعلق واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق جو بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتا تھا وہ اللہ کے رسول کے پاس فیصلہ کیلئے نہیں آیا۔

شانِ نزول:

ایک منافق کا واقعہ:

ایک منافق بشر نامی کا ایک یہودی کے ساتھ زمین پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ فیصلہ آپ ﷺ سے کرواتے ہیں منافق کہتا تھا کہ کعب بن اشرف سے کروائیں گے بالآخر آپ ﷺ کے پاس فیصلہ کیلئے آئے

آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ اس کے بعد منافق نے یہودی سے کہا کہ اب حضرت عمرؓ کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا اس کے پاس فیصلہ کیلئے گئے تو یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ ٹھہرو میں گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ گھر جا کر تلوار لائے اور اس منافق کی گردن تن سے جدا کر دی۔ اس کو یہاں بیان فرمایا ہے

۶۴۔﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ﴾

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض حضرت عمرؓ فیصلہ کر بھی دیتے تو آپ ﷺ پر ان کی فوقیت لازم آتی تو آپ ﷺ مطاع نہ ہوتے مخلوق کے بلکہ مطیع بن جاتے حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے مطیع اور مخلوق کیلئے مطاع ہیں۔

۶۵۔﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

علم نحو کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم ہو یا صرف قسم اس سے پہلے مایا لا زائدہ آتے ہیں۔

حاکم اور حَکَم میں فرق:

حَکَم وہ ہوتا ہے کہ فریقین دل سے اس کو مانیں۔ اور حاکم وہ ہوتا ہے کہ فریقین راضی ہوں یا نہ ہوں فیصلہ اس کا مانا جاتا ہے۔

۶۹۔﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ پیغمبر ﷺ مطاع ہیں اب جنہوں نے پیغمبر کی اطاعت کی ان کا بیان ہے۔

۷۱۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾

ربط: ابھی آپ نے لفظ شہداء پڑھا۔ شہید وہ ہوگا جو اللہ کی راہ میں لڑا ہو۔ اس کی موافقت کی وجہ سے آگے جہاد کا ذکر کر لیا۔

۷۴۔﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾

یہاں دو ترکیبیں ہیں:

(۱) تفسیر قرطبی میں ہے کہ الذین یشرون فاعل ہے فلیقاتل کا۔

(۲) دوسری ترکیب یہ ہے کہ فاعل من یقاتل ہے اور مفعول الذین یشرون ہے۔ مطلب ہوگا کہ جن لوگوں نے قلیل مال کے عوض اپنے نفسوں (ایمان) کو بیچ دیا ہے ان کو قتل کر دیں۔

۷۵۔﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ﴾

اگر مسلمان عورت کو کافر قید کر لیں تو مسلمانوں پر اس کو چھڑوانا واجب ہے:

مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ سراجیہ اور عالمگیری میں ہے کہ امرأة سبيت في المشرق وجب على اهل المغرب أن يخلصوها۔ کہ مشرق میں اگر کسی مسلمان عورت کو کافر قید کر لیں تو اہل مغرب پر اس کو چھڑوانا واجب ہے۔

۷۷۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ﴾

ربط: اوپر جہاد کا ذکر تھا آگے اسی سلسلے میں فرمایا کہ جب جہاد فرض نہیں تھا لوگ جہاد کی آرزو کرتے جب فرض ہو گیا تو ڈرنے لگے لوگوں سے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ منافقین تھے۔

تفسیر خازن میں ہے کہ یہ مؤمنین کا طبعی خوف تھا اور طبعی خوف ایمان کے منافی نہیں ہے۔

۷۸۔﴿فِي بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾

بروج جمع ہے برج کی بمعنی قلعہ اور مُشَيَّدَة کے دو معنی ہیں (۱) چونا گچ کیا ہوا قلعہ (۲) یا مشید بمعنی ارتفع ہے (اونچے قلعے)

قل کل من عند الله کل ای کل واحد من الحسنات والسیات

﴿مَا أَصَابَكَ﴾ جلالین میں ہے ماءاصابک ایها الانسان۔

۸۲۔﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾

ربط: تفسیر کبیر میں ہے کہ اوپر منافقین کا ذکر تھا آگے فرمایا کہ انہوں نے قرآن کریم پر غور نہ کیا اگر کرتے تو ایمان لے آتے۔

۸۵۔﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾

ربط: اوپر جہاد کا ذکر تھا اس کے بعد یہاں سفارش کا ذکر ہے کیونکہ بعض اوقات مجاہد کیلئے سفارش کیجاتی ہے۔

۸۶۔﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾

سلام کی فضیلت:

ظاہر بات ہے کہ سفارش کیلئے جاؤ گے تو سلام کرو گے۔ ابوداؤد میں ہے کہ السلام علیکم کہنے والے کو دس نیکیاں اور رحمۃ اللہ کہنے والے کو بیس نیکیاں اور برکاتہٗ بھی ساتھ کہے تو تیس نیکیاں اور مغفرتہ کہنے والے کو چالیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

۸۸۔﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾

ربط: پہلے بھی منافقین کا ذکر تھا اب بھی ان کا ذکر ہے۔

شان نزول:

معالم التنزیل اور در منثور وغیرہ میں ہے کہ کچھ جاسوس آپ ﷺ کے پاس آئے کلمہ پڑھا، جاتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو ساتھ لے کر ایک ماہ تک آ جائیں گے۔ وقت مقررہ پر نہ آنے پر مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے بعض نے کہا کہ یہ منافق تھے واپس نہیں آئیں گے دوسرے گروہ نے کہا کہ نہیں مسلمان تھے لیکن کچھ مجبوری پیش ہوئی ہوگی۔ اس اختلاف پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے ہو اور دو گروہ بن گئے ہو۔

۹۱۔﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّأْمَنُوْكُمْ وَيَأْمَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾

دو خاندان تھے تفسیر خازن میں ہے کہ ایک کا نام بنو اسد تھا اور دوسرے کا نام بنو غطفان تھا انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور کافروں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۹۲۔﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾

قتل خطأً اور قتل عمد کا حکم:

ربط: پہلے کافروں کا ذکر تھا کہ ان کو قتل کرو اب ذکر ہے کہ مؤمن، مؤمن کو قتل نہ کرے مگر خطأً اگر خطأً قتل ہو جائے تو

دیت واجب ہوگی دیت آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ۱۰۰ اونٹ یا ۱۰۰۰۰ دراہم یا ۱۰۰۰ دینار تھی قتل میں دوحق ہیں ایک حق اللہ کا اس کا حق تب پورا ہوگا جب مومن غلام کو کفارہ میں آزاد کردے اگر غلام آزاد نہیں کرسکتا تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ اور دوسرا ورثاء کا حق ہے اور وہ دیت ہے ۔

۹۳۔﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾

روح المعانی اور خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ حکم اس کے بارے میں ہے جو مؤمن کو مستحل القتل سمجھ کر اس کو قتل کردے۔

(۲) اس کا بدلہ تو یہ ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قاعدے کے مطابق کہ **ان اللہ یغفر لمن یشاء. لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** ۔اس کو ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل نہ کردے۔

(۳) اس کا بدلہ تو یہ ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ تو ان صورتوں میں خلود بمعنی مکث طویل ہوگا۔

۹۵۔﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ﴾

ربط: پہلے جہاد کا بیان تھا درمیان میں مؤمن کا مؤمن کو قتل کرنے کا بیان تھا اب مجاہدین کا بیان ہے۔ **وکلا وعداللہ ای وکل من المجاھدین والقاعدین.**

۹۵۔﴿فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ﴾

شامی میں لکھا ہے کہ فرائض کی پابندی جہاد سے افضل ہے مگر یہ کہ جہاد فرض عین ہوجائے۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے پوچھا **ای الاعمال افضل قال الایمان باللّٰہ ثم بر الوالدین ثم الصلوۃ فی وقتھا ثم الجھاد فی سبیل اللہ**۔ اگر جہاد فرض کفایہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا حرام ہے۔

۹۷۔﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ﴾

ربط: اوپر جہاد کا ذکر تھا لیکن بسا اوقات قدرت نہیں ہوتی جہاد کی تو ہجرت کی جاتی ہے۔ یہاں ہجرت کا ذکر ہے۔ اب ان لوگوں کو ملامت کرنا ہے ترک ہجرت پر۔

﴿مُرَاغَمًا﴾

کشاف میں ہے کہ **رغم ای ذھب، مرغم**۔ ظرف مکان کا صیغہ ہے بھاگنے کی جگہ۔ ترک ہجرت کی وعید سنی تو ایک بوڑھے نے اپنے پوتوں سے کہا کہ مجھے چارپائی پر اٹھا کر لے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اس سے مستثنیٰ بھی ہے **الا المستضعفین** اس نے کہا کہ تم تو مجھے چارپائی پر اٹھا کر لے جاسکتے ہو۔ لہٰذا اس کو لے گئے تو راستے میں وفات پائی۔

۱۰۱۔﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾

ربط: اوپر جہاد کا ذکر تھا پھر ہجرت کا اور دونوں میں سفر کی ضرورت ہوتی ہے یہاں اس کے احکامات بیان کئے۔

اہم مسئلہ: کبیری میں ہے کہ حالت سفر میں فجر کی سنتیں ہر حال میں ضروری ہیں اور باقی سنتیں قرار کی حالت میں ہیں فرار کی حالت میں نہیں۔ **ان خفتم** کی قید اتفاقی ہے۔

۱۰۵۔﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾

بشیر نامی منافق کی چوری کا واقعہ:

ربط: اوپر منافقین کا ذکر تھا **و مالکم فی المنافقین** تھا اب ان منافقین کا ایک واقعہ بیان کیا۔

واقعہ: بشیر نامی منافق نے حضرت ابوقتادہؓ کے چچا رفاعہ کے گھر سے آٹے کا ایک تھیلہ جس میں اسلحہ بھی تھا نقب لگا کر چوری کرلیا۔ اور امانت کے طور پر رات کے وقت لبید کے گھر رکھوا دیا۔ اس تھیلہ میں سوراخ تھا جس سے آٹا گرتا رہا اور لبید کے گھر تک اس سے زمین پر نشان بنا تھا۔ صبح رفاعہ نے ابوقتادہؓ کو بلوایا اور کہا کہ اس معاملہ سے آپ ﷺ کو مطلع کردیں۔ ابوقتادہؓ نے سارا واقعہ حضور ﷺ کو بتلا دیا۔ منافقوں نے آپس میں میٹنگ کی۔ سارے اکٹھے ہو گئے عدالت میں دونوں کی باتیں سنی گئیں۔ بشیر کے منافق ساتھیوں و رشتہ داروں نے کہا کہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ بشیر بڑا نیک ہے اس نے یہ کام نہیں کیا جب اس نے قسم کھائی تو آپ ﷺ نے ابوقتادہؓ سے فرمایا کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ تم نے ایک نیک گھرانے پر تہمت لگائی۔ ان آیات میں آپ ﷺ کو کچھ تنبیہ فرمائی کہ جلد بازی نہ کرو۔ اس کے بعد بشیر منافق مکہ بھاگ گیا اور وہاں مردار ہوا۔

۱۱۵۔ ﴿غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اس آیت سے امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

۱۱۶۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ﴾

ربط: پہلے گزرا کہ بشیر نامی منافق نے چوری کی اور چلا گیا اور کھلے طور پر کافر بنا اللہ تعالیٰ نے یہاں شرک کی قباحت بیان کی۔ شرک کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا افعال میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔

۱۱۷۔ ﴿إِلَّآ إِنَاثًا﴾ یہاں تین باتیں ہیں۔

(۱) خازن مدارک وغیرہ میں ہے کہ لفظ اللہ ہے مذکر اس کو مؤنث بنا کر لات کہتے تھے لفظ منان مذکر ہے۔ اس سے انہوں نے منات بنائی، عزیز لفظ مذکر ہے۔ اس سے انہوں نے عزیٰ بنائی۔

(۲) روح المعانی میں ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں میں دستور تھا کہ مذکر ان کا بت ہوتا محبت کی وجہ سے اس کو انثی من فلان کہتے۔

(۳) یہاں تشبیہ ہے کہ عورتیں صنف نازک ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قوی ذات کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کو پکارتے ہیں جو کمزور ہے۔

۱۱۷۔ ﴿وَإِنْ یَدْعُوْنَ إِلَّا شَیْطَانًا مَّرِیْدًا﴾

شیطان کو نہیں پکارتے لیکن شیطان کے کہنے پر غیر اللہ کو پکارتے تھے۔

۱۱۹۔ ﴿فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾

تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ہے کہ مرد کیلئے داڑھی منڈوانا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

۱۲۱۔ ﴿مَحِیْصًا﴾

اس کو مصدر میمی بھی بناتے ہیں بمعنی چھٹکارا اور ظرف بھی بناتے ہیں بمعنی چھٹکارے کی جگہ۔

۱۲۳۔ ﴿لَیْسَ بِأَمَانِیِّکُمْ وَلَا أَمَانِیِّ أَهْلِ الْکِتَابِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا شیطان کا، کہ قسم قسم کی آرزوئیں دلاتا ہے فرمایا کہ آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا ''لیس الامر منوطاً بامانیکم''

۱۲۷۔ ﴿وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ﴾

ربط: سبق الغایات میں ربط یوں لکھا ہے کہ پہلی سورت کی ابتداء میں عورتوں کے مسائل بیان کیے پھر کچھ دوسرے

مسائل کا ذکر تھا اب پھر عورتوں کے مسائل کا بیان ہے۔فتوی کے معنی حکم قوی کے ہیں۔
ترغبون رغب کا معنی جب صلہ "فی" ہو شوق ہے اور صلہ "عن" ہو تو اعراض کے معنی ہے مصالحت کی صورت یہ ہے کہ خرچے میں کمی کردے اور اپنے حق (باری) کو کچھ چھوڑ دیں۔

۱۳۵۔﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾

ربط: اوپر نکاح اور طلاق کے احکام تھے اس میں گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔یہاں اللہ تعالیٰ نے گواہی کا ذکر فرمایا۔
ولو علی انفسکم سے مراد اپنے جرم کا اقرار کرنا ہے۔

نحوی اشکال:

"حرف او "احد الامرین کیلئے آتا ہے ان یکن غنیا او فقیرًا تو آگے فاللّٰہ اولٰی بہ کہنا چاہیے تھا نہ کہ بھما۔
جواب: أو بمعنی واو کے ہے۔(تفسیر کشاف)
﴿أن تَعۡدِلُوا﴾ بیضاوی اور کشاف میں ہے عن ان تعدلوا یعنی عن کا لفظ محذوف نکالتے ہیں۔

۱۳۶۔﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

اس میں کئی تفسیریں ہیں

(۱)یا یھا الذین اٰمنوا اٰمِنوا ای اظھروا ایمانکم بالسنتکم (۲)یا یھا الذین اٰمَنو اٰمِنُوا ای داوموا علی الایمان. (۳)یا یھا الذین اٰمنوا ای الذین اظہروا ایمانھم بألسنتھم اٰمنوا بقلوبکم.

۱۳۷۔﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾

تفسیر روح البیان میں ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بعض لوگ ایمان لائے پھر مرتد ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے اور کفر پر مصر رہے۔یہ آیات ان کے بارے میں ہیں۔
اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیات اہل کتاب کے بارے میں ہیں جلالین میں عبارت یوں نکالی ہے ان الذین اٰمنوا بموسٰی و ھم الیھود ثم کفروا بعبادۃ العجل ثم امنوا بعدہ ثم کفروا بعیسٰی ثم ازدادوا کفرًا بمحمد لم یکن اللّٰہ

۱۳۹۔﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾

ربط: اوپر بھی منافقوں کا ذکر تھا یہاں بھی منافقوں کا ذکر ہے
(۱) یخادعون اللّٰہ ای یخادعون رسول اللّٰہ (۲) کشاف میں ہے صنیعھم صنیع المخادعین.

جہنم کے سات طبقات ہیں:

تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ جہنم کے سات طبقات ہیں۔اوپر والے میں گناہ گار مؤمنین اس سے نچلے والے میں نصاری اس سے نچلے میں یہود اس سے نچلے میں صابئین اس سے نچلے میں مجوسی اس سے نچلے میں مشرکین اس سے نچلے میں یعنی سب سے اخیر میں منافقین ہوں گے۔

۱۴۷۔﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾

شکر پہلے ہے اور ایمان بعد میں یہ شبہ کہ کافر کا شکر قبول ہے۔غلط ہے واؤ ترتیب کیلئے نہیں ہے۔

۱۴۸۔﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾
ربط: پہلے منافقین کا ذکر تھا۔ کہ وہ طرح طرح کی باتیں کرتے اور نفاق کے سلسلے میں جھوٹ بولتے اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ﴾
ربط: ابھی اہل کتاب کا ذکر پڑھا کہ اللہ کے رسولوں کے درمیان فرق کرتے ہیں آگے ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

شان نزول:

آپ ﷺ کے پاس یہود کا ایک وفد آیا انہوں نے کہا کہ اگر آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو قرآن کو دفعۃً واحدۃ نازل کرو۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱۵۷۔﴿إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شمعون کے قتل کا واقعہ:

شام کا ایک صوبہ تھا رومیوں کی حکومت تھی اس صوبے کا گورنر ہیڈ ورڈ تھا یہودیوں نے عیسیٰؑ کے خلاف کہا کہ انہوں نے ہمارے دین کو بگاڑا۔ گورنر کے سامنے مظاہرے کیے کہ اس کو قتل کرو ورنہ ہم خود اس کو قتل کرتے ہیں گورنر نے مرکز سے رابطہ قائم کیا بادشاہ نے کہا مت قتل کرو حوصلے سے کام لو انہوں نے مظاہرے کیے اس گورنر کی نیند اُڑ گئی گورنر نے کہا کہ یا تو میرا استعفیٰ قبول کرو یا اس کو قتل کرو۔ انہوں نے کہا کہ جب ایک آدمی کے قتل سے فساد ختم ہوتا ہے تو اُسے قتل کرو۔ شمعون قرینی عیسیٰؑ کا ہمشکل تھا اسے قتل کر دیا۔ درحقیقت یہ شمعون منافق تھا اگرچہ بظاہر عیسیٰ کے حواریوں میں سے تھا۔

۱۵۹۔﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ﴾
(۱) تفسیر ابن جریر وغیرہ میں ہے ”وان من احد من اهل الكتاب الا ليؤمنن به اى بعيسٰى قبل موته اى موت عيسٰى“

(۲) دوسری تفسیر یوں ہے ” ليؤمنن به اى بعيسٰى قبل موت احد“ پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ ضمائر کا مرجع ایک ہے۔

نحوی اشکال:

پہلے ہے والمومنون والمؤتون یہ سب رفعی حالت میں ہیں اور درمیان میں والمقيمين اس کی نصبی یا جری حالت کیسے ہے۔ صاحب کشاف نے اس کے دو جواب دیے ہیں۔

(۱) مقيمين منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے اى امدح المقيمين۔

(۲) یہ مجرور ہے بما انزل میں ما پر معطوف ہونے کی وجہ سے اى بالمقيمين الصلوة۔

۱۶۳۔﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوْحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ﴾
ربط: ابھی آپ نے پڑھا يسئلك اهل الكتاب ان تنزل الخ آگے اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری بیان کی کہ یہ بڑی شریر قوم ہے یہاں ان کو اللہ تعالیٰ الزامی جواب دے رہے ہیں کہ کیا پہلے انبیاء پر کتابیں دفعۃً واحدہ نازل نہیں ہوئیں تھیں اگر ان کو مانتے ہو تو ان کو کیوں نہیں مانتے۔

سوال: سوال یہ ہوسکتا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے بھی تو نبی گزرے ہیں تو من بعدہ کا لفظ کیوں کہا من قبلہ کیوں نہیں کہا؟
فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ مشرکین کی طرف سب سے پہلے پیغمبر نوح آئے تھے ان سے پہلے کوئی امت مشرک نہیں تھی، پہلے انبیاء تعمیری تھے۔
﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾
لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل سے پہلے ارسلنا محذوف ہے۔
تفسیر جریر طبری میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح پر وحی آئی تھی تو یہود نے کہا کہ لا نشھد لک بالنبوۃ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم گواہی دیتے ہو یا نہیں اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ لٰکِنِ اللہ یشھد بما انزل الخ۔
۱۷۰۔ ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾
ربط: آپ ﷺ کی نبوت ثابت ہوئی جواب نہ دے سکے اس مجلس میں یہود و نصاریٰ سب تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام کو خطاب فرماتے ہیں یا یھا الناس الخ
﴿وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ روح کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے۔
﴿اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ﴾
میں خیرًا انتھوا کا مفعول نہیں، عبارت یوں ہے انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیر الکم۔
نصاریٰ کے تین گروہوں کا تعارف:
تفسیر کبیر، خازن اور روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ نصاریٰ کے تین گروہ تھے۔
(۱) نسطوریہ: یہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے "وقالت النصاری المسیح ابن اللہ"
(۲) یعقوبیہ: قالوا "ان اللّٰہ ھو مسیح بن مریم" انکے پادری یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ زیادہ عبادت کی وجہ سے اللہ بنے دلیل ان کی ہے کہ مثال کے طور پر آگ آگ ہے اور لوہا لوہا ہے لوہا آگ میں پھینک دو تو وہ بھی آگ بن جاتا ہے۔
(۳) ملکائیہ بعض تفسیروں میں ملکانیہ لکھا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ تین آلہہ سے دنیا قائم ہے اللہ، عیسیٰؑ اور بقول بعض کے مریم او بقول بعض جبرائیلؑ۔ تینوں کا ذکر قرآن میں ہے۔
یعقوبیہ کا عقیدہ ہے "التوحید فی التثلیث والتثلیث فی التوحید" یہ اللہ اور عیسیٰؑ کے گڈمڈ ہونے کا قائل ہے۔ یہ لوگ عیسیٰؑ کے سولی پر لٹکنے کے بھی قائل ہیں۔ اب اگر عیسیٰؑ سولی پر لٹکائے گئے تو اللہ بھی ساتھ تھا تو نعوذ اللہ دونوں فوت ہوگئے۔
۱۷۲۔ ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ﴾
ربط: پہلی آیت میں نصاریٰ کا ذکر تھا، مدعی ست گواہ چست، حضرت عیسیٰؑ تو عبدیت پر فخر کرتے ہیں اور تم عبدیت سے ان کو نکالتے ہو۔
تفسیر کشاف، روح المعانی میں استنکاف کا معنی لکھا ہے امتنع وانقبض (ناک چڑھاتے ہوئے رک جانا) کسی چیز سے تکبر کی وجہ سے رک جانا۔ مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن میں استنکاف کا معنی عار سمجھنا کیا ہے۔

١٧٤۔﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾

تمام مفسرین کہتے ہیں کہ نور سے مراد کتاب اللہ ہے۔

١٨٦۔﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾ 10

ربط: پہلے آپ نے وراثت کے مسائل پڑھے تھے وہاں اخیافی بہن بھائیوں کا مسئلہ تھا یہاں اعیانی اور علاتی کا بیان ہے۔

سورۃ المائدۃ

۱۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي
الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

ربط: بیان القرآن میں ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں تھا ویبین اللّٰہ لکم الخ اس نسبت سے یہاں احکام بیان کئے کہ کونسے جانور حرام ہیں اور کونسے حلال ہیں۔ بھیمہ کے معنی چار پاؤں والا لیکن اس کی اضافت انعام کی طرف جو ہے روح المعانی میں ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے جو انعام کی مد میں ہے اگر یہ قید نہ ہوتو سارے جانور حلال ہوتے۔

﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ﴾ یہ لکم سے حال ہے۔

﴿وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ بیضاوی میں ہے کہ حرم حرام کی جمع ہے بمعنی محرم کے۔

۲۔﴿لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ﴾

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے کہ حلال ہونا یہ تو عام ہے شعائر اللہ خاص ہیں اور وہ چار ہیں۔

(۱) قرآن (۲) نبی (۳) کعبہ (۴) صلوٰۃ۔

ان میں سے کسی کی بھی بے حرمتی نہ کرو۔ الھدی وہ جانور جو مکہ میں قربانی کیلئے لے جائے جائیں

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾

(۱) کشاف میں ہے کہ مضاف محذوف ہے ای ولا ذوات القلائد مراد اونٹ وغیرہ ہیں۔

(۲) دوسرا معنی ہے کہ یہ مبالغۃ ہے کہ اونٹ تو در کنار اس کا پٹہ بھی نہ چھیڑو۔

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ شعائر کی بے حرمتی مت کرو آگے فرمایا جب حلال ہو تو شکار کر سکتے ہو۔

ان صدوكم میں ان تعلیلیہ ہے۔ ان تعتدوا ای علی ان تعتدوا.

۳۔﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾

ربط: پہلے یتلی علیکم کہا تھا اب ان جانوروں کا ذکر کر رہے ہیں۔

مسئلہ: جس جانور کو غیر اللہ کے نام نامزد کیا جائے تو حرام ہوگا، ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگا، بسم اللہ پڑھ بھی لے۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ کتے کو ذبح کر کے کھانا۔ اس میں تمام چیزیں داخل ہیں خواہ جانور ہوں یا غیر جانور ہوں۔

﴿النُّصُبِ﴾ نصاب کی جمع ہے جیسا کہ کتاب کی جمع کتب۔

﴿اَزْلَامٌ﴾ زلم کی جمع ہے سهم صغير لا ريش له و لا نصل۔

﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾

کشاف وغیرہ میں ہے کہ اس کا مجرد قسمۃ ہے بمعنی تقسیم کرنا۔

(۲) دوسرا معنی قسمت معلوم کرنا۔ کعبۃ اللہ وغیرہ میں ایک تھیلہ تھا اس میں دس تیر تھے کسی پر نعم لکھا تھا کسی پر لا۔ کوئی کام کرتے مثلاً تجارت یا شادی وغیرہ تو تیر نکالتے اور قسمت معلوم کرتے اگر نعم کا تیر نکلتا تو کام کرتے اور اگر لا نکلتا تو کام نہ کرتے۔

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾
ربط: پہلے ذکر حرمت تھا آگے فرمایا کہ دین کی تکمیل ہم نے کر دی۔
یہ آیات ہجرت کے دسویں سال جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئیں۔
٤۔﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ﴾
شکاری جانور کے شکار کے حلال ہونے کے لئے شرطیں:
(۱) وہ شکاری جانور جن کو تم نے تعلیم دی ہو جو تمہارے کہنے پر جائے اور واپس آئے۔ (۲) اپنے ارادے سے ان کو شکار پر چھوڑا ہو۔ (۳) بسم اللہ کہا ہو چھوڑتے وقت (۴) خود نہ کھائے تمہارے لئے لے آئے (۵) شکاری جانور اس کو زخمی بھی کر لے۔
پہلے چار میں تمام ائمہ متفق ہیں آخری میں امام صاحب منفرد ہیں۔
﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾
امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس طعام سے مراد ذبح ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں (۱) جن کے عقیدے وہی ہوں جو اہل کتاب کے تھے۔
(۲) ذبح اللہ کے نام پر ہو۔ مثلاً اگر یہود باسم موسیٰ یا نصرانی باسم عیسیٰ کہے تو حلال اور جائز نہ ہوگا۔
٦۔﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ ﴾
ربط: یہ ہے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طہارت باطنی (۲) طہارت ظاہری،
باطنی جس کو ایمان کہتے ہیں ظاہری جس کو وضو کہتے ہیں پہلے طہارت باطنی کا ذکر تھا آگے طہارت ظاہری یعنی وضو کا ذکر ہے۔
٨۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾
ربط: بیان القرآن میں ہے کہ یہ تمہارے ظاہر معاملے تھے۔ دوسروں کے حقوق کو بھی ملحوظ رکھو گواہی دینی ہو تو صحیح گواہی دو۔
١١۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾
ربط: اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا اسی مد میں ایک اور نعمت کا ذکر ہے وہ نعمت کیا تھی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے مکہ کے مسلمانوں کے بارے میں کفار مشرکین مکہ نے مشورہ کیا کہ ان چند نفوس کو ختم کر دیں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کئے کہ ان کے ارادے بدل گئے۔
١٢۔﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾
ربط: اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ لیا یہاں فرمایا کہ تمہارے میثاق کا وہ حشر نہ ہو جس طرح یہود نے میثاق کا حشر کیا۔
﴿وَعَزَّرْتُمُوهُمْ﴾
تفسیر کشاف میں ہے التعزیر بمعنی المنع والرد۔ یہ لفظی معنی ہے لیکن یہ ایسے موقعوں پر بولا جاتا ہے جس کی تعزیر مقصود ہو مطلب ہوگا کہ پیغمبر کی طرف غلط بات کی نسبت کو روکنا۔ شیخ الہند نے ترجمہ کیا ہے "اور مدد

کروگے"

﴿خَآئِنَةٍ﴾

(۱) صاحب کشاف کہتے ہیں کہ یہ مصدر ہے بمعنی خیانت کے (۲) خائنۃ صفت ہے موصوف اس کا محذوف ہے علی نفس خائنة (۳) علی طائفة خائنة (۴) شخص کی صفت ہے علی شخص خائنۃ سوال ہوگا کہ شخص تو مذکر ہے اور خائنۃ مؤنث ہے یہ صفت بنانا صحیح نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ خائنۃ میں تاء مبالغہ کیلئے ہے تانیث کیلئے نہیں۔

العفو ترک عقوبة المذنب الصفح ترک تثریبه۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ﴾

ربط: پہلے ذکر تھا یعقوبیہ کا وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا حلول ہوا ہے اللہ تعالیٰ میں اور دو ایک بن گئے ہیں۔ یہاں سے ان کا رد فرما رہے ہیں۔

۱۸۔﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾

ربط: اوپر نصاریٰ کا ذکر تھا آگے یہود اور نصاریٰ دونوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

۱۹۔﴿يَأَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا﴾

ربط: پہلے یہود کا اور نصاریٰ کا الگ الگ ذکر تھا۔ اب ایک ہی جگہ پر دونوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اہل بدعت کا آپ ﷺ کے نور ہونے پر استدلال:

مبسوط اور با حوالہ بات تنقید متین اور اتمام البرہان میں دیکھو۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ جتنے نبی آئے تمام بشر، آدمی اور انسان تھے۔ اہل بدعت میں بعض غالی کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے۔ استدلال ان کا یہ ہے "قد جاء کم من اللّٰه نور و کتاب مبین" واو مغایرت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا نور سے مراد آپ ﷺ ہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نور ہیں بشر نہیں جواب یہ ہے کہ نور سے یہ مراد لینا کہ بشر نہیں یہ باطل ہے نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

دلائل اہل حق:

(۱) هل كنت الا بشرًا رسولاً (۲) قل انما انا بشر مثلكم.

یہاں قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین کی دو تفسیریں ہیں جو ہر تفسیر میں موجود ہیں۔

(۱) نور سے مراد قرآن ہے کتاب مبین عطف تفسیری ہے سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

قرینہ (۱) یهدی به۔ (۲) آپ نے ابھی پڑھا وانزلنا الیکم نورًا مبینًا۔ اس سے مراد قطعی طور پر قرآن ہے۔ (۳) و اتبعوا النور الذی انزل معه' ایک مقام پر ہے۔ (۴) ونورًا انزلناه فاٰمنوا باللّٰه ورسوله۔ ان تمام مقامات پر نور سے مراد کتاب ہے۔ سورۃ شوریٰ میں ہے ما كنت تدری ما الكتاب و لا الايمان و لكن جعلناه نورًا انا انزلنا التوراة فيها هدًى ونورٌ.

(۲) تفسیر ثانی روح المعانی، جلالین وغیرہ میں ہے کہ نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ذات آپ ﷺ کی بشر، صفت آپ ﷺ کی نور ہے جنس کے لحاظ سے بشر اور وصف کے لحاظ سے نور ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں آپ ﷺ نور ہیں پھر بعد میں فرماتے ہیں ای آدمـــــی" اسی طرح جلالین والے فرماتے ہیں۔

علامہ آلوسی تو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ بشر ہیں یا غیر بشر وہ آدمی کافر ہے کیونکہ اس نے ضروریات دین کا انکار کیا۔

سوال: حضور ﷺ اگر بشر ہوتے تو آپ ﷺ کا ضرور سایہ ہوتا؟

جواب: آپ ﷺ کا سایہ تھا جن روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا ان کا راوی عبدالرحمٰن کذاب، ضعیف، واضع الحدیث ہے۔

۲۰۔﴿وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ﴾

ربط: سبق الغایات، بیان القرآن میں یہ ربط بیان کیا ہے۔ اوپر یہود ونصاریٰ کا ذکر تھا اوران کی نافرمانیوں کا۔ یہاں فرمایا کہ دور حاضر کے یہودیوں نے اگر حضور ﷺ کی نافرمانی کی تو یہ کوئی بعید بات نہیں اس سے آپ ﷺ غمگین نہ ہوں کیونکہ ان کے بڑے بھی تو ایسے نافرمان تھے۔

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ﴾

ارض مقدسہ میں شام، فلسطین، اُردن، اسرائیل کا علاقہ اور لیبیا کا کچھ حصہ بھی تھا۔ اس سارے کو شام بھی کہتے تھے۔

۲۱۔﴿وَلَا تَرْتَدُّوا عَلٰى أَدْبَارِكُمْ﴾

موسیٰؑ نے بارہ ادمی بھیجے کہ حالات کا جائزہ لے لو قوم عمالقہ کے حالات میرے اور ہارونؑ کے سامنے بیان کرو اور کسی کے سامنے بیان نہ کرو۔ یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا وعدے پر پورے اترے۔ باقی دس نے قوم کو بتایا کہ وہ بڑے تومند ہیں، اس سے قوم کا حوصلہ ختم ہو گیا۔

۲۴۔﴿ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ﴾

مسلم شریف میں ہے کہ اوس کے سردار بولے خدا کی قسم اگر آپؐ ہم کو حکم دیدیں تو ہم سمندر میں اپنے گھوڑوں کو ڈالتے ہیں۔

۲۷۔﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں فرمایا کہ آدمؑ کا صلبی بیٹا تھا لیکن نافرمان تھا اپنا باپ اس کو نہ بچا اور چھڑا سکا تو تم کو کیا چھڑائے گا؟

قابیل مؤمن تھا یا کافر:

مسئلہ: قابیل جو جہنم میں گیا کفر کی وجہ سے یا نافرمانی کی وجہ سے۔

علامہ آلوسیؒ نے لکھا کہ بیسویں پارہ کی آیت ارنا الذین اضلانا من الجن والانس کے ضمن میں اور حضرت تھانویؒ نے بھی لکھا ہے کہ قابیل مومن گناہ گار تھا کافر نہ تھا گناہ کی وجہ سے جہنم گیا۔

(إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ)

ڈاکوؤں کی سزائیں چار ہیں:

(۱) ڈاکہ ڈالا اور آدمی بھی قتل کیا اس کی سزا قتل ہے۔

(۲) مال بھی لیا اور قتل بھی کیا اس کی سزا ہے سولی پر لٹکانا۔

(۳) مال لیا قتل نہیں کیا دایاں ہاتھ یا بایاں پیر کاٹا جائیگا۔

(۴) نہ مال لیا اور نہ قتل کیا۔اس میں اختلاف ہے
ینفون من الارض۔امام صاحب کے نزدیک اس سے قید مراد ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک جلاوطنی مراد ہے۔
۳٤۔﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ﴾
علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا اوران پر قدرت نہیں پائی گئی تھی کہ انہوں نے توبہ کرلی۔ اس توبہ کی وجہ سے حقوق اللہ ساقط ہوجائیں گے یعنی حد ساقط ہوجائے گی لیکن حقوق العباد دینا پڑیں گے۔قتل کیا تھا تو قتل کیا جائیگا،مال لیا ہوتو مال دینا پڑے گا۔
۳٥۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾
وسیلہ کی اقسام اور ہر قسم کا حکم:
ربط:اوپر جرائم کا ذکر تھا آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جرائم سے بچو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔
مسئلہ:اگر کوئی آدمی یوں کہہ دے کہ بوسیلہ محمد رسول اللہ ﷺ میرا یہ کام کردے یا بحرمت فلاں یا فلاں کی برکت، یا طفیل سے میرا یہ کام کردے اس کو توسل کہتے ہیں توسل نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز ہے۔
اس کی تین شقیں ہیں:
(۱) اگر وسیلہ پکڑنے والا اس کو حاضر وناظر سمجھتا ہو تو یہ کفر اور شرک ہے۔(۲) اگر اس کو یہ اعتبار نہیں تو مکروہ ہے۔
(۳) اگر وہ جانتا ہے کہ حاضر وناظر کچھ نہیں صرف اس لئے کہ مجھے اس پر ایمان ہے اس کے ساتھ محبت ہے تو اس بناء پر نیک آدمیوں کا نام لیکر دعا کرنا جائز ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ۔
یہ خلاصہ سیوطیؒ نے آخر میں بیان فرمایا ہے وبہ اقول واللہ اعلم بالصواب
۳۸۔﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا﴾
ربط:اوپر ڈاکے کا ذکر تھا اب چوری کا ذکر ہے ڈاکہ اعلانیہ طور پر ہوتا ہے چوری خفیہ طور پر ہوتی ہے۔
اعتراض:
اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ کاٹو تو پچاس اونٹ دیت ہے اور ایک طرف دس درھم چراؤ تو ہاتھ کاٹ دیتے ہیں؟
جواب:اس کا جواب علامہ آلوسیؒ نے دیا ہے کہ مُلحد تم نے حق وباطل کو گڈمڈ کردیا'' لما كانت أمينة كانت ثمينة فلما خانت هانت''
٤۱۔﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ﴾
ربط: پہلے ذکر تھا ڈاکے کا پھر چوری کا اب یہاں سے آگے زنا کا بیان ہے۔
شان نزول:
یہ ہے کہ خیبر میں ایک مرد عورت نے زنا کیا۔یہودیوں نے ایک وفد آپ ﷺ کے پاس بھیجا ان کو کہا کہ ہماری شریعت سخت ہے آپ ﷺ کا فیصلہ سن لیں اگر وہ بھی رجم کا حکم دیں تو نہ مانو اگر اور کوئی حکم دے دیں رجم کے علاوہ تو اس کو مان لو۔آپ ﷺ کے پاس جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کے عالم عبداللہ بن صوریہ کو بلایا اور تورات دے دی کہ اس میں زنا کا حکم سنادے۔اس نے تورات کی اس عبارت پر ہاتھ رکھا جہاں زنا کا حکم رجم مذکور تھا۔

اور آگے پیچھے عبارت پڑھی حضرت عبداللہ بن سلامؓ چونکہ تورات کے ماہر عالم تھے انہوں نے فرمایا کہ کذب عدو اللہ اس جگہ کو چھوڑ دیا جب اس آیت کو پڑھا تو عبداللہ بن صوریہ بڑا ذلیل ہوا۔

﴿ لِلسُّحْتِ﴾

ایسے آدمی کو رقم دینا جو فیصلہ کا مجاز نہیں اس کو رشوت کہتے ہیں اور اگر فیصلے کا مجاز ہو تو اس کو سحت کہتے ہیں۔

٤٤۔﴿ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ﴾

اس میں دو تفسیریں ہیں (۱) الذین اسلموا یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ سارے انبیاء فرمانبردار تھے

(۲) الذین اسلموا یہ قید احترازی ہے جھوٹے نبی کو نکالنے کیلئے جیسا کہ آج جھوٹے نبی ہیں اسی طرح اس وقت بھی جھوٹے نبی ہوتے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سارے جج وغیرہ تو کافر ہیں جو موافق حکم قرآن فیصلہ نہیں کرتے اس کے جوابات

(۱) یحکم بمعنی یصدق کہ جس نے تصدیق نہیں کی وہ یقیناً کافر ہیں۔

(۲) ما میں وضع کے لحاظ سے عموم نہیں استعمال کے لحاظ سے عموم ہے۔

(۳) علامہ آلوسیؒ نے من لم یحکم بمعنی من لم یقض لیا ہے۔ ای من لم یقض بما انزل اللّٰہ فھو کافر.

٤٧۔﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ﴾

انجیل کے منسوخ نہ ہونے پر ایک پادری کا اس آیت سے استدلال:

ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن ناسخ اور باقی ساری آسمانی کتابیں منسوخ ہیں۔ پادری کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انجیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتے ہیں کہ اس پر بھی تم فیصلہ کرو لہٰذا منسوخ نہیں۔

جواب: مولانا رحمت اللہ کرانویؒ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انجیل یوحنا میں تصریح ہے کہ عیسیٰؑ نے حواریوں سے فرمایا کہ میں جاتا ہوں دنیا کا سردار آجائیگا۔ اس کی بات ماننا جو خوبیاں اللہ نے اسے دی ہیں وہ مجھ میں نہیں اس کا بیان "عیسائیت کا پس منظر" میں دیکھو۔

تو جواب یوں دیا کہ ان (عیسائیوں) کو حکم ہے کہ قرآن کو مانو جس نے قرآن نہیں مانا اس نے انجیل نہیں مانی۔

٥١۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا﴾

ربط: پچھلے رکوع میں آپ نے پڑھا۔

﴿لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء﴾

قلبی تعلق رکھنے میں تمام کفار کا ایک ہی حکم ہے:

کہ یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ اس سے بطور مفہوم کے بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ اور کافروں کو دوست بناؤ یہود ونصاریٰ کو نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور کافر بھی اسی حکم میں ہے "یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء" کیوں؟ وجہ اور علت بتائی کہ انہوں نے تمہارے دین کو مسخرہ اور کھیل بنایا ہے۔

اب آگے اس کی ایک مثال ہے۔" واذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوا ولعبًا" کہ جب تم اذان دیتے ہو تو یہ نقلیں اتارتے ہیں کہ حی علی الصلوۃ ،حی علی الفلاح

٥٩ ۔﴿ھل تنقمون منا﴾

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں نقم ینقم (ض) کے معنی عیب لگانا یعنی ھل تنقمون منا ای ھل تعیبون منا۔

اورامام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نقم ینقم کے معنی انکر وہ معنی کرتے ہیں ھل تنقمون منا ای ھل تنکرون منا۔ لغت میں دونوں آتے ہیں۔

٦٠ ۔﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بُری بات نہ بتاؤں یعنی تم جو ہماری نماز کی نقل اتارتے ہو کہ کبھی ہم رکوع میں ہیں اور کبھی سجدے میں اس سے بری چیز نہ بتاؤں کہ تم میں سے چھوٹوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنایا گیا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔ کچھ بات پہلے پارے میں گزری۔ مزید بات نویں پارے میں آئیگی۔

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾

طاغوت کے بارے میں امام جعفرؒ کا فرمان:

اور وہ ہیں جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ طاغوت کے بارے میں امام جعفرؒ نے فرمایا ہے الطاغوت کل مایشغلک عن الحق فھو طاغوت یعنی جو چیز تمہیں حق سے روکے وہ طاغوت ہے۔ اس میں شیطان بھی ہے، مال بھی ہے، اولاد بھی ہے۔

٦٤ ۔﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾

یہود کا ایک اور شوشہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ واقرضوا اللّٰہ قرضًا حسنا تو یہود نے کہہ دیا کہ اللہ کے ہاتھ اب بند ہو چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اب فقیر ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا غلت ایدیھم انہیں کے ہاتھ بندھے گئے اور لعنت کیے گئے بسبب انکے کہنے کے۔ بما قالوا میں ما مصدر یہ ہے تو معنی ہوگا ای بقولھم اور اگر موصولہ ہو تو عائد محذوف ہوگا ای بما قالوا بہ۔

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾

اس میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے، متقدمین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر ایمان ضروری ہے اور یداہ مبسوطتان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں یعنی حقیقت پر محمول ہے البتہ اسکی کیفیت معلوم نہیں اسی طرح استوی علی العرش بھی ہے۔

متاخرین ان جیسی صفات کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے۔

٦٤ ۔﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ﴾

سوال: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب ان کو زیادہ کرے گی سرکشی میں اور کفر میں حالانکہ یہ کتاب تو ہدایت ہے شفاء لمافی الصدور ہے، یہ ان کی سرکشی کو کیوں بڑھائے گی؟

جواب: مفسرینؒ نے اپنے علم کے مطابق اس کے جوابات دیئے ہیں لیکن ان میں سے زیادہ مختصر جواب وہ ہے جو شیخ سعدیؒ نے دیا ہے کہ

باراں کہ درلطافت طبعش اوخلاف نیست در باغ لالہ روید ودر شور بوم وخس
کہ بارش اگر اچھی جگہ پر برستی ہے تو اچھی اچھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور اگر خراب جگہ برستی ہے تو خراب اور بے کار چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن کے لوگ نام بھی گندے رکھتے ہیں۔ کہ جیسا وہ حسی بارش ہے ایسا ہی قرآن ہے کہ اچھے دلوں پر اترے تو زادتھم ایمانا۔ اور جب برے دلوں پر اترتا ہے تو زیادہ کرتا ہے ان کے طغیان اور کفر کو۔

٦٦۔﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ﴾

پادریوں کا اس آیت سے استدلال:

اس آیت مبارکہ سے پادری لوگ استدلال کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ تورات اور انجیل منسوخ ہوچکی ہیں حالانکہ تمہارے قرآن میں ہے " ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل الخ"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منسوخ نہیں اگر منسوخ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یوں نہ فرماتے؟

جواب: تورات اور انجیل میں آپ ﷺ کے آنے کی بشارت ہے اگر انہوں (اہل کتاب) نے آپ ﷺ کو نہیں مانا تو تورات اور انجیل کو قائم نہیں کیا۔

٦٧۔﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن میں یہ ربط ہے کہ پہلے رکوع کے آخر میں یہ گزرا" وکثیر منھم ساء ما یعملون" کہ اکثریت انکی برے کام کرنے والی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب اکثریت بروں کی ہو تو تبلیغ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اکثریت سے نہ گھبرائیں بلکہ پہنچائیں جو حکم رب کی طرف سے ہے اور اگر ایسا نہ کیا بالفرض تو آپ نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا۔

٦٧۔﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے صحابہؓ آپ ﷺ کا پہرہ دیتے تھے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص آپ کے خیمہ کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلے جاؤ گھر میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا۔

حضرت علیؓ کو وصی ثابت کرنے پر شیعوں کا اس آیت سے استدلال:

اس آیت میں شیعہ نے تحریف کی ہے کہ" یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی" حضرت علیؓ کے بارے میں حکم ہے کہ وہ تیرا وصی ہوگا اس کو پہنچادو"۔ اور اس کثرت کے ساتھ یہاں روایتیں پیش کی ہیں کہ ایک عام آدمی کو مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ متواتر ہیں۔

میری دانش کے مطابق اس کی جتنی تردید حضرت تھانویؒ نے اپنے عربی کے حاشیے میں کی ہے اتنی تردید ہم نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی ان تمام روایتوں کو جمع کر کے ان پر بحث کی ہے کہ فلاں روایت میں راوی رافضی ہے فلاں میں ضعیف ہے وغیرہ۔

٦٩۔﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ﴾

اس میں فرمایا کہ ایمان کا دروازہ ہر ایک کیلئے کھلا ہے۔ الذین امنوا اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ آگے فرمایا من امن باللہ اور پہلے بھی فرمایا ان الذین امنو: یہ تحصیل حاصل ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ بعض اس کا معنی کرتے ہیں ای ان الذین امنوا بالانبیاء من قبلک
اور بعض دوسرے معنی کرتے ہیں ان الذین امنوا ای اظہروا الایمان بالسنتھم۔
والذین ھادوا مبتدا ہے والصابوؤن اس پر عطف ہے۔ کیونکہ الذین امنوا یہ اسم ہے اِنَّ کا۔ اگر الصابئون کو اِنَّ
کا اسم بناتے تو الصابئین ہوتا الصابئون نہ ہوتا۔ من امن باللہ یہ خبر ہے۔
۷۲۔﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اعْبُدُوا
اللّٰهَ﴾
ربط: اوپر یہود کا ذکر بھی تھا اور نصاری کا بھی اب آگے نصاریٰ کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک یعقوبیہ اور دوسرا ملکائیہ۔
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم الخ میں یعقوبیہ کا ذکر ہے۔ اور لقد کفر الذین قالو
ان اللہ ثالث ثلثۃ الخ میں ملکائیہ کا ذکر ہے۔
۷۵۔﴿ كَانَا يَأْكُلاَنِ الطَّعَامَ﴾
یہ جملہ مختصر ہے لیکن تشریح طلب ہے۔ کہ دونوں کھانا کھاتے تھے اور ظاہر بات ہے جو کھاتا ہے وہ اس عالم میں بہت سی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ زمین کا محتاج ہوگا کہ اس میں اس کی فصل لگے، پانی کا محتاج ہوگا کہ فصل کو لگے، ہوا کا محتاج ہوگا تا کہ اس کی فصل کو لگے۔ سورج کی کرنوں کا محتاج ہوگا۔ تا کہ اس کی فصل پکے اسی طرح چاند اور ستاروں کی روشنی کا محتاج ہوگا تا کہ پھلوں میں مٹھاس پیدا ہو۔ قضا حاجت کی ضرورت اسکو ہوگی۔ اتنی چیزوں کا محتاج کیسے الہٰ اور خدا بن سکتا ہے۔
﴿أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾
ایک ہوتا ہے افک بکسر الھمزہ اس کا معنی ہے اقوی الکذب یعنی جھوٹ بہتان۔ اور ایک ہے
افک بفتح الھمزہ اس کے معنی ہے الصرف پھیرنا۔ یہاں افک بفتح الھمزہ ہے ای یصرفون
۷۸۔﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾
ربط: اوپر یہود اور نصاریٰ کا ذکر تھا آگے بھی انہی کا ذکر ہے۔

﴿وَإِذَا سَمِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ﴾

۸۷۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ﴾

ربط: بیان القرآن میں ہے پہلے لفظ تھا رھبان، پارہ ۲۷ میں ہے ''ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا ھا علیھم'' انہوں نے خود رہبانیت گھڑی تھی آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فرمایا کہ تم حلال چیزوں کو رہبانوں کی طرح حرام مت سمجھو۔

۸۹ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ﴾

ربط: پہلے تھا کہ حلال چیزوں کو حرام مت کرو اب آگے فرمایا کہ کبھی چیز حلال ہوتی ہے انسان قسم اٹھا کر اپنے اوپر حرام کر دیتا ہے اس کو بیان فرمایا۔

۹۰۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾

ربط: پہلے تھا کہ حلال چیزوں کو حرام مت سمجھو اب آگے فرمایا کہ حرام چیزوں کو حلال مت سمجھو۔

۹۳۔ ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾

ربط: شراب کی حرمت جب نازل ہوئی تو بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ جو لوگ پہلے شراب پیتے تھے ان کا کیا ہوگا آخر ۳ھ تک تو شراب حلال تھی، وہ جو پہلے ہم نے پی ہے اس کا کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کچھ نہ ہوگا۔

شراب اتنی جلدی چھوٹتی نہیں اس لئے حق تعالیٰ نے بار بار فرمایا ''اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصلحت ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا وأحسنوا''

۹٤۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ﴾

ربط: اوپر ان چیزوں کا ذکر تھا جو ہمیشہ کیلئے حرام ہیں اب ان چیزوں کا ذکر ہے جو عارضی اور وقتی طور پر حرام ہیں۔

۹٥۔ ﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ﴾

روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ متعمدًا کی قید سے مراد یہ نہیں کہ خطاءً یا نسیانًا قتل کیا تو جزا نہیں بلکہ جزا اس صورت میں بھی ہے اب یہ قید کیوں لگائی؟ اس لئے لگائی ہے کہ دیدہ دانستہ ایسا کرنے میں یہ جزا فعل ہے، اور خطاء ونسیان کی صورت میں جزا محل ہے۔

۹٦۔ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾

اوپر فرمایا کہ تمہارے لئے شکار حرام ہے لیکن خشکی کا حرام ہے آگے فرمایا کہ سمندر کا شکار تمہارے لئے حلال ہے۔

۹۷۔ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ﴾

ربط: اوپر کعبہ کا ذکر تھا اب اس کی عظمت بیان کرتے ہیں۔

﴿قِيَامًا لِّلنَّاسِ﴾

قیام یہ مفعول ثانی ہے، قیامًا کا کیا معنی؟ ایک معنی بیان کرتے ہیں کہ لوگ اسکی طرف نماز پڑھتے ہیں ادھر سے بھی ادھر سے بھی چاروں طرف سے۔

دوسرا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ وہاں جمع ہو کر افعال حج یا مسلمانوں کے جو معاملات ہیں ان پر غور کہ کیسے ہم اسکو قائم کریں۔

دنیا کی موجودگی کعبہ پر موقوف ہے:
تیسرا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک کعبہ موجود ہے تو دنیا موجود ہے۔
بخاری شریف میں ایک روایت آتی ہے کہ آخری وقت میں حبشہ کا ایک بادشاہ ہوگا ٹیڑھی ٹیڑھی اس کی ٹانگیں ہونگی کالا رنگ ہوگا وہ فوج لے کر جائے گا اور کعبہ کے پتھروں کو اکھیڑے گا کأنی به اسود افحج یقلعها حجرًا حجرًا. اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں گے بگل بجاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب کعبہ ہے تو دنیا ہے کعبہ نہیں تو دنیا بھی نہیں ہوگی۔

۱۰۰۔﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ﴾
ربط: پہلے ان حلال اور حرام کا بیان تھا جو وقتی طور پر حرام ہیں اور جو دائمی طور پر حرام ہیں آگے بیان فرمایا کہ کسی خبیث چیز کی کثرت سے مرعوب نہ ہو۔

۱۰۱۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾
ربط: اوپر ان چیزوں کا ذکر تھا جو حسی طور پر حرام تھیں اب ان چیزوں کا بیان ہے جو معنوی طور پر حرام ہیں۔ حسی طور پر جو حرام ہے مثلاً شراب اور معنوی طور پر جو حرام ہے مثلاً ان اشیاء کے بارے میں سوال مت کرنا جن کے بارے میں سوال کرنا درست نہیں۔

بے جا سوال کرنے سے ممانعت:
شان نزول: تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، درمنثور وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ وعظ فرما رہے تھے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا "من أبی" کہ میرا باپ کون ہے؟ اب اس کا کیا تعلق ہے آپ تو دین کی باتیں بیان کر رہے تھے ایک شخص نے سوال کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے مجھے بتائیں کہ وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ ایک شخص نے آکر کہا کہ مجھے یہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟ ایک شخص ابن نعید نامی کہتا ہے "این ناقتی "میری اونٹنی کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم کہ تیری اُونٹنی کہاں ہے۔ ایک شخص نے کہا ما فی بطن ناقتی آپ ﷺ تو خاموش ہو گئے ایک نوجوان صحابی سلمہ ابن سلامہ ابن وقش نے انہوں نے کہا کہ تو نے اونٹنی سے بدفعلی کی ہے اس میں تیرا نطفہ ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سلمہ تو نے فحش گوئی کی ہے اللہ تعالیٰ فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا۔ تو صحابی کا کہنا جواب نہ تھا بلکہ چپ کروانا اور ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود تھا۔

۱۰۳۔﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾
سائبہ، بحیرۃ، وصیلہ، حام کونسے جانور ہیں؟
ربط: پہلے ان چیزوں کا بیان تھا جو رب نے حرام کی تھیں اب ان چیزوں کا بیان ہے جو لوگوں نے خود حرام کی ہیں۔
بخاری کتاب التفسیر میں سعید ابن مسیب کی "تفسیر ہے کہ
بحیرہ: اس جانور کو کہتے ہیں جس کا دودھ غیر اللہ کے نام پر وقف ہو وہ گائے ہو یا بکری ہو۔
سائبہ: کہتے ہیں اس جانور کو جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے۔
وصیلہ: ایسے مادہ جانور کو کہتے ہیں جو مسلسل دو دفعہ مادہ جن چکی ہو ایسی اونٹنی کی نسل جو آگے چلتی اس کو بتوں کے نام وقف کر دیتے۔

جام: وہ جانور جو ایک خاص مقدار تک جفتی کر چکا ہو۔

جب آدمی خود ہدایت پر ہو تو دوسرے کی گمراہی کب نقصان دہ نہیں؟

۱۰۵۔﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لاَ يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ٥﴾

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کسی نے سوال کیا کہ اس آیت سے بظاہر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک آدمی خود ہدایت پر ہے تو دوسروں کے گمراہ ہونے کا وبال اس پر نہیں ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف او نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے جب تم ہدایت پر ہو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ تو نے غلط سمجھا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتا وہ اهتديتم کا مصداق کیسے بنا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تم کو ضرر نہیں دیتا۔

اور یہی روایت نقل کی ہے سیوطیؒ نے ابوثعلبہ خشنیؓ سے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت تم نیکی کا حکم نہ کرو برائی سے نہ روکو۔ جب تم دیکھو کہ نیکی کا حکم نہیں کرتے برائی سے نہیں روکتے دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر آدمی اپنی رائے پر گھمنڈ رکھتا ہے اپنے نفس کو ایسے موقع پر بچانا ہے۔

۱۰۶۔﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾

حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا:

ربط: شان نزول:

ایک سفر میں تین آدمی تھے ایک بدیل ابن ورقاء یہ مسلمان تھا ان کے دو ساتھی تھے یہ نصرانی تھے اس وقت، بعد میں مسلمان ہوئے۔ ایک تمیم داری دوسرا عدی بن بدّاء۔ بدیل ابن ورقاء بیمار تھا یہی دو ساتھی اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنے مال کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی اور دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا، اس جام پر سونے کا کام بھی تھا؛ انہوں نے اس جام کا تقاضا کیا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ ﷺ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھالی کہ اس جام کا نہ ہمیں پتہ ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا، تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا، تاجر نے کہا کہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اسکے بعد بدیل کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بنسبت درست ہے اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۰۹۔﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لاَ عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾

ربط: اوپر الى الله مرجعكم جميعًا میں قیامت کا ذکر تھا اب آگے بھی قیامت کا ذکر ہے کہ جس دن اللہ تبارک وتعالیٰ رسولوں سے سوال کرے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا۔ اور لوگوں سے سوال ہوگا ماذا اجبتم المرسلين۔ یعنی ان سے یہ سوال ہوگا کہ تم نے کیا جواب دیا اور پیغمبروں سے سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا۔

قیامت کے دن پیغمبروں کا لا علم لنا کہنے کا مطلب

﴿ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا﴾

یہاں پر کافی بحث ہے کہ پیغمبروں کو کچھ نہ کچھ علم تو ہوتا ہے تو لا علم لنا کیوں کہا؟

تفسیر روح المعانی بیضاوی، مظہری، ابوسعود، مدارک وغیرہ تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ حسن بصریؒ، مجاہدؒ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ قیامت کا دن بڑا ہولناک دن ہوگا، اس ہولناکی کی وجہ سے پیغمبروں کے ہوش و حواس خطا ہوں گے اور کہیں گے لا علم لنا۔

لیکن اس تفسیر کا علامہ رازیؒ نے کبیر میں علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں رد کیا ہے اسلئے کہ آگے قرآن میں آتا ہے "لا یحزنهم الفزع الاکبر" کہ مومنوں کو بھی گھبراہٹ نہ ہوگی تو پیغمبروں کو کیا گھبراہٹ ہوگی۔

دوسری تفسیر روح المعانی تفسیر کبیر اور احکام القرآن وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لا علم لنا کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار تیرے علم محیط اور علم تفصیلی کے مقابلے میں ہمارا علم کوئی علم نہیں ہے۔

تیسری تفسیر ابن جریج فرماتے ہیں کہ لا علم لنا کا مطلب یہ ہے کہ ہم جب تک قوم میں تھے تو ظاہری طور پر ان کی عادات کو جانتے تھے ہمارے بعد انہوں نے کیا کیا اس کو نہیں جانتے۔

۱۱۰۔﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ﴾

کشاف والے کہتے ہیں کہ فیها میں ها ضمیر راجع ہے کاف تشبیہ کی طرف اور کهیئة میں کاف بمعنی مثل کے ہے پھر کہتے ہیں کہ مثل کا لفظ تو مذکر ہے اور ها ضمیر مونث ہے تو جواب دیتے ہیں کہ مثل ہے تو مذکر لیکن اس نے اکتساب تانیث کیا ہے هیئة کے لفظ سے جو کہ مضاف الیہ ہے اور تیسرے پارے میں ضمیر مذکر ہے اور راجع ہے لفظ مثل کی طرف وہاں لفظ مثل نے اکتساب تانیث نہیں کیا ہے اور یہ اکتساب کوئی واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔ جیسے حسنت جمیع خصاله میں اب حسنت تو مونث کا صیغہ ہے اور جمیع مذکر ہے لیکن کہتے ہیں کہ جمیع نے خصال سے جو کہ خصلة" کی جمع ہے اکتساب تانیث کیا ہے اور یہ اکتساب ضروری ہے۔

۱۱۱۔﴿وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ﴾

اب یہاں اوحیت کا کیا معنی کیونکہ حواری پیغمبر تو تھے نہیں تو یہ لفظ بھی ملیں گے۔ اذ اوحیت وحی منام اَو وحی الہام۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ وحی کی ہم نے تیرے ذریعے حواریوں کی طرف۔

۱۱٤۔﴿تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾

اس میں اولنا اور اخرنا سے مراد کون ہیں؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا پہلا طبقہ جو تھا موسیٰ کے زمانہ میں ان پر اللہ تعالیٰ نے من اور سلویٰ نازل کیا تھا "انزلنا علیهم المن والسلوٰی" اب ان کے آخری زمانہ میں ہمیں مائدہ ملے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہمارے پہلوں کیلئے اور پچھلوں کیلئے پہلوں سے مراد ہم ہیں ہم پر مائدہ اتاریں ہم کھائیں اور قیامت تک ہمارے جو پیروکار آئیں گے ان کیلئے خوشی یہ ہوگی کہ ہمارے بڑوں پر مائدہ اترا۔

۱۱۵ ﴿فَإِنِّیٓ أُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهٗٓ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ﴾

ترمذی، مسند احمد اور در منثور میں روایتیں ہیں کہ خبـز او لـحـمـا کہ اللہ نے گوشت وروٹی نازل فرمائی اور پابندی یہ لگائی کہ جو معذور ہیں وہ کھائیں اور جو غیر معذور ہیں وہ دیکھیں وہ نہ کھائیں لیکن انہوں نے بھی کھانا شروع کیا، اللہ نے ان کو سزا دی کہ بندر اور خنزیر بنایا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فا نی اعذبه...... لا اعذبه احدًا من العالمين حالانکہ یہ سزا تو پہلے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں کو دی گئی تھی؟

جواب تفسیروں میں ملے گا کہ هذا في زمانهم کہ ان کے زمانے میں یہ سزا کسی کو نہیں دی گئی۔

۱۱۶ ۔﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾

ربط: پہلے رکوع میں حق اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنوائیں اب یہاں سے مقصد کو بیان کرتے ہیں۔

۱۱۸ ۔﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

خلفِ وعید، امکانِ کذب، اور امکانِ نظیر میں اہل حق کا مسلک:

مبسوط بحث آپ کو تنقید متین، اتمام البرہان اور بانی دار العلوم دیوبند میں ملے گی اس مسئلے میں اختلاف ہے اور اسمیں تین عنوان ہیں ایک خلف وعید، ایک امکان کذب، ایک امکان نظیر۔

امکان کذب کا معنی کہ کیا حق تعالیٰ واقع کے خلاف جملہ بولنے پر قادر ہے یا نہیں اگر چہ نہ بولا ہے نہ بولتا ہے اور نہ بولیں گے۔ اہل حق کہتے ہیں کہ قادر ہے۔ جبکہ معتزلہ، خوارج، روافض اور اہل بدعت کہتے ہیں کہ قادر نہیں ہے۔ خلف وعید مثلاً ابولہب کو دوزخ میں ڈالے گا اس میں تو کوئی شک نہیں اب کیا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس کو جنت میں داخل کردے.. اہل حق کہتے ہیں کہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اگر اس کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ جبکہ یہ باطل فرقے کہتے ہیں کہ نہیں کرسکتا۔ اس کو متکلمین کی اصطلاح میں خلف وعید سے تعبیر کرتے ہیں تیسرا امکان نظیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو جو اوصاف عطا فرمائے اور جو آپ ﷺ کو مناقب دیئے ایسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہے اور نہ پیدا کرے گا۔ لیکن اگر پیدا کرنا چاہے تو اہل حق کہتے ہیں کہ کرسکتا ہے۔

جبکہ معتزلہ، روافض، خوارج اور زمانہ حال کے مبتدعین کہتے ہیں کہ نہیں کرسکتا۔ اس کو کہتے ہیں امکان نظیر کہ آپ ﷺ کی نظیر ممکن ہے یا نہیں۔

اسی مسئلہ پر کتاب لکھی ہے حضرت شیخ الہندؒ نے ''جهد المقل في تنزيه المعز والمذل'' کے نام سے، میں نے اسی مسئلہ پر تنقید متین، اتمام البرہان اور بانی دار العلوم دیوبند میں دلائل قائم کئے ہیں۔

پہلی دلیل:

کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور اس کی والدہ حضرت مریم کو معبود بنایا ''أ انت قلت للناس اتخذونی وامي الهين من دون الله'' (۱)۔ کہ مشرک اور کافر ہونے میں کوئی شک ہے؟

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تو ان کو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو انکو بخشے" فانک انت العزیز الحکیم" یہی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ قدرت بتلائی ہے کہ اگر تو بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے سزا دیں تو تیرے بندے ہیں ان تغفر لھم اگر تو بخشنا چاہے ان کے ساتھ فرمایا نہ کہ اذا ے ساتھ فانک انت العزیز الحکیم.

دوسری دلیل:

سورۃ ابراھیم میں ہے حضرت ابراھیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بچا مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی أن نعبد الاصنام آگے فرمایا رب اِنَّھُنَّ اضللن کثیرًا من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ معلوم ہوا کہ مشرک کا بخشنا رب کی قدرت میں ہے بخشے گا نہیں۔

دیکھئے یہ قرآن کریم اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے چھینا نہیں آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہے ولئن شئنا لنذھبن بالذی أوحینا الیک یعنی اگر ہم چاہیں تو یہ وحی آپ ﷺ سے چھین لیں " کر سکنا اور ہے اور کرنا اور ہے" کسی نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کسی نیک آدمی کو دوزخ میں ڈالنے پر قادر ہے؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا "اگر مارا بدوزخ فرستاد جائے اعتراض نیست" ہم نیکوں کو دوزخ میں ڈال دیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

سورة الانعام

۱۔﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ. هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾

ربط: پہلی سورۃ کا اخیر توحید پر ہوا تھا اور اس کی ابتدا توحید سے ہو رہی ہے۔

ایران میں جوشنو یہ فرقہ مشہور ہے وہ کہتے ہیں کہ دو الٰہ ہیں ایک کا نام یزدان اور ایک کا نام اہرمن ہے خالق خیر یزدان ہے اور خالق شر اہرمن ہے یا بالفاظ دیگر کہتے ہیں کہ ایک نور ہے اور ایک ظلمت۔ اللہ نے فرمایا کہ نور بھی مخلوق ہے ظلمت بھی۔

٤۔﴿وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾

آیت کا معنی حسی بھی ہے اور معنوی بھی حسی آیت سے مراد ہے معجزہ اور معنوی سے مراد قرآن کریم کی آیتیں ہیں۔

٦۔﴿اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾

ربط: پہلے ترغیب تھی اب ترہیب ہے۔

صراح، منتہی العرب، تاج العروس وغیرہ میں قرن کا معنی کیا ہے ''طائفة من الناس'' لوگوں کا ایک گروہ جو ایک وقت میں ہو اور بعض نے اس کا معنی زمانہ کے بھی کئے ہیں۔

﴿مِدْرَارًا﴾ مدرارًا مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے مضراب دَرَّ یَدُرّ (نصر ینصر) سے بمعنی کثرت سے بہنے والا

۱۱۔﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ کم اهلكنا من قبلهم من قرن آگے فرمایا سيروا فى الارض کہ یہ لوگ کبھی یمن کو جاتے ہیں کبھی شام کو جاتے ہیں فرمایا چل پھر کر دیکھ لو کہ اس کا عذاب آیا ہے یا نہیں؟۔

۱٤۔﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا، مشرکین کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا کہنے لگے ایسا کریں کہ صلح کریں۔ صلح میں یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے الٰہوں کی پوجا کریں ہم آپ کے الٰہ کی پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''قل أغير الله أتخذ وليا'' جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ کھلاتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا اس کو چھوڑ کر اور کو الٰہ بناؤں مجھ سے اس چیز کی توقع نہ کرو مجھے تو یہ حکم ہے کہ جو مجھ پر وحی اتری وحی اترنے کے بعد سب سے پہلے میں اپنی گردن اللہ کے سامنے جھکاؤں اور مجھے حکم ہے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ﴿وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ﴾

وہ کھلاتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا، یہ قضیہ سالبہ ہے اور قضیہ سالبہ وجود موضوع کو نہیں چاہتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کھاتا ہے، کھلایا نہیں جاتا بلکہ اس کیلئے طعام کی صفت ثابت نہیں۔

۲۱۔﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ﴾

مشرک سے بڑا ظالم کوئی بھی نہیں:

ربط: اوپر شرک کا ذکر تھا اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہ مشرک سے بڑا ظالم کوئی بھی نہیں۔ اس آیت کی دو تفسیریں مشہور ہیں: پہلی تفسیر علامہ سیوطیؒ نے کی ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر افتراء و جھوٹ باندھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اور اس کی طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے فرشتوں کو رب کی بیٹیاں اور

عزیر علیہ السلام ومسیح علیہ السلام کو رب کے بیٹے بناتا ہے یا اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے تو اس تفسیر کی رو سے اس کا مصداق ایک ہی گروہ ہے کام اس کے دو ہیں۔ ایک اللہ پر افتراء باندھنا دوسرا اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا۔

حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو گروہ ہیں ایک طرف آپ ﷺ ہیں دوسری طرف مشرکین تو فرماتے ہیں کہ غور کرو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے کہتا ہے " اُوحی الی ولم یوح الیہ " کہ وحی مجھ پر اتری ہے اور اس پر اتری نہ ہو۔ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے۔ اور اگر یہ شق نہیں کیونکہ میں محمد ﷺ سچا ہوں تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے رب کی آیتوں کو جھٹلایا یعنی مشرکین۔

تو حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو گروہ ہیں ایک طرف آپ ﷺ ہیں اور ایک طرف مشرکین، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے اللہ پر افتراء باندھا کہ میں نبی ہوں اور حقیقت میں نہ ہوں تو مجھ سے بڑا ظالم کون ہے اور اگر یہ شق باطل ہے اور یقیناً باطل ہے تو دوسری شق جس نے تکذیب کی اللہ کی آیتوں کی تو اس سے بڑا ظالم کون ہے؟

۲۳۔ ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ......﴾

ایک معنی تو یہ کرتے ہیں لم تکن معذرتھم نہیں ہوگا عذر ان کا، دوسرا معنی شیخ الہندؒ کرتے ہیں کہ نہیں ہوگا فریب ان کا۔

۳۱۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ حَتّٰى إِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے بھی اسی قیامت کا ذکر ہے۔

۳۱۔ ﴿قَالُوْا يَا حَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾

فرّط، یفرّط، باب تفعیل سے معنی ہے کوتاہی کرنا اور افرط، یفرط باب افعال سے معنی زیادتی کرنا۔ فیھا کے ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ قرطبی، البحر المحیط اور کبیر وغیرہ میں ہے کہ اگر فی کو تعلیلیہ بناد و تو ھا کی ضمیر راجع ہے السّاعۃ کی طرف تو معنی ہوگا کہ ہم نے کوتاہی کی لاجل الساعۃ اور اگر فی کو ظرفیہ بناؤ تو ھا ضمیر راجع ہوگی اوپر حیاتنا الدنیا کی طرف معنی یہ ہوں گے ہائے افسوس ہم پر جو ہم نے کوتاہی کی اس دنیا کی زندگی میں۔

۳۲۔ ﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ﴾

نحوی قاعدہ:

نحوی قاعدہ ہے کہ علم یعلم کے بعد اَنّ آتا ہے کیونکہ وہ مفعول بنتا ہے اور مفعول مفرد بنے گا اور وہ اَنّ کے ذریعے مفعول ہوتا ہے اور یہاں اِنّ ہے ایک اور مقام بھی ہے جہاں علم کے بعد اِنّ آیا ہے سورۃ منافقون میں قالوا نشھد انک لرسول اللّٰہ واللّٰہ یعلم انک لرسولہ۔

جواب: کے طور پر الفیہ ابن مالک کا ایک مصرع ہے بالـلام کـاعلم انہ لذو تقی جب اَنّ کی خبر پر لام آئے تو اِنّ پڑھنا ہے اَنّ نہیں پڑھنا کہ یہ جملہ بن جاتا ہے مفرد نہیں رہتا۔

۳۳۔ ﴿فَإِنَّهُمْ لاَ يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِيْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾

یہاں مستدرک اور ترمذی میں روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا یـا مـحـمـد لانکذبک ولکن نکذب بما جئت بہ کہ ہم تمہیں تو نہیں جھٹلاتے بلکہ جو تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں؟

۳۶۔﴿ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴾

سماعِ موتیٰ پر تفصیلی بحث

سماع موتیٰ کی دو شقیں ہیں پہلی یہ ہے کہ قبور انبیاء کے پاس سے، (دور سے نہیں) اگر درود وسلام کوئی پڑھے تو پیغمبر سنتے ہیں یا نہیں۔ یاد رکھیں اس مسئلہ میں ۱۳۷۴ھ سے پہلے کوئی اختلاف نہیں تھا۔

حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ انبیاء کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ اس پر اُمت کا اجماع ہے اور تعلیم القرآن رسالہ جو شیخ القرآن کے زمانہ میں نکلتا تھا اس میں یہ لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں فریقین کا کوئی اختلاف نہیں۔

اس میں سب سے پہلے اختلاف کیا حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے اور پھر ان کے ساتھ اور لوگ بھی ملتے گئے اس سے پہلے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

باقی دوسرا مسئلہ عام اموات کے عند القبور سماع اور عدم سماع کا اختلافی ہے، صحابہ کرام سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت عائشہؓ منکر ہیں اور جمہور صحابہ نے حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی ہے۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری میں ہے و خالفها الجمهور دلیل سماع موتیٰ، الشہاب المبین اور مسلک منصور وغیرہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

آپ نے تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور مطوّل میں پڑھا ہوگا کہ تشبیہ کے چار ارکان ہیں ایک مشبہ ایک مشبہ بہ ایک حرف تشبیہ اور ایک وجہ تشبیہ کبھی حرف تشبیہ مذکور ہوتا ہے جیسے زید کا لاسد اور کبھی محذوف ہوتا ہے جیسے زید اَسد شیخ جرجانیؒ جو فن بلاغت کے بانی ہیں اپنی کتاب اسرار البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہی ہوگا جیسے ہم کہتے ہیں کہ زید کا لا سد تو وجہ تشبیہ دونوں میں ایک ہے اور وہ شجاعت ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ ایک میں ہے ادعاء اور ایک میں حقیقۃً ہے۔ (اب بات سمجھنا)

اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں کو قرآن پاک میں دو چیزوں سے تشبیہ دی ہے صم بکم عمی سے دوسرا موتیٰ سے تشبیہ دی ہے۔ تو مشبہ ہے زندہ کافر مشبہ بہ صم یا موتیٰ اب دیکھئے ہمارے دوست عدم سماع کے قائلین کہتے ہیں کہ تشبیہ عدم سماع میں ہے اگر تشبیہ عدم سماع میں ہو تو مانو کہ زندہ کافر بھی نہیں سنتے وجہ تشبیہ ایک ہے۔ وجہ تشبیہ کیا ہے جلالین، السراج المنیر، خازن تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا ''شبههم بهم فی عدم الانتفاع بما يُتلى عليهم'' وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے کہ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی کو سماع نافع بھی کہتے ہیں سماع ظہور بھی کہتے ہیں۔ سماع اتحاد، سماع فہم، سماع تدبر بھی کہتے ہیں نفی اس کی ہے نفس سماع کی نہیں۔

اب دیکھیں یہ لوگ ایک اور مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ قرآن قطعی ہے اور حدیث خبر واحد ہے اور ظنی ہے ظنی اور قطعی کا تعارض ہو تو قطعی کو ترجیح ہوتی ہے ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے قرآن قطعی ہے۔ لیکن خدا کے بندو! تناقض بھی تو ہو تناقض کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع ومحمول ومکان
وحدتِ شرط واضافت جزو کل قوت و فعل است در آخر زمان

بیشک قرآن مقدم ہے، قرآن کریم میں آتا ہے ''انک لا تسمع الموتی'' یہاں موضوع

"انک" سنانے والا ہے اور حدیث میں المیت موضوع ہے، تو تعارض کہاں ہے نیز محمول میں بھی اتحاد نہیں کہ قرآن میں محمول ہے لاتُسمع متعدی باب ہے اور حدیث میں ہے یَسمع تو تعارض کیسے رہا۔ قرآن اپنی جگہ پر حق ہے اور حدیث اپنی جگہ پر حق ہے پھر کہتے ہیں کہ دیکھو جی حضرت عائشہؓ کی بڑی شخصیت ہے وہ انکار کرتی ہے بے شک ان کی بڑی شخصیت ہے لیکن عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے وخالفها الجمهور اب ہم جمہور کو کہاں چھوڑیں۔ پس جس چیز کی نفی ہے وہ یہ ہے کہ تو سنا نہیں سکتا جیسا کہ انک لاتهدی الخ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تو ہدایت نہیں دے سکتا تو اس سے کسی کو ہدایت حاصل بھی نہیں ہوگی۔ ولٰکن الله یهدی من یشاء اسی طرح ہے۔ ان اللّٰه یسمع من یشاء.

﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ﴾

صاحب جلالین اس کا ترجمہ کرتے ہیں انما یستجیب دعائک الی الایمان الذین یسمعون سماع تفهم واعتبار (سماع نافع جس کو کہتے ہیں) والموتٰی ای الکفار شبههم بهم فی عدم السماع سماع پر الف لام داخل ہے نکرہ نہیں ہے الف لام عہد کا ہے اور پہلے وہ کہتے ہیں سماع تفهم واعتبار تو نفی اس سماع کی ہے عدم سماع نکرہ کی نفی نہیں ہے۔

۴۳۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ﴾

ربط: اوپر مشرکین کا ذکر تھا کہ یہ آپ سے اس قسم کے نشانات کا مطالبہ کرتے ہیں یہاں سے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے پیغمبر پہلے بھی بھیجے ہیں اور لوگوں پر ہم نے طرح طرح کے بأساء اور ضرّاء نازل کیے ہیں۔

۴۴۔ ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے کہ ان کو صحابی بھی بنادیا ختم نبوت بھی ان کو مل گئی حاشا وکلّا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو ان کے مناسب چیزیں تھیں مال واولاد وہ دیں۔

۵۰۔ ﴿قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾

ربط: کافروں نے یہ کہا کہ تو کہتا ہے کہ عذاب آئے گا تو اس کا وقت بتا کب آئے گا فرمایا کہ یہ غیب کی باتیں ہیں میرے پاس تو غیب کی باتیں نہیں ہیں اور نہ ہی میرے پاس خزانے ہیں، اور نہ میں فرشتہ ہوں۔

﴿خَزَائِنُ اللَّهِ﴾ صراح والے کہتے ہیں کہ خزائن جمع ہے خِزانہ (بکسر الخاء) کی بمعنی گنجینہ۔

۵۱۔ ﴿وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ﴾

اوپر قرآن کا ذکر تھا آگے اس قرآن کے ساتھ انذار کا ذکر ہے۔

فقراء صحابہؓ کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم:

۵۲۔ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ یہ کفار آپ ﷺ سے قسم قسم کے مطالبات کرتے ہیں یہاں ان کے ایک مطالبہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ہیں صنادید قریش یہ آپ کی مجلس میں جو ہیں حضرت خبابؓ، صہیبؓ، بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ ان کو مجلس سے اٹھادیں پھر ہم تیری بات سنیں گے ہم ان میں بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے دل میں آیا کہ چلو تھوڑی دیر کیلئے ان کو اپنی مجلس سے اُٹھادوں تاکہ یہ میری بات سن لیں ارادہ اچھا تھا لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھنا پڑتا ہے.

وہ یہ کہ اگر آپ ﷺ ان کو مجلس سے ہٹا دیتے تو قیامت تک یہ سنت بن جاتی غریبوں کی مسجد وغیرہ اور امیروں کی مسجد وغیرہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و لا تطرد الذین ......الخ

۵۶ ﴿قُلْ إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِيْنَ﴾

پہلے تھا کہ مشرکین وفود کی شکل میں آپ ﷺ کے پاس آئے اس سلسلے میں بار بار آتے جاتے رہے۔ایسے لوگوں کیلئے جواب دیا۔

﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾

حفظة سے کیا مراد ہے؟

حفظة سے کیا مراد ہے؟ ابن جریر طبری، روح المعانی وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال لکھنے والے محافظ فرشتوں کو بھیجتا ہے صبح کی نماز کے وقت آتے ہیں عصر کے وقت چلے جاتے ہیں پھر دوسرے آتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے، علاوہ ہیں جو انسان کی حفاظت کرتے ہیں جب تک حفاظت مطلوب ہو۔

۶۱۔﴿ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لاَ يُفَرِّطُوْنَ ﴾

اس میں اختلاف ہے کہ جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہے یا کئی ہیں؟ مفسرین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک فرشتہ ہے جو جان نکالتا ہے اور باقی اس کے اعوان وانصار ہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ متعدد ہیں اور ملک الموت ان کے انچارج ہیں ان کا استدلال ان جیسی آیات سے ہے کہ توفته الرسل جمع ہے اسی طرح ایک آیت پانچویں پارے میں گزر چکی ہے اور ایک آٹھویں پارے میں آئیگی۔

۶۸۔﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا ﴾

ربط: اوپر قرآن کا ذکر تھا آگے فرمایا کہ ایسے لوگ جو قرآن کے ساتھ مذاق کریں ان کے ساتھ مت بیٹھو۔

۷۱۔﴿ قُلْ أَنَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لاَ يَنفَعُنَا وَلاَ يَضُرُّنَا ﴾

ربط: مشرکین کے وفد بار بار آتے تھے، کہتے کہ جھگڑے کو کیوں ختم نہیں کرتے۔ ہم تمہارے معبود کو پکاریں اور تم ہمارے معبود کو، جھگڑا ختم ہو جائیگا آگے اسی وفد کو جواب ہے۔

۷۱۔﴿وَنُرَدُّ عَلٰى أَعْقَابِنَا بَعْدَ ﴾

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ پہلے کسی اور عقیدے کے تھے جس کی طرف لوٹ جائیں حالانکہ نبی آنکھ جھپکنے کے برابر بھی گمراہی نہیں کرسکتا؟ اہل حق کہتے ہیں کہ نبی معصوم ہوتے ہیں وہ آنکھ جھپکنے کے برابر بھی شرک نہیں کرتے یہ ان کو تغلیبا کہا اور تغلیب کا باب وسیع ہے۔

۷۴۔﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ﴾

ربط: یہ مشرکین اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور کہتے کہ ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں تو ان کے دین کا مخالف ہے اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ان دو رکوع میں اسی کا رد کیا ہے فرمایا تم کیا ابراہیمؑ کو جانتے ہو۔

۷۴۔﴿ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا اٰلِهَةً ﴾

اسی جگہ ابن جریر طبری وغیرہ نے صنم کی تعریف کی ہے "الذی یتخذ من الذھب والفضة والحدید

والخشب والحجر والمدر علی صورۃ الانسان وھو وثن ایضاً"
۷۵۔﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِیۡ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ﴾
کما ارینا اضلال قومہ کذالک نری ملکوت السموات ...
﴿وَلِیَكُوۡنَ ﴾
میں واؤ کیسا ہے؟ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ الواو مزیدۃ جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ واؤ عطف ہے تو معطوف علیہ یہ جملہ ہے کہ "کذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت و الارض لیستدل بہ علی کمال قدرتنا ولیکون من المو قنین" اور جلالین وغیرہ میں ہے "ولیستدل بہ لیکون من الموقنین"
۷۶۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡهِ الَّیۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ﴾
حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں مودودی صاحب کی خرافات:
یہاں ایک تو عام خرافات ہیں اور ایک مودودی صاحب کی خرافات ہیں دونوں مردود ہیں عام خرافات یہ ہیں کہ بعض کتابوں مثلاً قصص الانبیاء وغیرہ میں ہے کہ ابراہیمؑ جب چھوٹے تھے ان کو غار میں جا کر رکھ دیا وہیں اللہ تعالیٰ ان کی پرورش کرتے رہے جب غار سے نکلے تو پہلی رات ستارہ دیکھا کہنے لگے "ھذا ربی" پھر چاند دیکھا کہا "ھذا ربی" پھر سورج دیکھا کہا "ھذا ربی" یہ تمام خرافات ہیں۔
اور ایک ہیں مودودی صاحب کی خرافات وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کو رب بنایا لیکن ایک ہوتی ہے منزل ایک ہوتا ہے راستہ۔ راستے میں تلاش کرتے کرتے اگر ایسی بات ہو تو یہ کوئی خرابی نہیں منزل میں نبی شرک نہیں کرتا رب کو تلاش کرنے کے راستے میں یہ باتیں کیں "لاحول ولاقوۃ"
حضرت ابن ہمامؒ کی کتاب ہے "المسیرۃ" عقیدے کی کتاب ہے اس کی شرح لکھی حافظ ابن قطلو بغا حنفیؒ نے وہ نقل کرتے ہیں قاضی ابوبکر کے حوالہ سے کہ نبی طرفۃ عین کے برابر بھی کفر نہیں کرتا اور عقائد کی کتابوں اور اصول فقہ کی کتابوں اور شروح حدیث میں جب مطلق قاضی کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد قاضی ابوبکر باقلانی ہوتے ہیں اب یہاں سنیں حضرت ابراہیمؑ رات کو آئے اور ستارے کو دیکھ کر کہا "ھذا ربی"
تفسیر کبیر، البحر المحیط وغیرہ میں ہے کہ یہ استفہاماً تھا کہ یہ میرا رب ہے مانا نہیں جب غروب ہو گیا تو کہا لااحب الافلین بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ استفہام کی ضرورت نہیں ہے جس میں آلوسی، ابن کثیر اور بغویؒ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ھذا ربی بزعمکم تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے مال تو وہی نکلا۔
۷۸۔﴿ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ﴾
یہاں لفظ الشمس مؤنث ہے اور ھذا مذکر ہے جواب یہ ہے کہ خبر کی رعایت کی گئی ہے اور خبر ربی ہے۔
۸۳۔﴿ وَ تِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ عَلٰی قَوۡمِهٖ ﴾
یہ اوپر جو ذکر ہوئی یہ ہماری دلیل تھی ہم نے ابراہیمؑ کو دی اگر معاذ اللہ راستے منزل کا فرق کرو جیسا کہ مودودی صاحب کہتے ہیں تو یہ عجیب منزل ہے کہ پہلے شرک کرو "رب شرک کی دلیل بتاتے ہیں"
نوٹ: کل قرآن میں پچیس انبیاء کرام کے نام آئے ہیں اٹھارہ اس جگہ ہیں اور باقی دوسری جگہ ہیں اور کل قرآن پاک میں

چھ فرشتوں کے نام آئے ہیں۔

۹۱۔﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾

ماقبل میں انبیاء کرام کے کچھ نام مذکور تھے فرمایا "اولئک الذین اتینٰھم الکتٰب والحکم والنبوۃ" کہ ہم نے ان لوگوں کو کتاب حکم اور نبوت دی۔ آگے فرمایا کہ تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ یہاں تمہیں تفسیروں میں نام ملے گا مالک ابن الصیف یہودی کا۔ اس نے کہا کہ تو کیسے نبی بنا؟ اللہ تعالیٰ نے تو کسی بشر پر کوئی چیز نازل کی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے کہنے میں صرف پیغمبر کی توہین نہیں بلکہ خدا کی بھی توہین ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وماقدروا اللّٰہ حق قدرہ کہ انہوں نے قدر نہیں کی اللہ کی جیسا کہ اس کے کرنے کا حق ہے کیوں کہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل ہی نہیں کی۔ اس میں رب کی توہین ہے۔ آگے اسی کا رد کر کے فرمایا کہ کہہ دیجئے من انزل الکتٰب الذی جاء بہ موسٰی کہ وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے وہ کس نے نازل کی ہے؟ موسیٰ بشر تھے یا نہ تھے؟ ان پر تورات اتری یا نہیں اتری وہ کتاب نور بھی تھی ھدایت بھی تھی۔

قراطیس یہ قرطاس کی جمع ہے قرطاس کے لفظی معنی کاغذ کے ہے یہاں پر معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے کہ وہ جس کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، وہ کیسے؟ وہ یوں کہ اس کتاب کے قراطیس کے کچھ حصے کو تم ظاہر کرتے ہو جو تمہارے مطلب کے لئے مفید ہے وتخفون کثیرا اور بہت سی چیزوں کو تم مخفی رکھتے ہو جو تمہاری خواہشات کے خلاف ہیں۔

قل اللہ آپ سوال کریں کہ یہ کس نے نازل کیں یہ تو جواب نہیں دیں گے آپ ہی کہیں اللّٰہ انزلہٗ کہ اللہ جل جلالہٗ نے نازل کی ہے۔

۹۱۔﴿ وَهٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾

کہ جیسے توراۃ اللہ نے اتاری ہے بشر پر اتاری ہے یہ کتاب بھی ہم نے اتاری ہے بشر پر اتاری ہے۔ برکت والی ہے پہلی کتابوں کی مصدق ہے۔

۹۲۔﴿وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾

مکہ کا نام اُم القریٰ کیوں رکھا؟

اور اس لئے اتاری ہے تا کہ بستیوں کی ماں کو تو ڈرائے۔ مکہ مکرمہ کا نام اُم القریٰ اس لئے تھا کہ یہیں سے زمین شرقاً غرباً شمالاً جنوباً بچھائی گئی۔

اگر لتنذر کا مفہوم ہے کہ بلا واسطہ خود ڈرائیں تو ماحولھا سے مراد قریب کا ماحول ہوگا جس میں آپ خود پہنچے اور اگر ڈرانا بالواسطہ بھی ہو تو صحابی، تابعی، امتی ڈرائیں تو ماحول سے مراد ہوگا مشرق مغرب، جنوب شمال کی تمام اطراف۔

۹۳۔﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً أَوْ قَالَ أُوْحِىَ إِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَىْءٌ ﴾

ربط: ایک اس یہودی کی بات تھی اور ایک دوسرا تھا عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح یہ مسلمان تھا خط اس کا بڑا اچھا تھا آنحضرت نے کاتبین وحی میں اس کو بھی شامل کیا تھا۔ اٹھارویں پارے میں تبارک اللّٰہ احسن الخالقین سے پہلے کی آیتیں جب نازل ہوئیں آپ ﷺ اس کو لکھواتے رہے چونکہ وہ عربی تھا فصیح تھا ابھی آپ ﷺ نے زبان سے "تبارک اللّٰہ احسن الخالقین" بولا نہیں تھا کہ وحی کا یہ لفظ اس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ اس پر وہ کہنے لگا مایدری محمد؟ (کہ محمد ﷺ کیا جانتے ہیں؟) جو میں کہتا ہوں وہی لکھتے ہیں۔ اس کے بعد مرتد ہو گیا

اور کہنے لگا کہ ایسی چیز تو میں بھی بنا سکتا ہوں اسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء باندھے یا کہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس کی طرف وحی نہیں کی گئی اور (اس سے) جس نے کہا کہ میں اتار سکتا ہوں جیسا کہ اللہ اتارتا ہے۔

﴿ فُرَادٰی ﴾

جمال الدین کرشی" مشہور لغوی ہے صراح والے فرماتے ہیں کہ فرادیٰ جمع ہے فرد کی اور خلاف قیاس ہے کیونکہ یہ لفظ جو جیسے فرادیٰ اس کا مفرد، ''فردان'' ہونا چاہیے تھا جیسے کسلان کی جمع کسالیٰ۔

﴿ مَّا خَوَّلْنَاكُمْ ﴾ ای ما اعطیناکم جو چیز ہم نے تم کو دی ا ہے۔

۹۵۔﴿ إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ ﴾

ربط: پہلے آپ نے پڑھا کہ مشرکین نے جن کو شرکاء بنایا تھا اور خیال کیا تھا کہ یہ ہمارے بارے میں رب کے شریک ہیں فرمایا شریکوں نے کیا کیا؟ یہ سارے کام جو آگے بیان ہوئے رب نے کئے۔

۹۵۔﴿ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ﴾

حب، حبۃ کی جمع ہے کیونکہ قرینہ یہ ہے کہ آگے النوی جمع ہے نواۃ کی۔ جب وہ جمع تو یہ بھی جمع۔ بعض کہتے ہیں کہ حب کا لفظ جنس کے معنی میں ہے۔ لہٰذا جنہوں نے اس کا معنی دانہ کیا تو بھی ٹھیک ہے دانے کیا تو بھی ٹھیک ہے۔

۹۷۔﴿ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾

بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ستاروں کو تین فوائد کیلئے پیدا کیا جس نے اس کے علاوہ کوئی چیز حاصل کی اس نے اپنے آپ کو تھکایا اور لایعنی چیز کے پیچھے پڑا۔

ایک تو یہ ہے کہ لتھتدوا بھا فی ظلمٰت البر والبحر اور دوسرا ہم نے اس کو آسمان دنیا کی زینت بنایا۔ تیسرا رجومًا للشیٰطین۔

۹۸۔﴿ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ﴾

مستقر اور مستودع سے کیا مراد ہے؟

یہاں تفسیر کبیر، البحر المحیط، قرطبی، مواھب الرحمٰن وغیرہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔

ایک یہ کہ مستقر سے صلب پدر (باپ کی پیٹھ) اور مستودع سے مراد ہے رحم مادر

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مستقر سے مراد ہے ماں کا رحم نقرّ فی الارحام مانشاء اور مستودع سے مراد ہے یہ زمین

تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ زمین مستقر ہے اور قبر مستودع ہے

چوتھی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ مستقر سے جنت دوزخ اور مستودع سے اِدھر اُدھر یہ تمہارے عارضی ٹھہرنے کی جگہیں ہیں اور جنت یا دوزخ تمہارے ہمیشہ رہنے کی جگہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کسی تفسیر کا کسی سے کوئی تعارض نہیں سب اپنے مقام پر ٹھیک ہیں۔

﴿ مُّتَرَاكِبًا ﴾ رکب برکب سے، دانے پر دانہ چڑھا ہوا۔

﴿ طَلْعِهَا ﴾ اس کا معنی شگوفہ، پھول قنوان یہ قنو کی جمع ہے اس کے معنی گچھے کے ہیں قنوان (بکسر النون) ہو تو یہ تثنیہ ہے۔ ویسے شکل دونوں کی ایک ہے۔

۹۹۔﴿ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾
ملتے جلتے ہیں اور نہیں ملتے جلتے بعض کہتے ہیں کہ یہ قید سب کے ساتھ لگتی ہے معنی یہ ہوگا کہ یہ جو پھل ہیں بعض ایسے ہیں جو ایک دوسرے کیساتھ ملتے جلتے ہیں یعنی اثر میں مثلاً انگور بھی گرم ہے کھجور بھی گرم ہے اور نہیں ملتے مثلاً رُمّان ہے ان سے نہیں ملتا کہ یہ ٹھنڈا ہے وہ گرم ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف رمّان سے ہے کہ رُمان مشتبہ بھی ہیں آپس میں ملتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے بعض انار میٹھے ہوتے ہیں بعض انار کھٹے ہوتے ہیں بعض سُرخ ہوتے ہیں بعض سفید ہوتے ہیں بعض بڑے ہوتے ہیں بعض چھوٹے ہوتے ہیں۔

۱۰۱۔﴿بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾
ربط: اوپر بھی توحید کا ذکر تھا آگے بھی توحید کا ذکر ہے کہ یہ سارے کام تو اللہ کرتا ہے انہوں نے کیا کیا؟

۱۰۱۔﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾

تقویۃ الایمان کی ایک عبارت پر اہل بدعت کا اعتراض اور اس کا جواب:

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے کتاب تقویۃ الایمان میں یہ لکھا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کے ہاں چوڑے، چمار کی حیثیت رکھتی ہے اس عبارت کو لے کر اہل بدعت ان پر آج تک برستے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ اسمیں دیکھو آنحضرت بھی ہیں اور پیغمبر بھی ہیں ان کی توہین ہے اور توہین کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔

میں نے خیالی، شرح عقائد، مسامرۃ وغیرہ عقائد کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اپنی کتاب عبارات اکابر میں۔ میں نے کہا کہ اجمال کا حکم اور ہوتا ہے تفصیل کا حکم اور ہوتا ہے۔

تمام متکلمین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق کل شیء اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ لیکن یوں تم تفسیر کرو کہ خالق الخنزیر والقردۃ یہ جائز نہیں۔ میں نے کہا اسی طرح ایک ہے اجمال کہ ساری کائنات اللہ کے ہاں اس کی بنسبت ایسی حقیر اور ذلیل ہے جیسے چوڑے چمار لیکن تفصیل کرو گے کہ پیغمبر ایسے ہیں تو پھر یہ جائز نہیں۔

۱۰۱۔﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾
کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے اہل حق کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ قرآن سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے اس پر اجماع بھی ہے۔ قرآن سے کیسے ثابت ہے؟ قرآن میں ہے وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ کچھ چہرے تروتازہ ہونگے ہشاش بشاش ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے اور حدیث میں آتا ہے جو بخاری وغیرہ میں روایت ہے۔

صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا حضرت ''ھل نریٰ ربنا یوم القیامۃ'' قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ چودھویں رات کا چاند ہو بادل بھی نہ ہو کوئی آڑ پردہ بھی نہ ہو تو تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں آتا کہنے لگے آتا ہے پوچھا یہ بتاؤ کہ دن ہو سورج ہو سر پر آفتاب نیم روز بادل نہیں دھند نہیں تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ کہنے لگے حضرت نظر آتا ہے فرمایا ''کذلک سترون ربکم'' ایسے تم اپنے رب کو دیکھو گے اور اس پر اہل حق کا اجماع بھی ہے جبکہ معتزلہ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ رب کا دیدار نہ ہوگا۔

یہاں زمخشری بڑا خوش ہے اور جب آگے آئے گا نویں پارے میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ رب ارنی انظر الیک اس کی تفسیر میں زمخشری لکھتا ہے کہ یہ سنی جو ہیں کالحمیر یہ گدھے ہیں۔ اس کے سننے کے بعد ہم نے اسکو

رحمہ اللہ کہنا چھوڑ دیا۔

یہاں کہتے ہیں لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے اہل حق کو تمام تفسیروں میں بغیر کسی کے استثناء کے کہتے ہیں ایک ہے ادراک ایک ہے رویت دونوں میں فرق ہے ادراک کا معنی ہوتا ہے الاحاطة بکل جوانب ہر جانب سے احاطہ کرنا اور رؤیت عام ہے، اثبات ہم کرتے ہیں رؤیت کا ادراک کا نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ کی ذات کو اور اسکی صفات کو ہم اپنی آنکھوں سے ہر طرف سے احاطہ کر لینگے۔ یہاں ادراک کی نفی ہے لاتدرکہ الابصار اور اللہ تعالیٰ تو ادراک یعنی ہر طرف سے احاطہ کر سکتے ہیں۔

۱۰۴۔﴿ قَدْ جَآءَ كُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾

تمہارے پاس آچکی ہیں بصائر۔ بصائر بصیرۃ کی جمع ہے بصیرت کے معنی ہوتے ہیں دل کی بینائی اور بصارت کے معنی ہوتے ہیں آنکھ کی روشنی۔ ایسے دلائل تمہارے پاس آچکے جو دلوں کو روشن کرتے ہیں۔

۱۰۴۔﴿ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ﴾

شاعر نے کہا ع آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے: اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

وکذلک نصرف ای کما بینا ما ذکر نصرف ای نبین الایات.

۱۰۶۔﴿ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

اعراض کا معنی یہ نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کرنا بلکہ اعراض کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں مجنون کہیں تو تم ان کو مجنون نہ کہو۔ اگر وہ اذیت دیں تو ان کی اذیت سے درگزر کریں بدزبانی سے بدکلامی سے درگزر کریں تبلیغ آپکا فریضہ ہے کیونکہ اگر آپ ﷺ ان سے درگزر نہ کریں تو آپ اور ان مین فرق کیا رہا۔

۱۰۷۔﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوْا ﴾

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شرک نہ کرسکتے کیسے چاہتا؟ سب کو ایمان پر مجبور کر دیتا جیسے فرشتوں کو مجبور کیا ہے اب فرشتوں میں قدرت ہی نہیں کفر کی، اسی طرح انسانوں کو، جنّوں کو ایمان پر مجبور کر دیتا۔ کرسکتا ہے لیکن ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے حکمت یہ ہے کہ انسان مکلف ہو اس میں خیر کی قدرت بھی ہو شر کی قدرت بھی ہو ُھدینٰہ النجدین " اپنی مرضی سے جو راستہ اختیار کرے من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر

۱۰۸۔﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾

ربط: جس وقت الوہیّت کا مسئلہ آتا تھا تو بعض جذباتی قسم کے مسلمان ان کے الٰہوں کو گالیاں دیتے تھے لات کی ایسی، منات کی ایسی، عزّیٰ کی ایسی اور وہ پھر سچے رب کو گالیاں دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تسبّوا الذین الخ و الذین یدعون میں یہ الذین کی طرف جو ضمیر لوٹتی ہے وہ محذوف ہے عبارت یوں ہے ولا تسبّوا الذین یدعونھم" نہ تم بُرا کہو ان کو جن کو یہ پکارتے ہیں کیوں کہ اگر تم ان کے معبودوں کو گالیاں دو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سچے رب کو گالیاں دیں گے ضد میں آکر۔

۱۰۸۔﴿ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ﴾

قرآن میں تزیین کی نسبت کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور کہیں تزیین کی نسبت شیطان کی طرف ہے جیسے زیّن لھم الشیطان اعمالھم۔ تو فرماتے ہیں کہ حق اللہ کی طرف جو تزیین کی نسبت۔ ہے وہ خلق کے درجے میں ہے

کہ خالق کل شیء وہ ہے تو تزیین کو پیدا کرنا اس کا کام ہے۔ ابلیس کی طرف تزیین کی جو نسبت ہے وہ کسب کے لحاظ سے ہے۔ کہ وہ تزیین کرنے میں لوگوں کو ترغیب دیتا ہے اور ان کو اس پر آمادہ کرتا ہے۔

انها اذا جآء ت لا یؤمنون پر اشکال اور اس کا جواب:

۱۰۹۔﴿ أَنَّهَا إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾

اے مسلمانوں! تمہیں کیا چیز بتلاتی ہے کہ بیشک وہ نشانیاں جب آجائیں تو یہ ایمان لے آویں گے۔ اب اشکال یہ ہوگا کہ تمہیں کس چیز نے بتلایا کہ بیشک وہ نشانیاں جب آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایمان لائیں گے حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگر لا کو اپنے مقام پر رکھیں تو معنی یہ ہونگے کہ تمہیں کس نے بتلایا کہ وہ نشانیاں جب آجائیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے تو مفہوم یہ ہوا کہ وہ ایمان لائیں گے۔ حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں تو اس لئے مفسرینؒ کا ایک طبقہ لا کو مزیدہ مانتے ہیں۔ کشاف میں ہے بیضاوی میں ہے روح المعانی میں ہے خازن میں ہے کہ لا مزیدہ ہے تو معنی ہوگا کہ تم کو کس نے بتلایا کہ وہ نشانیاں جب آئیں تو یہ ایمان لاویں گے۔

دوسری تفسیر ابوسعود، مدارک، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ انّها کا معنی لعلّها ہے۔ انّ کے معنی لعل نحو کی کتابوں میں موجود ہے تو معنی ہوگا کہ تو کہہ دے پختہ بات ہے نشانیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور تمہیں کس نے بتلایا شاید کہ وہ نشانیاں جب آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں۔ حاصل یہ ہے کہ لا کو اپنی اصل جگہ پر رکھے تو انّ بمعنی لعلّ کے اور اگر لا کو مزید مانیں تو انّها اپنے معنی میں۔

۱۱۱۔﴿ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلآئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا إِلاَّ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ انہوں نے مضبوط قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس نشانیاں آجائیں تو وہ ایمان لائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں یہ ان کا دعویٰ انصاف اور حق پر مبنی نہیں محض ضد کی بناء پر ایسا کہتے ہیں کیوں کہ اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور سب چیزیں جو موجودات غیبیہ ہیں ان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیتے تب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔

قُبلا مصدر بھی آتا ہے مقابلة و قبالا اور قبل قبیل کی جمع بھی آتا ہے انواعًا و اصنافًا۔

۱۱۲۔﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ ﴾

ای کما جعلنا هؤلاء اعدائک کذلک جعلنا. جیسے ہم نے یہ مکہ والے تیرے دشمن بنائے اس طرح ہر نبی کیلئے ہم نے دشمن بنائے شیطانوں اور انسانوں میں سے۔

یُوحی: وحی کا معنی الرمزة الخفیة ہے زخرف اس کے لفظی معنی ہوتے ہیں سونا (الذهب)۔ چاندی ہو یا اور کوئی چیز اس پر سونے کا پانی چڑھا دو تو اسکو زخرف کہتے ہیں اور لفظی معنی کرتے ہیں ملمع سازی۔

غرورًا: مفعول لۂ ہے۔ وما یفترون ما کو مصدریہ بھی بناتے ہیں ای افتراء هم اور موصولہ بھی و لتصغٰی الیه اس کا عطف غرورا پر ہے۔

۱۱۴۔﴿ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾

ربط: کفار نے کہا کہ وہ ہم کو کوئی نشانی جو ہم چاہتے ہیں تا کہ ہم ایمان لے آئیں اس کا جواب دے دیا و لو اننا نزلنا الیهم الملائکة الخ سے پھر کہنے لگے کہ فیصلے کے دو طریقے اور باقی رہ گئے ایک طریقہ یہ کہ ہم کسی کو اپنا حکم بنا لیتے ہیں تم بھی اپنا مقدمہ پیش کرو ہم بھی اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں جسکو وہ سچا کہیں گے اس کی بات مانیں گے دوسرا یہ ہے کہ مردم شماری کرا لیتے ہیں تمہارے ساتھ لوگ زیادہ ہیں یا ہمارے ساتھ یہ دو چیزیں صلح کی باقی رہ گئیں۔

اس کا جواب ہے کہ افغیر الله ابتغی حکمًا کیا اللہ کے علاوہ میں حکم اور ثالث تلاش کروں وهو الذی انزل الیکم الکتٰب مفصلاً۔

دنیا میں اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی ہوتی ہے:

باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ مردم شماری کرا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اکثریت ہمیشہ گمراہ ہوتی ہے اگر آپ ﷺ اکثریت کا اتباع کریں گے تو آپ کو گمراہ کر دیں گے۔

۱۲۰۔﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴾

ظاہری گناہ کا یہ معنی جو زبان اور عمل سے ہو، باطنی گناہ کہ اپنے دل میں کفر، شرک، حسد، تکبر، بغض، کینہ رکھے اور ظاہری کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ وہ گناہ جو کھلے طور پر کیا جائے اور باطنی کا یہ معنی جو چھپ کر کیا جائے۔

۱۲۲۔﴿ أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾

ربط: اوپر دو گروہ تھے ایک تھا وهو "اعلم بالمهتدین" اور دوسرا "وهو اعلم بالمعتدین" آگے ان دو گروہوں کا ذکر ہے۔

۱۲۲۔﴿ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ ﴾
یہاں جلالین تک آپکو ملے گا کہ مثل کا لفظ زائد ہے عبارت یوں ہے کمن ھو ۔
۱۲۳۔﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ﴾
کما جعلنا اکابر مکة مجرمیها کذلک جعلنا فی کل قریة ۔

دارالسلام سے مراد جنت ہے:

۱۲۷۔﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾
دار السلٰم سے مراد جنت ہے۔خیالیؒ فرماتے ہیں جنت کو اس لئے دار السلٰم کہتے ہیں کہ وہاں جس وقت یہ جنتی داخل ہونگے تو فرشتے کہیں گے کہ "سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین "اندر جائیں گے تو حور وغلمان سلام کریں گے " تحیتھم فیھاسلام " اللہ کی طرف سے سلام ہوگا" سلام قولا من رب رحیم"
دوسری وجہ شمس الدین خیالیؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس لحاظ سے دارالسلام ہے کہ وہاں جو جس جنت میں داخل ہوا کبھی اس سے اس کے سلب ہونے کا خطرہ نہیں ہوگا۔

۱۲۸۔﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ﴾
ربط: اوپر ذکر تھا کہ یہ دار السلام مومنوں کیلئے ہوگا اب دوسری مد کے لوگوں کا ذکر ہے کہ ان کیساتھ کیا ہوگا فرمایا... "النار مثواکم خلدین فیھا"

۱۲۸۔﴿ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾
اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں روح المعانی، البحر المحیط وغیرہ میں ہے کہ ان شیطانوں کے ساتھی جو انسان ہیں وہ اقبال جرم کریں گے اور کہیں گے کہ واقعی اے ہمارے رب ہم میں سے بعض نے بعض سے نفع اٹھایا تھا۔
اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ انسان اپنے جرم پر پردہ ڈالیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو صرف دنیاوی نفع ایک دوسرے سے حاصل کیا تھا ہم نے کوئی کفر وشرک تو نہیں کیا۔

۱۲۸۔﴿ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ﴾
الا ماشاءاللہ کے معنی میں تین تفسیریں ہیں:
ماشاء اللّٰہ کا کیا معنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مابمعنی مَنْ کے ہے۔معنی یہ ہوں گے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ٹھکانہ تمہارا دوزخ ہے ہمیشہ دوزخ میں رہو گے مگر وہ جس کے بارے میں رب چاہے یعنی جس کا جرم کفر اور شرک کی حد تک تو نہیں پہنچا بلکہ معصیت اور گناہ تک پہنچا ہے کیونکہ شیطانوں نے جو انسانوں کو اغواء کیا تو ہر ہر شق کفر وشرک کی تو نہیں بلکہ گناہ کی بھی ہے۔تو وہ لوگ شرک تک نہیں پہنچے ہوں گے۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ ما کو اپنے عموم پر چھوڑ و معنی ہونگے کہ وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے مگر وہ وقت جو خدا چاہے آگ، سے نکال کر زمھریر میں رکھیں گے نکلیں گے نہیں۔
اور یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ جس وقت ان کو پانی کیلئے نکالا جائیگا ثم مرجعھم الی الجحیم ۔یہ تین آسان تفسیریں ہیں دو جلالین تک میں آپ کو ملیں گی اور باقی کشاف تک میں ملیں گی۔

۱۲۹۔﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي ﴾

ای کما ولّینا هولاء کذلک نولی........

۱۳۰۔﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا جنوں اور انسانوں کے گمراہ کرنے کا اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کے پاس کوئی مبلغ نہیں پہنچا کہ ان کے سامنے بیان کرتا فرمایا کہ ضرور آیا کیوں نہیں آیا۔

۱۳۰۔﴿ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ﴾

جمہور امت کے نزدیک جنات میں پیغمبر نہیں آئے:

سوال: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنوں میں بھی رسول آئے "الم یاتکم رسل منکم" ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جنوں میں بھی نبی آئے لیکن جمہور امت اس کے مخالف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر جتنے بھی آئے وہ انسانوں میں آئے ہیں کیونکہ انسان کی استعداد اعلیٰ ہے جنّات سے۔اور نبوت ورسالت کا اعلیٰ مرتبہ جنّات کی شان کے لائق نہیں اسی پر حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ہے اپنی مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ نبوت ورسالت کیلئے جو درجہ ہے وہ خاکی مخلوق کو مل سکتا ہے ناری کو نہیں، اب اگر ان میں نہیں آئے تو منکم کا کیا معنی، جلالین تک آپکو ملے گا روح المعانی اور بیضاوی میں ملے گا کوئی تفسیر خالی نہیں منکم ای من مجموعکم، تمہارے مجموعہ میں رب نے بھیجے پیغمبر۔

تیسری تفسیر یعنی تم میں جو رسل آئے براہ راست تو انسان تھے لیکن یہ جنّات جو تھے ان میں مبلغ تو تھے آگے آئے گا "اذصرفنا الیک نفرًا من الجن" جنوں کا ایک گروہ آیا ایمان لایا ولو ا الی قومهم منذرین آگے وہ قوم کو ڈرائے۔رسل کا معنی یہ کہ پیغام پہنچانے والے براہ راست رب کی طرف سے ہوں۔

یہاں ایک اور اشکال پڑتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے دو ہزار سال پہلے اس دنیا میں جنات موجود تھے۔تو نبوت تو آدمؑ سے شروع ہوئی اس سے پہلے ان کی اصلاح کیلئے کون تھا۔

علامہ بدرالدین شبلیؒ اکام المرجان فی احکام الجان والے کچھ روایات نقل کرتے ہیں کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو ان کی اصلاح کیلئے بھیجا تھا اور ایک کا نام بھی نقل کرتے ہیں کہ اسماعیلؑ فرشتہ۔

۱۳۵۔﴿قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾

مکانتکم ای علی حالتکم یا علی طریقتکم یہاں ایک شبہ پڑتا ہے کہ کیا پیغمبر نے کافروں کو کفر کرنے کی اجازت دی کہ کہا اعملوا علی مکانتکم؟

جواب: یہ ہے کہ امر کی بہت سی قسمیں ہیں ایک امر توبیخ ہوتا ہے امر تہدید ہوتا ہے امر تعجیز ہوتا ہے امر تکلیف ہوتا ہے امر تکلیف وہ ہوتا ہے کہ آمر مامور بہ کے وقوع پر راضی ہوتا ہے جیسے واقیموا الصلوٰۃ اور ایک تہدید ہوتا ہے اس میں تہدید ہے کہ کرو جو کرتے ہو اس میں آمر مامور بہ کے وقوع پر راضی نہیں ہوتا اور قرینہ "فسوف تعلمون" ہے کہ عنقریب جان لوگے۔

۱۳۵۔﴿عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾

العاقبة المحمودة فی الدار الاخرة ۔ (یہ صاحب کشاف نے لکھا ہے)۔

۱۳۶۔﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ ﴾

ربط: پہلے تھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرک جنوں اور انسانوں سے سوال کریں گے کہ تم نے یہ کارروائی کی آگے شرک کے بعض جزئیات بتلاتے ہیں کہ شرک کرنے والوں نے یہ یہ کیا۔

۱۴۱۔﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ﴾

ربط: اوپر تھا کہ انہوں نے کھیتی اور جانوروں میں سے بعض کو حلال اور بعض کو حرام بنایا اللہ نے فرمایا کہ تمام کو اللہ نے پیدا کیا لات، منات، عزیٰ، نے تو کچھ پیدا نہیں کیا پھر ان کے حصے مقرر کرنے کا کیا مطلب؟

۱۴۳۔﴿ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ﴾

کہتے ہیں صاحب مدارک، آلوسی، بیضاویؒ کہ ثمنیة ازواج بدل من حمولة و فرشا اس سے بدل ہے اور وہ مفعول ہے اَنْشَا کا۔

۱۴۵۔﴿ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا﴾

ربط: اوپر آپ نے پڑھا کہ جن لوگوں نے بعض چیزوں کو اپنی مرضی سے حرام بنایا تو ان سے کہہ دیں کہ یہ چیزیں جن کو تم نے حرام بنایا حرام وہ نہیں ہیں آؤ میں تمہیں حرام کی بعض چیزیں بتا دوں۔

۱۴۸۔﴿ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا﴾

مشرکین کہتے ہیں کہ اگر یہ کام شرک ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں روکتا کیوں نہیں؟

مشرکین نے اپنے شرک اور تحریم ساختہ کی دلیل پیش کی کہتے ہیں کہ اگر یہ تمہارے خیال میں شرک ہے جو ہم کرتے ہیں اور ان جانوروں کو جو ہم نے حرام کیا ہے تمہارے خیال میں یہ حرام نہیں ہیں، تو اللہ تعالیٰ ہمیں روکتا کیوں نہیں؟

جواب: یہاں اجمال ہے تفصیل آگے چودھویں پارے میں سورۃ نحل میں آئیگی ﴿وقال الذین اشرکوا لو شاء اللّٰہ ماعبدنا من دونہ من شیءٍ نحن ولا آباء نا ولا حرّمنا من دونہ من شیء کذالک فعل الذین من قبلھم فھل علی الرسل الّا البلاغ المبین ولقد بعثنا فی کل اُمّةٍ رسولًا ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت﴾ کافروں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے وہ راضی ہے جب ہی تو ہم کرتے ہیں اور اسی طرح اگر اللہ راضی نہ ہوتا تو ہم کسی چیز کو حرام نہ کرتے وہ کراتا ہے کرتے ہیں۔ پہلے اللہ نے اجمالاً بیان فرمایا آگے اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کیسے؟ ھل علی الرسل الا البلاغ المبین ولقد بعثنافی کل امة رسولا ہم نے ہرامت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو رب نے تو منع کیا۔

۱۵۰۔﴿ هَلُمَّ﴾

ھلم کی تحقیق:

نبراس نسخہ نمبر ۴۸ میں یہ ھلم کی بحث لکھی گئی ہے بصریین کہتے ہیں کہ یہ اصل میں تھا ھا (حرف تنبیہ) اور (لُمّ نصر ینصر) سے امر ہے اور ھا میں جو الف تھا اسکو حذف کر دیا ہے ھلمّ بن گیا۔ معنی یہ ہے خبردار نفس کو اکٹھا کر دے۔

کوفیین کہتے ہیں (ھل استفھام) اور اُمّ (اَمّ یوم) سے امر ہے پھر اعتراض کرتے ہیں کہ ھل اور نوع ہے امر اور نوع

ہے الگ الگ قسمیں ہیں یہ دونوں کیسے جمع ہوئے؟
جواب دیتے ہیں کہ ھل استفہام کبھی تحریض کیلئے ہوتا ہے اور کبھی طلب کیلئے استفہام جب تحریض کیلئے یا طلب کیلئے ہوتو یہ امر کا مخالف نہیں ہے۔تو ھلْ اُمّ تھا ضمہ نقل کر کے لام کو دیا اور ہمزے کو اڑادیا۔ ھلمّ بن گیا۔
حجازیین کے نزدیک یہ لفظ مفرد ہی آئیگا ھلمَّ زید، ھلمَّ زیدان، ھلمَّ زیدون، ھلُمَّ ھند
اورنجدیین کے نزدیک یہ بدلتا رہتا ہے۔ھلُم زید، ھلّما زیدان ، ھلمّوا زیدون ھلمت ھند.
پھر کہتے ہیں کہ یہ کبھی لازمی آتا ہے اور کبھی متعدی آتا ہے۔
اس مقام پر حق تعالیٰ نے متعدی لایا ہے ھلُمَّ شھداء کم اور آگے سورۃ احزاب میں آئیگا ھلُمَّ الینا (چلے آؤ ہماری طرف) یہ لازمی ہے۔

۱۵۱۔﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾

ربط: پہلے ان محرمات کا ذکر تھا جو حسی ہیں جیسا کہ میتہ، چربی ا ب میں ان محرمات کی فہرست سنا تا ہوں جو معنوی ہیں۔

۱۵۱۔﴿ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾

الّا تشرکوابہ شیئًا کی تین تفسیریں:

اس کا مفہوم یہ نکلا کہ شرک نہ کرنا تم پر حرام ہے۔حالانکہ یہ معنی غلط ہے۔
یہاں تین تفسیریں آسان ہیں مدارک، ابوسعود،السراج المنیر وغیرہ میں ہے کہ
(۱)لا کا لفظ مزیدہ ہے اب معنی یہ بنیں گے کہ حرام ہے کہ تم شرک کرو۔
(۲)دوسرا یہ بیان کرتے ہیں کہ جملہ حرّم ربکم پرختم ہے علیکم الاتشر کوا یہ جملہ مستانفہ ہے۔آؤ کہ میں سناؤں تم کو جو رب نے تم پر نازل کیا"علیکم (لازم ہے تم پر) الّا تشر کوا (کہ تم شرک نہ کرو)"
(۳)تیسرا یہ ہے کہ الاتشرکوا کا تعلق حرم سے نہیں ہے عبارت یوں ہے قل تعالوا اتل ما حرّم ربکم علیکم اَمَرَ الّا تشرکوا به شيئا ولاتقربوا مال اليتيم الّا بالتی ھی احسن ای بالخصلة التی اوربعض کہتے ہیں بالطریقة التی۔

۱۵۲۔﴿ أَشُدَّهُ ﴾

لفظ اُشد کی تحقیق:

صراح لغت کی کتاب صفحہ نمبر ۱۳۴ نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ اشد کا لفظ کہتے ہیں کہ وزن اس کا جمع کا ہے اور اس کا مفرد کوئی نہیں جیسے ابابیل وغیرہ۔
دوسرا کہتا ہے کہ مفرد ہے جمع کے وزن پر ہے اور یہ عربی میں صرف دو لفظ ہیں ایک اشُد ہے اور دوسرا عنق ہے لا نظیر لھما۔
سیبویہ فرماتے ہیں جمع شدّة جیسے نعمة اورانعم۔
چوتھی بات یہ نقل کی ہے کہ شَدّ کی جمع ہے جیسے کلب کی اکلب.
پانچویں بات یہ نقل کی ہے کہ شِدّ کی جمع ہے جیسے ذِئب کی جمع اذئب.

۱۵۴۔﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ تَمَامًا ﴾

ثم یہاں تعقیب ذکری کیلئے ہے تاکہ یہ سوال نہ ہوکہ ثم تو تعقیب کیلئے آتا ہے تو معنی ہوگا کہ ہم نے آپ کو یہ کتاب دی پھر موسیٰ کو ہم نے کتاب دی حالانکہ موسیٰ پہلے گزرے ہیں۔ تماما علی الذی احسن ای تماما للنعمة علی الذی احسن بالقیام به

۱۵۵۔﴿ وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾

اوپر توراۃ کا ذکر تھا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی آگے فرماتے ہیں کہ جیسا ہم نے ان کو کتاب دی ایسے تم کو بھی کتاب دی اس کی اتباع کرو۔

۱۵۸۔﴿ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ﴾

متقدمین فرماتے ہیں کہ رب کا آنا حقیقت پر محمول ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئیگا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے کیفیت معلوم نہیں۔

متاخرین کہتے ہیں کہ یاتی ربک کا معنی یاتی امر ربک ہے اور سورۃ النحل میں امر کا لفظ موجود ہے۔

۱۶۱۔ ﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ﴾

دینا قیما آلوسیؒ فرماتا ہے کہ یہ بدل ہے صراط مستقیم کے محل سے۔

۱۶۴۔﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾

کی ترکیب تمام تفسیروں میں یہ ہے ای ولا تزر نفس وازرۃ وزر نفس اخری نہیں اٹھائیگا بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے نفس کے بوجھ کو۔

سورۃ الاعراف

۱۔﴿ الٓمّٓصٓ o كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾
ربط: (۱) پہلی سورۃ کے آخری رکوع میں تھا "ھذا کتاب انزلناہ مبٰرک" اور یہاں سے بھی کتاب ہی کا ذکر ہے "کتاب انزل الیک"
(۲) حضرت تھانویؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہیں اس کا محل کیا ہے؟ آگے اس سورۃ میں اس کا ذکر ہے پہلے کتاب کا ذکر ہے اور اس کے بعد والوزن یومئذ سے قیامت کا ذکر ہے۔
﴿الٓمّٓصٓ﴾
انتیس ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں یہ حروف آتے ہیں تفسیر مظہری میں تصریح ہے۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ھنّ من اسماء اللّٰہ تعالٰی کہ یہ اللہ کے نام ہیں، اب تفصیل اس میں یہ ہے کہ یہ بعینہ نام ہیں، اگر بعینہ نام ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے کوئی المّص نہیں ہے۔
تو تفسیر کبیر، ابوسعود، ابن کثیر، روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں ننانوے نام تو مشہور ہیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ ایک ایک حرف ایک ایک نام کی طرف مشیر ہے۔ الف سے مراد اللہ لام سے مراد لطیف ہے وقس علیہ.
۴۔﴿هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾
وہ قیلولہ کررہے تھے اور بعض تفسیروں میں یہ بھی ملے گا کہ وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔

قیامت کے دن وزن اعمال اور معتزلہ کا انکار:

۸۔﴿ مَوَازِيْنُهٗ ﴾
قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے میزان کی یا موزون کی، میزان کی جمع ہو تو ترازو، موزون کی جمع ہو تو حمل (بوجھ)
اب یہاں طویل بحث ہے اہل حق کہتے ہیں کہ قیامت کے دن الوزن حق معتزلہ کہتے ہیں کہ اس میزان سے مراد ہے صرف عدل کہ رب عدل کرے گا میزان سے ترازو مراد نہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ترازو مرار ہے تو اس میں کافی خرابیاں لازم آتی ہیں، ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی جہالت ثابت ہوگی تولتا تو وہ ہے جس کو پتہ نہ ہو۔
مُلا صادق علی الازدیہ" مشہور متکلم ہیں وہ فرماتے ہیں احمقو! اس سے اللہ کی جہالت لازم نہیں آتی۔ بندہ جاہل ہے وہ نہیں جانتا کہ میری نیکیاں کتنی ہیں بدیاں کتنی ہیں جہالت تو ہے لیکن جہالت عبد ہے نہ کہ جہالت اللہ۔
دوسری خرابی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ اعمال تو اَعراض ہیں اور اعراض خود تو قائم نہیں ان کو کیسے تولا جائے گا اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس جہان میں یہ اعراض ہیں اس جہان میں یہ اجسام ہوں گے۔
دوسرا جواب شبیر احمد عثمانیؒ نے اس مقام پر فوائد عثمانیہ میں دیا ہے کہتے ہیں کہ اس جہان میں بھی بعض اعراض ایسے ہیں کہ ان کا اندازہ لگایا جاتا ہے جیسے محکمہ موسمیات گرمی اور سردی کا درجہ بتلاتا ہے کہ اتنے درجے کی گرمی ہے اتنے درجے کی سردی ہے مقیاس الحرارۃ اور مقیاس البرودۃ بدن کا بخار معلوم کرنے کیلئے آلات ہیں اب اگر تمہارے پاس آلات ہیں جن سے گرمی، سردی، ہوا وغیرہ (اعراض) کا اندازہ لگ سکتا ہے تو اگر رب تعالیٰ کے پاس ایسا آلہ ہو

جس میں نیکی بدی تو لی جائیں تو اس میں کیا اشکال ہے۔
اس کا ایک جواب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے دیا ہے کہ اس رجسٹر کو تولا جائے گا جس میں اس کی نیکیاں اور بدیاں لکھی ہونگی۔
۱۲۔﴿قَالَ مَا مَنَعَکَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُکَ﴾
لا مزیدہ ہے فاهبط منها ای من الجنة ،من السمٰوٰت ، من جماعة الملائكة. تین تفسیریں ہیں۔
۱۸۔﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ﴾
اس کے معنی ہے اکٹھے، قاموس، تاج العروس وغیرہ میں تصریح ہے کہ اجمع کے معنی کل کے بھی آتے ہیں تو دوسرے مقام پر آتا ہے لاملئن جهنم من الجنة وا لناس اجمعین تو معنی یہ ہوا کہ سارے انسان اور سارے جن دوزخ میں جائینگے تو جنت میں کون جائیگا؟ اس وجہ سے یہی معنی کرتے ہیں کہ اکٹھے ہوں گے یہ الگ بات ہے کہ کسی کا طبقہ اور ہوگا کسی کا طبقہ اور ہوگا۔
یہاں بعض ظاہر بینوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جنات بھی ناری ہیں نار کو نار سے کیا ہوگا؟
اس کا ایک جواب تو ایک جاٹ نے دیا تھا اس سے کسی ملحد نے اس طرح کا سوال کیا اس نے ڈھیلا اٹھا کر اس کے سر پر مارا اس کے سر سے خون بہنے لگا جاٹ نے کہا کہ تو بھی خاکی ڈھیلا بھی خاکی خاک سے خاک کو کیا تکلیف ہوئی۔
اور ایک علمی جواب ہے"بخاری شریف میں روایت ہے کہ جہنم کے بعض طبقوں نے دوسرے بعض طبقوں کا شکوہ کیا یـا ربّ انّ بعضی اکلَ البعض۔
اتنا تفاوت ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا شاکی ہے اور بخاری میں یہ بھی روایت ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر(۶۹) حصے بڑھ کر ہے۔

آدم علیہ السلام کا درخت ممنوع کھانے میں مغالطہ:

حضرت آدم علیہ السلام کو مغالطہ کیا لگا علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔
اور دوسرے حضرات نے بھی لکھا ہے کہ مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ آدمؑ نے یہ سمجھا کہ لا تقربا کی نہی یہ نہی تنزیہی ہے نہی تحریمی نہیں۔ اور فقہ کی کتابیں آپ نے پڑھی ہیں کہ نہی تنزیہی جواز کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ لاتقربا کی نہی تحریمی تھی اور وہ تنزیہی سمجھے۔
دوسرا یہ ہے کہ شاید پہلے وہ الحکم (لاتقربا) منسوخ ہو چکا ہے اور مجھ تک ناسخ کا علم نہیں پہنچا ہے اور اس کو نسخ کا علم ہے لہٰذا اس سے مغالطے میں پڑا۔
تیسری بات یہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا﴿وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ مراد رب کی تھی کہ اس نوع کے کسی فرد کو نہیں کھانا تو آدمؑ نے سمجھا کہ شاید یہی ایک مخصوص درخت ہے نہ کہ اس کے تمام افراد۔
۲۶۔﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ﴾
ربط: اوپر آپ نے یہ پڑھا کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا، آدم علیہ السلامؑ اور حواؑ سے غلطی ہوئی، لباس ان کا چھینا گیا۔ یہاں بھی لباس کا ذکر ہے۔
۲۷۔﴿إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾
یہاں سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ شیطان اور جنات کو آدمی کبھی بھی نہیں دیکھ سکتا۔

اس کا جواب جو حضرت عثمانیؒ نے دیا ہے بڑا مختصر ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں۔

۳۲۔﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾

ربط: اوپر آپ نے سنا کہ مشرکین طواف کے وقت لباس اتار دیتے تھے اور ان دنوں میں گوشت اور انڈے نہ کھاتے تھے کہتے تھے کہ ہم رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس نے اللہ کی زینت حرام کی ہے؟

۳۴۔﴿فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

اشکال:۔

یہاں ایک اشکال ہے کہ اس کا معنی تو یہ ہے کہ میعاد آنے کے بعد وہ آگے نہیں ہوں گے حالانکہ آگے تو ہو ہی نہیں سکتے جواب دیتے ہیں کہ اس کو یا تو جملہ مستانفہ بناؤ، معنی ہونگے اور نہ آگے ہونگے۔ دوسرا یہ ہے کہ اذا جاء کے نیچے داخل نہ کرو بلکہ اس پر عطف کرو تو معنی ہونگے جب وہ میعاد آئیگی تو پیچھے نہیں ہونگے اور آگے تو ہوں گے نہیں۔

۳۵۔﴿يَا بَنِيْ اٰدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾

قادیانی کا استدلال کہ جب بنی آدم رہیں گے پیغمبر بھی آتے رہیں گے:

اس آیت سے قادیانی استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بنی آدم ''اما یأتینکم'' اگر تمہارے پاس آئیں رسول۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان شرطیہ ہے اور ما اس کی تاکید کیلئے ہے اس میں ادغام ہے اور یأتینکم میں نون تاکید کا ہے۔ قضیہ شرطیہ جو قسم کے معنی میں نہ ہو اور طلب کے معنی میں نہ ہو تو اس میں نون تاکید نہیں آیا کرتا لیکن یہاں ان شرطیہ کے بعد ما آیا ہے تاکید کیلئے اب اس ما کی وجہ سے نون کا آنا درست ہے ان کیوں لائے اس لئے کہ پیغمبروں کا بھیجنا اس پر لازم نہیں تھا واجب نہیں تھا کتابیں نازل کرنا اس پر واجب نہیں تھا کوئی شئے رب پر واجب ہے نہیں اس لئے ان کا لفظ بولا (اگر آئیں) یہ وجوب کا اعتقاد اللہ پر تو معتزلہ کا ہے اہل حق کا تو نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس رسول آئے بیان کریں گے تم پر آیتیں میری جو تقوی اختیار کرے گا اصلاح کرے گا فلا خوف علیهم ولا هم يحزنون.

تو قادیانی کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک بنی آدم رہیں گے تو ان میں پیغمبر بھی آتے رہیں گے۔

اہل حق جواب دیتے ہیں کہ جب سے بنی آدم چلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو نبوت دی دیتا رہا عیسیٰؑ جب تشریف لائے ان کی زبان سے حق تعالیٰ نے اعلان کروایا کہ ''ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد'' میں اپنے بعد صرف ایک رسول کی بشارت سناتا ہوں جن کا نام ہوگا احمد ﷺ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو حق تعالیٰ نے فرمایا'' ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین'' تو اس میں بنی آدم آپ ﷺ سے پہلے کے ہیں آپ ﷺ کے بعد کے بنی آدم کو خطاب نہیں ہے۔ ختم نبوت کا مسئلہ قطعی ہے یقینی ہے لا شک فيه۔

نیک لوگوں کی روحوں کا آسمانوں میں استقبال

۴۰۔﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا﴾

ربط: اوپر بھی کفار کا ذکر تھا آگے بھی ان کا جو نتیجہ نکلے گا سزا ملے گی اس کا ذکر ہے کہ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ میں روایتیں نقل کی ہیں کہ

جب فرشتے جان نکالتے ہیں تو نیک لوگوں کی روحوں کو جنت کے فرشتے پکڑ تے ہیں، خوشبوؤں میں لپیٹ کر اوپر لے جاتے ہیں۔ جب آسمان پر جاتے ہیں تو خوشبو فرشتوں کو آتی ہے ان کے لئے پہلے آسمان کا دروازہ دوسرے، تیسرے، چوتھے کا دروازہ کھلتا ہے یہاں تک کہ علیین کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں کافروں کی ارواح اوپر جاتی ہیں آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے پھر ساتویں زمین کے نیچے سجین کے مقام پر ان کو پہنچایا جاتا ہے پھر جب میت کو قبر میں دفن کرتے ہیں تو روح کے تعلق کو جسم کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اس کو کہتے ہیں تعلیق بالمحال۔

۴۴۔﴿أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا﴾

جمل وغیرہ میں ہے کہ بیان تفسیر یہ ہے اس طرح کا ان پانچ جگہ آیا ہے

اعراف کیا ہے؟

۴۶۔﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ﴾

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے اس جگہ کا نام ہے اعراف اسلئے کہ اصحاب اعراف ان کو (جنتیوں کو) بھی پہچانیں گے اور ان کو (دوزخیوں کو) بھی ۔ کلاً میں تنوین عوض مضاف الیہ کے ہے ای کـل مـن اهـل الـجـنـة واهـل الـنـار بسيمـاهـم نشانیوں سے ان کو پہچانیں گے وہ نشانی یہ ہوگی کہ "تبیض وجوہ وتسود وجوہ" جنتیوں کے چہرے سفید ہونگے اور دوزخیوں کے چہرے کالے ہونگے وہ راحت میں ہوں گے یہ تکلیف میں ہوں گے۔

اصحاب اعراف کون ہیں؟

ایک تفسیر یہ ہے جو حدیث میں آتی ہے من استوت حسناته وسيأته جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصحاب اعراف وہ شہداء ہوں گے جو اللہ کے راستے میں شہید ہوئے لیکن ماں، باپ کی نافرمانی کر کے، کچھ عرصہ وہاں رہیں گے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ جنات میں جو مؤمن ہونگے وہ وہاں ہوں گے۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اطفال المشرکین مشرکوں کے بچے وہاں ہوں گے۔

پانچویں تفسیر یہ ہے کہ اصحاب فترت (جو اس وقفہ میں مرے کہ پہلے نبی کی تعلیم باقی نہ رہی تھی نیا نبی آیا نہیں) وہ وہاں ہوں گے۔

چھٹی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہوں گے جن پر قرضہ ہوگا یہ تمام تفسیروں کا میں نے خلاصہ عرض کر دیا۔

۴۷۔﴿وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا﴾

ربط: واضح رہے کہ اصحاب اعراف، جنت والے، دوزخ والے ان کا قصہ اوپر سے چلا آرہا تھا اور آگے اس سلسلے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اعراف والے ان دوزخیوں کو پہچانیں گے۔

۵۱۔﴿فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا﴾

اس سے بظاہر یہ سمجھ آتی ہے کہ رب بھی بھولتا ہے، آج کے دن ہم ان کو بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تو اس میں خرابی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے نسیان ثابت ہوا حالانکہ آپ پڑھیں گے" وما کان

ربک نسیًا" تیرارب بھولتا نہیں تمام تفسیروں میں آتا ہے کہ یہاں ننسٰھم کے معنی ہے ای نترکھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا ای کما ترکوا. یہاں نسیان ترک کے معنی میں ہے وجہ کیا ہے۔نسیان سبب ہے ترک کا تو اس سبب کو مسبب کے قائم مقام کر دیا یعنی سبب کو مسبب کیلئے بولا۔

کمانسوا میں ما کونسا ہے ابوسعود، جلالین تک میں ملے گا کہ ما مصدر یہ ہے معنی کنسیانھم لقاء یومھم ھذا آگے وما کانوا میں بھی ما کو نہ نافیہ سمجھنا اور نہ موصولہ بلکہ مصدر یہ ہے اور پہلے ما پر عطف ہے۔معنی یوں ہوگا۔ وکونھم بایٰتنا یجحدون۔

۵۴۔﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کافر کہیں گے کہ ہمارے لئے سفارشی ہیں جن کو ہم نے شرکاء بنا رکھا تھا۔لیکن وہ ان سے گم ہوں گے وضلّ عنھم ما کانوا یفترون۔آگے رب تعالیٰ نے توحید کے دلائل پیش کئے کہ یہ سب کام تو اللہ تعالیٰ نے کئے، نہ کسی سفارشی نے کئے، نہ کسی الہٰ نے کئے، نہ کسی خود ساختہ معبود نے کئے بلکہ سب کام رب نے کئے۔

تفسیر روح المعانی، مظہری، ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ چھ دنوں سے چھ دنوں کا وقفہ مراد ہے حقیقتاً دن مراد نہیں ہے کیوں کہ نہ سورج تھا نہ چاند نہ زمین نہ آسمان تو دن کہاں؟

پھر یہاں سوال کیا کہ حق تعالیٰ تو کن فیکون کہہ کر کر سکتے ہیں تو چھ دنوں کا یہ وقفہ کیسے؟

اس کا جواب آپ کو جلالین تک ملے گا کہ گو حق تعالیٰ قادر تو ہے لیکن مخلوق کو رب تعالیٰ نے بتایا کہ کام تدریجاً ہوتا ہے مخلوق کے سبق کے لئے ایسا کیا۔

استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے؟

۵۴۔﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ﴾

پھر مستوی ہوا عرش پر۔

حضرت امام مالکؒ کا مقولہ ہے ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں پوچھا گیا حضرت استویٰ سے کیا مراد ہے؟ فرماتے ہیں کہ "الایمان بہ واجب والکیفیۃ مجھولۃ والسوال عنہ بدعۃ" یہ کہو کہ "مایلیق بشانہ"

۵۵۔﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾

ائمہ اربعہؒ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر کے سخت مخالف ہیں۔خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ آپؒ فرماتے ہیں "ورفع الصوت بالذکر والدعاء بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ اُدعوا ربکم تضرعا وخفیۃ" یہ کبیری کی عبارت ہے۔بحر الرائق، فتح القدیر میں ہے۔

نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا معتزلہ کی ایجاد ہے:

اور یہ بات میں البدایہ والنھایہ کے حوالے سے کہتا ہوں کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا، بلند آواز سے ذکر کرنا یہ معتزلہ کی ایجاد ہے ۲۱۶ھ میں یہ معتزلہ نے ایجاد کیا۔

اور یہ روایت جو نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے کہتے لاالٰہ الا اللّٰہ لاشریک لہٗ اور صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ رواہ مسلم یاد رکھنا مسلم کی یہ روایت نہیں صاحب مشکوٰۃ کی سند غلط ہے۔

۵۶۔﴿ إِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾
یہاں ایک نحوی اشکال ہے وہ یہ ہے کہ رحمۃ کا لفظ مؤنث ہے قریب کا لفظ مذکر ہے۔اِن کا اسم مؤنث ہے اور خبر مذکر ہے یہ کیسے جوڑ ہوگا۔
اس کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ فعیل کا وزن مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتا ہے امراۃ جریح اور رجل جریح۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ قریب کا تعلق رحمت کے ساتھ نہیں بلکہ اس کا موصوف امر کا لفظ محذوف ہے ''ای ان رحمة الله امر قريب من المحسنين'' یہ صاحب کمالین اور جمل والے کا جواب ہے۔
تیسرا جواب صاحب جلالین دیتے ہیں کہ لفظ اللہ مضاف الیہ ہے مذکر ہے رحمت کا لفظ مؤنث ہے مضاف ہے اس نے تذکیر حاصل کی ہے لفظ اللہ سے اس لئے قریب لائے۔
ابوالسعود یہ جواب دیتے ہیں کہ رحمۃ بمعنی رحم کے ہے۔
۵۷۔﴿ سَحَاباً ثِقَالاً ﴾
اب یہ سحابا کیا ہے؟ خازن والے کہتے ہیں کہ یہ جمع ہے سحابۃ مفرد ہے۔جمع ہونے کی دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں دوسرے مقام پر آتا ہے السحاب الثقال السحاب موصوف ہے الثقال اس کی صفت ہے۔صفت جمع ہے لہٰذا یہ بھی جمع ہے۔اب کہتے ہیں کہ پھر اس کے لیے سقناہ میں ہ کیوں لائے؟
تو صاحب خازن یہ فرماتے ہیں کہ جو جمع ہمشکل ہو مفرد کے اس کی طرف مذکر کی ضمیر پھیرنا درست ہے۔ یہ سحاب بروزن کلام،سلام کے ہے لہٰذا هو کی ضمیر لوٹانا درست ہے۔
جبکہ آلوسیؒ، اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ سحاب یہ جنس ہے جنس میں جمع اور مفرد کے معنی ہوتے ہیں وہاں ثقال اس لئے لائے کہ اس میں جمعیت کے معنی ہیں یہاں ھو ضمیر مفرد اس لئے لائے کہ اسمیں مفرد کا معنی بھی ہوتا ہے تو یہ جنس کے درجے میں ہے۔
﴿ إِلَّا نَكِدًا ﴾
نکدا کا معنی ناقص کے بھی کرتے ہیں:
حضرت شاہ عبدالقادرؒ اس کے معنی کرتے ہیں نکمی اور نکدا کے معنی قلیل بھی کرتے ہیں اس سے قلیل چیز نکلتی ہے۔
۵۹۔﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ﴾
ربط: اوپر دو قسم کی زمینوں کا ذکر تھا ایک بلد طیب ایک بلد خبیث اور بارش جو نازل ہوئی تو دو زمینوں کے اثرات بیان کئے۔آگے فرماتے ہیں اسی طرح وحی الٰہی اتاری اس وحی کے آنے کے بعد دو طبقے بنے ایک ماننے والے اور ایک نہ ماننے والے۔آگے چند واقعات پیش کرتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے، وہ اور ان کے ساتھی گویا کہ بلد طیب کی مد میں ہیں اور اُن کی مجرم قوم بلد خبیث کی مد میں ہے۔
نوح کی وجہ تسمیہ:
اس طرح ہود علیہ السلام کے چند واقعات آگے پیش کرتے ہیں، نوحؑ کا نام عبدالغفار بن لمک تھا۔ مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ لتاش کبریٰ زادہ میں ہے نوح اس لئے کہتے کہ قوم کی بدحالت پر نوحہ کرتے کرتے نوح ان کا لقب پڑ گیا۔

۵۹۔﴿ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ﴾
غیرہ کی ترکیب کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ غیرہ بدل ہے الٰہ کے محل سے من کی وجہ سے الٰہ مجرور ہے محل اس کا مرفوع ہے۔
۶۰۔﴿قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ﴾
تفسیر السراج المنیر، ابوالسعود، بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ ملأ کے لفظی معنی ہوتے ہیں پُر کرنا ایک خلاء ہوتا ہے ایک ملاء ہوتا ہے۔ ملاء کہتے ہیں ایسی جماعت اور ایسے ڈیل ڈول کے لوگ جو لوگوں کی آنکھوں کو پُر کر دیں اپنی وضع قطع سے اور دلوں کو پُر کر دیں اپنے رُعب سے۔
۶۲۔﴿وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾
میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے کیا مطلب یعنی توحید جانتا ہوں رسالت جانتا ہوں عقیدہ قیامت کا جانتا ہوں، حلال حرام جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور یہ بھی مطلب ہے کہ میں جانتا ہوں اوپر کہا تھا ''انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم'' بڑے دن کا عذاب۔ اس عذاب کا اجمالی علم مجھے ہے تمہیں نہیں ہے۔
۶۵۔﴿ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا﴾
ربط: پہلے قوم نوح کا بیان تھا آگے قوم عاد کا بیان ہے۔
۶۹۔﴿ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾
قاموس، تاج العروس، ارشاد الساری وغیرہ میں ہے آلاء جمع الی، الو (بالواو) الو کے معنی نعمت، آلاء کے معنی نعمتیں۔
۷۱۔﴿ قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ﴾
الرجس العذاب، صراح میں ہے قاموس میں ہے منتہی الارب میں ہے تمہارے اوپر رب کا عذاب آ گیا واقع ہو گیا اگرچہ واقع نہیں ہوا تھا لیکن تحقق وقوع کی بناء پر یوں سمجھو کہ آ گیا اس لئے قد ماضی پر داخل کر کے وقوع بتلا دیا۔
۷۱۔﴿اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ﴾
موضح القرآن کلاں کے حاشیہ پر ہے کہ "ان لوگوں نے معبود بنا رکھے تھے ایک کا نام تھا رازقہ اس کی پوجا کرو تو رزق ملتا ہے ایک کا نام تھا ماطرہ بارش برسانے کیلئے وہ تھا ایک کا نام تھا زواجہ کہ وہاں جاؤ تو شادی ملتی ہے ایک تھا والدہ کہ وہاں سے اولاد ملتی ہے" یہ نام جو تم نے رازقہ، ماطرہ، زواجہ، والدہ رکھے ہیں یہ خود ساختہ ہیں خدا نے کوئی دلیل نازل نہیں کی بارش خدا برساتا ہے اولاد خدا دیتا ہے، رازق پروردگار ہے۔
۷۳۔﴿وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا﴾
ربط: یہاں سے تیسری قوم کا ذکر ہے والی ثمود ای ارسلنا الی ثمود پہلے قوم نوح کا بیان تھا پھر قوم عاد کا بیان تھا اب قوم ثمود کا بیان ہے صالح علیہ السلام پیغمبر تھے قوم ثمود تھی علاقہ حجر تھا۔
۷۵۔﴿ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ﴾
لمن امن بدل ہے الذین استضعفوا سے باعادۃ حرف الجار۔
۷۷۔﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾
نو بدمعاش تھے غنڈے، ان کا ایک سردار تھا قذار بن سالف اور آپ کو قدار بھی ملے گا تفسیروں میں۔ اس نے

حملہ کر کے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، سب کی طرف نسبت کس لئے کی؟ نسبت تمام کی طرف اس لئے کی کہ اس منصوبے میں سارے تھے ورنہ کاٹنے والا صرف ایک تھا۔

۸۰۔﴿ وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ﴾

اس کا نصب ارسلنا کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ اذقال جوظرف ہے یہ ارسلنا کے متعلق نہیں ہوسکتا اسلئے کہ معنی ہوگا کہ ہم نے لوطؑ کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا اس سے لازم آتا ہے کہ اس کہنے سے پہلے وہ رسول نہ تھے حالانکہ آپ رسول تھے۔ لہٰذا اس کو منصوب بنائیں اذکر فعل محذوف کی وجہ سے۔

۸۳۔﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ﴾

لوطؑ کی قوم پر چارقسم کے عذاب آئے تھے ایک عذاب فطمسنا أعينهم آنکھوں کی بینائی رب نے سلب کردی یہ ستائیں پارے میں ہے۔

دوسرا وامطرنا عليهم مطرًا پتھروں کی بارش ان پر برسائی گئی۔

تیسرا اجعلنا عاليها سافلها ان کے علاقے کو ہم نے زیروزبر کردیا۔

چوتھا صیحہ کا لفظ آیا ہے سورۃ حجر میں۔

۸۵۔﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ﴾

مدین سے مراد اگر قوم ہو تو اخاھم کا معنی ظاہر ہے کیونکہ وہ بھی اس قوم کے ایک فرد تھے حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اپنی قوم کی طرف بھیجا اور مدین شہر کا نام بھی تھا۔ اگر یہاں مدین سے شہر مراد ہو تو یہاں اھل کا لفظ نکالنا ہوگا ''والی اھل مدین اخاھم شعیبا'' کیونکہ شعیبؑ شہر کے بھائی نہ تھے بلکہ اھل مدین (شہر والوں) کے بھائی تھے۔

یادرکھیں کہ مدین ایک بہت بڑی منڈی تھی اس کے چاروں اطراف میں بہت بڑے جنگل تھے اس لئے اھل مدین کو اصحاب أيكه جنگل والے کہا گیا۔

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ﴾

۸۸۔﴿أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا﴾

تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی، روح المعانی، مظہری وغیرہ تمام تفسیروں میں ہے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ شعیبؑ پہلے ان کی ملّت میں تھے پھر نکلے تو لوگ کہتے کہ تم لوٹ آؤ ہماری ملّت میں تو تب چھوڑیں گے ورنہ نہیں چھوڑیں گے اس کے جو جوابات تفسیروں میں دیئے گئے ہیں ان میں سے تین جواب جو آسان ہیں،

عرض کر دیتا ہوں ایک یہ کہ یہ لفظ تغلیبا بولا گیا حضرت شعیبؑ ان میں نہ تھے باقی ساتھی تو تھے جو ایمان لائے تو ان سب کو خطاب کر کے لتعودنّ فی ملّتنا کہا۔

دوسری تفسیر: کہ لتعودن کے معنی لتصیرنّ معنی یہ کہ تم آجاؤ ہماری ملّت میں تو عاد بمعنی صار کے آتا ہے۔ تم ہماری ملّت میں آجاؤ تو ہم چھوڑ دیں گے۔

تیسری تفسیر: جب تک شعیبؑ نے تبلیغ شروع نہیں کی تھی لوگ سمجھتے تھے کہ وہ بھی ہمارے ہیں۔ جب تبلیغ شروع کی تو سمجھے کہ اب ہم سے جدا ہوئے تو یہ عود کا لفظ اپنے زعم کے مطابق بولے حقیقت نہ تھا۔

۹۴۔﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ﴾

ربط: چند واقعات اللہ نے پیغمبروں کے نام لے کر اور ان کی قوموں کے نام لے کر بتائے نوح علیہ السلام، ان کی قوم، ھودؑ ان کی قوم، صالحؑ، ان کی قوم، لوطؑ، ان کی قوم، شعیبؑ ان کی قوم۔

آگے اجمالاً بیان فرمادیا کہ ہم نے اور پیغمبر بھیجے مختلف بستیوں کی طرف ہم نے لوگوں کو مالی پریشانیوں میں بھی مبتلا کیا اور بدنی میں بھی تاکہ وہ گڑگڑائیں اور رجوع کریں لیکن جس طرح اور قوموں نے نافرمانی کی اس طرح انہوں نے بھی نافرمانی کی تو پہلے واقعات تفصیلی تھے اب اجمال ہے۔

۹۷۔﴿ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ﴾

ربط: رب تعالیٰ نے یہ تفصیلاً و اجمالاً واقعات بیان کئے آگے قرآن پاک کے نزول کے وقت کے لوگوں کو تنبیہ ہے۔

۱۰۰۔﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا﴾

ربط: کچھ تفصیلی واقعات مجرموں کے بیان ہوئے کچھ اجمالی اس تفصیل و اجمال کے بعد رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب جو زمین کے وارث ہیں ان کیلئے ہدایت نہیں ہوئی ان پہلے واقعات سے جو اجمالاً و تفصیلاً بیان ہوئے۔

۱۰۰۔﴿ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾

آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ لایسمعون سماع قبول کہیں ملے گا کہ لایسمعون سماع انتفاع کہیں ملے گا لا یسمعون سماع تدبر، کہیں ملے گا لایسمعون سماع تفہم کہیں ملے گا لایسمعون سماع اعتبارٍ کہیں ملے گا لایسمعون سماع اتّعاظ۔ تو نفی اس سماع کی ہے جو قبولیت کا اور نفع کا ہے محض سماع کی نفی نہیں۔

قرآن میں آتا ہے کہ زندہ کافر نہیں سنتے کیا مطلب؟ یہ کہ ایسا سننا کہ اس کو قبول کرے نہیں سنتے اسی معنی

میں ان کو صم بکم عمی کہا۔
﴿ مِنْ أَنْبَآئِهَا ﴾
علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ من تبعیضیہ ہے کہ اس کی خبروں میں سے بعض خبریں ہم بیان کرتے ہیں۔
۱۰۲۔﴿ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِيْنَ ﴾
یہاں ان مخففه من المثقلة ہے۔ای و انّهٗ وجدنا اکثرھم لفٰسقین۔
﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَا ﴾
ربط: آگے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں تفصیلاً کئی رکوع مسلسل چلے گا۔
۱۰۷۔﴿ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾
حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کے لئے کبھی تو ثعبان اور کبھی جان کا لفظ آیا:
تفسیر کبیر، ابوالسعود، روح المعانی، السراج المنیر وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ اس مقام پر ثعبان مبین کے لفظ ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ کانها جآنّ ولّٰی مدبرًا کے لفظ ہیں جآن کے معنی پتلا سانپ تو اژدھا اور ہے پتلا سانپ اور ہے اس میں تو بظاہر تعارض ہے۔
اس کے متعلق جو ان تفسیروں میں باتیں کہیں ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ تعارض کیلئے وحدت مکان کی شرط ہے وحدت زمان بھی شرط ہے، جہاں پتلا سانپ بنا تھا وہ جگہ بھی اور ہے وقت بھی اور ہے جب موسیٰؑ کو نبوت ملی کوہ طور پر تو وہاں جب لاٹھی پھینکی تو وہاں کانها جآنّ ولّٰی مدبرًا تو وہ جگہ ہے وادی طویٰ یہ ہے فرعون کا دربار وہ زمانہ اور ہے یہ اور ہے تو جب مکان بھی اور ہو زمانہ بھی اور ہو تو تعارض نہ ہوا۔
دوسری چیز یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ اس لاٹھی کو پھینکتے تھے تو اول مرحلے میں وہ پتلا سانپ ہوتی پھر بڑھتے بڑھتے اژدھا بن جاتی تو پہلا منٹ اور وقت ہے دوسرا تیسرا منٹ اور وقت ہے اس میں بھی کوئی تعارض نہیں۔
تیسری بات ہوتا تو اژدھا ہی تھا لیکن سُرعت رفتاری میں کانّها جآنّ گویا کہ وہ پتلا سانپ ہے۔
۱۰۹۔﴿قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ﴾ ربط واضح ہے کہ موسیٰؑ کا واقعہ شروع ہے۔
۱۱۰۔﴿ يُرِيْدُ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ﴾
زمین سے نکالنے کا کیا مطلب؟ ایک تفسیر تو یہ کرتے ہیں کہ موسیٰؑ نے فرعون سے مطالبہ کیا تھا کہ ارسل معنا بنی اسرائیل میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں میں ارض مقدسہ لے جانا چاہتا ہوں تو اس جملے سے وہ سمجھے کہ ہمیں یہاں سے نکال کر ان لوگوں کو دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے۔
دوسرا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جادو کے ذریعے ہمیں مرعوب کر کے ڈرا کر یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔
﴿ الْمَدَآئِنِ ﴾ مدینہ کی جمع ہے بمعنی شہر فرعون کا جو شہر تھا اس کا نام مُنف تھا۔
۱۱۲۔﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ ﴾
سحرۃ یہ ساحر کی جمع ہے جیسے طلبہ طالب کی جمع ہے اور طلباء طلیب کی۔ دونوں میں فرق ہے کہ جو ہمیشہ حاضری دیتا ہے اس کو طلیب کہتے ہیں اور جو ہمیشہ حاضری نہ دیتا ہو اس کو طالب کہتے ہیں۔
۱۱۶۔﴿قَالَ أَلْقُوْا فَلَمَّا أَلْقَوْا ﴾ ای حبالھم و عصیّھم مفعول محذوف ہے۔

۱۲۰۔ ﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ﴾

اور ڈال دیے گئے جادوگر سجدے میں بغویؒ معالم التنزیل والے فرماتے ہیں کہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے یعنی رب کی قدرت نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ جادوگر سجدے میں گر یں۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ہے تو مجہول کا صیغہ لیکن معنی اس کے معروف کے ہیں گر پڑے جادوگر سجدے میں۔

۱۲۴۔ ﴿لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ﴾

من خلاف کا یہ معنی کہ دایاں ہاتھ کاٹوں گا بایاں پاؤں کاٹوں گا۔ اور بعض نے من کو تعلیلیہ بھی قرار دیا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں کاٹ دوں گا لاجل الخلاف تم نے میری مخالفت کی اس تفسیر میں دونوں ہاتھ دونوں پاؤں ہیں۔

اب یہاں دو باتیں ہیں کہ آیا یہ سزا ان کو دی تھی یا نہیں دی تھی، یہ جو کہا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹوں گا اور تم کو سولی پر چڑھاؤں گا کیا اس کی نوبت آئی تھی یا نہیں۔ تفسیر کبیر، روح المعانی، ابن جریر طبری اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں تصریح ہے ابن عباسؓ سے اور عبید بن عمیر تابعی سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ستر آدمی اول النہار میں جادوگر تھے اور آخر دن میں وہ شہید ہو گئے تو معلوم ہوا کہ ستر آدمیوں کو شہید کر دیا گیا۔

روافض کا قول صحابہ کرامؓ کے بارے میں

دوسری بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ اس امت کا درجہ دوسری امتوں سے زیادہ ہے، آپ چوتھے پارے میں پڑھ چکے ہیں ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس﴾

اب یہاں ایک عجیب بات ہے یہ موسیٰؑ کے مقابل تھے جادوگر، اب بن گئے ان کے صحابی امتی۔ فرعون نے دھمکی دی اور ان میں ستر کو سولی پر لٹکایا لیکن انہوں نے ایمان نہیں چھوڑا، وہ موسیٰؑ کے امتی ادنیٰ ہو کر بھی ایمان کو نہ چھوڑے اور اب روافض کہتے ہیں، کہ ہمہ مرتد گشتند سوائے سہ کس یا چہار کس کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تمام صحابہ مرتد ہو گئے سوائے تین یا چار کے۔

حضرت حذیفہؓ ہیں مقدادؓ ہیں۔ عمارؓ ہیں ان کے بارے میں تو کہتے ہیں سلمان فارسیؓ کے بارہ میں تردد کرتے ہیں کہ مرتد ہوا یا نہیں اور ان کی کتاب اصول کافی تک میں موجود ہے، اس کا مطلب تو ہوا کہ آنحضرت ﷺ "معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد" سب پیغمبروں سے ناکام نبی تھے۔

۱۲۷۔ ﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾

پہلے تھا کہ جو جادوگر مسلمان ہوئے تھے ان کو فرعون نے کہا کہ میں تم کو سولی پر چڑھاؤں گا اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ان کو تو سزا دیتا ہے اور اصلی دشمن موسیٰؑ اور اس کی قوم کو یوں چھوڑتا ہے تاکہ وہ زمین میں فساد کریں حالانکہ انہوں نے تجھے اور تیرے اللہ کو چھوڑ رکھا ہے۔

۱۲۰۔ ﴿وَآلِهَتَكَ﴾

اس کا معنی تفسیر خازن اور تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ فرعون نے اپنی تصویریں لوگوں کو دی تھیں کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں میری موجودگی میں تو مجھے سجدہ کرو اور میری غیر حاضری میں میری تصویروں کو میرے نائب سمجھو

۱۲۹۔ ﴿فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾
اہل بدعت کا لوگوں کو ایک مغالطے میں ڈالنا

اہل بدعت نے لوگوں کو ایک مغالطے میں ڈالا ہے کہ دیکھو یہ وھابی کہتے ہیں کہ رب حاضر ناظر ہے تو ناظر تو وہ ہوتا ہے جس کی آنکھیں ہوں تو اس سے تو حق تعالیٰ کا جسم ثابت ہوگا، میں نے تبرید النواظر میں اس پر مبسوط بحث کی ہے، میں نے کہا دیکھو تمہاری یہ منطق کئی طریقے سے باطل ہے، ایک دلیل میں نے یہ بھی پیش کی ہے دیکھو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں و لیستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ۔ تو یہاں نظر کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی یا نہیں قرآن کو تو مانو، اللہ ناظر نہیں تو ینظر کا کیا معنی باقی دیکھنا اس کی شان کے لائق ہے حسی آنکھیں تو ہیں نہیں کہ جس سے جسمانیت ثابت ہو۔

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾
ربط: فرعون کا اور موسیٰ کا واقعہ چلا آرہا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم نے جب حق کو نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط سالی میں مبتلا کر دیا اور ان کے پھلوں کو کم کر دیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔

﴿يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ﴾
تطیر کے لفظی معنی ہوتے ہیں پرندہ اُڑانا، یہ کفار کا طریقہ تھا کہ مثلاً اپنے گھر سے نکلتے صبح سویرے تو قریب جو درخت ہوتا تھا اس پر پتھر پھینکتے تھے اگر پرندہ دائیں جانب اُڑ جاتا تو کہتے تھے کہ ہمارا کام بن گیا اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اُڑتا تو کہتے تھے کہ کام نہ بنا، تجارت کیلئے جاتے، کسی سے لڑنے کے لئے جاتے تو ان پرندوں کو اُڑا کر نیک فالی یا بد فالی حاصل کرتے۔ تو لفظی معنی تطیر کے پرندے اُڑانا اور اس کا لازمی معنی ہے بد فالی یا نیک فالی حاصل کرنا۔
۱۳۲ ﴿مَهْمَا﴾ حرف شرط ہے "جب کچھ" کے معنی میں ہے۔
۱۳۳ ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ﴾
امام بخاری کتاب تفسیر میں یہ معنی کرتے ہیں الموت الکثیر یعنی ایسی بیماری اٹھی کہ جلدی جلدی سب ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔
دوسرا معنی یہ ہے کہ ان پر سیلاب آیا اور سیلاب آکر ان کے گھروں میں گھس گیا اور اس سیلاب میں ان کے تمام اموال بھی برباد ہو گئے۔
تیسرا معنی یہ ہے کہ ہوا اتنی تیزی سے چلی کہ تمام نظام درہم برہم ہو گیا۔
۱۳۳ ﴿آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ﴾
حضرت موسیٰ کو نو نشانیاں دی گئیں ان کی تفصیل:
قرآن کریم میں دو مقام پر تسع آیات کے لفظ آتے ہیں کہ موسیٰ کو ہم نے نو نشانیاں دیں ایک سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں اور ایک سورۃ نمل کے ابتداء میں، وہ نو نشانیاں یہ ہیں۔
قاضی بیضاوی اور دیگر حضرات اور حضرت تھانویؒ یہ بیان فرماتے ہیں ایک نشانی ہے عصا دوسری نشانی ید بیضاء تیسری نشانی بالسنین (قحط سالی) چوتھی نشانی نقص من الثمرات (پھلوں کی کمی) پانچویں طوفان چھٹی جراد ساتویں قمل آٹھویں ضفادع نویں الدم۔

جبکہ جمل والے وغیرہ بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ سنین اور نقص من الثمرات ایک ہے دونہیں ہیں جب یہ دونوں ایک ہی تو ایک کی کمی ہوئی وہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آگے سورۃ یونس میں آئیگا۔ ''ربنا اطمس علی اموالھم''

۱۳۷۔﴿الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا﴾

التی بار کنا فیھا سے کونسی زمین مراد ہے؟

اس سے کونسی زمین مراد ہے؟ معالم التنزیل، روح المعانی، ابن کثیر وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ یہ ارض مقدسہ ہے اور اس لئے وہاں برکت فرمائی کہ ظاہری برکتیں بھی ہیں باطنی بھی۔ ظاہری برکتیں تو یوں ہیں کہ سرسبز علاقہ ہے ٹھنڈا ہے میوے ہیں پانی صاف ستھرا ہے اور باطنی یوں ہے کہ بے شمار پیغمبروں کا مدفن ہے تو وہ زمین جو کہ برکت والی تھی شام کا علاقہ اس کا تم کو ہم نے مالک بنا دیا لیکن فوراً نہیں بلکہ چالیس سال کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ کے زمانے میں امام لیث بن سعد مصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مصر کی زمین مراد ہے، اگر مصر مراد ہے تو التی بارکنا فیھا اس لئے فرمایا کہ مصر کا علاقہ سرسبز ہے اور وہاں حضرت یوسفؑ رہے حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ، و ہارونؑ کی باطنی برکتیں تھیں۔ حضرت بغویؒ یہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان میں کوئی تعارض نہیں اپنے وقت پر شام کے وارث بھی بنے اپنے وقت پر مصر کے وارث بھی بنے۔

۱۳۷﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾

میں ما مصدریہ ہے تو معنی ہے بصبرھم یا موصولہ ہے تو ہوگا بما صبروہ۔

۱۳۷۔﴿وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾

اور جو وہ چھتیں بناتے تھے یا درکھیں یہاں چھتوں سے حسّی چھتیں مراد نہیں ہیں بلکہ ان کے منصوبے مراد ہیں۔

۱۳۸۔﴿ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ﴾

کہتے ہیں کہ کنانی قوم تھی جو بنی اسرائیل کے مدمقابل تھے ان میں سے کسی نے گائے کا مجسمہ بنا رکھا تھا کسی نے کسی اور چیز کا اور ان کے سامنے وہ سر جھکاتے تھے۔

۱۴۱۔﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾

علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں یسومونکم ای یؤلونکم جو دیتے تھے بُرا عذاب تمہیں۔

علامہ سیوطیؒ وغیرہ فرماتے ہیں یذیقونکم تمہیں چکھاتے تھے۔

۱۴۱۔﴿ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾

جمہور یستحیون کا مجرد مادہ حیاۃ کے لیتے ہیں کہ تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔

صاحب کمالین کہتے ہیں کہ اس کا مجرد مادہ حیاء بکسر الحاء ہے جس کے معنی عورت کی شرمگاہ ہوتی ہے تو یستحیون کا معنی ہے کہ تمہاری عورتوں کی شرمگاہوں کی تلاشی لیتے تھے تلاشی کا یہ معنی کہ حمل دیکھتے تھے کہ کونسی عورت حاملہ ہے اور کونسی غیر حاملہ۔

۱۴۲۔﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾

بعضوں نے بلاء کے معنی کئے ہیں انعام اور بعضے کہتے ہیں آزمائش یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہتے ہیں کہ ذالکم کے مشارالیہ میں اختلاف ہے اگر ذلکم کا مشارالیہ ہو اذانجینکم یعنی نجات تو پھر بلاءٌ کے معنی انعام کے ہوں گے

اگر ذالکم کا مشار الیہ سوء العذاب ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا آزمائش اور امتحان۔

۱۴۳۔﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾

ربط: موسیٰ کا واقعہ چلا آرہا ہے، جس وقت موسیٰ اور ان کی قوم نے دریا عبور کرلیا پار چلے گئے وادی تیہ میں تو کہا حضرت پہلے تو فرعون ہمارا حاکم تھا اور ہم اس کے پاس غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور اس کا قانون ہم مانتے تھے مجبوراً، اب ہم آزاد قوم کی حیثیت رکھتے ہیں ابھی ہمیں تورات دیں اب یہاں تفسیریں دو ہیں۔

تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، درمنثور ابن کثیر وغیرہ میں یہ بات ہے کہ تیس دن وہاں انتظار کیا اور پھر موسیٰ نے مسواک کی کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دس روزے اور رکھو پھر آکر تورات لینا۔ تیس دن پہلے کے اور دس دن اور روزے رکھنے پڑے۔

دوسری تفسیر بھی ان تفسیروں میں ابن جریر وغیرہ میں ملے گی کہ تیس راتیں تو انتظار کی تھیں، تورات کی دس تختیاں تھیں روزانہ ایک ایک تختی ملتی رہی فتم میقات ربه اربعین لیلة کہ دس راتیں وہاں مزید گزارنی پڑیں۔

۱۴۳۔﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِيْ﴾

بعض تفسیروں میں آپ کو ارنی نفسک ملے گا اور بعض تفسیروں میں ارنی ذاتک ملے گا یہ تفسیر آپکو جلالین تک ملے گی۔

۱۴۴۔﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾

اللہ نے جس پہاڑ پر تجلّی ڈالی یہ تجلّی کتنی تھی؟

اللہ نے جس پہاڑ پر تجلّی ڈالی یہ تجلّی کتنی تھی؟ مستدرک حاکم، مسند احمد، ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ چھوٹی انگلی کا آگے جو سرا ہے اس کا نصف حصہ تجلّی رب نے ڈالی تجلّی پہاڑ پر پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گرے، ہوش آیا تو کہا "سبحانک تبت الیک و أنا أوّل المؤمنین" اس مقام پر ماننے والوں میں، میں سب سے پہلا ہوں۔ یہ پہاڑ کونسا تھا تو اکثر تو کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ طور تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو ٹھیک ٹھاک کر دیا۔

بعض تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ اس پہاڑ کا نام ہے "زبیر" ایک شاعر کہتا ہے

دل میں آتا ہے لگا دوں آگ کوہ طور کو: پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہوجائے گا۔

اب یہاں زمخشری بہت خوش ہے کہتے ہیں کہ موسیٰ پیغمبر تو خدا کا دیدار نہ کرسکے، رؤیت ان کو نصیب نہ ہوئی تو گدھے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن رب کا دیدار ہوگا۔

جواب اس کو یہ دیتے ہیں کہ دنیا کا حکم اور ہے آخرت کا حکم اور ہے یہاں کی چیزوں کو وہاں پر اور وہاں کی چیزوں کو یہاں کی چیزوں پر قیاس کرنا نری جہالت ہے۔

۱۴۴۔﴿يَأْخُذُوْا بِأَحْسَنِهَا﴾

اب یاخذوا باحسنها کا کیا معنی؟ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ احسن قید اتفاقی ہے سب ہی أحسن ہے سب کو لو۔

دوسرا یہ کرتے ہیں کہ عطف تفسیر ہے بعض چیزیں ہوتی ہیں رخصت بعض چیزیں ہوتی ہیں عزیمت۔ تو رخصت کی طرف مت جاؤ بلکہ تم عزیمت کو لو جو احسن ہے۔

۱۴۵۔ ﴿سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ﴾

دار فاسقین سے کیا مراد ہے؟

تفسیر معالم التنزیل، کبیر، روح المعانی وغیرہ میں یہ تفسیر بھی ملے گی کہ دار الفاسقین سے مراد ہے مصر یعنی یہ جو بنی اسرائیل تھے پھر واپس مصر میں آئے۔ جہاں فرعون، ھامان اور قارون جیسے فاسق رہتے تھے اس مصر پر ان کا اقتدار تھا تو دار الفاسقین سے مصر مراد ہے۔

یہ تفسیر بھی روح المعانی، مدارک وغیرہ میں ملے گی کہ دار الفاسقین سے شام کا علاقہ مراد ہے کیونکہ وہاں جو لوگ رہتے تھے نافرمان تھے۔ عنقریب ان پر تمہاری فتح ہوگی۔

تیسری تفسیر کبیر اور البحر المحیط وغیرہ میں یہ ملے گی کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے دنیا میں برے کام کرلو عنقریب دیکھنا دار الفاسقین میں آپ کو نظر آئے گا۔

۱۴۸) ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ﴾

وہ بچھڑا کیسے تھا؟ آپ کو دونوں تفسیریں ملیں گی ایک یہ کہ سونے چاندی ہی کا تھا اور آواز مٹی ڈالنے کی وجہ سے نکلتی تھی اور یہ بھی آپکو ملے گا کہ لحمًا و دمًا گوشت خون کا بچھڑا بن گیا صاحب جلالین وغیرہ یہ معنی کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ نہیں سونے کا سونا رہا چاندی کی چاندی رہی صرف مٹی ڈالنے کی وجہ سے اس سے ٹائیں ٹائیں کی آواز آنے لگی۔

﴿اتَّخَذُوهُ﴾ مفعول ثانی محذوف ہے ای اتخذوہ اِلٰھًا.

۱۴۹۔ ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ﴾

جب نادم اور پشیمان ہوگئے۔ تفسیر کبیر، السراج المنیر، بیضاوی، ابوالسعود وغیرہ میں ہے کہ ایک آدمی نے کام کیا۔ کام کرنے کے بعد اس میں ناکام ہوا جائے تو اس کو غصہ آئے گا وہ نیچے گر کر اپنے ہاتھ کو کاٹے گا۔ سَقَطَ فوہ فی یدہٖ اس کا معنی ہے کہ اس کا منہ اس کے ہاتھ میں گرا کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا تو اس وقت یہ کارروائی کرے گا جب کہ نادم اور پشیمان ہو یہ لغوی معنی ہوا اور محاورے کا معنی یہ ہے کہ نادم اور پشیمان ہوا۔

۱۵۰۔ ﴿ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ﴾

اب یہ اسفاً کیا ہے؟ حال متداخل بھی بنایا ہے اور مترادف بھی حال مترادف کا یہ معنی کہ لفظ موسیٰ ذوالحال غضبان حال، اسفاً حال۔

لوٹے موسیٰ قوم کی طرف دراں حالیکہ غصے میں تھے دراں حالیکہ افسوس میں تھے اور حال متداخل بھی بناتے ہیں وہ یہ کہ لفظ موسیٰ کو ذوالحال، غضبان کو حال پھر اس حال کو پھر ذوالحال بناؤ پھر آگے اسفاً اس سے حال بناؤ دونوں ترکیبیں آپ کو ملیں گی تمام تفسیروں میں۔

۱۵۰۔ ﴿وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ﴾

حضرت موسیٰ کا اپنے بھائی کو داڑھی سے کھینچنا:

تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ میں کہ حضرت موسیٰ کو غصہ آیا اور یہ سمجھے کہ میرا بھائی نرم مزاج ہے (مزاج اپنا تھا ان کا، موسیٰ جلالی تھے اور ھارونؑ جمالی) خیال یہ کیا کہ اس کی نرمی نے کام خراب کیا یہ وہم ہوا اور تختیاں نیچے جلدی

سے رکھیں ہاتھ فارغ کر کے ان کی داڑھی کو کھینچا اور سر کو بھی۔

یہاں سے دیکھئے پیغمبر کی توہین نہیں کی اصل مقصود یہ ہے کہ خدا کی توحید بگڑی اور تم نے یہ نرمی کی تو سارا غصہ رب کی توحید کی وجہ سے تھا۔ مقصود بالذات پیغمبر کی توہین نہیں تھی۔ یہ خیال کیا کہ ھارونؑ نے شاید پورے جوش خروش کے ساتھ مسئلہ بیان نہیں کیا۔ تو یہ جلدی سے رکھنے کو القاء سے تعبیر کیا یہاں توہین نہیں ہے۔

کبیر، روح المعانی میں ہے کہ جلدی سے وہ تختیاں نیچے رکھیں جیسے کہ نیچے ڈال دی جاتی ہیں۔

۱۵۳ ﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾

اس بعدھا میں ھا کی ضمیر راجع ہے تابوا میں توبة مصدر کی طرف بے شک رب تیرا اس توبہ کے بعد غفور رحیم ہے اور ثم تابوا من بعدھا میں ھا ضمیر راجع ہے السیئات کی طرف۔

۱۵۴ ﴿ وَفِي نُسْخَتِهَا ﴾

یہ نسختھا مصدر ہے اور مبنی للمفعول کے معنی میں ہے معنی یہ ہے فیما کتب فیھا اس میں جو تختیوں میں کہا گیا تھا وہ ہدایت تھی رحمت تھی ایسی قوم کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتی ہے۔

۱۵۵ ﴿وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا ......﴾

یہ ستر آدمی کس لئے لے گئے تھے؟ تو ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ ستر آدمی اس لئے ساتھ لے گئے تھے تا کہ تورات میں کچھ نرمی کا سوال کریں۔

دوسری تفسیر آپ کو خازن وغیرہ میں یہ بھی ملے گی کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی ان کی طرف سے معذرت کیلئے گئے تھے کہ اے اللہ ان نادانوں نے جو غلطی کی ہم اس کی معذرت چاہتے ہیں۔

قومهٗ اصل میں ہے من قومه منصوب ہے بنزع الخافض. اھلکتھم من قبل ای من قبل مجیئھم الیک.

۱۵۷ ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾

تحلیل اور تحریم اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہیں:

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں مستقل باب قائم کیا ہے۔ " التحلیل والتحریم من أوصاف الله تعالی" یہ رب کی صفت ہے مخلوق میں کوئی حرام حلال نہیں کر سکتا، کہتے ہیں کہ جب مخلوق کی طرف اسناد ہو حلت اور حرمت کی تو اگر پیغمبر ہو تو معنی یہ ہوگا کہ ان کا کسی چیز کو حلال یا حرام بیان کرنا قطعی دلیل تھی اور اگر امام ہو مجتہد اس کی طرف تحلیل اور تحریم کی نسبت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے حلت وحرمت کی کڑی نص سے ملا دی، خود مخلوق میں کوئی حلال حرام نہیں کر سکتا۔

اہل حق کا یہ مسلک ہے۔ ہم نے اس کے حوالے "دل کے سرور" کتاب میں دیئے ہیں۔

۱۵۸ ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

ربط: پہلے فرمایا کہ اس نبی امی ﷺ کو تورات میں پاتے ہیں انجیل میں بھی پاتے ہیں اب ان کی زبانی اعلان کروایا کہ یایھا الناس انی رسول الله الیکم جمیعا میرا ذکر انجیل میں تھا تورات میں تھا میں آ چکا۔

۱۶۳﴿ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾
ربط: اوپر بھی بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں کا نافرمانیوں کا ذکر تھا کہ بچھڑے کی پوجا کی یہ کیا وہ کیا اسی سلسلے میں ان کی ایک اورنافرمانی کا ذکر ہے۔

یہاں تفسیر درمنثور، روح المعانی، مظہری، معالم التنزیل وغیرہ میں آپ کو ملے گا کہ دور تھا حضرت داؤدؑ کا اور یہ شہر ایلہ تھا یہ لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے تھے کھاتے بھی تھے اور دور دراز تک بھیجتے بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابندی لگی۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۶۴﴿ قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ ﴾
ای قالوا نعظہم معذرةً یہ معذرةً مفعول لہٗ ہے ہم ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ رب کے ہاں عذر کریں کہ پروردگار ہم نے آخر وقت تک ان کو سمجھایا کہ شاید اس تجاوز سے وہ باز آئیں۔

۱۶۵﴿ وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾
جن لوگوں نے نہ خود شکار کیا اور نہ شکار کرنے والوں کو روکا ان کا کیا بنا؟

یہاں حضرت عکرمہؒ سے حضرت ابن عباسؓ نے سوال کیا کہ گروہ تین تھے ایک مچھلیوں کا شکار کرنے والا اور ایک آخر تک روکنے والا ان دونوں کا ذکر تو آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ اور جو مچھلیوں کا شکار کرتے تھے ان کو بندر اور خنزیر بنایا۔ تو تیسرا گروہ جنہوں نے کچھ دن منع کیا پھر چپ ہو گئے ان کا کیا بنا۔ بچے یا عذاب میں آئے تو کہا کہ بچ تو گئے کیونکہ مچھلیوں کا شکار بھی نہیں کیا اور انہوں نے منع بھی کیا لیکن چونکہ ان کا چپ رہنا اچھی بات نہ تھی رب نے ان کا ذکر بھی نہ کیا ان کی خاموشی کوئی مستحسن بات نہ تھی۔

۱۶۹﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾
ایک ہوتا ہے خَلَف لام کے فتحہ کے ساتھ جیسا فلاں فلاں کا خَلَفُ الرشید ہے اس کا معنی ہوتا ہے صحیح جانشین اور ایک ہے خلف لام کے سکون کے ساتھ اس کے معنی ہیں نااہل جیسا کہیں کہ فلاں فلاں کا خلْف ہے تو معنی ہونگے نااہل جانشین ہے۔

۱۷۲﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾
ربط: سبق الغایات اور بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے واقعات بیان کئے نوحؑ سے لے کر موسیٰؑ کی قوم تک کے حالات بتلائے آگے فرماتے ہیں کہ پیغمبروں نے جو توحید کا سبق پیش کیا تھا یہ تو انہی لوگوں نے وعدہ کیا تھا میثاق کے دن کہ ہم تجھے رب مانیں گے پیغمبر تو وعدہ یاد دلانے کیلئے آئے یعنی پیغمبروں نے جو سبق پیش کیا تھا ''یقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الٰہ'' تو اس کو تو انہوں نے میثاق والے دن خود مانا تھا پیغمبر تو اس وعدے کی یاد دہانی کے لئے آئے اس کا ذکر ہے۔

۱۷۵﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِیْ اٰتَيْنٰهُ﴾
بلعم بن باعورہ کا واقعہ:

ربط: بیان القرآن میں ہے کہ وعدہ تو لیا تھا لیکن دنیا میں وعدہ شکن لوگ بھی ہوتے ہیں جن میں سے ایک کا واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ کے وقت میں ایک ولی تھا جس کا نام بلعم ابن باعورہ تھا، اس کے ہاتھ پر عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہوتے تھے،

لوگ آئے موسیٰ کے خلاف بد دعا کی درخواست کی۔۔آخر اس نے بد دعا کر دی۔۔زبان لٹک گئی۔۔۔

۱۷۶﴿الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾

پہلے کافروں کا ذکر تھا آگے انہی مکذّبین کا ذکر ہے۔

۱۸۷﴿یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ﴾

ربط: اوپر قیامت کا اجمالی ذکر تھا آگے آپ ﷺ سے پوچھا کہ بتائیں قیامت کب قائم ہوگی؟ مرسٰھا یہ مصدر میمی ہے۔

۱۸۷﴿یَسۡئَلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡہَا﴾

تفسیر ابوالسعود میں ہے اور بھی تفسیروں میں ہے کہ کانک حفیّ عنھا ای علیم بھا. أحفیتُ بالمسئلة اذا سئلتَها حتیٰ علمتها تو لفظی معنی ھی کے کھوج لگانا۔

۱۸۸﴿وَلَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ﴾

مولوی محمد عمر صاحبؒ کا اس آیت سے غلط استدلال:

مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی کتاب مقیاس حنفیت میں یہ لکھا کہ حنفی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم نہیں اور میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا میں اس آیت سے ثابت کرتا ہوں اس کی تقریر یوں ہے کہ اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو میں خیر کثرت سے حاصل کرتا تو آپ ﷺ سے بڑھ کر خیر کس نے حاصل کی آپ ﷺ سے بڑھکر نیکیاں کس کی ہیں تو معلوم ہوا کہ غیب جانتے ہیں۔

میں نے ازالۃ الریب میں بحث مکمل کر دی میں نے کہا مولوی صاحب! ہوش میں رہیے یہاں خیر کا تقابل بدی اور شر سے نہیں ہے یہاں تقابل سوء سے ہے معنی یہ کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لئے تکلیف سے بچنے کا انتظام پہلے کر لیتا اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو احد کے مقام پر عتبہ بن ابی وقاص مجھے پتھر کیوں مارتا میرا دانت کیوں شہید ہوتا مجھے معلوم ہوتا کہ عبداللہ ابن ابی مجھ پر تلوار چلاتا ہے تو میں پہلے نہ دفاع کر لیتا۔

۱۸۹﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ......﴾

ربط: اُوپر ذکر تھا کہ میں اپنی جان کیلئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں آگے توحید کا مسئلہ بتاتے ہیں کہ پیدا کرنے والا بھی وہی، حاجتیں پوری کرنے والا بھی وہی غیروں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے سارا رکوع کوٹ کوٹ کر توحید کے اثبات اور کفر وشرک کے رد سے بھرا ہوا ہے۔

۱۹۰﴿فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَکَآءَ﴾

حضرت حواء کا اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تردید:

جب دیا اچھا بھلا تو رب کے شریک بنائے اس میں جو رب نے دیا۔

اب یہاں دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر آپ کو جلالین تک ملے گی ترمذی وغیرہ کی روایت کے حوالے سے کہ آدمؑ اور حواء کا بچہ نہیں ہوتا تھا، پیدا ہوتا تھا مرجاتا تھا پیدا ہوتا تھا مرجاتا تھا ابلیس لعین آیا اس نے حضرت حواؑ کو پھسلایا کہا کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام رکھ لینا عبدالحارث اور حارث ابلیس کے ناموں میں سے ایک نام تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کیا کہ اس بچے کا عبدالحارث نام رکھا اور وہ دیا رب نے اور شرک کیا یہ شرک بالتسمیہ ہے اس حدیث کو تسلیم کر کے اس

کی پھرتاویلیں کرتے ہیں کہتے ہیں بات اصل میں یہ ہے کہ ذہن ذہن کا فرق ہوتا ہے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر مومن کہے انبت الربیع البقل تو اور معنی ہے دہریہ کہے تو اس کا اور معنی ہے یہ صاف ذہن کے تھے آدم علیہ السلام کاشت بھی کرتے تھے حارث بھی تھے۔ اور عبد کے معنی غلام کے بھی آتے ہیں تو انہوں نے یہ تعبیر کی کہ عبدالحارث کا معنی اپنے باپ کا خادم ہوگا لیکن لفظاً شرک بالتسمیہ تھا اس کی رب تعالیٰ نے تردید کی روایت ترمذی، مسند احمد، مستدرک اور جلالین میں نقل کی ہے۔ دوسری تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی وغیرہ تمام تفسیروں میں ہے اور اسی تفسیر کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن میں لیا ہے کہتے ہیں کہ پہلے هو الذی خلقکم من نفس واحدةٍ سے حضرت آدمؑ وحوا علیہما السلام کا ذکر ہے اب یہ انکی نوع میں جوڑے کا ذکر ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے بیوی حاملہ ہوتی ہے دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ نیک صالح بچہ دے جب بچہ دیا تو پھر اس کے شریک بنائے نام رکھا اس کا پیراں دتا، عبدالرسول، عبدالنبی۔

تو پہلے ذکر تھا حضرت آدمؑ وحواءؑ کا اور آگے ان کی نسل کا ذکر ہے۔ قرینہ ہے فتعلى الله عما يشركون جمع لائے یشرکون، اس کو کہتے ہیں التفات اور قرآن میں یہ بکثرت ہے۔

۱۹۴ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ یہ بتوں کے بارے میں ہے کہ جن کے ناموں پر انہوں نے بت بنا رکھے ہیں ان کو تم پکارو یا چپ رہو وہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اصل شخص بھی ہو تو معنی ہوگا کہ کیا ان کے پاؤں ہیں ایسے کہ تجھ تک پہنچ سکیں ہاتھ ہیں ایسے جو پکڑ سکیں آنکھیں ہیں جو تم کو دیکھ سکیں۔

۲۰۴ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

امام بیہقیؒ کتاب القراءۃ میں، حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں اور مولانا عبدالرحمٰن پشاوری جو بعد میں غیر مقلد ہوئے اپنی کتاب اعلام أعلام میں نقل کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا کہ ''اجمعوا علی انها نزلت فی الصلوٰة'' امت کا اجماع ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول نماز ہے۔

سورة الانفال

۱۔﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِيْنَ٥﴾

ربط: پہلی سورۃ میں کفار کے ساتھ مقابلہ تھا باللسان حجت و دلیل کے لحاظ سے۔اس میں کفار کے ساتھ مقابلہ ہے بالسیف والسّنان۔معاملہ اس میں کفار کے ساتھ تھا دلیل اور برھان پیش کئے گئے تھے شرک کا رد کیا گیا اور اس میں معاملہ ہے ان کے ساتھ تلوار کے ساتھ رب نے تلوار کا غلبہ بھی مسلمانوں کو عطا فرمایا۔

شان نزول:

غزوہ بدر میں کچھ غنیمت حاصل ہوئی مسلمانوں کو۔۔۔۔۔تقسیم میں اختلاف ہوا۔۔۔۔۔اللہ نے اس کا حکم نازل فرمایا۔۔۔۔۔انفال یہ جمع ہے نفل کی،نفل کہتے ہیں زیادتی کو(زائد چیز کو) اس لئے نفل روزے کو نفل کہتے ہیں اور غنیمت کو نفل اس لئے کہا کہ اصل مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ غنیمت زائد ہے تو نفل کے معنی لغوی طور پر زائد کے ہیں غنیمت کو نفل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مقصود سے زائد ہے۔

۵﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ﴾

آپ کو جلالین تک ملے گا حالھم فی کراھیتھم بذالک کحالھم فی کراھیۃ من خروج یہ غنیمت کے مال میں جو لوگ لڑے وہ طبعی طور پر پسند نہ کرتے تھے کہ دوسروں کو ملے۔طبعی طور پر یہ ناپسند ایمان کے خلاف نہیں ان کا یہ حال اس کے ناپسند کرنے میں ایسا ہی تھا جیسا کہ جب آپ ﷺ مدینہ سے نکلے تو طبعی طور پر انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔

۷﴿إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ﴾

طائفتین سے کیا مراد ہے؟

اس میں طائفتین سے مراد ہے ایک طائفہ ابوسفیان کا تھا تجارت والا قافلہ جس میں ساٹھ آدمی تھے ہزار اونٹ تھے پچاس ہزار دینار کا سامان تھا اور دوسرا طائفہ جو ابوجہل کی قیادت میں مکہ سے لڑنے کیلئے آیا تھا تو رب نے کہا کہ ایک طائفہ تم کو ملے گا۔

۱۶﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ﴾

یہ جملہ مبتدا ہے اور فقد بآء بغضب یہ جملہ خبر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

۱۷﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾

اہل بدعت اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں کہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی حالانکہ ظاہری طور پر تو آپ ﷺ نے پھینکی تھی تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے نبی جو ہوتا ہے رب سے جدا نہیں ہوتا تو نبی سے مدد مانگنا جائز ہے نبی سے مدد مانگو رب سے مدد مانگو دونوں برابر ہیں۔جواب میں مختصراً عرض کر دیتا ہوں کہ آخری حصہ سے اگر یہ ثابت ہوتا ہے تو آیت کا ابتدائی حصہ بھی تو دیکھو،کہ فرمایا فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم (تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ رب نے ان کو قتل کیا۔) تو قتل تو کیا تھا حضرت علیؓ نے حضرت حمزہؓ نے حضرت ابوعبیدؓ نے تو ان کو بھی تو رب مانو۔بات تو صرف اتنی ہے کہ تمہارے بس میں کچھ نہ تھا رب تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ذالکم مبتدا ہے خبر محذوف ہے البلاءُ حق۔

۲۰۔﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾
ربط: اوپر غزوہ بدر کا ذکر تھا اس میں کامیابی دی اس لئے کہ تقویٰ اور حضور ﷺ کی فرمانبرداری کا جذبہ تم میں علی وجہ الکمال تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ائندہ کیلئے اس کو اپنا شعار بنالو تقویٰ اور اطاعت کرو گے تو فتح ملے گی۔

﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾
اس میں ہ کی ضمیر راجع ہے لفظ اللہ کی طرف۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔
تیسری تفسیر یہ ہے کہ اطیعو اللہ میں اطاعت جو مصدر ہے اس کی طرف راجع ہے اور مصدر مذکر و مؤنث دونوں ہوتا ہے۔

۲۴۔﴿ أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾
شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں کہ روک لیتا ہے اللہ تعالیٰ۔
بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان تفسیر بیان القرآن میں مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو آنے نہیں دیتا اور کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و اطاعت کو نہیں آنے دیتا۔ یعنی مومن کے لئے ایمان اور اطاعت کی وجہ سے کفر و معصیت سے رکاوٹ بن جاتا ہے اور کافر کے لئے کفر و معصیت کی وجہ سے ایمان و اطاعت سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

۲۷۔﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾
حضرت ابولبابہؓ کا اپنے آپ کو ستون کے ساتھ باندھنا:
اوپر ذکر تھا کہ تم نافرمانی نہ کرو گے آگے ان نافرمانیوں میں سے ایک کا ذکر ہے۔ ابولبابہ بن عبد المنذر صحابی ہیں جو یہود کے محلے میں رہتے تھے یہود سے لینے دینے کا معاملہ تھا حضور ﷺ نے ایک وفد بنو قریظہ کے پاس بھیجا ان میں ابولبابہؓ نے اشارہ کیا اور گلے پر ہاتھ پھیر کر قتل کی طرف اشارہ کیا کہ ذبح کریں گے اس وقت ان کو محسوس ہوا کہ میں تو حضور ﷺ کا نمائندہ تھا، آپ ﷺ کی بات میں خیانت کی بیوی کو کہا کہ مجھے ستون کے ساتھ باندھو۔ سات دن بندھے رہنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی جس ستون کے ساتھ حضرت ابولبابہؓ نے اپنے آپ کو باندھا تھا اس کا نام اسطوانۃ ابولبابہؓ ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ بدر کے موقع پر اس لئے کامیابی ہوئی کہ تقویٰ کامل تھا آگے حکم ہے کہ آئندہ اگر ایسا کرو گے تو تم ہی کو غلبہ ہوگا۔

۳۰۔﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾

دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ:

اوپر ذکر تھا کہ جب تم کمزور تھے اور لوگ تمہیں اُچک لینے کی کوشش کرتے تھے یہاں اس کے متعلق واقعہ بیان فرمایا۔ کہ ہجرت سے چند دن قبل کفار نے دارالندوہ میں مشورہ کیا۔ ایک نے کہا کہ آپ کو نظر بند کرو۔۔۔۔ دوسرے نے کہا کہ جلاوطن کردو۔۔۔۔۔۔ تیسرے نے کہا کہ اس کو قتل کردو۔۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلایا اور امانتیں حوالے کیں۔۔۔۔۔ رات کے وقت آپ ﷺ نکلے۔۔۔۔۔۔ ان کے سروں پر مٹی ڈال دی

۳۳۔﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

(۱) هم ای الکفار کعبہ میں طواف کرتے تو کہتے غفرانک اور ایک تفسیر قیل کے ساتھ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ هم ضمیر کا مرجع مومنین ہیں کہ مومنین جب تک استغفار کرتے رہیں گے اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

۳۸۔﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾

ربط: بدر والوں کی بات چل رہی تھی کچھ مارے گئے کچھ گرفتار ہوئے آگے فرمایا کہ تم کہہ دو ان لوگوں کو جو کافر ہیں کہ اگر تم رُک جاؤ گے تو تمہارے پہلے کئے ہوئے گناہ معاف ہوں گے۔

۴۱۔﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾

ربط: اوپر پڑھا يسئلونک عن الانفال آگے اس کی تشریح کرتے ہیں۔

(۱) فانّ للّٰه خمسه میں اللہ کا نام تبرک کیلئے ہے یعنی اللہ کا حصہ برکت کے لئے

(۲) اللہ کے حکم سے تقسیم کرو۔

۴۳۔﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا﴾

غزوہ بدر سے چند روز قبل خواب دیکھنا:

بدر کی روانگی سے چند دن قبل آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ تھوڑے سے لوگ ہیں جن سے ہم لڑ رہے ہیں تو اس سے مسلمانوں کی ہمتیں بلند ہوئیں۔

سوال: یہ ہوتا ہے کہ نبی کا خواب حقیقت ہوتی ہے آپ ﷺ نے خواب میں کفار کو کم دیکھا حالانکہ حقیقت میں کفار مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے؟

جواب: تفسیر کبیر، روح المعانی، البحر المحیط، بیضاوی میں ہے کہ خواب کی حقیقت اور ہوتی ہے اور صورت اور ہوتی ہے۔ قلت سے مراد شکست تھی عادۃً قلت والوں کو شکست ہوتی ہے۔

۴۵۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾
ربط: پہلے ذکر تھا کہ بدر کے دن ہم نے تم کو امداد دی۔ بدر میں جو خوبیاں تم میں تھیں ان کی برکت سے اللہ نے تم کو کامیاب کیا۔ یہاں کامیابی کے اصول بیان فرمائے کہ مسلمان کافروں سے لڑیں تو ان اصولوں کو اپنائیں تو کامیابی نصیب ہوگی۔
۴۵۔﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾
حافظ ابن کثیرؒ نے روایات پیش کی ہیں ایک روایت زید بن ارقمؓ سے ہے کہ تین مقامات پر خاموش ذکر افضل ہے۔
(۱)عند التلاوة
(۲)عند الزحف میدان جہاد میں، نعرہ تکبیر زور سے لگاؤ ضرورت کے وقت۔
(۳)عند الجنازة جنازہ کے وقت آہستہ ذکر افضل ہے۔
۴۹۔﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾
ربط: اوپر سے بدر کا قصہ چلا آ رہا تھا تو یہ آیات بھی بدر کے متعلق ہیں، مدینہ منورہ سے جب یہ کمزور تھوڑے سامان والے مسلمان کفار سے لڑنے جا رہے تھے تو منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں نے کہا کہ ان کو اپنے دین نے دھوکے میں ڈالا کیونکہ ظاہری اسباب کمزور تھے۔
والذين في قلوبهم مرض، بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ضعیف الاعتقاد ہیں۔
۵۱۔﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾
کدأب آل فرعون کے تکرار پر سوال وجواب:
یہ ہے خبر مبتدا محذوف ہے دأب هؤلاء كدأب ال فرعون یا دأبهم كدأب ال فرعون (آیت ۵۲۔۵۴)
سوال: اس پر سوال لگا کہ یہاں كدأب ال فرعون کا تکرار ہے اور تکرار اچھا نہیں ہوتا۔
جواب: یہ ہے کہ تکرار نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔
لفظی فرق یہ ہے کہ پہلے (آیت ۵۲) میں ہے كدأب ال فرعون والذين من قبلهم كفروا بايت الله فاخذهم الله بذنوبهم الخ اور دوسری جگہ (آیت ۵۴ مین) ہے كدأب آل فرعون وَالَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ كَذبوا بِاٰيٰتِ ربهم فاهلكنهم بذنوبهم و أغرقنا ال فرعون.
معنوی فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں اجمال ہے اور دوسری آیت میں تفصیل ہے کہ ان کو ہلاک کیا اور غرق کیا۔
۵۵۔﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾
ربط: اوپر غزوہ بدر کا ذکر تھا اب آگے بنو قریظہ کا ردشروع ہوا۔ بدر کی لڑائی کا سبب ایک یہ تھا کہ یہود نے کفار مکہ کو حملہ پر آمادہ کیا کمار واہ ابو داؤد اور اسباب میں تنافی نہیں ہے حالانکہ یہود بنی قریظہ کا آپ ﷺ سے معاہدہ تھا انہوں نے معاہدہ توڑا، ان کا ذکر ہے۔
۵۹۔﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴾
ربط: جہاد کا ذکر تھا اب آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر اگر کسی موقع پر چھوٹ جائیں یا بچ جائیں تو یہ نہ سمجھیں کہ وہ چھوٹ گئے بلکہ اگلی دفعہ ہاتھ میں آئیں گے، بدر میں جورہ گئے۔

۶۱۔﴿ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾
اوپر جنگ کا ذکر تھا آگے صلح کا ذکر ہے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صلح کی پیشکش تم نہ کرو کیونکہ اس وقت تم میں کمزوری محسوس کی جائے گی، ہاں اگر وہ پیشکش کریں تو ٹھیک ہے۔

۶۳۔﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾
اس سے مراد اوس اور خزرج کے قبیلے ہیں کہ اسلام سے پہلے ان کے درمیان دشمنی تھی اسلام کے بعد اللہ پاک نے ان کے درمیان محبت اور الفت ڈال دی۔

۶۴۔﴿ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾
تفسیر بیضاوی، السراج المنیر، مدارک، ابوسعود میں یہاں دو ترکیبیں ہیں ایک یہ ہے کہ من کا لفظ مفعول ہے اور حسبک میں کاف ضمیر پر عطف ہے۔ دوسرا یہ کہ لفظ اللہ پر اس کا عطف ہے پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ تجھے اور من تبعک کو اللہ کافی ہے دوسری ترکیب کے مطابق معنی ہوگا کہ اے نبی تجھ کو اللہ اور وہ لوگ جنہوں نے تیری پیروی کی کافی ہیں۔

۶۵۔﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾
ربط: اوپر قتال کا ذکر ہے آگے فرمایا کہ مومنوں کو جہاد پر اُبھاریں۔

۶۷۔﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرٰى﴾۔
بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب:
بدر کی لڑائی میں ستر کافر مارے گئے ستر گرفتار ہوئے اور مسلمانوں میں سے چودہ شہید ہوئے آٹھ انصار اور چھ مہاجر۔ ان ستر قیدیوں کے بارے میں اختلاف ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا کیا کرنا چاہئے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ قتل کرنا چاہئے ہر آدمی اپنے عزیز کو قتل کردے، حضرت آپ ﷺ عباس کو، علی عقیل کو، اور میں اپنے ماموں کو اور ابوبکر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو۔ ابوسعود نے لکھا ہے کہ سعد بن معاذؓ کی رائے عمرؓ کے ساتھ تھی باقی صحابہ خاموش تھے ابوبکر صدیقؓ ٹھنڈی طبیعت کے آدمی تھے سنجیدگی سے بات کرتے، فرمایا کہ عمرؓ نے صحیح بات کی ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں کو اگر قتل کردیں تو اس میں اسلام کی بھی اور آپ کی بھی بدنامی ہوگی دوسری بات یہ کہ اگر قتل کردیں تو کفار کی عداوت اور بڑھ جائے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ان میں سے کسی کو توفیق ہوجائے اور اسلام قبول کرلے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ ابوبکر ایسا لگتا ہے کہ بیٹے کی محبت غالب آئی فرمایا لا واللہ اسلام کو ذلت سے بچانے کیلئے، اس موقع پر ان حضرات نے کہا کہ حضرت ان سے فدیہ لے لو، ہر ایک سے چار چار سو درھم اگر کوئی فدیہ نہ دے سکتا ہو تو پڑھے ہوئے ان پڑھوں کو خط سکھلائیں۔
مسند احمد میں ہے کہ اللہ کا عذاب درخت کے قریب آگیا تھا اس وجہ سے کہ تم نے مال کی بات کی اور لالچ کی، خدا کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی۔
بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ اس سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر عذاب آتا تو آپ بھی نہ بچتے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں نیز قرآن میں آتا ہے ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم کہ جب تک آپ ان میں ہوں گے اللہ نہیں چاہتا کہ ان کو عذاب دے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر عذاب آتا تو آپ ﷺ بچ جاتے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور وہ نہ بچتے۔
۶۸۔﴿ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ ﴾
تفسیر کبیر، روح المعانی، معالم التنزیل، فوائد عثمانیہ میں یہاں بہت باتیں ہیں۔
(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ طے ہوا تھا کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ کی اُمت کو سزا نہ ہوگی۔
(۲) اہل بدر کے لئے اللہ کا یہ فیصلہ ہے اعملوا ماشئتم لقد غفرت لکم
(۳) مجتہد کو اجتہادی غلطی کی وجہ سے سزا نہیں ہوتی مجتہد کے بارے میں فرماتے ہیں المجتهد قد یخطی و قد یصیب.
(۴) جب تک صریح نہی پہلے نہ ہو تو سزا نہیں ہوتی یہاں پر بھی صریح نہی پہلے نہ تھی اس لئے سزا نہ ہوئی۔
۷۰۔﴿ يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ أَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْأَسْرٰى ﴾
ربط: اوپر بدر کے قیدیوں کا ذکر تھا آگے ان قیدیوں کے متعلق حکم ہے۔
۷۲۔﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ ﴾
پانچ چیزوں کی وجہ سے وراثت سے محرومی ہوتی ہے
مثلاً ایک بھائی مومن ہے ہجرت کی اس کا بھائی مومن ہے لیکن دارالحرب میں رہتا ہے تو وراثت نہیں ملے گی کیونکہ پانچ چیزوں کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوتا ہے کما فی السراجی.
(۱) غلامی (۲) قتل (۳) اختلاف دین (۴) اختلاف دار (۵) یہ کہ نبی کی اولاد ہوں۔

دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریفات:

بعض نے دارالاسلام کی تعریف یوں کی ہے کہ من اوله الی آخره اس میں اسلام کے احکام نافذ ہوں
دوسری یہ کہ دارالاسلام وہ ہے کہ جس میں اسلام کے اہم ارکان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔
دارالحرب وہ ہے جہاں کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان کو عبادت نہ کرنے دیں ایسا دارالحرب کوئی نہیں ہے۔
۷۴۔﴿ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾

روافض کی تکفیر کا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے یہاں نہ تبعیض کا لفظ بولا ہے اور نہ من تبعیضیہ لایا ہے بلکہ فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور مہاجر ہیں۔۔۔۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک رسالہ فارسی میں لکھا ہے" ردروافض" اردو میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا۔
حضرت سے سوال کیا گیا کہ روافض کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا کہ یہ کافر ہیں۔
(۱) قرآن میں تحریف کے قائل ہیں۔
(۲) صحابہؓ کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ قرآن کہتا ہے أولئک هم المؤمنون حقًّا۔
(۳) اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے پاس وحی آتی ہے نیز وہ اپنے اماموں کا درجہ نبیوں سے بڑھاتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ نبی کسی چیز کو حلال اور حرام کرتے ہیں لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ لهم یحلون مایشاؤون و یحرمون ما یشاؤون ۔عوام تو عوام ہیں بعض علماء بھی شیعہ کی تکفیر میں تردد کرتے ہیں

(۱) ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ شیعہ تقیہ کرتے ہیں اور تقیہ والے کا پتہ نہیں چلتا۔
(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اور ہیں اور متاخرین علماء کے ہاں اور۔ متقدمین کے ہاں شیعہ وہ ہیں جو تمام صحابہؓ کو مسلمان سمجھیں خلافت راشدہ ہماری طرح مان لیں صرف حضرت علیؓ کا درجہ ابوبکر صدیقؓ سے بڑھائے یہ ان کے ہاں کافر نہیں متاخرین ان کو مطلقاً کافر سمجھتے ہیں ان کے کفر میں رتی برابر شک بھی نہیں ہے۔

سورة التوبة

۱۔﴿ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

ربط: تفسیر کبیر، ابوسعود، سبق الغایات، بیان القرآن وغیرہ میں وہی ربط لکھا ہے جو حضرت عثمانی نے بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ پہلی سورۃ میں جہاد کا مضمون تھا اور اس میں بھی یہی مضمون ہے۔

یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ باقی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ ہے اس میں کیوں نہیں؟

جواب: باقیوں کے بارے میں حضور ﷺ سے سنا ہے اس کے بارے میں نہیں سنا نیز مضمون ان دو سورتوں کا ملتا جلتا ہے اس وجہ سے ان کے ساتھ ملایا۔ روح المعانی، بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ اوپر سے پڑھتے چلے آ ؤ تو بسم اللہ نہ پڑھو اور اگر یہیں سے تلاوت شروع کرنی ہے تو پڑھو۔

اعلان براءت کے سلسلے میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر:

بیان القرآن، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ یہاں چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔

نمبر۱۔ جن کے ساتھ معاہدہ تھا انہوں نے توڑ دیا۔

نمبر۲۔ وہ قبیلہ بنوضمرہ اور بنومدلج والے جن کے ساتھ نو (۹) ماہ باقی تھے۔

نمبر۳۔ وہ قبیلہ تھا جن کے ساتھ معاہدہ میں کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔

نمبر۴۔ جن سے کوئی معاہدہ نہیں تھا اس میں کفار کے دو گروہ تھے بنوخزاعہ اور بنوبکر ان میں سے بنوخزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اور بنوبکر قریش کا حلیف تھا ان کی آپس میں لڑائی ہوئی قریش نے بنوبکر کا ساتھ دیا۔ بنوخزاعہ والے آپ کے پاس آئے اور گواہوں سے ثابت کیا کہ ہمارے مخالفین کے ساتھ قریش مکہ بھی شریک تھے۔ آپ ﷺ نے مشرکین کو پیغام بھیجا کہ تم نے معاہدہ توڑا ہے یا تو دیت دے دو یا معاہدہ ٹوٹا سمجھو۔ آپ ﷺ کے نمائندے جب واپس آئے تو مشرکین کو کچھ ندامت ہوئی کہ یہ ہم نے غلط بات کہی حضور ﷺ کے نمائندوں سے لہٰذا انہوں نے تجدید معاہدہ کیلئے ابوسفیان کو بھیجا وہ آئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک مقتولوں کی دیّت نہ دو معاہدہ نہیں۔ اس نے کہا کہ دیّت کی باتیں چھوڑ دو تو آپ ﷺ نے براءت کا اعلان کر دیا۔

۷۔﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾

ربط: اوپر کفار کے معاہدے کا ذکر تھا کہ انہوں نے قدر نہیں کی آگے اس سلسلہ میں فرمایا کہ اللہ کے ہاں مشرکین کے عہد کی کیا حیثیت ہے۔

۱۷۔﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ وقاتلوا ائمة الکفر کہ ائمہ کفر کو قتل کرو تو بعض مشرکین نے کہا کہ ہم مسجدیں آباد کرتے ہیں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں نیک کام کرتے ہیں اللہ نے اس کا جواب دیا۔

۱۹۔﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ﴾

سقاية الحاج یہ مشبہ ہے اور کمن اٰمن به یہ مشبہ بہ ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ مشبہ صفت اور مشبہ بہ ذات ہے حالانکہ ذات کا حمل صفت پر صحیح نہیں؟

جواب: آپ کو جلالین تک ملے گا کہ سقایۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے ای أجعلتم اهل سقاية الحاج يا اهل ذالک تا کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مناسبت آ جائے۔

اشکال نحوی:

یہ ہے کہ یہاں أعظم کا لفظ ہے جو اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل میں غیر پر زیادتی مقصود ہوتی ہے۔ پہلے مشرکین کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومنوں کا درجہ بڑا ہے اور کافروں کا درجہ تو ہے لیکن بڑا نہیں ہے یعنی مشرکوں کا عمل بھی وزن والا ہے حالانکہ کافروں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حبطت اعمالهم ۔

جواب: جمل اور کمالین میں دو جواب دیئے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ أعظم کا لفظ بنسبت مسلمانوں کے ہے یعنی مومن دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے جہاد کیا اور ہجرت کی اور دوسرے وہ جو یہ کام نہ کر سکے تو جنہوں نے جہاد اور ہجرت کی ان کا درجہ بڑا ہے۔

(۲) کافر اپنے زعم میں اپنے کاموں کو بڑے درجے کا سمجھتے تھے۔

۲۴۔﴿فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ﴾

ابوداؤد، مسند احمد، جامع الصغیر للسیوطیؒ میں روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اذا تبايعتم بالعينة وأخذتم بأذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلّط الله عليكم ذُلًّا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم اى جهادكم'' حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

۲۵)﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾

غزوہ حنین کا بیان:

اوپر قتال کا ذکر تھا آگے اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا لیکن مشروط بالتقویٰ ہے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا عرب کے دو قبیلے ہوازن اور ثقیف نے اتفاق کیا کہ قریش تو ہار گئے ہم میدان میں نکلیں انہوں نے عورتوں بچوں سمیت حاضری دی اور کمانڈر درید ابن حمہ جو کہ نابینا تھا اس نے کہا کہ آوازیں کیسی ہیں تو جواب ملا کہ بچے اور عورتیں ہیں تو اس نے کہا کہ حماقت کی تم نے، خیر انہوں نے نہ مانا مسلمان بارہ ہزار تھے ان میں دو ہزار نومسلم تھے۔ مسلمانوں میں سے کسی کی زبان سے نکلا کہ آج ہم بہت ہیں افراد کی کمی کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے تو آپ کو بہت ناگوار گزرا۔ خیر لڑائی شروع ہوئی، بنو ہوازن کے لوگ تیراندازی میں بہت ماہر تھے انہوں نے تیراندازی شروع کی تو پہلے مسلمانوں کو تیروں کی وجہ سے میدان چھوڑنا پڑا پھر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت! ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ! ادھر آؤ حضرات صحابہؓ آواز دے کر لبیک لبیک کہتے رہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اب دوبارہ جنگ شروع ہوئی۔ اور کامیابی حاصل ہوئی چار ہزار قیدی بنائے یہ لڑائی حنین کے مقام پر ہوئی۔

۲۸۔﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾

نجس مصدر اور وصف ہے اس کا حمل مشرکون پر جو کہ ذات ہے کیسے ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں:۔

(۱) ایک یہ ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے ای انما المشركون ذو نجسٍ أى صاحب نجس

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ نجس مصدر کا مبالغۃً حمل کر دیا زیدٌ عدلٌ کی طرح۔

۲۹۔﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾
ربط: اوپر مشرکین سے لڑنے کا ذکر تھا آگے اہل کتاب کے ساتھ لڑنے کا ذکر ہے۔
۲۹۔﴿ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾
احسان الباری لفہم البخاری میں ہے کہ کافر جوان تندرست ہو غیر معذور۔ اگر مسلمان حکومت اس کو فوجی بنانے پر مطمئن ہو جائے تو اس کو فوجی بنائے اور اگر مسلمان حکومت کو اطمینان نہ ہو یا وہ خود فوجی نہ بنے تو ایسے شخص سے جزیہ لیا جائے گا۔
۳۰۔﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾
ربط: اوپر پڑھا کہ اہل کتاب سے لڑو آگے وجہ بیان کی کہ وقالت اليهود عزير بن الله الخ نیز اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے مولوی پیروں کو بھی رب بنالیا۔
یہاں پر ترمذی میں، مسند احمد میں ہے کہ عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوا اس نے کہا کہ میں پہلے پادری تھا مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے مولویوں اور پیروں کو تو (رب) نہیں بنایا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ آپ کے مولوی جو بغیر شرعی ثبوت کے جو کچھ بتاتے تو تم مانتے تھے یا نہیں تو کہا کہ ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو رب بنانا ہے کہ اسکو معصوم بنایا ہے۔
۳۳﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾
الدین پر الف لام جنس کا بمعنی ادیان کے ہے کیونکہ آگے لفظ کل ہے اور وہ (لفظ کل) جمع کی صفت واقع ہوتی ہے نہ کہ مفرد کی (یہ صاحب کشاف نے کہا ہے)۔
۳۴﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾
سوال: یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع ذھب اور فضة ہے اور وہ تثنیہ ہے اور ضمیر مفرد کی ہے تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع سونا اور چاندی نہیں بلکہ اموال ہے لہذا ضمیر اموال کی طرف راجع ہے باعتبار جماعۃ کے۔
(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سونا تو قیمتی چیز ہے وہ تو نہیں دیتے چاندی بھی نہیں دیتے لہذا ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع ہے۔
(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یکنزون سے جو کنوز کا معنی مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہے۔
۳۶﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا ﴾
ربط: پہلے مشرکین اور اہل کتاب کا ذکر تھا آگے پھر مشرکین کا ذکر ہے اور ان کی ایک قباحت کا بیان ہے۔
یہاں: یہ بحث چلتی ہے کہ آیا ان مہینوں میں اب لڑائی جائز ہے یا نہیں تو تفسیر ابو سعود وغیرہ میں ہے کہ باجماع الصحابہ اب جائز ہے اور عطاء خراسانی نے کہا کہ قاتلوا المشركين كآفة اس کے لئے ناسخ ہے۔
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمْ﴾
غزوہ تبوک کا بیان:
آگے کئی رکوع مسلسل غزوہ تبوک کے متعلق ہیں ربط یہ ہے کہ یہ لڑائی رومیوں سے تھی اور ہوئی نہیں۔ اور تھے

دو اہل کتاب۔ پہلے بھی کہا گیا تھا کہ اہل کتاب سے لڑائی کرو چنانچہ اس لڑائی کا ذکر ہے ابو عامر راھب نے قیصر روم ہرقل کو لڑائی کیلئے تیار کیا۔ مسلمانوں کو عرب کی آخری سرحد جو تبوک پر تھی دفاع کیلئے گرمی کے موسم میں لمبی مسافت طے کرنی تھی اور کھجوریں پکی چھوڑ کر جنگجو قوم کے سامنے جانا تھا۔ تیس ہزار، بیس ہزار، ستر ہزار تک کی روایات ہیں۔ کہ اتنے مسلمان تھے اس میں منافقین نے بہانے کئے۔ مسلمانوں میں سے تین خاص اور سات غیر خاص مسلمان پیچھے رہ گئے یہاں اللہ تعالیٰ نے برانگیختہ کیا تنبیہ فرمائی۔

﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ ﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے بعض کہتے ہیں حضور ﷺ کی طرف (اس مقام پر حضرت شیخ نے بتلایا کہ ایک حدیث کی تلاش میں میں نے ایک پہاڑی علاقے کا پیدل سفر کیا اور اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھا)

خوف اور حزن میں فرق:

حزن اپنی ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے خوف غیر کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

﴿انفِرُوا خِفَافاً وَثِقَالًا﴾

اس کی کئی تفسیریں ہیں بعض نے خفاف اور ثقال کا معنی امیر اور غریب کیا ہے بعض نے خفاف کا معنی جو بالکل تندرست ہو ثقالاً جو بالکل تندرست نہ ہو۔ لو کان عرضا۔ کان کیلئے اسم ماکان تدعوھم الیہ ہے

﴿عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ ﴾

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک سے رہ گئے:

ربط: غزوہ تبوک کا سلسلہ جاری ہے کچھ ہوشیار قسم کے منافق آپ ﷺ کے پاس آکر بہانے کرنے لگے کسی نے کہا کہ میرا خادم بکریاں چرانے والا بھاگ گیا کسی نے کہا کہ ماں مرگئی تو کفن دفن کون کرے گا کسی نے کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے مثال کے طور پر تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ انکو اجازت نہ دینی تھی آپ نے قبل از امتحان کیوں چھٹی دی۔

۴۷۔ ﴿وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ تم ایسے سادے لوگ ہو کہ ان کی باتوں کو جلد مان لیتے ہو۔ (بعض محدثین فرماتے ہیں کہ جس سند میں صوفی آجائے تو اس روایت سے ہاتھ دھو لو کیونکہ صوفی صاف دل والے ہوتے ہیں اتنی تحقیق نہیں کرتے۔) دوسرا یہ کہ تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔

واقعہ: ایک منافق تھا جس کا نام جد بن قیس تھا آپ ﷺ کے پاس آیا کہنے لگا میں تو جاتا ہوں لیکن میں ہر جائی ہوں (عورتوں کی طرف جلدی مائل ہونے والا) اگر رومیوں کی عورتیں نظر آجائیں وہ تو بہت خوبصورت ہوتی ہیں تو میں تو وہیں کا ہو جاؤں گا۔ یہ تفسیر آپ کو جلالین، بیضاوی، روح المعانی وکبیر وغیرہ میں ملے گی۔

۵۲۔﴿ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ ایک الظفر دشمن کے مقابلے میں کامیاب ہونا دوسرا الشھادۃ ہے

۵۴۔﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ﴾ ما منعھم کا فاعل الاّ انھم کفروا ہے

۵۷۔﴿وَهُمْ يَجْمَحُونَ﴾ فرس جموح لگام میں گھوڑا بے قابو ہو گیا یا سرکشا تا ہوا گھوڑا آگے کو نکل گیا۔

۵۷۔﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا﴾ یہ شرط ہے لکان خیراً لھم جزا ہے۔

٦٠۔﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ صدقات کی تقسیم میں وہ آپ ﷺ پر عیب لگاتے تھے آگے فرمایا کہ دیکھو زکوٰۃ کے مصارف تو اللہ تعالیٰ نے خود بتائے ہیں۔ فقیر وہ ہے کہ من لایملک قوتا اور مسکین من لانصاب لهٗ .

﴿والعٰملین علیها ﴾ روح المعانی میں ہے کہ عامل سید نہیں بن سکتا ہے۔

﴿والمو لفة قلوبهم﴾

ابتداء اسلام میں کافروں کو تالیف قلب کیلئے دیتے تھے پھر یہ حکم منسوخ ہوا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی دیا جا سکتا ہے۔ بقیہ ائمہ سقوط کے قائل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ جو نیا مسلمان ہو اس کو زکوٰۃ دے دو تا کہ اسلام پر قائم رہے۔

﴿والغارمین﴾

غارم کے دو معنی کرتے ہیں ایک یہ کہ جس پر دفعۃً تاوان آئے مثلاً سارا سامان بہہ گیا۔ دوسرا معنی کرتے ہیں کہ غارم بمعنی ضامن وہ شخص جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کرادے اور رقم تاوان کا وہ ضامن بن جائے۔

٦١۔﴿ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ أُذُنٌ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ ہے کہ منافق آپ ﷺ کے خلاف باتیں کرتے تھے دوسرے اُن کو منع کرتے تھے تو اس کو کہا جاتا کہ وہ تو محض کان ہے پیچھے نہیں پڑے گا۔

دوسری تفسیر کرتے ہیں کہ اس تک تمہاری باتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ پہلی تفسیر کبیر وروح المعانی وغیرہ میں ہے۔

٦٢)﴿ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوْهُ﴾

اہل بدعت اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول ایک چیز ہے کیونکہ یرضوہ میں ہ ضمیر مفرد ہے اور دونوں کی طرف راجع ہے۔ بیضاوی، کمالین، روح المعانی میں اس کی تین تفسیریں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے اور رسولہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی واللّٰه أحق ان یرضوه ورسولهٗ احق ان یرضوه۔

(۲) دوسری تفسیر یہ کہ لفظ رسول قریب ہے اس کی طرف راجع کرو اور لفظ اللہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے ای اللّٰه احق ان یرضوه ۔

(۳) تیسری تفسیر یہ ہے کہ ضمیر مفرد کی اس لئے لائے کہ دونوں کی رضا لازم ملزوم ہے رسول راضی ہوگا تو اللہ راضی، اللہ راضی تو رسول راضی اور اگر ایک ناراض ہوگا تو دوسرا بھی ناراض ہوگا تو گویا ان کے رضا میں تلازم ہے۔

٦٤۔﴿ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُوْنَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ ﴾

منافقین کی شرارتوں کا تذکرہ:

غزوہ تبوک میں چند منافق تھے دیکھا کہ رات کا وقت ہے اسلام اور آپ ﷺ کے خلاف باتیں کیں، کسی مخلص نے سن لیا ایک منافق سے کہا یہ باتیں نہ کہو سورۃ نازل ہوگی اُن کو پتہ چل جائے گا۔ صبح کے وقت آپ ﷺ نے ان کو بلایا تو کہنے لگے کہ ہم دل لگی کی باتیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۶۶۔﴿ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنكُمْ﴾
اس سے مراد وحشی ابن حمیر منافق تھا بعد میں مسلمان ہوا اور یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوا۔
۶۷۔﴿ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾
ربط: اوپر منافقین کا ذکر تھا آگے ان کے اوصاف کا ذکر ہے۔
۶۹۔﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً ﴾ای انتم یآیها المنفقون كالذين من قبلكم الخ
﴿خضتم كالذى خاضوا﴾
علامہ سیوطیؒ الذی کو حرف مصدریہ بناتے ہیں معنی کرتے ہیں خضتم كخو ضهم۔
جبکہ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ الذی جنس کے درجہ میں ہے واحد اور کثیر سب کیلئے آتا ہے الذی بمعنی الذین معنی کرتے ہیں خضتم کا لذین خاضوا ۔
﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾
ربط۔ اوپر منافقین اور ان کے انجام کا ذکر تھا آگے مومنین اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ وبضدها تتبين الاشياء۔
﴿ يَآَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾
ربط: اوپر منافقوں کا ذکر تھا پھر مناسبت سے مومنین کا ذکر تھا پھر کفار کا ذکر ہے اور منافقین کا ذکر ہے۔ کہ جاهد الكفار والمنافقين۔

شیعہ کا صحابہ کے نفاق پر استدلال:

شیعہ نے اس آیت سے صحابہ کے نفاق پر استدلال کیا ہے کہ جاهد الكفار والمنافقين میں واؤ بمعنی مع کے ہے لہٰذا پہلے منافق صحابہ ہیں۔ اس کا مفصل جواب ہم نے متن متین میں دیا ہے اور رضی نے لکھا ہے کہ قرآن میں نصًا وصراحةً کہیں بھی مفعول معہ نہیں آیا۔ علم النحو میں رضی سے بڑا نحوی نہیں گزرا اگرچہ تھا شیعہ اس نے ایک لفظ کی سات لاکھ ستر ہزار ترکیبیں لکھیں ہیں۔
۷۴۔﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا ﴾

منافقین کا آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ:

منافقین نے لثام (نقاب) باندھ کر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا آپ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے آپ کے ساتھ دو صحابی تھے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار تو منافقین کی جماعت چھپ کر بیٹھ گئی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے بددعا کی وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئے صرف ایک جُلاس ان میں سے مسلمان ہوا۔
۷۵)﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾

ثعلبہ ابن ابی حاطب بدری صحابی نہیں بلکہ اس نام کا کوئی دوسرا ہے:

ایک شخص ثعلبہ ابن حاطب نے آپ ﷺ سے آکر کہا کہ میں بڑا غریب ہوں دعا کریں میں مالدار ہو جاؤں، آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ عبادت سے غافل کر دے گا تو اس نے کہا کہ میں پابندی کروں گا، تو آپ ﷺ ... بہت سا مال حاصل ہوا پہلے جماعت چھوٹی بعد میں جمعہ چھوٹا حتی کہ زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور پھر آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ لایا لیکن آپ ﷺ کے ہاں قبول نہ ہوئی، صدیقؓ کے ہاں قبول نہ ہوئی عمرؓ کے ہاں قبول

نہ ہوئی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فوت ہوا (حضرت شیخ کا تأثر اس کے بارے میں یہ ہے کہ ثعلبہ بدری صحابی ہے اور بدر میں شہید ہو گیا تھا یہ اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے۔ بدری صحابی کیسے منافق ہوسکتا ہے) ذھبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ طبرانی کے حوالے سے یہ ہے کہ ثعلبہ ابن ابی حاطب تھا تو معلوم ہوا کہ وہ رجل آخر ہے۔

14
14

۷۹۔﴿ الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ کو چار ہزار درھم کی تھیلی پیش کی منافقوں نے کہا کہ یہ شہرت کے لئے اس نے ایسا کیا۔

۷۹۔﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ ﴾

ابوعقیل بن حجاب صحابی گھر آئے پوچھا کچھ ہے گھر والی کہنے لگی کہ کچھ بھی نہیں۔ یہ یہودی کے پاس گیا کہا کہ تیرے باغ کو پانی دوں گا ڈول کھینچ کر تو اس کے بدلے کیا دیگا وہ کہنے لگا کہ دو صاع کھجور۔ اس نے پوری رات ڈول کھینچ کر باغ کو سیراب کیا۔ معاوضہ میں جو کھجوریں ملیں وہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ اس پر منافقین نے تمسخر کرنا شروع کیا کہ کیا ضرورت تھی پوری رات کبڑا ہوتا رہا۔

۸۰۔﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾

عبداللہ بن ابی کا نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے استغفار کرنا:

عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہ مسلمان تھا۔ باپ مشرک تھا اس نے کہا کہ باپ مر گیا ہے اس کیلئے دعا کریں اور نماز جنازہ پڑھائیں آپ نے پڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہزار مرتبہ اس کے لئے استغفار مانگیں تو معاف نہیں ہوگا۔

۸۱۔﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾

ربط: اوپر سے منافقوں کا ذکر چلا آرہا ہے تبوک کے سفر میں جو منافق شریک نہیں ہوئے تھے ان کو نفس امارہ نے پیچھے چھوڑا اور شیطان نے پیچھے چھوڑا وہ منافق اس پر خوش ہوئے۔

۸۷۔﴿ رَضُوْا بِأَنْ يَكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ﴾

خوالف جمع ہے خالفة کی اور فاعل کا صیغہ ہے پیچھے رہنے والی۔ لیکن تاج العروس قاموس وغیرہ میں جمع مذکر ہے۔ جیسے فوارس فارس کی جمع ہے تو معنی ہوگا پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جیسا یہ خالفة صفت ہے امراۃ کی اس طرح یہ مذکر کی صفت بھی ہے جیسے شاہد کی جمع شواہد اور داجن کی جمع دواجن۔

۹۰۔﴿ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ ﴾

ربط: پہلے ان منافقین کا ذکر تھا جو شہری تھے اب دیہاتیوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی عدم شرکت کی چھٹی لی۔ بعض آئے نہیں چھٹی لینے کیلئے کہ انکو تو رومیوں نے ختم کر دینا ہے ہمیں چھٹی کی کیا ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے انجام بتا دیا۔

۹۲۔﴿ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ﴾

چھ آدمی آئے ان میں سے ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے انہوں نے سوال کیا کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں سواری چاہیئے غریب ہیں آپ ﷺ نے انکار فرمایا تو وہ رونے لگ گئے آپ ﷺ نے منع اس لئے کیا کہ سواری نہیں تھی اتفاقاً سواریاں آگئیں تو آپ نے ان کو بلایا سواریاں دیں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

﴿يَعۡتَذِرُوۡنَ إِلَيۡكُمۡ إِذَا رَجَعۡتُمۡ إِلَيۡهِمۡ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنۡ أَخۡبَارِكُمۡ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ إِلٰى عَالِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾

اہل بدعت کا نبی کے حاضروناضر ہونے پراستدلال:

ربط: یہاں ان منافقین کا ذکر ہے جنہوں نے چھٹی نہ لی، پہلے ان منافقوں کا ذکر تھا جنہوں نے چھٹی لی تھی "قد نبأنا اللّٰہ من اخبارکم" بیضاوی، روح المعانی میں ہے کہ من تبعیضیہ ہے۔اہل بدعت کا خیال ہے کہ نبی حاضر ناظر ہے۔نبی کو چھوڑ ولی کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

استدلال "سیری اللّٰہ عملکم ورسولہ ثم تردون الی عالم الغیب والشهادة" سے کرتے ہیں۔ان کو ہم جواب دیتے ہیں کہ اگر اس آیت سے حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس آیت سے بھی ثابت کردو "وسیری اللّٰہ عملکم ورسولہ والمومنون" اس صورت میں تو مومنین بھی حاضر ناظر ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ چند منافقوں کے عمل کو دیکھنے سے عالم الغیب ہونا کیسے ثابت ہوگا۔

۹۷۔﴿اَلۡأَعۡرَابُ أَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا﴾

ابوداؤد میں ہے کہ جس نے دیہاتی زندگی اختیار کی اس نے ظلم کیا۔ من تبدی فقد جفا۔

لطیفہ: احیاء العلوم میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایک امام نے نماز میں پڑھا الاعراب أشد کفرا ونفاقا۔اس کے پیچھے جو دیہاتی کھڑا تھا اس نے امام کو ڈنڈا مارا دوسری مرتبہ آیا تو امام صاحب پڑھ رہا تھا "ومن الاعراب من يؤمن باللّٰہ والیوم الآخر" اس دیہاتی نے کہا کہ الآن نفعک العصا اب تجھے اس عصا نے نفع دیا۔

﴿وَالسَّابِقُوۡنَ الۡأَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهَاجِرِيۡنَ وَالۡأَنۡصَارِ﴾

ربط: سبق الغایات، بیان القرآن حقانی وغیرہ میں ہے پہلے منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوہ تبوک سے جان چھڑانے کے لئے بہانے کئے، آگے ان کے مدمقابل مخلص صحابہ کا ذکر ہے۔

﴿وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِإِحۡسَانٍ﴾

روح المعانی، تفسیر کبیر، قرطبی وغیرہ میں اس کی تین تفسیریں کی گئی ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ ایک طبقہ وہ ہے جنہوں نے پہلے ہجرت کی اور ایک نے ان کی پیروی کی اور ایک نے پہلے نصرت کی اور دوسرے طبقے نے اس کی پیروی کی۔دوسری تفسیر یہ ہے کہ والذین اتبعواھم سے مراد تابعین ہیں۔تیسری تفسیر یہ ہے کہ قیامت تک پیروی کرنے والے یعنی تابعین سے لغوی تابعین مراد ہیں۔

﴿وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡأَعۡرَابِ مُنَافِقُوۡنَ﴾

ربط: پہلے منافقین کا ذکر تھا پھر مومنین کا اب پھر منافقین کی طرف عود ہے۔

﴿أَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ﴾

یہ آیت اہل بدعت کے خلاف علم غیب کلی کی نفی کی دلیل ہے اور بعض نے وہ حدیث جس میں منافقوں کو نبی علیہ السلام نے نام لے کر اٹھایا علم غیب کے اثبات میں پیش کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ہے جو کہ کذاب رذیل الناس رافضی ہے اور واضع الحدیث ہے۔

دس صحابہ جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے ان کا تذکرہ

۱۰۳۔﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا﴾

اس سے مراد وہ دس صحابہ ہیں جو غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے ان کا ذکر ہے ان میں سے سات عام تھے پہلے ان کا تذکرہ ہے اور اس سے پہلے منافقین کا ذکر تھا۔

۱۰۶۔﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾

دوسرے تین خاص مومنوں کا تذکرہ اس میں ہے۔ تفسیر روح المعانی، درمنثور وغیرہ میں ہے کہ سات عام تھے، تین خاص تھے، ان کا آگے ذکر ہے۔ سات عام تھے ان کی توبہ جلدی قبول کی پہلے ان سات کا ذکر ہے اور ان میں سے جو خواص تھے ان کی توبہ جلد قبول نہ ہوئی۔

۱۰۷۔﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾

مسجد ضرار کی بناء:

مسجد قبا کے قریب بارہ منافق تھے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ ہم مسجد کے نام سے بدمعاشی کا اڈہ بناتے ہیں۔ مقصد یہ ہوگا کہ لوگ نہ مسجد نبوی میں جائیں گے اور نہ مسجد قبا میں اس طرح وہ تبلیغ سے رہ جائیں گے اور اسلام ان کے ذہن سے آہستہ آہستہ مٹ جائے گا نیز ابو عامر راہب جو ان کا پوپ تھا وہ بھی یہاں آکر ٹھہرے گا۔ غزوہ تبوک کی طرف جانے کی آپؐ تیاریاں کر رہے تھے منافقین آپ ﷺ کے پاس آئے کہنے لگے کہ حضرت ضرور تشریف لائیں اور ہماری مسجد کا افتتاح کر دیں آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تو میں جنگ تبوک کی تیاریوں میں ہوں، واپسی پر حاضر ہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ پھر آپؐ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن سکن، وحشی بن حرب ان مسلمانوں کو بھیجا کہ جاؤ مسجد کو آگ لگا دو۔ بعد میں انہوں نے بڑا پروپیگنڈا کیا کہ رحمۃ للعلمین بنے پھرتے ہیں اور مسجدوں کو آگ بھی لگاتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ﴾

دیانند سرسوتی کا اعتراض اور مولانا قاسم نانوتوی کا جواب:

ربط: اوپر جہاد سے گریز کرنے والوں کا ذکر تھا۔ ان میں دس مسلمان اور باقی منافق تھے۔ آگے ان صحابہ اور مومنین کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی جانیں پیش کیں۔ یہاں پر اشتری کا لفظ مجازی ہے ورنہ تو اشتراء ملکیت پر بولا جاتا ہے۔ جو چیز ملکیت میں ہو اس کو بیچا جاتا ہے۔ جبکہ مومنین کی جان تو اپنے قبضہ میں نہیں بلکہ اللہ کی قدرت میں ہوتی ہے۔ دیانند سرسوتی اعتراض کرتا ہے۔ ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر پر کہ کیا خدا چوری اور زنا پر بھی قادر ہے۔ تو اس کا جواب مولانا قاسم نانوتوی نے انتصار الاسلام میں دیا ہے کہ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آپ غیر کی ملک ثابت کریں تو چوری ہم ثابت کرتے ہیں اور غیر کی ملک ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ سب کچھ اللہ کا ہے اور چوری تو وہ ہوتی ہے کہ غیر کے مال کو لیا جائے جب ساری دنیا و مافیھا خدا کی تو چوری کس طرح! دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ زنا کے لئے جسم اور جسمانیت ضروری ہے، آپ یہ ثابت کریں ہم زنا ثابت کر دیں گے۔

۱۱۲۔﴿اَلسَّآئِحُوْنَ﴾

ابن کثیر، ابن جریر، درمنثور، معالم التنزیل میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "سیاحۃ امتی الصوم" اس حدیث کی

روشنی میں السائحون کامعنی الصائمون کرتے ہیں جبکہ تفسیر کبیر، مواہب الرحمٰن، تفسیر خازن والے اس کے معنی کرتے ہیں، ہجرت کرنے والے اور کمالین، جمل والے سائحون کا معنی کرتے ہیں، علم یا تبلیغ کرنے کے لئے جانے والے۔

١١٣۔﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ﴾

ربط: پہلے فرمایا کہ مومن مشرک سے لڑتے ہیں آگے فرمایا کہ ان کے لئے دعا کرنا درست نہیں۔

شان نزول یہ ہے کہ آپ اپنے چچا ابوطالب کی وفات پر دعا کرنے لگے صحابہ نے دیکھ کر اپنے مشرک فوت شدہ رشتہ داروں کے لئے دعا شروع کردی تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

١١٧۔﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ﴾

مہاجرین اور انصار کی تعریف:

ربط: آگے مہاجرین وانصار صحابہ کا ذکر ہے۔ جنہوں نے تنگی کی گھڑیوں میں ساتھ دیا۔ ساعة عسرة سے مراد بعض تفسیروں میں ملے گا کہ ریگستان میں اونٹ ذبح کر کے اوجھڑی والا پانی پیا۔ آگے ان تین صحابہ کا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ کا ذکر ہے کہ پچاس دن تک ان سے کسی نے کلام نہیں کیا، توعلی الثلاثة الذين خلفوا سے ان کا ذکر ہے۔

١١٩۔﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا﴾

ربط: پہلے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کو خاصی تنبیہ ہوئی آگے اللہ نے ترغیب دی کہ تم اللہ کے رسول کے ساتھ رہو اور آگے تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کو پھر تنبیہ ہے۔

١٢١۔﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

اشکال: احسن کا لفظ ذکر ہوا تو معلوم ہوا کہ حسن کا بدلہ نہیں ہے۔

جواب: (١) اسم تفضیل نفس فعل کے معنی میں ہے۔ (٢) یہ عمل کی صفت نہیں ہے بلکہ جزاء اور بدلے کی صفت ہے۔ (٣) اسم تفضیل ہے اس میں ترغیب ہے کہ عزیمت پر عمل کرو، رخصت کی طرف نہ جاؤ۔

١٢٢۔﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنفِرُوْا كَآفَّةً﴾

ربط: پہلے تنبیہ تھی، بعد میں بنو جزیمہ کے خلاف غزوہ تبوک کے بعد لڑائی تھی وہاں ضرورت سے زائد سب چلے گئے چونکہ پہلے تبوک پر تنبیہ ہو چکی تھی اس لئے تمام لوگ بھرپور گئے تو اللہ نے تنبیہ فرمائی۔

طائفة حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ ایک سے ہزار تک کے لوگوں کو طائفۃ بولا جاتا ہے۔

١٢٣۔﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ﴾

ربط: پہلے بھی جہاد وقتال کا ذکر تھا آگے بھی جہاد وقتال کا ذکر ہے۔

﴿مَا عَنِتُّمْ﴾ صاحب کشاف کہتا ہے کہ ما مصدریہ ہے یعنی تمہارا مشقت میں پڑنا یہ مبتدا مؤخر اور "عزیز علیہ" خبر مقدم۔ بعض نے کہا کہ ما موصولہ ہے اس صورت میں عائد محذوف ہوگا ای ماعنتم فيه.

﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

یہ اللہ کی بھی صفت ہے اور آپ ﷺ کی بھی، یہ اشتراک لفظی ہے، اشتراک حقیقی ثابت کرنے والا ملحد ہے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے اعتبار سے رؤف اور رحیم ہے اور آپ ﷺ اپنی شان کے اعتبار سے۔

سورۃ یونس

﴿الٓر تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ واذا ما انزلت سورۃ اور رسول کا ذکر تھا اور آخر میں توحید کا ذکر تھا اس سورت میں بھی اسی ترتیب سے ان تینوں چیزوں کا ذکر ہے۔

۲۔ا ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾

قدم صدق سے کون مراد ہے؟

ربط: قدم صدق سے کون مراد ہے، اس میں تین تفسیریں آپ کو ملیں گی۔

۱۔ آنحضرتؐ کی ذات گرامی مراد ہے۔

۲۔ جو نیکیاں انسان آگے بھیجتا ہے، اس کا بدلہ ملے گا یہ تفسیر جلالین وغیرہ میں ملے گی۔

۳۔ تیسری تفسیر یہ ہے جس کو علامہ آلوسیؒ اور عثمانیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے لئے سچائی کا قدم ہوگا اور جب اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہوگا تو قدم ثابت رہیں گے اور لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔

۳۔ ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾

اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیار کسی کو نہیں دیئے:

اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیار کسی کو نہیں دیئے یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ رضا خانی اس عقیدے کے خلاف کے قائل ہیں۔ احمد رضا خان کہتا ہے اپنی کتاب (حدائق بخشش) میں کہ احد سے احمد کو اور احمد سے تجھ کو سب کن مکن حاصل یا غوث، اور جگہ لکھتا ہے کہ ذی تصرف بھی ہے مختار بھی ہے اور مدبر بھی ہے اور یہاں لکھتا ہے کہ سورج طلوع نہیں ہوتا جب تک کہ آنحضرت ﷺ کو سلام نہ کرے (لاحول ولاقوۃ)

۵۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً﴾

امام رازیؒ کے نزدیک ضیاء جمع ہے ضوء کی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ضیاء یہ مصدر ہے اس پر سوال ہوگا کہ ضیاء روشنی وصف ہے شمس ذات ہے تو یہ حمل کیسے ہوگا؟

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای الشمس ذات ضیاء والقمر ذات نور۔ قمر کی ۲۸ منزلیں ہیں تو جب ۲۹ کا ہو تو ایک رات غائب ہوگی اور تیس کا ہو تو ۲ راتیں غائب ہوتی ہیں۔

۱۰۔ ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾

جنت میں بغیر مشقت کے حمد ہوگی جیسے سانس نکلتا ہے، بغیر تکلیف کے اور بغیر تکلیف کے لیا جاتا ہے۔

۱۱۔ ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن ابوسعود، کبیر وغیرہ میں یہ ربط ہے کہ جب انہوں نے یہ لفظ سنا کہ وماواهم النار تو کہنے لگے کہ جلدی لے آؤ اس کا جواب رب تعالیٰ نے دیا کہ ہم اپنی حکمت کے مطابق کام کرتے ہیں۔

۱۲۔ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾

مومن اور کافر کا فرق یہی ہے کہ مومن بغیر تعیین وقت کے ہر وقت ذکر کرتا ہے جیسا کہ چوتھے پارے میں الذین یذکرون اللہ قیاما تھا، بخلاف کافر کے کہ اذا مس الانسان ای الکافر الضر دعانا لجنبه کہ کافر

تکلیف ومصیبت کے وقت رَب کو پکارتا ہے۔
۱۳۔﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾
آگے حق تعالیٰ ترہیب دیتے ہیں کہ اس طرح پہلے بھی لوگ گزرے جن کو ہم نے عذاب دیا۔
۱۵۔﴿وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ﴾
تفسیر سبق الغایات میں ہے کہ سورۃ کے ابتداء میں کتاب کا ذکر کیا تھا تلک ایٰت الکتٰب الحکیم میں۔ یہاں بھی اسی کا ذکر ہے کہ جب ان پر قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ تو نے اس کو بدل ڈالنا ہے یا اس کے علاوہ کوئی کتاب لے کر آ تو پھر ہم مانیں گے۔ اگر اس کو بدلیں گے نہیں یا دوسری کتاب لے کر نہیں آتے تو ہم اس کتاب کو نہیں مانتے۔
۱۸۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾
مافوق الاسباب کسی کو سفارشی بنانا:
آگے شرک کا ذکر ہے مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے تو ان کو خالق ومالک نہیں کہتے تھے "مانعبد هم الالیقربونا الی اللّٰه" کہتے کہ ہم گناہ گار ہیں براہ راست رَب سے نہیں مل سکتے جیسا کہ بادشاہ کو ملنا ہو تو براہ راست نہیں مل سکتے۔
جواب: اس کا ہے "فلا تضربوا للّٰه الامثال انّ اللّٰه یعلم وانتم لاتعلمون" انہوں نے کہا کہ رَب دور ہے جواب دیا کہ "ونحن اقرب الیه من حبل الورید" آگے۔ مسئلہ سمجھو جو شخص مافوق الاسباب سفارشی بنائے مثلاً ایک شخص کہتا ہے اے عبدالقادر جیلانی میرے اس کام کے سلسلے میں اللہ سے سفارش کریں تو پہلے یہ صفت ماننی لازم آئے گی کہ وہ عالم الغیب ہے،
دوسری یہ کہ وہ حاضر وناظر ہے،
تیسری یہ کہ وہ متصرف فی الامور ہے۔ تو فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ فلیکفروہ کافر ہے
اور البحر الرائق میں ہے کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں یہ پکا کافر ہے۔
۱۸۔﴿قُلْ أَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾
اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یعلم کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شریک ہوتا آسمانوں اور زمین میں تو رَب کو علم ہوتا کہ یہ میرا شریک ہے جب رَب کو علم نہیں تو معلوم ہوا کہ شریک نہیں۔
دوسری تفسیر یہ ہے جو کہ البحر المحیط، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ یعلم کی ضمیر کا مرجع ما ہے معنی یہ ہے کہ تم اللہ کو خبر اس مخلوق کی دیتے ہو جن کو علم نہیں آسمان اور زمین کا تو جب ان کو علم نہیں تو وہ معبود کیسے بن گئے۔
۲۱۔﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ﴾
ربط: اوپر شرک کا ذکر تھا "ویعبدون من دون اللّٰه" میں۔ آگے مشرکین کی تلون مزاجی کا ذکر ہے کہ جب ہم ان کو خوشی دیتے ہیں تو دین کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۲۔﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾

عکرمہ بن ابی جہل کے اسلام لانے کا واقعہ:

نسائی شریف میں روایت ہے کہ ۸ھ کو مکہ فتح ہوا عکرمہ بن ابی جہل بھاگ گئے وحشی بن حرب اور صفوان بن اُمیہ بھی بھاگ گئے۔ اس زمانہ میں جدہ نہیں ہوتا تھا ۳۰ میل مسافت پر سمندر تھا کنارے پر اڈہ تھا اس جگہ پر کچھ جھونپڑیاں تھیں۔ عکرمہ حبشہ کی طرف جانے کے لئے گیا۔ کئی دن پڑا رہا کشتی آئی اور وہ بھی اس میں سوار ہو گیا اتفاقاً طوفان آیا، کشتی ڈگمگانے لگی، لوگوں نے اپنے الہٰ کو پکارا تو ملاح نے کہا ماتغن الھک تو اس نے قسم کھائی کہ میں جا کر ایمان لاؤں گا۔۔۔۔۔اس کی بیوی کا نام امّ حکیم تھا وہ آئی۔۔۔۔آپ ﷺ کی پگڑی جو سیاہ تھی، بغل میں لائی۔۔۔۔۔

متاع الحیوٰۃ الدنیا ای تمتّعون متاع الحیوٰۃ الدنیا۔

۲۷۔﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾

حسنٰی اور زیادہ سے مراد:

تفسیر روح المعانی، البحر المحیط، کبیر، مظہری وغیرہ میں اس کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ حُسنٰی سے مراد یہ ہے کہ حسنہ سے نیکی مراد ہے ساتھ زیادتی بھی ہوگی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ حسنٰی سے جنت اور زیادۃ سے دیدار خداوندی مراد ہے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ حسنٰی سے ابتداءً جنت میں دخول کے وقت دو حوریں ملیں گی کچھ دنوں کے بعد ایک اور ملے گی پوچھنے پر کہے گی (انا من المزید)

۲۸۔﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾

ربط: اوپر جنت و دوزخ کا ذکر تھا۔ آگے قیامت اور اس کے حالات کا ذکر ہے۔

۲۹۔﴿وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِيْنَ﴾

روح المعانی، مظہری اور بیان القرآن میں ہے کہ اگر اس سے مراد بت ہیں تو ظاہر بات ہے کہ وہ نہیں جانتے اور اگر اس سے مراد اللہ کے بندے ہیں جیسے عزیر و مسیح تو مطلب ہوگا کہ وہ کیا جانیں کہ کس نے کہاں عبادت کی کیونکہ غیب کا علم تو ان کو نہیں۔

۳۰۔﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا کہ قیامت کے دن ہم ان سے کہیں گے کہ تم کیا کرتے تھے تو اس میں دلائل کوٹ کوٹ کر ذکر کئے کہ تمام کام تو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

۳۱۔﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾

اس میں تاکید کے معنی ہیں، زمخشری کے قاعدے کے مطابق۔

۳۶۔﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾

منکرین حدیث کی دلیل کہ حدیث ظنی ہے:

منکرین حدیث نے کلیۃً حدیث کا انکار کیا ہے ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث ظنّی ہے اور قرآن کہتا ہے

کہ اِنَّ الظَّن لا یغنی من الحق شیئًا تمام حدیثوں کا ظنی ہونا مرجوح ہے بلکہ کچھ احادیث متواترہ ہیں۔ تمام تمام کو ظنی کہنا زیادتی ہے۔ نیز تواتر کی چار قسمیں ہیں۔ لفظی، معنوی، طبقہ، توارث۔ یہ تقسیم فیصلہ مقدمہ بہاولپور ص ۲۴ میں سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے بیان کی ہے نیز فتح الملہم کے مقدمہ میں اور فیض الباری کے مقدمہ میں بھی ہے لفظی کا معنی یہ ہے کہ ایک روایت کے الفاظ کو کثیر صحابہ نقل کریں اور معنوی کا معنی یہ ہے کہ لفظا الگ ہوں مفہوم سب کا ایک ہو۔ طبقہ مثلاً یہ معلوم ہو کہ قرآن پہلوں نے ہم تک پہنچایا ہے اگرچہ اسماء معلوم نہ ہوں، توارث کا مطلب مثلاً جمعہ، عیدین نماز کے اوقات وغیرہ نیز ظن علم میں فائدہ نہیں دیتا عمل میں فائدہ دیتا ہے۔

۳۷۔﴿وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾

یعنی تفصیل ہے ان احکام کی جو ان میں لکھے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ الف لام اسم جنس کا ہے یعنی تفصیل ہے ان کتابوں کی جو پہلے تھیں۔ یہ تفسیر بھی درست ہے پہلی تفسیر کے مطابق الکتاب مصدر ہوگا۔

۴۱۔﴿وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُمْ بَرِيئُونَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ انہوں نے تکذیب کی بل کذبوا۔ اسی سلسلے میں آپ کو تسلی دی کہ آپ ان کی تکذیب کی پرواہ نہ کریں۔

۴۶۔﴿وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ﴾

اس کی جزاء محذوف ہے ای الذی نعدهم فذالک یہ جلالین تک آپ کو ملے گا جبکہ صاحب کشاف، بیضاوی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کی جزاء مذکور ہے فالینا مرجعهم۔

۵۴۔﴿وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ﴾

ربط: اوپر قیامت کے آنے پر سوال ہوا اور حق ہونے پر سوال ہوا تو آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اچانک قیامت جب بھی آئے گی تو تمہارا کچھ فدیہ دینا کام نہیں آئے گا اگرچہ کوئی نفس پوری زمین کو فدیہ میں دینا چاہے تو بھی قبول نہ ہوگی۔

۶۱۔﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے کچھ چیزیں حلال اور کچھ چیزیں حرام کر رکھیں ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے افتراء باندھ رکھے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور مومنین کو خطاب کیا۔ منہ میں ہ ضمیر شان کی طرف راجع ہے اور لفظ اللہ کی طرف بھی بعض نے راجع کیا ہے جو انّ اللّٰه لذو فضلٍ علی الناس میں ہے۔ تتلوا واحد مذکر کا صیغہ ہے، رسم الخط میں اس طرح ہے۔

۶۳۔﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

تقویٰ کا اعلیٰ فرد کیا ہے؟

قاضی بیضاوی متقین کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ تقویٰ کا اعلیٰ فرد کفر و شرک سے بچنا ہے اور ادنیٰ خلاف اولیٰ سے بچنا، درمیان میں کئی مراتب ہیں۔

۶۶۔﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ﴾

اشکال ہوا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے علاوہ شرکاء کا اتباع نہیں کرتے جبکہ باقی نصوص میں ہے کہ وہ شرکاء کی اتباع کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس الامر میں کوئی شریک نہیں ہاں شریک ہیں بزعمھم۔ مبصرا

کی نسبت نہار کی طرف مجازی ہے۔
۷۱۔﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ﴾
ربط: اوپر پڑھا کہ ان لوگوں نے آنحضرت کی تکذیب کی۔ آپ کو طبعی طور پر دکھ پہنچتا تھا۔ آگے اللہ تعالی نے تسلی کے لئے چند انبیاء کا ذکر کیا کہ ان کو بھی تکلیفیں دی گئیں، ان میں سے موسیٰ کا قصہ تفصیل سے بیان کیا کیونکہ عرب میں قریش کے بعد مردم شماری کے اعتبار سے یہود زیادہ تھے۔
۷۱۔﴿ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ ﴾
اس کا ایک معنی یہ ہے کہ الی بمعنی علی کے ہے۔ دوسرا معنی کرتے ہیں کہ اقضوا الی بمعنی امضوا فی ما اردتموہ.
۸۳۔﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ ﴾
ربط: واضح ہے کہ موسیٰ کا قصہ چل رہا ہے۔ ذریۃ رازی فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے مراد ہیں جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ چند نوعمر۔ ملأ هم سے مراد یا تو فرعون تھا یا اپنے بڑے تمام لوگ۔ ایمان اور اسلام الگ الگ چیزیں ہیں یا ایک ہے، تو حق مذہب یہ ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہے۔ ایک دلیل اس کی یہ ہے، "فقال موسیٰ یقوم ان کنتم امنتم باللّٰه فعلیه توکلوا إن کنتم مسلمین"
۸۸۔﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ﴾
تفاسیر میں ہے کہ سونا اور چاندی سبھی کچھ حجارۃ (پتھر) بن گئے تھے۔
۸۹۔﴿قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا ﴾
یہ آیت قراءۃ الامام قراءۃ لہ کی دلیل ہے چونکہ آمین میں ہارونؑ شریک تھے اس سے کوئی اشکال نہ ہوگا کہ دعا تو موسیٰ نے کی تھی اور یہاں دعو تکما جواب میں فرمایا۔
۹۲۔﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾
امام بخاریؒ نے بخاری کتاب التفسیر میں معنی کیا ہے نجوۃ البحر سمندر کا کنارہ چنانچہ مادہ نجو ہوگا اور بعض حضرات نے مادہ نجاۃ نکالا ہے یعنی صرف بدن کو نجات ملے گی۔
۹۳۔﴿وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ ﴾
مبوّأ صدق سے کیا مراد ہے؟
ربط: موسیٰ کا واقعہ اوپر سے چلا آرہا ہے آگے بھی ان ہی کا ذکر ہے۔ مبوا صدق سے کیا مراد ہے؟ خازن وغیرہ میں ہے کہ وادی تیہ مراد ہے۔ دوسری تفسیر میں ہے کہ مصر مراد ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ شام مراد ہے۔ ان میں سے ہر تفسیر حق ہے، کوئی تعارض نہیں۔
۹۷۔﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾
حضرت یونسؑ کا ذکر تفسیر معالم التنزیل، خازن، روح المعانی، السراج المنیر، تفسیر عزیزی میں سورۃ ن القلم میں دیکھنا باقی تفسیروں میں اس مقام پر ہوگا۔ یونس کے والد کا نام متّیٰ، نینوا شہر، موصل صوبہ یا عراق صوبہ تھا۔

اس شہر کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار کے لگ بھگ تھی (ترمذی)۔شادی کی رب نے دولڑ کے دیئے۔ یہاں دو تفسیریں ہیں کہ جب انہوں نے عذاب کے بارے میں پوچھا تو ایک تفسیر کے مطابق چالیس دن میں آنے کا بتلایا یا دوسری تفسیر کے مطابق تین دن میں۔۔۔۔۔نہ رہنے کی وجہ کہ قوم معذبین میں کیسے رہوں یا مجھے شرمندہ کریں گے۔۔۔۔۔الی آخرہ۔

۱۰۳۔﴿حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

دعا میں بحق نبی یا بحق فلاں کہنا مکروہ ہے:

یہاں ایک مسئلہ ہے کہ دعا میں بحق نبی یا بحق فلان کہے تو مکروہ ہے۔صاحب ہدایہ نے دلیل دی ہے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ پر لازم ہے کہ نیکوں کو اجر دے اور بدوں کو سزا دے ہاں اگر ایمان معتزلہ والا نہ ہو تو دعا درست ہے۔

۱۰۴۔﴿قُلْ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِيْنِي﴾

پہلے مجرم قوموں کا ذکر کیا۔سورۃ کی ابتداء میں توحید کا ذکر تھا،آخر سورۃ میں شرک کا رد کرتے ہیں۔

پارہ وما من دآبۃ

۶۔﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾

اول مخلوقات کیا چیز ہے؟

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔اوّل مخلوقات کیا چیز ہے؟ تو اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے النشر الطیب میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی روایت لکھی ہے کہ اوّل ماخلق اللّٰہ تعالیٰ ھو نوری کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

میں اس سلسلے میں تقریباً تیس سال سے سرگرداں ہوں، مصنف عبدالرزاق کے نسخے دستیاب نہ تھے، کسی نے مجھے بتلایا کہ کشمیر میں کسی کے پاس ایک نسخہ ہے میں وہاں گیا پہاڑوں پر کئی کئی گھنٹوں تک مسلسل سفر کیا لیکن وہاں سے بھی وہ روایت نہ مل سکی اور کئی جگہ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں جگہ فلاں کے پاس ہے وہاں میں گیا کسی جگہ کو نہیں چھوڑا ابھی تک مصنف عبدالرزاق میں مجھے وہ روایت نہ مل سکی۔

حضرت تھانوی نے لکھا ہے کہ نور سے مراد روح محمد ہے یہ معنی مرقات وغیرہ میں ہے بعض نے اس کو جعلی روایت قرار دیا ہے۔ایک روایت یہ ہے کہ پہلے عرش کو پیدا کیا اور ایک اور روایت میں ہے کہ اوّل المخلوقات قلم ہے۔ ہماری ذاتی تحقیق یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے درست قلم والی ہے عرش والی صحیح نہیں اسی طرح عقل والی روایت بھی صحیح نہیں۔

قرآن میں امت کے لفظ کا استعمال:

۸۔﴿إِلٰى أُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾

امت کا لفظ قرآن میں تین معانی کے لئے آتا ہے۔

(۱) ایک معنی مدت ہے اور یہی معنی یہاں مراد ہے۔

(۲) گروہ کے معنی ہیں۔

(۳) امام پیشوا کے معنی ہیں۔

۹۔﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾

ربط: اوپر بھی کفار کا ذکر تھا لیقولنّ الذین کفروا اب آگے ایسے ہی کفار کی تلوّن مزاجی کا ذکر ہے کہ وہ بڑے تلون مزاج تھے۔

﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ﴾

مختلف تفسیروں میں آپ کو ملے گا ولئِن اذقنا الانسان الکافر (کہ اگر ہم چکھائیں انسان کافر کو)

۱۰۔﴿ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴾
فرح اور فخور کے معنی میں فرق:
فَرِح" کے معنی ہوتے ہیں عملی طور پر تکبّر کا اظہار اور فخور کے معنی ہوتے ہیں کہ دل کے اندر اپنے اپ کو بڑا سمجھنا۔
﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ﴾
ربط :اوپر قرآن کا ذکر تھا اب یہاں سے قرآن پر اعتراض کا جواب ہے۔
۱۶۔﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا ﴾
فیھا کی ایک ترکیب پہلے گزر چکی ہے کہ فیھا میں فی تعلیلیہ قرار دوتو ھا کی ضمیر راجع ہے آخرۃ کی طرف تو معنی یہ ہوگا کہ وحبط ما صنعوا الاجل الاخرۃ آخرت کی خاطر جوانہوں نے کیا سب برباد ہوگیا۔ فی کو ظرفیہ بناؤ تو ھا کی ضمیر راجع ہوگی ،بسوئے الحیواۃ الدنیا معنی یہ ہوں گے کہ اور حبط ہو جائے گا جو انہوں نے دنیا کی زندگی میں کیا۔
۱۷۔﴿أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ ﴾
أفمن کان علی بینة من ربه کی مختلف تفسیریں:
ربط :اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر تھا۔ایک مومن تھے دوسرے کافر اب آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کے بارے میں فرماتے ہیں"افمن کان علی بینةٍ من ربّه" یہاں روح المعانی،کشاف،البحر المحیط ،بیضاوی وغیرہ میں خاصی تفصیل ہے۔ میں آسان باتیں کہتا ہوں۔
ایک تفسیر یہ ہے کہ مَن کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"اَفمن کان علی بینة " کیا وہ ذات جو واضح دلیل پر ہے واضح دلیل پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے بنیادی عقیدے پیش کرنا ہے۔رَب کی طرف سے اس کی ذات اس کی شاہد بھی ہے،شاہد کیا ہے یہ قرآن کریم۔
دوسری تفسیر شاہد سے مراد جبرائیلؑ ہیں۔
تیسری تفسیر کہ شاہد سے مراد ہے معجزہ کہ وہ شخصیت رَب کی طرف سے واضح دلیل پر ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ گواہ ہیں۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا،معراج جسمانی پر جانا، پتھروں کا سلام کرنا، درختوں کا چل کے آنا، یہ معجزات اس کے شاہد ہیں،ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ
یتلوُ شاھد منه سے مراد آپؐ کے اخلاق کریمہ ہیں۔
ایک تفسیر آپ کو یہ بھی ملے گی کہ بیّـــــنة سے مراد قرآن کریم ہے۔تو وہ ذات جو واضح دلیل پر ہے قرآن اُسے ملا ہوا ہے رَب کی طرف سے اور اس کے ساتھ گواہ بھی ہیں۔کشاف والا کہتا ہے کہ گواہ سے مراد قرآن کا معجز اور فصیح ہونا۔
یہ تفسیر بھی ہے کہ مَن سے مراد مومنین ہیں کیونکہ مـــــــن لفظاً مفرد ہے معنی جمع ہے معنی یہ ہے کہ کیا وہ لوگ

(مومنین) جو کہ واضح دلیل پر ہیں رب کی طرف سے اوران کے ساتھ گواہ بھی موجود ہیں یعنی قرآن پاک جیسی کتاب ہے، آنحضرت ﷺ کے معجزات اور قرآن کا معجز ہونا۔

۱۸۔﴿وَيَقُوْلُ الْأَشْهَادُ﴾

اشہاد سے کیا مراد ہے؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ اشہاد سے مراد پیغمبر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ فرشتے مراد ہیں جو اعمال لکھتے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ اُمت پہلے لوگوں پر گواہ ہوگی۔ لتکونوا شهداء على الناس۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ ان کے ہاتھ و پاؤں یہ گواہی دیں گے۔

۲۲۔﴿لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْأٰخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُوْنَ﴾

لفظ لا جرم کی تحقیق:

تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی، بیضاوی، کمالین وغیرہ تفسیروں میں جو کچھ ہے میں اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔امام سیبویہؒ اور خلیل بن احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ لا جرم مرکب بنائی ہے جیسا کہ احد عشر، ثلاثة عشر واؤ اس میں ہوتا ہے اصل میں تھا لا و جرم واؤ کو حذف کر کے لا جرم بنا دیا اور کہتے ہیں کہ معنی اس کا ہے حق آ گے جو جملہ ہے وہ اس کا فاعل ہے لا جرم ای حق انهم فی الآخرة۔

بعض فرماتے ہیں کہ لا جرم کا معنی ہے لا بدَّ ولا محالة السراج المنیر والے خطیب فرماتے ہیں کہ لا جرم کا معنی ہے لا ظنَّ ولا تردُّد. یہ تفسیر بھی کی ہے کہ لا جو ہے نفی ماسبق کے لئے ہے اور جرم جو ہے بمعنی حق کے ہیں۔تو لا سے نفی ہوئی کہ جو وہ افتراء باندھتے تھے لا وہ کوئی افتراء والی چیز ثابت نہیں۔جرم ای حق انهم فی الاخرة هم الأخسرون۔

۲۴۔﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ﴾

اوپر دو فریقوں کا ذکر تھا آ گے اللہ تعالیٰ ان کی حسّی مثال دے رہے ہیں۔

۲۵۔﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ﴾

ابھی آپ نے دو فریقین کا ذکر پڑھا۔ایک کو رب نے اعمٰی کہا دوسرے کو بصیر کہا، ایک کو اصم کہا دوسرے کو سمیع کہا، اب آ گے چند واقعات ہیں، ان فریقین کے، ایک طرف پیغمبر اور ان کے ماننے والے دوسری طرف منکر۔آ گے ان کے چند واقعات بیان کرتے ہیں جس میں ایک تو آپؐ کو تسلی ہے کہ آج ہی ایسے نہیں بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے ایسے کافر پہلے بھی رہے ہیں اور دوسرا ان کافروں کو بتانا ہے کہ دیکھو جو عذاب پہلوں پر آیا وہ تم پر بھی آ سکتا ہے۔

۳۰۔﴿ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ﴾

ای من عذاب اللّٰه ،أو من بأس اللّٰه ،أو من عقاب اللّٰه أو من نكال اللّٰه.

۳۵۔﴿قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي ﴾

بیضاوی، خازن، کمالین وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ جملہ درمیان میں معترضہ ہے پہلے نوحؑ کا ذکر تھا، اگلے رکوع میں بھی نوحؑ کا قصہ ہے، درمیان میں اہل مکہ کا سوال اوراس کا جواب ہے۔

دوسری تفسیر وعلیہ اکثر المفسرینؒ کہتے ہیں کہ جملہ معترضہ اس کو نہ بناؤ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا تتمہ ہے۔

۳۸۔﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ﴾

کشتی نوح کی کیفیت:

تورات کتاب پیدائش میں ہے کہ گوپھر ایک لکڑی ہے اس کی یہ کشتی تھی ۳۰۰ تین سو ہاتھ لمبی تھی۔فٹوں کے لحاظ سے ۵۵۰ فٹ لمبی تھی اور ۵۰ پچاس ہاتھ چوڑی تھی ،یعنی ۹۱ فٹ ۸ آٹھ انچ اور ۳۰ تیس ہاتھ اونچی تھی ،یعنی ۵۵ فٹ۔ ہاتھوں کا حساب تو تورات میں سے لیا اور فٹوں کا حساب من ویزدان کے حوالہ سے نقل کیا۔

۳۹۔﴿وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾

حلّ یحلّ ضرب سے اس کا معنی اترنا اور دوسرا معنی اس کے آتے ہیں وجب و لزم جنہوں نے اس کا معنی اترنا کیا ہے انہوں نے معنی مجازی لیا ہے اور جنہوں نے اس کا معنی وجب کیا ہے انہوں نے معنی لغوی کو لیا ہے۔

وفار التنور اس سے یہ بھی مراد ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے۔دوسرا وہ ہے جو قاموس، بیضاوی، کشاف وغیرہ میں ہے کہ اس سے مراد وجه الارض ہے۔(زمین کی سطح) زمین کی سطح سے پانی اُبلنا شروع ہوگیا تھا۔

۴۰۔﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے تھا ویصنع الفلک اور فلک مذکر ہے اور فیھا میں ھا ضمیر مؤنث کی ہے تو جلالین تک آپ کو ملے گا کہ احمل فیھا ای السفینة من کل ای من کل نوع (ہرنوع سے) روضة الریان فی اسئلة القرآن میں ہے کہ زوجین کے بعد اثنین کیوں لائے کہتے ہیں کہ اس لئے لائے کہ زوج کے معنی ہوتے ہیں جوڑا جب زوج کے معنی جفت ہیں تو زوجین تثنیہ ہوا اور یہ چار ہوئے کہتے ہیں کہ اثنین کا لفظ اس لئے لائے کہ یہاں زوج کے معنی جفت کے نہیں ہیں کہ چار چار ہوں بلکہ اس زوجین سے مراد ہے کہ نر مادہ دو ہوں۔تو یہاں زوجین سے مراد دوسرے سے مل کر زوج کرنے والا۔

۴۱۔﴿ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ﴾

تورات وغیرہ کے حوالے سے سات ہیں چار بیٹوں کی بیویاں، تین بیٹے کل سات ہوئے۔ یہ تو اھلک میں داخل ہے آگے جو قرآن کہتا ہے ومن امن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی تھے دوسری بات یہ کہ پہلے آپ نے پڑھا کہ کافروں نے کہا تیرے پیروکار اراذلنا ہم میں سے کمی لوگ ہیں پیغمبر اشراف قوم میں سے ہوتا

ہے، کسی لوگوں میں سے نہیں ہوتا۔تو معلوم ہوا کہ آپ کے گھر والوں کے علاوہ اور بھی ساتھ تھے کفار نے ان کا طعنہ دیا۔تیسری دلیل وعلٰی اُمم ممّن معک اوران خاندانوں پر بھی جو تیرے ساتھ ہیں۔تو معلوم ہوا کہ نوح کے ساتھ کچھ اور خاندان بھی تھے۔موچی،لوہار،ترکھان وغیرہ وغیرہ وغیر:اور الامن سبق علیه القول سے مراد بیٹا کنعان اور بیوی واغلہ ہے۔

۴۳۔﴿قَالَ لاَ عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾

لا عاصم پر ایک سوال اوراس کا جواب:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ لا عاصم یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے آگے الامن رحم یہ مستثنٰی ہے لا عاصم مستثنٰی منہ ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ مستثنٰی، مستثنٰی منہ کی جنس سے ہوتا ہے۔تو مستثنٰی منہ یہاں عاصم ہے اور مستثنٰی معصوم ہے۔ معصوم تو مفعول ہے اور مفعول فاعل کی جنس تو نہیں ہے۔استثنٰی کیسے؟

اس کا ایک جواب تو صاحب جلالین نے دیا وہ کہتے ہیں کہ استثناء یہاں متصل نہیں اور الّا لکن کے معنی میں ہے استثناء منقطع ہے۔جیسے جاء نی القوم الاحمارًا۔۔۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ عاصم اسم فاعل ذی کذا کے معنی میں ہے ای ذاعصمة اور یہ مفعول پر بھی صادق آتا ہے تو معنی ہوگا لا معصوم الیوم من امر اللّٰه الامن رحم تو مستثنٰی منہ بھی معصوم اور مستثنٰی بھی معصوم۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسم فاعل کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ ماء دافقٍ ای مدفوق.

چوتھا جواب: کہتے ہیں کہ عاصم فاعل ہے تو من رحم سے مراد رب کی ذات ہے نہ کہ معصوم معنی یہ ہے کہ نہیں بچانے والا آج کے دِن اللّٰہ کے معاملے سے مگر وہی ذات بچائے گی جو رحم کرے تو مستثنٰی منہ بھی عاصم اور مستثنٰی بھی عاصم ہے۔

۴۴۔﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾

یہ لوگ اس کشتی میں کتنے دن رہے تورات میں ہے کہ گیارہ مہینے سترہ دِن۔

۴۶۔﴿ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾

یہاں عمل وصف اورانہٗ میں ضمیر ذات ہے اور وصف کا حمل ذات پر درست نہیں تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عمل بمعنی عامل کے ہے ای انہٗ عامل غیر صالح دوسرا جواب یہ ہے کہ ھو کی ضمیر بیٹے کی طرف راجع نہیں بلکہ سوال کی طرف کہ یہ تیرا سوال عمل غیر صالح ہے۔

۴۶۔﴿فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾

یہاں سوال ہوتا ہے کہ ایسی چیز کے بارے میں سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں حالانکہ سوال تو ہوتا ہی ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کا علم نہ ہو۔

ایک جواب تو وہ ہے جو شاہ عبدالقادرؒ نے موضح القرآن میں دیا کہ سوال تو واقعی ایسی چیز کے بارے میں ہوتا

ہے جس کا علم نہ ہو لیکن سوال کرنے والے کو بڑے کا خیال ہونا چاہئے کہ میرے سوال کرنے سے ناراض تو نہیں ہوگا یعنی مرضی اس کی معلوم کرنی چاہئے تو بغیر بڑے کی مرضی کے معلوم کئے سوال کرنا یہ اچھی بات نہیں ہے تو بغیر مرضی حاصل کئے ہوئے سوال کرنا جہل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سئل یسئل سوالا مصدر آئے تو معنی سوال کرنا اور جب مصدر مسئلة آئے تو اس کے معنی مانگنا۔ تو یہاں بھی مصدر مسئلة ہے کہ نہ مانگ مجھ سے اپنے بیٹے کی نجات۔

۴۹۔ ﴿مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلاَ قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾

احمد رضا خان بریلوی کا خلاف عقل اور خلاف نقل استدلال:

احمد رضا خان بریلوی نے کہا کہ آپ ﷺ شکم مادر میں تھے کہ آپ کو قرآن یاد تھا لیکن یہ بالکل عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ ﷺ کو پہلے معلوم تھا تو غار حرا میں آپ پر نزول قرآن کیوں ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت (ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا) اور اس مضمون کی دوسری آیات کو کہاں چھوڑیں جیسے "ما كنت تدري ما الكتاب و لا الايمان" آگے دوسری جگہ آتا ہے "وما كنت ترجو ان يلقى اليك الكتاب الخ" تجھے تو امید بھی نہ تھی کہ کتاب تیری طرف اتاری جائیگی اب ان نصوص قطعیہ کو ہم کہاں چھوڑیں۔

۵۰۔ ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾

ربط: اوپر قوم نوحؑ کا ذکر تھا آگے قوم عاد کا ذکر ہے۔

۵۹۔ ﴿وَعَصَوْا رُسُلَهُ﴾

یہاں سوال یہ ہے کہ ھودؑ کے بعد قوم میں کوئی اور رسول نہیں آیا تو جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں فرمایا۔ وَعَصَوْا رُسُلَه، تو آپ کو تمام تفسیروں میں ملے گا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رُسُل کی تکذیب کو مستلزم ہے، ایک رسول کو جھوٹا قرار دینا گویا تمام رسولوں کو جھوٹا قرار دینا ہے، تو اس لئے رُسُل کا لفظ لائے۔

﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾

ربط: پہلے قوم ھود کا ذکر تھا یہاں سے تیسری قوم، قوم ثمود کا ذکر ہے۔

۶۱۔ ﴿هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾

پہلے آپ تیسرے پارے میں پڑھ چکے ہیں کہ "ان مثل عيسىٰ عند الله كمثل آدم خلقهٗ من تراب" آدم کو مٹی سے رب نے پیدا کیا تو تمہاری اصل تو زمین ہی ہے، یہی وجہ تھی کہ ابلیس نے کہا خلقتني من نار و خلقتهٗ من طين۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ زمین سے فصلیں پیدا ہوتی ہیں، دانے پیدا ہوتے ہیں، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں، پھل پیدا ہوتے ہیں، یہ تم کھاتے ہو اور تمہارے بدن میں خون پیدا ہوتا ہے پھر اسی خون سے مادہ تولید پیدا ہوتی ہے تو گویا اصل خلقت

تو مٹی سے ہوئی۔

۶۳۔﴿ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴾

کشاف، بیضاوی، کبیر وغیرہ میں ہے کہ معنی یہ ہے کہ تمہارا یہ کام سبب بنے گا، مجھے خسارے میں ڈالنے کا۔ 15 15
جیسے ربّ انھن اضللن کثیرًا من الناس (ان بتوں نے بہت سوں کو بہکایا) کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبب بنے حقیقت میں گمراہی میں ڈالنا خدا کا کام ہے تو سبب بنے ہیں تمہارے یہ کام۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ﴾

مقصود بالذات تو لوط علیہ السلام کا قصہ ہے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کیوں آیا؟

مجرم قوموں میں چوتھی قوم ہے قوم لوطؑ، اسی رکوع میں حضرت لوطؑ کا ذکر آئیگا، تفسیر بیان القرآن، کبیر، ابوالسعود وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ مقصود بالذات تو قصہ ہے لوط علیہ السلام کا، ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کیوں آیا تو دو وجہ سے، پہلی وجہ یہ ہے کہ وہی فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے، وہی آگے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑے بڑے مہمانوں کی شکل میں آئے تھے، وہی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس نوعمر لڑکوں کی صورت میں آئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوط ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے تو واقعہ مستقل طور پر تو لوط علیہ السلام کا بیان کرنا تھا لیکن مناسبت کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا۔

یہ فرشتے کون تھے؟ ابن کثیر، ابن جریر طبری، معالم التنزیل وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام تھے یہ بھی آپ کو ملے گا کہ چھ تھے، آٹھ تھے اور یہ بھی ملے گا کہ عشرۃ یعنی دس تھے۔

﴿ قَالُوْا سَلَامًا ﴾

بعض کہتے ہیں قالوا ھذا القول سلٰما یہ قالوا کا مفعول ہے کسی اور فعل کے نکالنے کی ضرورت نہیں۔
بعض کہتے ہیں کہ اس کو فعل محذوف کا مفعول بناؤ سلمتُ سلٰمًا

۷۸۔﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ إِلَيْهِ﴾

علامہ جمال الدین کرشی فرماتے ہیں یھرعون لا یستعمل الا مجھولا لیکن معنی معروف کا ہے تو معنی ہوگا ''آئی اس کی قوم اس کی طرف دوڑتی ہوئی'' وہ دوڑانے والا کیا چیز تھی نفس امارہ اور خواہش بد۔

﴿قَالَ يَا قَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ﴾

یا قوم ھولاء بناتی سے کونسی بیٹیاں مراد ہیں؟

مستدرک حاکم میں آپ کو یہ روایت ملے گی بسند صحیح کہ لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا ذکر بھی ہے تین کا بھی ہے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں جو سردار ہیں میری ایک بیٹی کے ساتھ ایک نکاح کر لو دوسری کے

ساتھ دوسرا اور تیسری کے ساتھ تیسرا تو اس تفسیر کی رو سے بیٹیوں سے حقیقی بیٹیاں مراد ہیں۔

دوسری تفسیر جو اکثر کرتے ہیں کہ قوم کی بیٹیاں مراد ہیں کہ پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے جیسے قرآن میں آتا ہے "وازواجہ امھتھم" پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں تو ماں تو فرع ہے باپ کی تو مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی بیوی اُم المومنین اور پیغمبر اَب المومنین ہوتا ہے۔

۸۲۔﴿ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾

یہاں آپ کو دو تفسیریں ملیں گی ایک یہ کہ اس سے وہ قریہ مراد ہے "انا مهلكوا اهل هذه القرية" (سورة عنکبوت میں قریۃ کے لفظ آئیں گے) ہم نے اس قریہ کے بالائی حصے کو نیچے کر دیا اور دوسری تفسیر آپ کو یہ ملے گی کہ مراد اس سے الارض ہے کہ یہ جو زمین ہے تمہاری اس کے بالائی کو نیچے کریں گے اور اس پر پتھروں کی بارش برسائیں گے۔

﴿مُّسَوَّمَةً﴾

(نشان لگے ہوئے) جس کو لگنا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ان پتھروں پر نمبر تھے جس کو لگے۔

۸۳۔﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾

بیضاوی، معالم التنزیل وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ ھی کی ضمیر اس علاقے کی طرف راجع ہے جہاں لوطؑ کی قوم پر عذاب آیا کہ وہ قریۃ ان مکہ کے کافروں سے دور نہیں ہے، جب جاتے ہیں تو وہاں سے گزرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھی کی ضمیر راجع ہے بسوئے حجارۃ کہ جیسے پتھر ان پر آئے تھے وہ پتھر ان ظالموں سے بھی بعید نہیں ان پر بھی آسکتے ہیں۔

۸۴۔﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾

ربط: یہاں سے پانچویں قوم، قوم مدین کا ذکر ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا﴾

ربط: شعیب علیہ السلام کی قوم کے بعد اب موسیٰؑ کا واقعہ ذکر فرمایا چونکہ موسیٰ کی شادی حضرت شعیبؑ کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی اس لئے ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا۔

۹۶۔﴿وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ﴾

سلطٰن مبین سے کیا مراد ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ اس سے تورات مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو سانپ بنا اور اس کی وجہ سے موسیٰؑ نے غلبہ حاصل کیا۔

۱۰۵۔﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهٖ﴾

یہاں یأت میں یاء تخفیفاً حذف ہے اصل میں یاتی تھا۔

۱۰۶۔﴿فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ﴾
زفیر اور شھیق کی تحقیق:

قاموس، مختار الصحاح، صراح، منتہی الارب، تاج العروس وغیرہ میں ہے کہ زفیر گدھے کی وہ آواز جو پہلے پہلے نکالتا ہے بڑے زور سے اور شھیق گدھے کی وہ آواز جو آخر میں کچھ مدھم سی ہو جاتی ہے وقیل بالعکس تو محقق قول اوّل ہے اور اس کے ساتھ تشبیہ کیوں دی آپ سورۃ لقمان میں پڑھیں گے "انّ انکر الاصوات لصوت الحمیر" کہ ساری آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

۱۰۷۔﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾
بعض حضرات کا استدلال ہے کہ دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ جواب:

سید سلیمان ندویؒ جب بدعقیدہ تھے تو اس آیت سے استدلال کیا کہ دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہے مگر جو تیرا رب چاہے تو اس سے نکال ڈالیں۔ اب اس استثناء سے شبہ پڑتا ہے کہ وہ نار ہمیشہ نہیں رہے گی تو بیضاوی، تفسیر کبیر، مدارک، ابوالسعود وغیرہ میں ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ الّا استثناء کے لئے نہیں ہے یہ صفت ہے بمعنی غیر کے یا سِوا ء کے معنی میں ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے سوا اس کے کہ اس سے زائد رب چاہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ما بمعنی منْ کے ہے معنی یہ ہے کہ ہمیشہ رہیں گے مگر وہ جن کو چاہیں تو یہ استثناء تو ہے مگر خلدین فیھا سے نہ کہ السموات سے یعنی وہ گناہگار جو ہوں گے وہ نکل آئیں گے باقی ہمیشہ رہیں گے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ السموات والارض سے دنیا کے سموات اور ارض مراد نہیں کہ یہ حادث اور فانی ہیں بلکہ وہ آسمان مراد ہے جو ہمیشہ رہے گا اور وہ زمین مراد ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ اس کا قرینہ آگے آئے گا کہ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات ہاں اگر رب ان کو فنا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن کرے گا نہیں یہ (الّا ماشاء ربک کا معنی ہوگا)

۱۱۰۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ﴾
ربط: پہلے موسیٰؑ کا ذکر تھا درمیان میں قیامت کا ذکر آیا پھر آگے قیامت کی تفصیل تھی پھر موسیٰؑ کا قصہ آگے چلا کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی۔

۱۱۱۔﴿وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ﴾

کُلا میں تنوین عوض مضاف الیہ کے ہے ای کل الخلائق، لَما اصل میں تھا لَمن ما، ما کو من میں ادغام کیا تو اب مطلب یہ ہوا کہ وان کل الخلائق لمن ما، ما مزیدہ ہے معنی ہوگا بے شک سب کی سب مخلوق البتہ وہ ہے کہ پورے پورے دے گا تیرا رب ان کے اعمال، جلالین والا نکالتا ہے "وانْ کل الخلائق الّا لیوفینّھم ربک" تو انہوں نے ان کو نافیہ لیا ہے اور لمّا کو الّا کے معنی میں لیا ہے انہوں نے امام حفصؒ کی قراءت نہیں بلکہ ابن کثیرؒ کی قراءت کو لیا ہے۔

۱۱۴۔﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ﴾

دن کے دو اطراف کونسے ہیں فرمایا کہ ظہر کی نماز اور شام کی نماز کہ ظہر میں دن کا پہلا حصہ ختم ہوا اور شام میں آخری حصہ اور یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ طرفي النهار سے فجر کی نماز اور اسی سلسلے میں ظہر، عصر، شام کی نماز مراد ہے اور زلفاً یہ زلفة کی جمع ہے بمعنی ''ساعة'' اسمیں عشاء کی نماز آ گئی۔

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ﴾

ربط: اوپر مجرم قوموں کا ذکر کیا آگے فرمایا کہ آپ اپنے سلسلے میں ڈٹ کر رہیے اب ان لوگوں کی مذمت ہے جو حق کو جانتے تھے لیکن حق کو بیان نہیں کیا۔

﴿أُولُوْا بَقِيَّةٍ﴾ ای اولوا خیرٍ۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّأَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾

خباثت جب عام ہو جائے تو ہلاکت بھی عام ہو جائے گی:

بخاری شریف میں حضرت زینب بنت جحشؓ کی روایت ہے سوال کیا کہ حضرت انهلك وفينا الصالحون کیا حضرت ہم ہلاک ہوں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ ہوں گے ''قال نعم اذا كثرت الخبث'' نیک لوگوں کا وجود ہلاکت سے نہیں بچاتا، خباثت جب زیادہ ہوگی تو ہلاک ہو جائیں گے، تو معلوم ہوا کہ نیک اور صالح لوگوں کا وجود ہلاکت سے نہیں بچاتا، ہلاکت سے کیا چیز بچاتی ہے، مصلح ہونا ہلاکت سے بچاتا ہے۔ في نفسه صالح ہونا اور ہے، مصلح ہونا اور ہے۔ بیہقی کے حوالے سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل سے فرمایا کہ جا کر فلاں بستی کو الٹ دو الخ۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ﴾

اجمعين سے مراد سب نہیں بلکہ یہاں متفرق کی اضداد مراد ہے کیوں کہ اگر اجمعين کے معنی کل ہو تو جنت میں کون گیا۔

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ﴾

مولوی عمر کا اس آیت سے غلط استدلال:

آپ نے چھٹے پارے میں پڑھا تھا کہ ہم نے رسل بھیجے'' مبشرين ومنذرين '' آگے فرمایا کہ ان پیغمبروں میں رُسُلاً قد قصصناهم عليك ومنهم من لم نقصصهم عليك تو اس آیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کو سب پیغمبروں کے واقعات معلوم نہ تھے اور مولوی محمد عمر نے مقیاس حنفیت میں اس آیت کو کاٹنے کے لئے اس آیت کو جواب میں پیش کیا ہے کہ وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بعض پیغمبروں کے واقعات بتلائے اور بعض کے نہیں بتلائے وہابی غلط کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کے واقعات بیان کئے ہیں۔

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ﴾

میں دو باتیں آسان عرض کرتا ہوں پہلی بات یہ ہے کہ یہ سورة هود ہے اور سورہ ھود مکیہ ہے اور وہ آیتیں سورۃ

النساء کی ہیں اور وہ سورۃ مدنیہ ہے میں نے وہاں (ازالۃ الریب میں) سوال کیا ہے کہ مولوی صاحب عجیب منطق ہے آپ کی، یہ پہلی سورۃ نازل ہوتی ہے مکہ مکرمہ میں جس میں یہ آتا ہے، بقول آپ کے کہ ہم نے تمام پیغمبروں کے قصے آپ کو سُنا دیئے اور پھر مدینہ میں یہ سورۃ اترتی ہے تو اس میں فرمایا کہ ہم نے بعض پیغمبروں کے واقعات بتائے بعض کے نہیں بتلائے۔ تو ایسا مطلب بیان کرنا جس میں تعارض ہو تو وہ قرآن کا مقصد تو نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات ہے کہ آپ نے مطلب ہی نہیں سمجھا۔ روح المعانی، بیضاوی، البحر المحیط والے یہ بڑے نحوی لوگ گزرے ہیں ان میں تصریح ہے کہ کُلاً جو ہے یہ مفعول ہے۔ نقص کا فعل عامل قوی ہوتا ہے۔ اور کلاً پر تنوین عوض مضاف الیہ کے ہے ای کل نبأ اور من انباء الرسل اس کی صفت ہے۔ نقص علیک کل نبأ من انباء الرسل۔ اور ما نثبّت میں یہ عطف بیان ہے یا بدل ہے کلاً کا اب معنی یوں ہوگا بیان کرتے ہم تجھ پر پیغمبروں کی خبروں میں سے ہر وہ خبر کہ جس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو ثابت کریں تو اس سے کل اخبار کا علم تو نہیں ہے، من انباء الرسل من تبعیضیہ ہے پیغمبروں کی خبروں میں سے۔

سورة یوسف

۱۔﴿الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ آسمانوں وزمینوں کا مالک میں ہوں پیغمبر کی بڑی شخصیت ہوتی ہے، آگے واقعہ ہے یعقوبؑ کا ''فصبر جمیل'' عالم غیب ہوتا تو وہ ساری کارروائی نہ کر لیتا پھر (الیہ یرجع الامور) معاملہ سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے راستے کے روڑے ہٹانے کی کوشش کی اور رب نے کچھ اور کرنا تھا وہ لوگ کچھ نہ کر سکے اور جو رب پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان ہے، حضرت یوسفؑ نے توکل کیا اللہ نے بادشاہی دے دی نحن نقص علیک احسن القصص.

۳۔﴿أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾

قصص بفتح القاف، مصدر ہے بمعنی بیان۔ احسن القصص کا معنی اچھا بیان اور قصص بکسر القاف جمع قصہ کی ہے۔

شان نزول :

تفسیر درمنثور، اللباب النقول، معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا کیا قصہ تھا فرمایا یہ قصہ ہم بیان کرتے ہیں۔

۱۰۔﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾

یہ کہنے والا یہودا تھا اور تمام بھائیوں میں زیادہ عقلمند تھا اور ابن کثیر میں آپ کو روبیل بھی ملے گا۔

﴿یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ﴾

یرتع جانور کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں چرنا اور انسان کے لئے بولا جائے تو معنی ہے کثرت سے پھل کھانا یہ آپ کو جلالین تک ملے گا۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ﴾ ای فامری صبر جمیل یہ بھی آپ کو ملے گا فصبری صبر جمیل۔

۱۹۔﴿قَالَ یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ﴾

بعض نے کہا کہ بُشریٰ سے خوشخبری مراد ہے کہ خوشخبری کو گویا ایک انسان تصور کیا اور یہاں استعارہ تخیلیہ کے طور پر کہا کہ یٰبشریٰ ھذا غلام اور قیل کے ساتھ یہ تفسیر بھی ملے گی کہ بُشریٰ ان کا ساتھی تھا، آواز دی یٰبشریٰ ھذا غلام.

۲۰۔﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾

تفسیروں میں آپ کو عشرین بھی ملیں گے، بیس درھم، اس سے کم وبیش بھی ملیں گے۔ بیس اس لئے کہ یہودا نے کہا میں نہیں لیتا، بنیامین کو تو دیتے نہیں، باقی رہ گئے دس تو فی کس دو آئے۔

اور ایک روایت میں یہ ملے گا کہ اثنین وعشرین.

﴿وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾

زھد کا صلہ فی آئے زھد فیہ بے رغبتی، بے ذوقی کا اظہار کرنا یعنی وہ بڑے بے رغبت تھے۔

مصر کے بادشاہ کا نام:

مصر کے بادشاہ کا نام ریان بن ولید تھا اور اس کے وزیر کا نام قطفیر تھا اس کی بیوی کا نام عام مشہور زلیخا ہے اور راحیل بھی بعض تفسیروں میں ملتا ہے ابن کثیر میں یہ ہے۔

۲۱۔﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾ ای کما اخرجناہ من الجبّ کذلک مکنّا۔۔۔۔

﴿وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾

آپ کو تفسیروں میں ملے گا ھیت ای اقبل مااقول لک۔ھیت کے معنی آپ کو ملیں گے باور (جلدی کر) اقول لک. ھیت کے معنی آپ کو ملیں گے تعال اقول لک۔

۲۳۔﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾

انہ 'میں ہٗ ضمیر کس طرف لوٹتی ہے ایک یہ ہے کہ لفظ اللہ کی طرف، معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے یہ ٹھکانا دیا میں اس رب کی نافرمانی کروں۔

دوسری یہ ہے کہ ہٗ کی ضمیر راجع ہے الذی اشتراہ من مصر کی طرف بے شک وہ شخص جس نے مجھے خریدا ہے وہ میرا مجازی آقا ہے اس نے مجھے ٹھکانہ دیا تو میں اس کے گھر میں خیانت کروں۔

۲۴۔﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا﴾

همت به وهم بها کی دو آسان تفسیریں:

یہاں بہت تفسیریں ہیں میں دو آسان عرض کرتا ہوں۔روح المعانی، تفسیر کبیر، قرطبی وغیرہ کے حوالے سے ایک یہ ہے کہ یہ دو جملے ہیں اور البتہ تحقیق کہ وہ عورت قصد کر چکی تھی یوسفؑ کا اور اس نے بھی قصد کیا ہاں قصد الگ الگ تھے اس کا قصد تھا پھنسانے کا ان کا قصد تھا جان چھڑانے کا۔آگے جملہ لو لاان رّا برھان ربّہ اس لولا کی جزاء محذوف ہے وہ آپ کو انشاء اللہ جلالین تک ملے گی، اگر نہ دیکھتا رب کی برھان لـجـا معھـا البتہ اس کے ساتھ یہ کارروائی کر چکتا۔

دوسرا یہ کہ ایک ہی جملہ ہے وہ یہ کہ ولـقـد همت به البتہ تحقیق کہ وہ عورت ارادہ کر چکی تھی وھـمّ بها اور یوسف ارادہ کرتا اگر نہ دیکھتا برہان اپنے رب کی۔

برھان کیا ہے؟

یہاں آلوسیؒ، رازیؒ فرماتے ہیں کہ برھان سے مراد وہ چیز ہے جو اللہ نے عصمت انبیاء کی خوبی انبیاء کے ذہن میں ڈال دی اور اکثر تفسیروں میں آپ کو یہ ملے گا" مثّل لهٗ يعقوب" کہ یعقوبؑ کی مثالی شکل اس کے سامنے پیش کی گئی اور اس مثالی شکل میں حضرت یوسفؑ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ نہ کرنا یہ جلالین تک آپ کو ملے گا۔

۲۶۔﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾
شاہد سے کون مراد ہے؟

آپ کو تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، قرطبی، مواہب الرحمٰن تمام میں ملے گا'' قیل رُوِیَ " کے ساتھ کہ ایک عقلمند آدمی تھا وہ مراد ہے شهد شاهد سے لیکن محقق بات یہ ہے کہ یہ چھوٹا بچہ تھا شیر خوار یہ بھی لکھا ہے کہ یہ زلیخا کا ابن العم تھا یا ابن الاخت اس شیر خوار بچہ نے کہا ''ان کان قمیصه'۔۔۔۔۔''

۳۶۔﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ﴾
وہ دو قیدی کون تھے؟

ان قیدیوں میں سے ایک کا نام ابروہا تھا دوسرے کا نام مخلب تھا۔ ایک ساقی تھا ایک باورچی تھا باورچی لالچی تھا اور اس نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا اور ساقی جو تھا، وہ مخلص تھا۔

۳۷۔﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک تفسیر یہ کہ تمہیں جو کھانا ملتا ہے وہ کھانا نہیں آئیگا کہ میں تم کو بتلا دوں گا لیکن تعبیر سے پہلے میں آپ کو اپنی بھی کوئی بات سنانا چاہتا ہوں، وہ توحید کا مسئلہ ہے۔

دوسرا یہ معنی کرتے ہیں کہ جب تمہارے پاس روزانہ کھانا آتا ہے تو میں کیا تم کو پہلے نہیں بتایا کرتا کہ آج یہ چیز آئیگی تو جب میری وہ بات سچی ہوتی ہے تو یہ بات بھی سچی ہوگی یعنی جب میں تمہیں کھانے کے بارے میں خبر دیتا ہوں اور وہ سچی نکلتی ہے تو یہ تعبیر بھی سچی ہوگی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ جو تم میں سے ایک نے کہا تھا کہ میرے سر پر طعام ہے اور پرندے آکر نوچ رہے ہیں اس واقعے کے وقوع سے پہلے میں بتاؤں گا، وہ واقعہ تو اپنے وقت پر ہوگا تعبیر عملی طور پر میں پہلے بتاؤں گا، یہ میرے رَب نے مجھے تعلیم دی ہے۔

﴿فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾

ای ذکر یوسف عند ربّه شیطان نے اس شخص کو بھلا دیا تذکرہ کرنا یوسفؑ کا اپنے آقا کے سامنے۔

﴿قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ﴾

اضغاث جمع ہے ضغث کی، ضغث کہتے ہیں مٹھی بھر گھاس کو اس میں موٹا بھی ہوتا ہے پتلا بھی ہوتا ہے، لمبا بھی ہوتا ہے چھوٹا بھی ہوتا ہے، تر بھی ہوتا ہے خشک بھی ہوتا ہے۔ احلام حُلُم'' بسکون اللام یا بضم اللام (قاموس میں دونوں کی تصریح ہے) کی جمع ہے حُلُم کے معنی پریشان۔ اب انہوں نے تشبیہ دی کہ یہ جو تمہارا خواب ہے یہ تو پریشان خیالات ہیں، وجہ تشبیہ یہ ہے کہ اس گٹھے میں موٹا بھی ہوگا، پتلا بھی، لمبا بھی ہوگا اور چھوٹا بھی، خشک بھی اور تر بھی اور پریشان کا معنی بکھیرا ہوا، تو کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں ہم ان کو نہیں جانتے تو پہلے اس کے دل سے غم کو دور کیا کہ محض خیالات ہیں پھر کہا کہ ہم اس کی تعبیر کو نہیں جانتے۔

۵۲۔﴿ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ بِالۡغَیۡبِ﴾

ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ بِالۡغَیۡبِ یہ کس کا مقولہ ہے؟

یہ قول کس کا مقولہ ہے اس میں دو تفسیریں ہیں معالم التنزیل ابن کثیر وغیرہ سب میں ملے گا، ایک ہے کہ یہ بیان اس عورت کا تھا کہ میں یہ اس لئے کہتی ہوں لیعلم تا کہ میرا خاوند جان لے کہ بے شک میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ خائنین کی تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا، ہاں میں اپنے نفس کو بری بھی قرار نہیں دیتی میں نے چھیڑ چھاڑ ضرور کی ہے نفس امّارہ بالسوء ہے لیکن عین بدی کا فعل نہیں کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ حضرت یوسفؑ کا مقولہ ہے فرمایا کہ میں اس لئے تحقیق کروانا چاہتا ہوں تا کہ عزیز مصر جان لے کہ اس کی غیر حاضری میں میں نے کوئی خیانت نہیں کی باقی میں اپنے نفس کی صفائی نہیں بیان کرتا اس لئے کہ نفس امارہ بالسوء ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے یعنی میں پیغمبر ہوں اور عصمت پیغمبر کا خاصہ لازمہ ہے۔

﴿وَمَآ أُبَرِّئُ نَفۡسِيٓۚ إِنَّ ٱلنَّفۡسَ لَأَمَّارَةُۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٞ رَّحِيمٞ ٥ وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ إِنَّكَ ٱلۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِينٌ أَمِينٞ ٥ قَالَ ٱجۡعَلۡنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ ٱلۡأَرۡضِۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٞ ٥ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي ٱلۡأَرۡضِ يَتَبَوَّأُ مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُۚ نُصِيبُ بِرَحۡمَتِنَا مَن نَّشَآءُۖ وَلَا نُضِيعُ أَجۡرَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ٥ وَلَأَجۡرُ ٱلۡأٓخِرَةِ خَيۡرٞ لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ ٥﴾

۵۸۔﴿وَجَآءَ إِخۡوَةُ يُوسُفَ﴾

ربط: واضح ہے کہ یوسفؑ کا واقعہ چلا آرہا ہے۔

۶۲۔﴿إِذَا ٱنقَلَبُوٓاْ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ﴾

اس کی دو وجہیں تفسیروں میں لکھی گئی ہیں، تفسیر کبیر وغیرہ میں اس کی ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ جس وقت وہ اپنا سامان کھولیں گے تو اس میں رقم بھی ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ رقم نہ تو وہ کھائیں گے اور نہ یعقوبؑ ان کو کھانے دیں گے اور ان کو کہیں گے کہ رقم واپس لوٹا دو اور جب رقم واپس لوٹائیں گے تو بھائی کو بھی ساتھ لے آئیں گے۔

اور دوسری وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ یہ غریب لوگ تھے اور ممکن ہے کہ اتنی رقم جلدی جلدی اس زمانے میں مہیا نہ ہو سکے اب جس وقت یہ رقم دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے کہ ہمیں رسد بھی مل گئی اور رقم بھی واپس آ گئی تو چلو ہم دوبارہ جا کر رسد لاتے ہیں۔

۶۵۔﴿ذَٰلِكَ كَيۡلٞ يَسِيرٞ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ پہلا جو ہم لائے ہیں وہ کتنے دنوں تک رہے گا وہ تو تھوڑا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ ایک اونٹ کا بوجھ آسان ہے وہاں دینے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

یہ دو تفسیریں اس لفظ ''یسیر'' کے معنی کی وجہ سے ہیں ایک معنی کم کے ہیں دوسرا آسان کے۔

۶۶۔﴿قَالَ ٱللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٞ﴾

لفظ اللّٰہ قال کا فاعل نہیں بلکہ اللّٰہ علی۔۔۔یہ قال کا مقولہ ہے۔

۶۷۔﴿وَقَالَ يَٰبَنِيَّ لَا تَدۡخُلُواْ مِنۢ بَابٖ وَٰحِدٖ وَٱدۡخُلُواْ مِنۡ أَبۡوَٰبٖ مُّتَفَرِّقَةٖ﴾

ایک دروازے سے سب کے داخل نہ ہونے میں حکمت:

حضرت یعقوبؑ کے اس کہنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں پر نظر کا ڈر تھا کہ جب اکٹھے داخل ہوں گے تو کہیں ان کو نظر نہ لگ جائے اور نظر لگنا حق ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا ''العین حق'' کہ نظر حق ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ یعقوبؑ نے یہ نصیحت اس لئے کی تا کہ کوئی ان کو تکلیف نہ پہنچائے کیونکہ پہلی دفعہ

جب عزیز مصر کے پاس گئے تھے تو اس نے ان کی بہت عزت و مدارت کی تھی اور لوگوں نے ان کو دیکھ لیا تھا تو کہیں حسد کی وجہ سے کوئی ان کو اذیت نہ پہنچائے۔

۷۰۔﴿السِّقَايَةَ﴾

یہ بادشاہ کے پانی وغیرہ پینے کا پیالہ تھا جو سونے سے بنا ہوا تھا اور موتی اس میں جڑے ہوئے تھے اس کو ماپنے کا آلہ بنایا تھا۔

اشکال:

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ پیغمبر تھے اور پیغمبر خلاف واقع بات نہیں کرتے، یہاں پیالہ خود رکھا تھا اور پھر فرمایا کہ گم ہو گیا ہے اور کہا کہ اے قافلے والو تم ہی چور ہو۔

جواب: اس کا جواب کبیر اور قرطبی میں یہ دیا گیا ہے کہ پیالہ رکھا تو یوسفؑ نے تھا لیکن اعلان یوسفؑ نے نہیں کیا بلکہ اس کے نگران نے اعلان کیا تھا اور یہ بات و اذن مــــؤذن میں مؤذن کو نکرہ لانے سے معلوم ہوتی ہے اور مؤذن کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ یوسفؑ نے پیالہ اس میں رکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر مؤذن سے مراد حضرت یوسفؑ ہوں اور انکم لسارقون ان کا مقولہ ہو۔ تو اس وقت یہ توریہ ہوگا کہ تم نے چوری کی ہے یعنی حضرت یوسفؑ کو اپنے باپ سے چرا لیا تھا۔ توریہ کا معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معانی ہوں ایک معنی بعید اور ایک قریب متکلم لفظ بول کر اس کا معنی بعید مراد لے اور سامع اس کا معنی قریب سمجھ لے۔

۷۶۔﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ﴾

حضرت یوسفؑ نے چور کی سزا ان سے اس لئے کہلوائی کہ حضرت یوسفؑ کو اپنا بھائی ساتھ رکھنا مقصود تھا اور اس ملک کے قانون کے مطابق چور کو اپنے پاس قید نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس کو اپنے پاس قید رکھنا خود اس کے اور حضرت یعقوبؑ کے قانون میں تھا کہ جس نے چوری کی اس کو قید کر لیا جاتا تھا۔

۷۶۔﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ ہر عالم سے اوپر دوسرا عالم موجود ہے۔

اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر علم والے پر علیم ذات اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

۷۷۔﴿فَأَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾

ای فاسر المقالة یوسف فی نفسہ کہ یوسفؑ نے اس گفتگو کو دل میں رکھا۔

۷۷۔﴿قَالُوْا إِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾

حضرت یوسف علیہ السلام پر بھائیوں کا چوری کا الزام:

یہ چوری کونسی تھی؟ اس کے بارے میں کئی واقعات تفسیروں میں نقل کئے گئے ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت

یوسفؑ کا نانا مشرک تھا اور اس کے گھر میں سونے کا ایک بت تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اس کو توڑ دیا تو آپ پر الزام لگایا گیا کہ آپ نے چوری کی ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک فقیر گھر میں آیا اس نے سوال کیا حضرت یوسفؑ نے گھر میں ایک مرغی تھی وہ اس فقیر کو دے دی اس پر بھائیوں نے مشہور کر دیا کہ یوسفؑ نے چوری کی۔

۷۷۔﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾

روح المعانی، خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ بات حضرت یوسفؑ نے زبان سے کی کہ گھر کی بات ادھر کرتے ہو کہ اس کا بھائی بھی چور تھا اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ دل میں کہا کہ تم کو اپنی چوری نظر نہیں آتی کہ یوسفؑ کو چرایا تھا۔

۸۰۔﴿فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ﴾

(۱) منہ کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسفؑ یعنی عزیز مصر ہے کہ جب وہ اس عزیز مصر سے نا امید ہو گئے کہ بھائی ہمیں لوٹا ئیں گے۔ (۲) اَخ کی طرف ہے کہ جب وہ نا امید ہو گئے بھائی سے کہ وہ ہمیں نہیں مل سکتا۔

۸۶۔﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ ﴾

بث ایسا غم جس کو دوسروں کے سامنے ظاہر کیا جائے اور حزن ایسا غم جو دل ہی دل میں رکھے اور دوسروں پر ظاہر نہ کرے۔

۹۴۔﴿ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴾

تفنید هو الاسناد الی ضعف العقل ،کم عقلی کی طرف نسبت کرنے کو تفنید کہتے ہیں۔

۹۶۔﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ ﴾

یہاں اَن مزیدہ ہے اور بشیر یعنی خوشخبری سنانے والا یہودا تھا جو جھوٹا خون لگا کر کرتہ لایا تھا۔

۹۹۔﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ﴾

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ سحری کے وقت دعا کروں گا۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد تھا کہ جمعہ کے دن دعا اور استغفار کروں گا۔

۹۹۔﴿اٰوٰی إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ ﴾

شہر سے باہر ان کے لئے جگہ بنائی ابویه سے مراد حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی سوتیلی ماں جس کا نام لیّہ تھا اور آپ کی سگی ماں کا نام راعیل تھا۔

۱۰۰۔﴿وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾

سجدہ تعظیمی کب تک جائز تھا؟

اس کی مفسرین کرامؒ نے بہت سی تفسیریں کی ہیں اور جواب دیئے ہیں لیکن میرے نزدیک سب سے اچھا جواب وہ ہے جو ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا اور سجدہ تعظیمی حضرت آدم کے وقت سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے وقت تک جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں ناجائز ہے۔

۱۰۱۔﴿ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾

اس سے مراد علم تعبیر ہے۔

۱۰۴۔﴿وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

ربط :یہ ہے کہ یوسفؑ کا واقعہ جوانہوں نے پوچھا تھا۔

وہ آپ ﷺ نے بتایا تھا'' لقد کان فی یوسف واخوتہ ایٰت للسائلین " آگے فرمایا کہ خدا کی قدرت کی نشانی صرف یہ واقعہ تو نہیں ہے؟

بلکہ فرمایا و کأ یّن من آیة الخ خدا کی قدرت کی نشانیاں بے شمار ہیں آسمانوں میں سورج دیکھو، چاند دیکھو، ستارے دیکھو، آسمان کی بلندی دیکھو، زمین دیکھو، پہاڑ دیکھو وغیرہ۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ﴾

نبوت کے لئے مرد کا ہونا ضروری ہے:

اہل حق کا یہ مسلک ہے کہ جتنے بھی پیغمبر آئے ہیں سب مرد تھے، عورتیں نہیں اور حکمت کا تقاضہ بھی یہ ہے کیوں؟

اس لئے کہ نبی من اشراف القوم ہوتا ہے، عورت نبی ہوتی تو اشراف القوم سے ہوتی، حسن وجمال وغیرہ رب نے خوب دیا ہوتا، اب لوگ اس کے گرد جمع ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ لوگ اس کے گرد اسلئے جمع ہیں کہ خوبصورت عورت ہے، نیز نبی کا یہ کام ہوتا ہے کہ دن کو بھی تبلیغ کرے رات کو بھی کرے نیکوں کے پاس بھی جائے بروں کے پاس بھی، عورت تو یہ کام نہیں کرسکتی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ عورت نبی ہوسکتی ہے، وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں کہ جن میں ہے کہ ہم نے عیسیٰؑ کی والدہ مریم کی طرف وحی کی۔ اس وحی سے وہ یہ سمجھے کہ ان کو نبوت ملی حالانکہ یہ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں یہ وحی، وحی نبوت نہیں تھی۔

﴿حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا ﴾

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ اس آیت کی تفسیر:

حتیٰ اگر ابتدائیہ ہو تو ماقبل سے اس کا تعلق نہیں ہوگا، حتیٰ غائیہ ہو تو اس کا ماقبل سے تعلق ہوگا، حتیٰ اگر غائیہ ہو تو معنی ہوگا کہ وہ پیغمبران سے باتیں کرتے رہے تبلیغ کرتے رہے حتٰی اذا استیئاس الرسل (حتیٰ کہ پیغمبران سے ناامید ہوگئے) ابتدائیہ ہو تو اس کا ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا اور معنی ہوگا کہ پہلے تو سن لیا اب آگے سن لو کہ پیغمبر جب ناامید ہوئے۔۔۔۔۔ الخ یہاں ایک طویل بحث ہے۔ عروہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ یہ لفظ کـذّبـوا ہے یا کُذِبوا تو فرمانے لگی کہ یہ قرات ہے کُذّبوا کی اور قراءات سبعہ میں سے بعض قراء نے کـذّبوا پڑھا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ پیغمبروں نے خیال کیا کہ تحقیق سے ان کی تکذیب کی گئی ہے تو یہ معنی ٹھیک ہے کیونکہ پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ اب اگر کذّبوا کی قراءت ہے تو ظنوا کا کیا معنی کیونکہ تکذیب تو یقیناً ہوئی ہے تو فرمانے لگی کہ بیٹا ظن کا معنی استیقنوا ہے، ظن اضداد میں سے ہے یقین کے معنی میں بھی آتا ہے، گمان کے معنی میں بھی آتا ہے تو معنی یہ

ہوا کہ پیغمبروں نے یقین کرلیا کہ بیشک ان کی تکذیب کی گئی، وہ کہنے لگے خالہ جی اگر کذبوا ہوتو پھر کیا تفسیر ہے فرمانے لگی کہ کذبوا ہوتو ظنّوا کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہوگی کہ پیغمبروں نے خیال کیا کہ انّھم قد کذبوا ان کے جو اعداء ہیں ان کی طرف سے جھوٹ بولا گیا۔

یہاں ایک بات سمجھیں کہ کذبوا کی قراءت میں معنی ہوگا کہ پیغمبروں نے یہ خیال کیا کہ رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا تھا تو پیغمبر کیسے گمان کریں گے رب کے بارے میں کہ رب کا وعدہ جھوٹا تھا۔

تو حضرت عائشہ فرمانے لگیں کہ کذبوا رب کی طرف سے نہیں اتباع الرسل کی طرف سے ہے۔ یہ خیال کیا پیغمبروں نے أنھم (ای الاتباع) لم یکونوا صادقین فی دعوی الایمان کہ یہ ایمان کے دعویٰ میں سچے نہ تھے اس لئے مدد نہ آئی تفسیر بیضاوی، روح المعانی، تفسیر کبیر، البحر المحیط، قرطبی وغیرہ میں اس سے بھی سہل تفسیر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ظنّوا کی ضمیر پیغمبروں کی طرف نہ لوٹاؤ بلکہ اس سے پہلے مجرموں کا ذکر ہے۔ فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم تو ظنّوا کی ضمیر ان مجرموں کی طرف لوٹاؤ۔ معنی یہ ہوں گے کہ یہاں تک کہ ناامید ہو گئے رسل ان کے ایمان لانے سے اور ان نافرمانوں نے خیال کیا کہ ان پیغمبروں سے جو وعدہ نصرت کا کیا گیا تھا وہ جھوٹا تھا۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي ﴾

ھم کی ضمیر کس طرف جاتی ہے۔ اس میں دو تفسیریں ہیں روح المعانی، کبیر وغیرہ میں آپ کو ملیں گی، ایک یہ کہ اس کی ضمیر قریب میں جو پیغمبروں کا ذکر تھا، ان کی طرف راجع ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھم کی ضمیر یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی طرف راجع ہے۔

سورة رعد

۱۔﴿الٓمّرٰ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط: آسان ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ کا اختتام قرآن پر ہوا تھا کہ یہ کتاب تفصیل لکل شیء ہے ھدی ورحمۃ ہے اوراس میں کتاب سے آغاز ہے کہ تلک ایٰت الکتاب۔

الٓمّرٰ میں پانچ تفسیریں گزر چکی ہیں۔حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک من اسماء اللہ ہےاور ہر حرف ایک اسم باری کی طرف مشیر ہے الف سے اللہ، لام سے لطیف، میم سے مالک اور راء سے رحمٰن مراد ہے۔

۲۔﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾

آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کیا ہے:

روح المعانی، بیضاوی، مدارک وغیرہ میں اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ ہے کہ نہ ستون ہیں نہ نظر آتے ہیں۔آسمان کو رب تعالیٰ نے بغیر ستون کے کھڑا کیا ہے،

دوسری تفسیر یہ بھی آپ کو ملے گی کہ یہ نفی تـرونھـا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم دیکھو، ستون تو ہیں نورانی لیکن تمہیں نظر نہیں آتے۔جمہور پہلی تفسیر لیتے ہیں۔

۳۔﴿كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾

لفظ کل پر تنوین عوض مضاف الیہ کے ہیں ای کل من الشمس والقمر۔

۳۔﴿وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾

رواسی جمع ہے راسیۃ'' کی راسیۃ صفت ہے جبال'' کی معنی مضبوط پہاڑ۔

۳۔﴿جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾

زوجین کا مطلب:

مفسرین کرام اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔کہ اگر ایک گرم ہے تو ساتھ سرد بھی ہے ایک میٹھا ہے تو ساتھ کھٹا بھی ہے۔سفید ہے تو اس کے مقابلے میں سیاہ بھی ہے۔آج علم نباتات والوں نے ثابت کر دیا کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔

۴۔﴿صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ﴾

صنوان اس کھجور کو کہتے ہیں جو نیچے سے تنا ایک ہو اور اوپر جا کر دو ٹہنیاں ہوں اور غیر صنوان وہ ہے جو ایک ہی تنا ہو اور اوپر تک چلا گیا ہو۔

۶۔﴿ الْمَثُلٰتُ﴾

کشاف وغیرہ میں ہے کہ مثلٰت جمع مثلۃ وھی عقوبۃ'' اور عقوبت کے معنی سزا ہے تو معنی ہوگا کہ ان سے

پہلے سزائیں گزر چکی ہیں کسی کو کوئی سزا دی کسی کو کوئی۔

۷۔﴿إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾

تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی اور تفسیر کمالین کے حوالے سے میں تین تفسیریں عرض کرتا ہوں۔

پہلی تفسیر: آپ ﷺ منذر ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والی ذات اللہ کی ہے (انک لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء)۔

دوسری تفسیر: آپ ﷺ منذر ہیں اور ہر قوم کی طرف راہنما ہم نے بھیجے (وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً)۔

تیسری تفسیر: آپ ﷺ منذر ہیں اور قیامت تک ہر قوم کے لئے تو ہی رہنما ہے اس کا قرینہ (قل یآیھاالناس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا)۔

۸۔﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ﴾

ربط: اوپر رسالت کا مسئلہ تھا آگے توحید کا مسئلہ اور شرک کا رد ہے۔

۱۰۔﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ﴾

انسان کی حفاظت پر مامور فرشتے:

ابن جریر طبری، روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ میں طویل بحث ہے،

میں مختصر طور پر بات عرض کرتا ہوں پہلی بات یہ ہے کہ لہٗ کی ضمیر کدھر جاتی ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ لفظ اللہ کی طرف جاتی ہے جو اللّٰہ یعلم میں ہے معنی ہوگا اللہ ہی کے لئے ہیں نگران یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے جو انسان کے آگے اور اس کے پیچھے ہیں، اللہ کے حکم کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ لہ کی ضمیر راجع ہے بسوئے من جو کہ سواء منکم من اسرّ القول ومن جھر بہ میں ہے یہ من لفظاً مفرد معنًی جمع ہے۔ اس کے لئے معقبات ہیں نگران فرشتے ہیں کچھ آگے ہیں، کچھ پیچھے جب تک اللہ تعالیٰ کی منظوری ہوتی ہے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آپ کو ابن جریر طبری وغیرہ میں ملے گا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ سے مرفوع روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان فرشتے "عشرۃ باللیل وعشرۃ بالنھار" دس فرشتے دن کو ہوتے ہیں اور دس فرشتے رات کو ہوتے ہیں اس کے علاوہ اعمال لکھنے والے کراما کاتبین دو فرشتے ہوتے ہیں، یہ دس فرشتے دن کو اور دس رات کو انسان کی حفاظت کرتے ہیں، سانپ سے، دشمن سے، بچھو وغیرہ سے۔

﴿فَلَا مَرَدَّ لَهُ﴾

مردّ کو مصدر میمی بھی قرار دیتے ہیں معنی یہ ہے کہ اس کے لئے ٹلنا نہیں ہے اور ظرف کا صیغہ بھی قرار دیتے ہیں معنی یہ ہے کہ ٹلنے کی جگہ نہیں ہے۔

۱۳۔﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَآءُ﴾
یہاں آپ کو انشاء اللہ جلالین تک ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلّغ بھیجا ایک شخص کی طرف نام اس کا زید ابن ربیعہ تھا، کافر اور مشرک تھا کھلی جگہ پر بیٹھا تھا، مبلغ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے آیا ہوں اس پر اس نے مذاق شروع کر دیا وہ تمہارا اللہ کیا سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے، تانبے کا ہے، کس چیز کا ہے، کھلی جگہ پر تھا بجلی آئی اور زید ابن ربیعہ کی کھوپڑی اڑا کے رکھ دی۔

﴿وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾
مِحال (بکسر المیم) ہوتو اس کے معنی ہے قوت والا اور جب بفتح اللام ہوتو معنی ہے ناممکن اور بضم المیم ہوتو اس کے معنی جھوٹ ہے۔

۱۵۔﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾
اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو جاتے ہیں اور بعض کو جب قیدی بنا کر لایا جائے تو مسلمان ہو جاتے ہیں۔
دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ طوعاً کا معنی یہ ہے کہ تشریعی احکام میں اطاعت خوشی سے کرتے ہیں مثلاً نماز وغیرہ اور تکوینی احکام مثلاً کسی کو بیمار کرے، تو کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں بیمار نہیں ہوتا ان تمام احکام میں تابع ہوتا ہے کرھًا۔

۱۷۔﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾
حق و باطل کی مثال:
رَب تعالیٰ مثال دیتے ہیں۔ مثال کے ذریعے حق و باطل کو سمجھاتے ہیں، اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باطل ہی کا غلبہ ہوتا ہے تو فرمایا کہ اس غلبے کو دیکھ کر یہ خیال نہ کرنا کہ یہ حق پر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آسمان سے بارش برسی اور سیلاب آیا، خس و خاشاک اور جھاگ پانی کے اوپر ہے سونا، چاندی قیمتی چیزیں اس پانی کے نیچے ہیں۔ اب کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ جو خس و خاشاک اور جھاگ ہے یہ قیمتی ہے کیونکہ یہ اوپر ہے اور سونا، چاندی وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ زمین میں نیچے ہیں، لہٰذا ان کی کوئی قدر نہیں ہے، تو اس کا یہ کہنا باطل ہوگا۔ کیونکہ وہ خس و خاشاک اور جھاگ جو اوپر ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، قیمت اس سونے اور چاندی کی ہے جو کہ نیچے ہے، اسی طرح اگر باطل حق پر غالب نظر آئے تو وہ جھاگ ہے، اس کی قیمت نہیں بڑھ جاتی۔

۱۹۔﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ﴾
ربط: اوپر حق و باطل کی مثال تھی اب یہاں حق والوں کی اور باطل والوں کی مثال ہے کہ جیسا حق اور باطل برابر نہیں اسی طرح حق والے اور باطل والے برابر نہیں۔

۲۲۔﴿وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾
اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں مفسرینؒ نے، ایک یہ ہے کہ پہلے کرتے تھے گناہ اب اس گناہ کی جگہ کرتے

ہیں نیکی تو بدی کو نیکی سے انہوں نے ٹالا۔ دوسرا مطلب اگر کسی نے اس سے بدی کی تو بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے اس سے درگزر کرتے ہیں اور حسنة کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۲۵۔﴿أُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾

ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ لام بمعنی علی کے ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ نحاۃ کوفیین کے نزدیک مطلقاً (من غیر شرط وقید) حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ پر آتے ہیں تو معنی ہوگا اولٓئک علیھم اللعنة دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ لام تخصیص ہے مطلب یہ کہ یہ لعنت ان کے ساتھ خاص ہے۔

۲۶۔﴿اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

ربط: یہ کافر اس بات سے غلط فائدہ لیتے تھے کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہمیں رزق کیوں ملا تم کو وافر رزق کیوں نہیں ملا فرمایا کہ یہ قبولیت کی دلیل نہیں" اللّٰه یبسط الرزق لمن یشاء" یہ دنیا کی زندگی تو مقصود نہیں۔ کیونکہ یہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں متاع قلیل تھوڑا سامان ہے۔

۲۷۔﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ﴾

ربط: اوپر دو گروہوں کا ذکر تھا حق والے اور باطل والے آگے بھی انہی دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے باطل والوں کا ذکر ہے کہ باطل والے طنز کرتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ وہ نشانی جس کو وہ چاہتے تھے پہاڑ سونے کا بن جائے وغیرہ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور راہنمائی کرتا ہے، جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ الذین اٰمنوا جلالین والے کہتے ہیں کہ الذین اٰمنوا بدل ہے من اناب سے۔

۲۹۔﴿طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ﴾

جنت میں ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے

طوبیٰ کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ خوشحالی ہو۔ ایک معنی یہ بھی بیان کیا ہے کہ جنت میں ایک درخت کا نام ہے طوبیٰ حدیث میں آتا ہے کہ سو سال گھوڑے پر سوار ہو کر اس طوبیٰ درخت کو طے کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا۔ ایسا سایہ دار درخت ان کو ملے گا۔

۳۰۔﴿كَذٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِيٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا﴾

آگے رسالت کا بیان ہے عبارت یوں ہے کما ارسلنا الرسل من قبلک کذالک ارسلنک فی امة۔

﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ﴾

۶ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر جب سہیل ابن عمرو کافروں کے نمائندے سے گفتگو ہوئی اور شرطیں طے ہو چکیں، اب تحریر کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا اکتب بسم اللّٰه الرحمن الرحیم سہیل ابن عمرو نے کہا ماندری ما الرحمن کہا لکھو "باسمک اللّٰھم" یہ لفظ کٹوائے ضد کی بناء پر حالانکہ جانتے تھے۔

۳۱۔﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ﴾
حرف لَو کی جزاء محذوف ہے معنی ہے کہ اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا بالفرض کہ پڑھا جاتا تو پہاڑ خود بخود چل پڑتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوتی یعنی زمین بالکل برابر اور صاف ہوتی یا قرآن پڑھا جاتا اور مردوں سے ہمکلامی ہوتی۔ لما امنوا یہ پھر بھی نہ مانتے۔ یہ لما امنوا جزاء ہے لَو کی، یہ صاحب جلالین نکالتے ہیں اور روح المعانی میں، قرطبی وغیرہ میں جزاء یوں نکالتے ہیں کہ لَو انّ قرآناً... لکان هذا القرآن.
﴿أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾
تفسیر خازن، ابوالسعود، کبیر، بیضاوی تمام میں ہے کہ قبیلہ بنو ہوازن اور قبیلہ بنو نخع کی لغت میں أفلم ييأس کے معنی أفلم يعلم ہے۔
﴿أَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ﴾
تحلّ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے ایک ہے قارعة کہ وہ قارعة ان کے گھروں کے قریب اُترے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تحلّ کی ضمیر آپؐ کی طرف راجع ہے کہ یا ان کو مصیبت پہنچے گی یا آپ ان کے قریب اتریں گے۔
۳۲۔﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾
ربط: اوپر رسالت کا ذکر تھا کہ ہم نے آپ کو ایک امت کی طرف رسول بنا کر بھیجا آگے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ اگر یہ لوگ استہزاء کریں گھبرائیے نہیں پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء ہوتا رہا ہے۔
﴿أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ﴾
أفمن یہ حرف استفہام ہے اس کے مدمقابل میں جو جملہ آتا ہے اس کو مدید کہتے ہیں، تو مدمقابل جملہ یہ ہے افمن هو قائم على كل نفس بما كسبت كمن ليس كذالك.
۳۵۔﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾
یہاں بعض مفسرین نے اس کو مبتدا بنایا ہے اور خبر محذوف مانتے ہیں۔ صاحب جلالین خبر نکالتے ہیں فیما نقص عليكم، دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آگے تجری من تحتها الانهار اس کی خبر ہے یہ کمالین، کشاف اور روح المعانی میں ملے گا۔
۳۸۔﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾
آپ ﷺ کے تعدد ازواج پر اعتراض:
ربط: اوپر ذکر تھا کہ ہم نے آپ کی طرف یہ حکم عرابی میں نازل کیا ہے اور ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آگے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بنا کے بھیجے آپ تو آخری رسول ہیں اور یہاں کافروں نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ یہ کہتا ہے کہ میں نبی ہوں حالانکہ اس کی اتنی بیویاں ہیں کہ اتنی تو بادشاہ کو بھی نہیں ملتیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے پیغمبر بھیجے "وجعلنا لهم ازواجا وذرية" سلیمانؑ کے متعلق ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کی ہزار بیویاں

تھیں، اسی طرح حضرت داؤدؑ کی بھی کئی سو بیویاں تھیں۔ ان کو نبی مانتے ہو یا نہیں مانتے۔ اگر ان کو نبی مانتے ہو تو ان کو نبی کیوں نہیں مانتے۔

۳۹۔﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾

محو و اثبات سے کیا مراد ہے؟

تفسیر کبیر، روح المعانی، مدارک، ابوسعود، بیضاوی وغیرہ میں یہاں خاصی بحث ہے کہ اس محو و اثبات سے کیا مراد ہے؟ دو باتیں آسان ہیں جو میں کہتا ہوں ایک بات یہ ہے کہ یہ تشریعی احکام کے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے، منسوخ کرتا ہے، جن احکام کو وہ چاہتا ہے اور ثابت و برقرار رکھتا ہے جن کو چاہتا ہے مثلاً پہلے مشرکین کے ساتھ نکاح جائز تھا، اب ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

تقدیر کی قسمیں:

دوسری بات یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک ہے تقدیر مبرم اور دوسری ہے تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم وہ ہے جو نہیں ٹلتی یہ یثبت کی مد میں ہے اور تقدیر معلق جو ہے اس کو رب مٹا دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے یہ طے شدہ ہے کہ یہ آدمی بیمار ہوگا، یہ علاج کرے گا یا اس کے لئے دعا ہوگی تو اس دعا یا دوا کی وجہ سے اس کی بیماری ٹل جائیگی یہ معلق ہے اور مبرم مثلاً موت کہ یہ نہ دعا سے ٹلتی ہے نہ دوا سے۔

تو تقدیر معلق یمحو کی مد میں ہے اور تقدیر مبرم جو ہے یہ یثبت کی مد میں ہے۔

۴۰۔﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾

تفسیر جلالین اور کبیر وغیرہ میں ہے کہ ان شرط کی جزاء محذوف ہے۔ عبارت یوں ہے **وان ما نرینک بعض الذی نعدھم فذاک** اگر ہم دکھائیں تو ایسا ہی ہوگا **فانما علیک البلاغ** یہ دوسرے شرط (**اونتوفینک**) کی جزاء ہے۔

۴۱۔﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾

صفات الٰہیہ اپنی حقیقت پر محمول ہیں:

متقدمین کے ہاں رب کی جو صفات ہیں اپنی حقیقت پر ہیں کہ نزول سے نزول ہی مراد ہے۔ ید سے ید اور رب کے آنے سے آنا ہی مراد ہے لیکن ہم کیفیت نہیں جانتے جبکہ متاخرین ایسی آیات کی تاویل کرتے ہیں، وہ ناتی کا معنیٰ نقصد کرتے ہیں، تو معنیٰ ہوگا کہ ہم کافروں کی زمینوں کو ہر طرف سے گھٹاتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار دیا، پھر آس پاس کی زمینوں پر پھر خیبر والوں کو وہاں سے نکالا پھر مکہ مکرمہ پر آپ کو اقتدار حاصل ہوا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کی زمینوں کو گھٹایا اور اسلام کے علاقوں کو بڑھایا۔

۴۳۔ ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَاب سے کون لوگ مراد ہیں؟

یہ کون ہیں یہ بھی ہے کہ اس سے جبرائیلؑ مراد ہے، یہ تفسیر بھی ہے کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں، الـذیـن یـجـدونـهٗ مکتوبا عندهم فی التورٰة والانجیل وہ مراد ہیں کہ جن کے پاس علم کتاب کا ہے وہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہے۔ مجمع البیان شیعوں کی کتاب ہے اس میں کہتے ہیں کہ ومـن عـنـده علم الكتاب سے حضرت علیؓ مراد ہے۔ اگر ان کی اس بات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے ہمارے دعویٰ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ البتہ اس سے ان شیعوں کے دعویٰ کی تردید ہوگی جو کہتے ہیں کہ وحی حضرت علی پر نازل ہوئی تھی لیکن غلطی سے جبرائیلؑ دے گئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو۔

سورة ابراهیم

۱۔﴿الٓرٰ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾

ربط: بیان القرآن اور سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں آپؐ کی رسالت کا ذکر تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے اس کی ابتدا میں آپؐ کی رسالت کا ذکر ہے۔ کہ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لائیں۔

۵۔﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیَاتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَکِّرْهُمْ بِاَیَّامِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ﴾

قرآن کریم میں عموماً موسیٰؑ کے واقعات بنسبت دوسروں کے زیادہ ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عرب کی سرزمین میں مردم شماری کے اعتبار سے مشرکوں کے بعد یہودی زیادہ تھے اور یہ لوگ ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے لین دین ہوتا تھا، واقعات سنتے سناتے تھے اس لئے موسیٰؑ کے واقعات ذرا کثرت سے بیان کئے۔

۵۔﴿بِاَیَّامِ اللّٰهِ﴾

اس کی دو تفسیریں آپ کو ملیں گی پہلی تفسیر تو یہ ہے کہ وہ دن جن میں اللہ تعالیٰ نے قوموں کو تباہ کیا تھا۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایام الله سے وہ دن مراد ہیں جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر رحمت کی اور نعمتیں نازل کیں تو گویا یہ ہوئی ترغیب اور اگر عذاب کے دن مراد لیں تو یہ ہوگی ترھیب اور دونوں کے قرینے آگے موجود ہیں " انّ فی ذالک لأیٰتٍ لکل صبّارٍ شکور" صبر کا لفظ ترھیب کو چاہتا ہے کیونکہ سختی کے موقع پر صبر کیا جاتا ہے اور شکور کا لفظ یہ ترغیب کو چاہتا ہے کیونکہ نعمتوں کے بعد شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

۷۔﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾

ربط: موسیٰؑ کا واقعہ چلا آتا ہے اسی سلسلے میں رب تعالیٰ کا اعلان ہے کہ اس زمانے میں بھی رب تعالیٰ نے اعلان کیا۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کہ شکریہ ادا کرو گے تو میں مزید دوں گا۔ اگر انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

۹۔﴿فَرَدُّوْا اَیْدِیَهُمْ فِیْ اَفْوَاهِهِمْ﴾

اس میں بہت تفصیل ہے میں روح المعانی، کبیر، خازن، معالم التنزیل فوائد عثمانیہ وغیرہ کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ تمام ضمیریں کفار کی طرف لوٹتی ہیں، کفار نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں کی طرف لوٹا دیئے، کیونکہ پیغمبروں نے جب تبلیغ کی تو کافروں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھے، کہ تبلیغ مت کرو۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ تعجب کے طور پر ہاتھ منہ پر رکھے کہ یہ بھی کوئی باتیں ہیں جو یہ کرتے ہیں۔
تیسری تفسیر یہ ہے کہ پیغمبروں کی باتیں سن کر ان کو ہنسی آئی تو اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھے۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ کافروں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھے کہ ہمارے سے ہی سنو گے کہ "انّا کفرنا بما ارسلتم به"

پانچویں تفسیر یہ ہے کہ ایدیھم میں ھم ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور افواھھم میں ھم ضمیر پیغمبروں کی طرف لوٹتی ہے کہ ان کفار نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ پر رکھے کہ مت بولو۔

چھٹی تفسیر یہ کہ ایدیھم کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے افواھھم کی ضمیر بھی پیغمبروں کی طرف راجع ہے کہ کافروں نے پیغمبروں کے ہاتھ پیغمبروں کے منہ پر رکھے۔

ساتویں تفسیر یہ ہے کہ ایدی ید کی جمع ہے جس کے معنی ہے نعمت، پیغمبروں نے جو نعمتیں ان کے سامنے پیش کیں، توحید کی نعمت، رسالت کی نعمت، اخلاق حسنہ کی نعمت، وہ نعمتیں کافروں نے ان کے منہ پر دے ماریں، یعنی رد کر دیں۔

۱۳۔﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ﴾

لتعودنّ فی ملتنا کا کیا مطلب ہے؟

ربط: اوپر پیغمبروں کا اور کافروں کا مکالمہ اور گفتگو چلی آرہی ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا وقال الذین کفروا کافروں نے کہا پیغمبروں سے کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ۔ اب یہاں لتعودنّ فی ملتنا کا کیا مطلب ہے؟ اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر پہلے ان کی ملت میں تھے۔ اس کی تین تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ تغلیباً کہا کہ تمہارے جو ساتھی ہیں وہ تو پہلے کافر تھے تو اس سلسلے میں پیغمبروں کو ان کے تابع کر کے کہا ورنہ پیغمبر تو آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی کفر و شرک نہیں کرتا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ عود کے معنی ہے صیرورت کے لتصیرنّ تم آجاؤ ہماری ملّت میں، عود کے وہ معنی نہیں کہ ایک جگہ تھا پھر گیا پھر دوبارہ آیا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب تک انہوں نے تبلیغ نہیں کی تھی کافر یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ہی ہیں تو اب معنی یوں ہوگا کہ انہوں نے اپنے زعم فاسد سے یوں سمجھا کہ اب ہم سے نکل گئے۔

۱۵۔﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾

کس نے فتح طلب کی؟ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں یہاں یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ کافروں نے فتح طلب کی (متٰی هذا الوعد) اور کافروں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر یہ سچ ہے" فامطر علینا حجارة من السماء" ایک جگہ آتا ہے ان تستفتحوا فقدجاء کم الفتح تو یہ کفار نے بھی فتح کے الفاظ کہے تھے ایک اور جگہ آئے گا "متٰی هذا الفتح" تو حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر بھی صحیح ہے کہ واستفتحوا کی ضمیر کفار کی طرف لوٹائیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے استفتحوا کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے کہ پیغمبروں نے کہا کہ" ربّنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق" تو قاعدے کے مطابق دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔ کسی کا کسی کے ساتھ کوئی تعارض نہیں۔

۲۲۔﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾

ربط: ابھی آپ نے سنا کہ جوضعیف تھے وہ بڑوں کے پاس جائیں گے۔اب یہ سارے رل مل کے جو بڑا لیڈر تھا ان تمام کا اس کے پاس جائیں گے اور وہ شیطان ہے کہیں گے کہ تو ہمیں دنیا میں سبز باغ دکھایا کرتا تھا اب تو کچھ کر۔ جب معاملہ طے ہوگا تو شیطان کہے گا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا پس میں نے وعدہ خلافی کی اب تم جو میرے پاس آئے ہو تو کیوں آئے ہو، میرا کوئی تمہارے اوپر جبر تھا؟

۲۴۔﴿إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

اس میں مــــا موصولہ بھی قرار دیتے ہیں معنی ہوگا کہ میں انکار کرتا ہوں، اس کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے دنیا میں اور مـــا کو مصدریہ بھی بناتے ہیں تو معنی ہوگا کہ میں انکار کرتا ہوں بـــمـــا اشـــر کتـمـو نـــی ای بـــاشـــرا ککم ایـــای تم نے اس سے پہلے جو مجھے رب کا شریک بنایا میں اس کا منکر ہوں تم نے خود کیا ہے، اس کے ذمہ دار تم ہو۔

روح المعانی، کمالین، وغیرہ میں یہ تفسیر ہے کہ انّی کفرت میں کافر ہوا، اس واسطے کہ تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا تو میرے کفر کے ذمہ دار بھی تم ہو، میں نے جو کفر کیا کیوں کیا تم نے کروایا، اس لئے کہ اگر تم میری بات نہ مانتے تو میری ہمت شکنی ہوتی، ہمت افزائی نہ ہوتی تو میں جو کافر ہوں وہ اس لئے کہ تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا۔

۲۴۔﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال:

کلمۃ طیبۃ سے اصطلاحی کلمہ طیبہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ لا الہ الا اللہ ـــــ اور ہر اچھی بات بھی مثلاً میں کہتا ہوں سچ بولو یہ کلمہ طیبہ ہے جھوٹ مت بولو یہ کلمہ طیبہ ہے۔ تو کلمہ طیبہ کی مثال جیسا شجرہ طیبہ پاکیزہ درخت کے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تفسیر کی درمنثور، معالم التنزیل، ابن کثیر وغیرہ میں روایت ہے کہ جیسا کھجور کا درخت کہ تنا اس کا زمین میں مضبوط ہے اور شاخیں اس کی آسمان کی طرف دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے ساتھ پھل لگتا ہے ہر موسم کا، تو اسی طرح سمجھو کہ کلمہ طیبہ جب وہ دل میں مضبوط ہو اس سے اعمال کی شاخیں پھوٹتی ہیں، نماز، روزہ وغیرہ کی اور عبادات پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثمرات مرتب ہوتے ہیں، وہ پھل ہر وقت ملتے ہیں۔

اور فرمایا کہ کـلـمـہ خبیثـہ کی مثال کفر ہے، شرک ہے، ہر بدی کا کلمہ ایسا ہے جیسا کہ حـنـظل (ایلوا) کا درخت، یہ کڑوا ہوتا ہے اور اس کا تنا بھی نہیں ہوتا بلکہ زمین پر بچھا ہوتا ہے اور پھر اس کو اکھاڑ بھی دیا گیا ہو اسی طرح کلمہ کفر ہے کہ نہ اس کا تنا، نہ اس کی بلندی نہ اس کی مضبوطی ہوتی ہے، پڑا رہتا ہے اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔

۲۸۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾

ربط: اوپر بھی کفار کا ذکر تھا آگے بھی ان کفار کے دنیاوی کارنامے بتلاتے ہیں۔ بخاری کی کتاب التفسیر میں ہے کہ نعمت سے مراد آنحضرتؐ ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نعمت اللہ سے مراد حرم کا رقبہ ہے، چاہئے تھا کہ حرم کی قدر کرتے لیکن انہوں نے کفر وشرک شروع کر دیا تیسری تفسیر یہ ہے نعمت اللہ سے مراد تمام نعمتیں ہیں ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی۔

۳۴۔﴿وَاٰتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾

سوال: یہاں لفظ کل ہے تو معنی ہوگا کہ جو بھی چیز تم نے مانگی اللہ نے دی، حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، ہر وہ چیز جو ہم مانگتے ہیں ہمیں نہیں ملتی۔

اس کا آسان جواب وہ ہے جو سیوطیؒ نے دیا ہے کہ من تبعیضیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر اس چیز سے جو تم مانگتے ہو بعض دیتا ہے، حسب مصالحکم (تمہاری مصلحت کے مطابق)۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾

پہلا شخص جس نے مذہب ابراہیمی میں شرک کو رائج کیا:

ربط: اوپر شرک کا رد تھا یہ مشرکین شرک کا جواز یوں ثابت کرتے تھے کہ ہم ابراہیمیؑ ہیں اور یہ ہمارا مذہب ابراہیمؑ سے منقول ہوتا چلا آرہا ہے، بے شک ہزاروں سالوں تک اس کا دین باقی رہا، لیکن پہلا بدبخت انسان عامر بن لحی تھا جس نے شرک کیا یہ بخاری کی روایت ہے یہ آنحضرتؐ سے اڑھائی سو سال پہلے کی بات ہے۔ اس سے پہلے تمام لوگ ابراہیمؑ کے دین پر تھے۔ اس کے بعد اس نے بت پرستی شروع کرائی۔

تو یہ لوگ اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آگے ابراہیمؑ کی تقریر کو بیان کیا کہ تم کہاں ہو اور وہ کہاں ہے۔ وہ تو یوں فرماتے ہیں واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا اور تم لوگ انہیں بتوں کی عبادت کرتے ہو یہ کیسے تم ابراہیمی ہو۔

۴۲۔﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾

ربط: ابھی آپ نے اوپر یوم یقوم الحساب کا ذکر سنا یعنی قیامت کا آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔

۴۶۔﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾

قراء سبعہ میں سے بعض نے لتزول کو لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے تو ان مخففہ من المثقلة ہوگا معنی یوں ہوگا وانہ اور بے شک شان یہ ہے کان مکرھم تھا مکران کا البتہ اس سے پہاڑ ٹل جاتے۔ ہماری قراءت جو ہے خاص طور پر امام حفصؒ کی وہ لام کا کسرہ ہے تو اِن نفی کا ہوگا معنی ہوگا ان کان مکرھم نہیں ہے مکر ان کا لتزول من الجبال تا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی جو تعلیم ہے اور جو کتابیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ عقائد ہیں اعمال ہیں وہ پہاڑ ہیں، ان کے مکر سے تو یہ پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتے۔

۴۸۔﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾

مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت جب یہ زمین بدل جائے گی اور دوسری زمین لائی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے" قال علی الصراط" آپؐ نے فرمایا کہ پل صراط پر۔

۵۰۔﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾

سرابیل سِربال کی جمع ہے اس کا معنی ہے کرتہ، اور کسی مفسر نے قطران کا لغوی معنی نہیں بیان کیا جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے بیان کیا ہے، قطران کا معنی ہوتے ہیں پہاڑوں میں ایک درخت ہوتا ہے، چیڑ کا درخت اس سے روغن نکلتا ہے اسے جگن بھی کہتے ہیں اور جولہ بھی اصل معنی قطران کے ہیں جگن اور جولہ اسی کو صاف کر کے آگے گندھک اس سے بنتا ہے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے قطران کے معنی گندھک کے کئے ہیں، حضرت شیخ الہندؒ نے بھی قطران کا معنی گندھک کئے ہیں۔

سورة الحجر

﴿ الٓرٰ o تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ o رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴾

ربط: ربط کے بارے میں تفسیر کبیر، ابوالسعود، سبق الغایات وغیرہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے کہ جب کافر افسوس کریں گے۔ تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں دوسری بات یہ بیان ہوئی ہے کہ پہلی سورۃ کا اختتام قرآن پاک پر تھا "ھذا بلغ للناس" اوراس میں آغاز قرآن پاک سے ہورہا ہے" تلک ایت الکتب و قران مبین "اس سورۃ کا نام سورۃ حجر ہے۔ حجر ایک علاقے کا نام ہے۔

﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴾

کفار کا قیامت کے دن افسوس کرنا:

رُبَما بالتخفیف بھی پڑھتے ہیں اور رُبّما با تشدید بھی پڑھتے ہیں، امام حفصؒ کی قراءت تخفیف کی ہے، پھر نحوی قاعدے کے مطابق یہ تکثیر کے لئے بھی آتا ہے اور تقلیل کے لئے بھی آتا ہے، ربما کے معنی اگر تکثیر کے ہوں تو معنی ہوگا۔ بسا اوقات اور بکثرت اور اگر تقلیل کے ہوں تو معنی ہوگا کہ کسی وقت پسند کریں گے۔ تو اس تقلیل کے معنی پر اعتراض ہوگا کہ کافر تو وہاں افسوس کرتے رہیں گے، ان کے افسوس میں قلت تو واقع نہیں ہوگی تو پھر ربما تقلیل کے لئے کیوں ہوا۔ تو اس کا جواب آپ کو جلالین تک ملے گا: فرماتے ہیں کہ قیامت کی ہولنا کیاں اور پریشانیاں ایسی ہوں گی کہ ان پریشانیوں سے اس طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوگی، جب بھی ان ہولنا کیوں سے اس طرف رُخ پھرے گا تو افسوس کریں گے، اکثر اس کو تکثیر کے لئے لیتے ہیں۔ بسا اوقات، بکثرت پسند کریں گے کافر لوگ۔ یہ کس وقت کریں گے؟ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی عند النزع (موت کے وقت) یہ تفسیر بھی ملے گی کہ قبر میں جب جائیں گے نکیرین آئیں گے تو اس وقت کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی ان کو جب بائیں ہاتھ میں پرچہ ملے گا تو کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے، یہ تفسیر بھی ملے گی کہ جب مسلمانوں کی نیکیاں وزنی "ثقلت موازینہ" اور ان کی نیکیاں خفیف ہوں گی بلکہ "فلانقیم لھم یوم القیامۃ وزنا" تو یہ لوگ کہیں گے لو کانوا مسلمین۔ یہ تفسیر بھی ملے گی کہ گناہگار مسلمان جب دوزخ سے نکل آئیں گے تو یہ لوگ (کافر) کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی تفسیر کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے سب اپنے مقام پر صحیح ہیں۔

۹۔﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾

جب تمام کتابیں آسمانی ہیں تو حفاظت صرف قرآن کی کیوں ہوئی؟

فیض الباری میں سید محمد انور شاہؒ صاحب نے لکھا ہے کہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا کہ تمام کتابیں آسمانی ہیں تو ان کی حفاظت کیوں نہیں ہوئی اور تمہاری کتاب کی حفاظت کیوں ہوئی؟ توراۃ، انجیل، زبور بھی تو منزل من اللہ ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔ یہ نزل ینزل تنزیل باب تفعیل ہے، باب تفعیل میں خاصہ ہے تدریج، نجما نجما تھوڑا تھوڑا۔ تو فرمایا انا نحن

نزلنا الذکر وانا له لحافظون ''کہ ہم نے اس ذکر کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ حفاظت کا اس کتاب کے متعلق کیا ہے جس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے اور دوسری کتابیں جو دفعۃً اتری ہیں ان کے لئے یہ وعدہ نہیں ہے۔

۱۲۔﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾

ای کما سلکنا الاستہزاء فی قلوبہم کذالک نسلکہٗ فی قلوب المجرمین۔

یعنی جب تکوینی طور پر استہزاء کو ان کے دلوں میں چلایا اس طرح ہم اس کو مجرموں کے دلوں میں چلائیں گے۔صاحب کشاف کہتے ہیں کہ ہٗ کی ضمیر تکذیب کی طرف راجع ہے۔جیسا کہ فحوئ کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔ ای کما سلکنا التکذیب فی قلوب ھولاء کذالک نسلکہ فی قلوب المجرمین کہ جیسا ہم نے تکذیب تکوینی طور پر ان کے دلوں میں چلائی ایسے پہلے لوگوں کے دلوں میں چلائی۔

۱۶۔﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾

آسمان میں بروج سے کیا مراد ہے؟

ربط: اوپر آسمان کا ذکر تھا بابامن السماء آگے اسی آسمان کا ذکر ہے کہ ہم نے آسمان میں بروج بنائے۔بروج کیا ہیں تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی، کمالین وغیرہ میں جو ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ تین تفسیریں ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ بروج سے مراد سیارے ہیں، سورج، مشتری، چاند، زہرہ وغیرہ۔

دوسری تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد مشہور برج ہیں جیسے حوت، سنبلہ، عقرب، میزان وغیرہ۔وہ منازل جن کو سورج طے کرتا ہے وہ بارہ منزلیں جو ہیں وہ بروج ہیں۔

تیسرا مطلب بیان کرتے ہیں کہ بروج سے مراد قلعے ہیں، جو اوپر فرشتوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

۲۰۔﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ﴾

یہ رازقین جمع کیوں لائے تو کہتے ہیں کہ مجازی طور پر آقا اپنے غلاموں کو رزق دیتا ہے۔باپ مجازی طور پر اپنے بیٹوں کو رزق دیتا ہے شوہر بیوی کو رزق دیتا ہے تو اس لئے جمع کا صیغہ لائے کہ حقیقتاً تو رزق اللہ دیتا ہے۔

۲۶۔﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾

ربط: اوپر آسمان کا، زمین کا، ہواؤں کا، بارش کا ذکر تھا آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت انسان کے وجود میں بتلاتے ہیں کہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

۲۷۔﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ نار سموم کا معنی نار 'شدید' ایسی سخت آگ کہ ''تدخل المسامات'' کہ مسامات میں داخل ہوجائے، اب اس کے معنی شاہ عبدالقادرؒ کرتے ہیں آگ کی لُو سے۔

۴۱۔﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ﴾

یہ علیّ کیا ہے ایک گروہ مفسرین کا یہ فرماتا ہے کہ علیّ بمعنی الیّ کے ہیں۔

دوسرا ابوسعودؒ فرماتے ہیں هذا صراط حق علی اَنْ اُراعیهٗ یہ راستہ حق ہے مجھ پر کہ میں اس کی رعایت رکھوں۔

اور بعض تفسیروں میں یہ بھی ملے گا کہ هذا صراط علی ای بیانهٗ علی۔

۴۴۔﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾

جہنم کے سات طبقے ہیں:

تفسیر کبیر، ابوالسعود، السراج المنیر وغیرہ میں ہے کہ جہنم کے سات طبقے ہیں۔

(۱) اوپر کے طبقے میں گناہ گار مومن ہوں گے،

(۲) اس سے نچلے میں نصاریٰ،

(۳) اس سے نچلے میں یہود،

(۴) اس سے نچلے میں صابئین،

(۵) اس سے نچلے میں مجوسی،

(۶) اس سے نچلے میں مشرکین،

(۷) اس سے نچلے حصے میں منافقین ہوں گے۔

﴿إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّاتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾

اوپر جہنم اور جہنمیوں کا ذکر تھا آگے اس کے مدمقابل جنت اور جنتیوں کا ذکر ہے۔

۴۹۔﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

ربط: اوپر دو گروہوں کا ذکر تھا کفار اور مومنین کا آگے اس کے ضمن میں ابراہیمؑ کا واقعہ شروع فرمایا۔

۵۲۔﴿قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ﴾

خوف اور وجل میں فرق ہے:

وجل ایسے خوف کو کہتے ہیں جس کے آثار چہرے پر ظاہر ہوں اور خوف میں آثار چہرے پر ظاہر نہیں ہوتے۔

۶۱۔﴿فَلَمَّا جَآءَ آلَ لُوْطِ الْمُرْسَلُوْنَ﴾

ربط: پہلے لوطؑ کا ذکر تھا اجمالاً اب آگے تفصیل کیساتھ ان کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

۶۵۔﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ﴾

لفظ اسر میں تجرید کی گئی ہے کہ اسر کا معنی رات کو لے کر چلنا لیکن چونکہ آگے اللیل کا لفظ خود بخود موجود ہے تو تجرید کی گئی اب صرف چلنے کے معنی میں ہے۔

٦٦۔﴿مُصْبِحِيْنَ﴾
لفظی معنی ہے کہ صبح کر رہے ہوں گے اب ظاہر بات ہے کہ صبح وہ تو نہیں کرتے۔
کشاف والے کہتے ہیں کہ یہ اسناد مجازی ہے معنی یہ ہے کہ" داخلین فی وقت الصبح" صبح کے وقت میں داخل ہو رہے تھے۔

٧٣۔﴿مُشْرِقِيْنَ﴾
یہاں بھی وہی اشکال ہوگا تو یہاں بھی اسناد مجازی ہے ای داخلین فی وقت الاشراق۔

٧٩۔﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾
امام کے کئی معنی آتے ہیں ایک معنی سڑک کے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔

٨٠۔﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾
ربط: پہلے لوط علیہ السلام کا ذکر تھا اب اصحاب حجر کا ذکر ہے حجر کا علاقہ خیبر اور تبوک کے درمیان ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو ان بستیوں پر سے گزرے۔آپؐ نے چہرہ مبارک پر کپڑا اڈالا اور صحابہ کو فرمایا کہ یہاں سے تیزی سے گزرو۔

٨٥۔﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾
ربط: ان ماقبل کے واقعات کو بیان کرنے کے بعد اب قیامت کا ذکر فرماتے ہیں لیکن قیامت کا مسئلہ بیان کرنے سے قبل اپنی قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ جو رب آسمان وزمین پیدا کرسکتا ہے وہ قیامنت کے لانے پر بھی قادر ہے اور پکی بات ہے کہ قیامت آکر رہے گی انّ الساعة لاٰ تية.

٨٧۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾
تحقیق ہم نے دی آپ کو سات آیتیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم، یعنی سورۃ فاتحہ۔ہمارے نزدیک بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں اور شوافع اس کو سورۃ فاتحہ کا جزء مانتے ہیں جبکہ غیر المغضوب علیهم کو ہم الگ آیت شمار کرتے ہیں اور شوافع الگ شمار نہیں کرتے۔

٩٠۔﴿كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾
مقتسمین سے کون لوگ مراد ہیں؟
تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی، مظہری، السراج المنیر وغیرہ میں لمبی بحث ہے۔اس کا اختصار نقل کرتا ہوں ایک یہ کہ مقتسمین کا لفظ تقسیم سے ہے اور "الذین جعلوا القراٰن عِضین" سے مراد ہے یہود و نصاریٰ یعنی اہل کتاب، معنی یہ ہے کہ جیسا ہم نے تقسیم کرنے والوں پر عذاب نازل کیا وہ جنہوں نے پڑھی جانے والی کتابوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جیسا کہ ساتویں پارے میں آتا ہے تجعلونها قراطیس۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ قرآن سے یہ اصطلاحی قرآن مراد ہے اور مقتسمین سے مشرکین مکہ مراد ہیں، معنی

ہے کہ وہ جنہوں نے قرآن پاک کو تقسیم کر دیا وہ یوں کہ جب بیٹھتے تھے تو کہتے کہ دیکھو میں تو بقرہ لوں گا، کوئی کہتا کہ مجھے مال و مویشی سے محبت ہے تو میں انعام لوں گا۔ کوئی کہتا کہ مجھے کھانے سے محبت ہے میں المائدہ لوں گا وغیرہ وغیرہ، یہ استہزاء کرتے ہوئے قرآن کریم کی سورتوں کو تقسیم کرتے تھے۔

یہ معنی بھی ملے گا کہ جن لوگوں نے تقسیم کئے مکہ مکرمہ کے راستہ، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے سولہ راستے تھے، ہر راستہ پر انہوں نے حج کے دنوں میں آدمی بٹھائے کہ جو حج کے لئے آئے اس سے کہنا کہ محمد کے پاس نہ جائے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ مقتسمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں جیسا کہ پہلے گزرا ہے (اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال)۔

سورة النحل

۱۔﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا کہ انّ الساعة لاٰتية اس پر منکرین قیامت نے کہا کہ وہ قیامت کب برپا ہوگی؟ فرمایا کہ (اتیٰ امر اللّٰه) آچکا اللہ کا امر جلدی کا مطالبہ مت کرو۔ ماضی کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا کہ اس کا آنا ایسا یقینی ہے گویا کہ وہ ماضی میں ہو چکی ہے۔

۲۔﴿يُنَزِّلُ الْمَلَآئِكَةَ بِالرُّوحِ﴾

یہاں ملٰئكة سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہے اور روح سے وحی مراد ہے اور ملٰئكة کالفظ اسم جنس ہے کثیر و قلیل پر بولا جاتا ہے۔ وحی کو اس لئے روح سے تعبیر کیا کہ جیسا روح سے جاندار چیزوں کی حیات ہوتی ہے اسی طرح وحی سے قوموں کی روحانی حیات ہوتی ہے۔

۶۔﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾

تریحون کو پہلے اور تسرحون کو بعد میں کیوں لائے؟

یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ تریحون کو پہلے کیوں لائے ہیں اور تسرحون کو بعد میں کیوں لائے حالانکہ جانوروں کو پہلے گھر سے لے جاتے ہیں، پھر لاتے ہیں، تریحون کے معنی چرانے کے بعد واپس لے آتے ہیں اور تسرحون کا معنی چرانے کے لئے لے جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ اس میں حکمت ہے کہ جمال اس صورت میں زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ صبح کو جانور گوبر و پیشاب میں لت پت ہوتے ہیں جمال کم ہوتا ہے جب لے چلتے ہیں اور جب واپس لاتے ہیں تو کوکھ ان کے بھرے ہوتے ہیں اور پیشاب وغیرہ نہیں ہوتا تو اس میں جمال زیادہ ہوتا ہے۔

۹۔﴿وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ﴾

بیضاوی اور السراج المنیر میں ہے و علی اللّٰه ای علی اللّٰه بیان قصد السبيل روح المعانی میں ہے والی اللّٰه يصل قصد السبيل اللہ تک پہنچتا ہے سیدھا راستہ۔

۱۰۔﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ﴾

ربط: اوپر توحید کے دلائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ دیکھو بارش ہم نے آسمان سے نازل کی اس کی وجہ سے درخت اُگتے ہیں جانور چراتے ہو وغیرہ۔

۱۴۔﴿وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا﴾

مردوں کے لئے جائز زیورات:

صاحب کشاف یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زیور تم نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو یعنی انسانوں کی ایک نوع پہنتی ہے "وھوالاناث" اور وہ عورتیں ہیں اور مرد تو پہنتے نہیں ہیں گویا کہ ان کے ذہن میں اس سے مراد سونا اور چاندی ہے کہ یہ مردوں کے لئے جائز نہیں، سونا تو مطلقاً اور چاندی چار ماشے کی انگوٹھی مرد پہن سکتا ہے جبکہ امام رازیؒ

اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ زیورات کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو مردوں کے لئے بھی حلال ہیں موتی، ہیرے وغیرہ اگر مرد بھی ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈالے تو جائز ہے اور سمندر سے جو نکالے جاتے ہیں اس میں موتی اور ہیرے بھی نکالے جاتے ہیں۔

۲۱۔﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ﴾

علامہ آلوسیؒ اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض فی الحال اموات ہیں اور بعض فی المآل جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کہ ان پر بھی موت آئے گی اگرچہ فی الحال زندہ ہیں۔

۲۲۔﴿إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

ربط: پہلے شرک کی تردید اور توحید کے دلائل تھے آگے فرمایا کہ یاد رکھو یہ تمام جو کام ہیں سب اللہ کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی الہٰ نہیں ہے۔

۲۶۔﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

نمرود بن کنعان کے محل کے گرنے کا واقعہ:

ربط: ابھی نافرمانوں اور حق کو نہ ماننے والوں اور متکبرین کا ذکر تھا۔ ایسے متکبرین کا اللہ ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ تفسیر خازن، معالم التنزیل، بیضاوی وغیرہ میں نمرود بن کنعان جو کہ ابراہیمؑ کے زمانے میں تھا، اس نے ایک بہت بڑا محل بنایا، لوگ اس محل کے نچلے کمرے میں بیٹھے ہوئے گپیں مارتے تھے کوئی ناچتا تھا کوئی کچھ کرتا کوئی کچھ کرتا، وہ مکان اوپر سے گرا اور سب ختم ہوگئے۔ اس کا ذکر ہے "فاصابهم سيّاٰت ما عملوا " اى جزاء سيّآت ما عملوا.

۳۵۔﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهٖ مِنْ شَيْءٍ﴾

ربط: اوپر توحید کے دلائل تھے آگے مشرکین کے شبہات کو بیان کرتے ہیں۔

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا آگے قیامت کا ذکر ہے۔

۳۸۔﴿بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

اى وعدهم الله وعدا۔

۴۱۔﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا﴾

ربط: پہلے ذکر تھا توحید کا اب آگے رسالت کا ذکر ہے "وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً" توحید، قیامت اور رسالت یہ بنیادی مسائل ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو بار بار بیان کیا اور ان مسائل میں مسلمانوں کو مشکلات بھی بہت پیش آتی ہیں۔

۴۷۔﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ﴾

قاموس، کشاف، بیضاوی، ابوالسعود وغیرہ میں تخوف کے معنی تنقص کے کئے ہیں کہ یا ان کو پکڑیں گھٹاتے

گھٹاتے۔دوسرے حضرات اس کا معنی کرتے ہیں ڈراتے ڈراتے۔

۴۸۔﴿ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾

یہاں یمین کا لفظ مفرد ہے اور شمائل جمع ہے یا تو وہ بھی ایمان جمع ہوتا یا یہ مفرد ہوتا، میں دو باتیں عرض کرتا ہوں ایک یہ کہ ما لفظاً ہے مفرد معنیً ہے جمع تو لفظ کے لحاظ سے یمین مفرد لائے اور معنی کے لحاظ سے شمائل جمع لائے۔اکثر تفسیروں میں یہ ملے گا۔

دوسرا جواب علامہ طنطاویؒ نے تفسیر میں لکھا ہے اور اسی کی طرف تفسیر کبیر میں اشارہ ہے، کہتے ہیں کہ جس شہر کا عرض البلد ہو طول البلد نہ ہو اور عرض البلد میل شمس سے کم ہو جیسا کہ مکہ مکرمہ تو اس میں گرمی کے زمانے میں سورج دائیں طرف ہوتا ہے اور سایہ چھوٹا ہوتا ہے اور سردی کے زمانے میں سورج بائیں طرف ہوگا اور سایہ لمبا ہوگا، جو سایہ مختصر تھا اس کو یمین مفرد سے تعبیر کیا اور جو سایہ لمبا تھا اس کو شمائل جمع سے تعبیر کیا، ظـلٰل کہا کیونکہ ما جمع ہے معنی اس لئے ظل نہیں کہا۔

۴۸۔﴿ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾

میں هـم اس لئے کہا کہ تغلیب ہے ذوی العقول کی غیر ذوی العقول پر کیونکہ ماخلق اللہ میں صرف انسان تو نہیں باقی چیزیں بھی ہیں لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے هم کہا هنّ نہ کہا۔

۴۹۔﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ ﴾

آسمانوں میں کوئی دابہ قسم کے جانور بھی ہیں:

فوائد عثمانیہ میں ہے کہ اس آیت مبارکہ اور اس طرح کی ایک آیت پچیسویں پارے سورہ شوریٰ میں ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں میں کوئی دابہ قسم کے جانور بھی ہیں لیکن علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ دآبة دبّ یـدب نصر سے اس کے معنی چلنے کے آتے ہیں اور فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے ہیں تو فرشتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن پھر فرماتے ہیں کہ نہیں کیونکہ آیا ہے مـن دآبة و الملئکة واؤ عاطفہ ہے عطف مغایرة چاہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے مراد نہیں ہیں۔

۵۱۔﴿ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴾

ربط:اوپر کہا تھا کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکی ہوئی ہے،آگے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا کہ" لا تتخذوا الٰهين اثنين"۔

صاحب کشاف کہتے ہیں کہ الٰهين کے معنی دو الٰہ ہیں اور الٰہ کا معنی ایک الٰہ ہے۔تو الٰهين کے ساتھ اثنین کیوں لائے اور الٰه" کے بعد واحد کیوں لائے؟

صاحب کشاف کہتے ہیں کہ توحید کے سلسلے میں جتنی تاکید ہو اتنی مستحسن ہے تو اثنین کا لفظ تاکید ہے الٰهين کی اور واحد کا لفظ تاکید ہے الٰه" کی۔

٦١ - ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ﴾
ربط: ابھی آپ نے اوپر ما فی السموٰت وما فی الارض میں ارض کا لفظ پڑھا اوپر نافرمانوں کا ذکر ہے جنہوں نے خدا کے لئے بیٹیاں بنائیں۔ خدا کی نعمتوں کا انکار کیا، فرمایا کہ ان کے اس ظلم کی وجہ سے اللہ پکڑنا چاہے تو زمین پر کوئی دآبہ نہ چھوڑے۔
سوال: اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، تفسیر کبیر، روح المعانی، ابوالسعود، خازن وغیرہ میں ہے کہ گناہ تو کرے انسان اور پکڑے جائیں بے چارے دآبے (جانور) یہ تو انصاف کے خلاف ہے۔
اس کے دو جواب مشہور ہیں ان ہی کتابوں میں، ایک یہ کہ یہاں دآبۃ سے عام دآبے مراد نہیں بلکہ نفس انسان مراد ہے۔ (ما ترک علیها نفس دآبة) یعنی انسانوں میں کوئی نفس چلنے پھرنے والا نہ چھوڑتے۔
قرینہ اس کا سیاق وسباق ہے۔ پہلے ہے (ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمهم) آگے فرمایا (ولکن یؤخرهم)۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو گناہوں کی وجہ سے پکڑیں تو زمین پر دآبۃ نہ چھوڑتے کیوں؟ اس لئے کہ انسانوں کو تو ان کے ظلم کی وجہ سے نہ چھوڑتے اور دآبۃ کو اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں تو اللہ نے انسانوں کے لئے پیدا کی ہیں جب انسان نہیں ہوگا تو ان کی بھی ضرورت نہیں رہی تو ان کو ظلم کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کو حکمت کی وجہ سے ختم کردیں گے کہ ضرورت باقی نہیں رہی۔
٦٦ - ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾
ربط: پہلے بھی توحید کے دلائل تھے آگے بھی توحید کے دلائل ہیں۔
٦٦ - ﴿نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهِ﴾
آگے اٹھارویں پارے میں آپ پڑھیں گے مِمَّا فی بطونها وہاں مؤنث کی ضمیر ہے انعام کی طرف راجع ہے یہاں مذکر کی ضمیر ہے انعام کی طرف۔
مختصر جواب وہ ہے جو امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں دیا ہے فرماتے ہیں کہ الانعام یذکر ویؤنث۔ لہٰذا یہاں مذکر کی ضمیر لائے اور وہاں مؤنث کی ضمیر لائے۔
٦٧ - ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا﴾
چونکہ سورۃ النحل مکی ہے، مکہ میں شراب حرام نہ تھی اس لئے بطور نعمت کے ذکر کیا۔ دوسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ سکرًا کے معنی جس طرح نشے کے آتے ہیں اس طرح مٹھاس کے بھی آتے ہیں۔
﴿وَأَوْحٰى رَبُّكَ﴾
وحی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں یہ بات ڈالی ہے یہ معنی نہیں کہ جبرائیلؑ ان کے پاس آئے۔

۷۱۔﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ﴾

مثال:

ربط: اوپر توحید کے دلائل تھے آگے ایک مثال کے ذریعہ شرک کا رد کرتے ہیں کہ ایک شخص ہے اس کے پاس ایک غلام ہے اور لونڈیاں ہیں وہ اس کی ملک یمین ہیں۔ یہ آقا ہے اس آقا کا اور غلام کا فرق صرف اعتباری ہے۔ حقیقی فرق نہیں حقیقی فرق اس لئے نہیں کہ یہ بھی انسان وہ بھی انسان۔ جو لوازمات اس کے وہ اِس کے۔ اعتباری فرق یہ ہے کہ وہ برائے نام آقا ہے اور یہ برائے نام غلام ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس جو زمین ہے، کارخانے ہیں، سونا اور چاندی ہے کیا تم اس کو گوارا کرتے ہو کہ تمہارا غلام تمہاری اس جائیداد میں برابر کا شریک ہو۔ کون گوارا کرتا ہے حالانکہ حقیقت تمہاری ایک ہے۔ وہ بھی انسان تم بھی انسان فرق صرف اعتباری ہے جب تم اپنے غلام کو اپنی دولت میں شریک کرنا گوارہ نہیں کرتے تو خود خیال کرو کہ رَب کی مخلوق اور رَب جو تعالیٰ عن الجنس والجهات ہے میں کسی مقام میں اشتراک نہیں ہے تو وہ خدا کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتی ہے۔

۷۵۔﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ﴾

ایک شخص ہے عبد اور عبد ہوتے ہوئے مملوک بھی ہے یہ مملوک کی قید اس لئے لگائی کہ وہ عبد جو حر ہے نکل جائے یہ عبد مملوک کسی چیز پر قادر نہیں نہ کوئی چیز خرید سکے نہ بیچ سکے نہ نکاح کر سکے ہاں اگر عبد ماذون ہو کیونکہ غیر ماذون کسی چیز کا مالک نہیں اور ایک ہے آزاد جس کو ہم نے رزق حسنہ دیا ہے خرچ کرتا ہے کھلے طور پر اور مخفی طور پر کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ یہ مثال کس کی ہے مثلاً ایک ہے پروردگار جو ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے مقابلے میں کا کا صاحب ہو، بابا صاحب ہو وغیرہ یہ سب خدا کے مملوک ہیں کچھ نہیں کر سکتے۔

۷٦۔﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ﴾

موحد اور مشرک میں فرق:

اللہ تعالیٰ نے موحد اور مشرک کی مثال بیان کی ہے ایک ہے گونگا جو کسی چیز پر قادر نہیں آقا پر بوجھ ہے آقا جس طرف اس کو بھیجتا ہے کام بگاڑ کر آتا ہے، سنوار کر نہیں آتا، کیا یہ اور وہ شخص جو حکم کرتا ہے عدل کے ساتھ دونوں برابر ہیں؟

یہ مثال ہے موحد اور مشرک کی کہ مشرک ابکم ہے کوئی دلیل شرک پر پیش نہیں کر سکتا اور دوسرا (موحد) عدل و انصاف کی باتیں بیان کرتا ہے تو موحّد اور مشرک برابر نہیں۔

اِلٰہ حقیقی اور تمہارا خود ساختہ اِلٰہ یہ برابر نہیں۔

۷۷۔﴿وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ﴾

ربط: اوپر حق تعالیٰ کی خلق اور رزق کی صفت تھی آگے رب تعالیٰ کے علم کی صفت بیان کی کہ غیب اسی کی صفت ہے کسی اور

کی نہیں۔

۸۰۔﴿أَثَاثاً وَّمَتَاعًا إِلَىٰ حِيْنٍ﴾

اثاث ومتاع میں جمل والے یہ فرق کرتے ہیں کہ اثاث وہ سامان ہے جو گھر کے باہر بھی استعمال ہو سکے اور گھر میں بھی اور متاع وہ چیز ہے جو صرف گھر میں استعمال ہو مثال کے طور پر قالین وغیرہ کہ گھر ہی میں استعمال کی جاتی ہیں۔

۸۴۔﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾

ربط: اوپر توحید کا مسئلہ تھا اب آگے قیامت کا مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ مشرکین قیامت کا سختی سے انکار کرتے تھے۔

۸۴۔﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾

تفسیر بیضاوی، السراج المنیر، ابوالسعود اور انشاءاللہ آپ کو جلالین تک ملے گا کہ یستعتبون کا مجرد مادہ ہے عُتبیٰ بروزن بشریٰ، عتبیٰ کے معنی الرجوع الی مایرضی اللّٰہ۔ تو اب معنی یہ ہونگے نہ ہوں گے وہ کہ ان کو اللہ کو راضی کرنے کی اجازت دی جائے گی، حضرت شیخ الہندؒ معنی کرتے ہیں اور نہ مطلوب ہو گی ان سے توبہ۔

۹۰۔﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

ربط: مختصر ربط وہ ہے جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فوائد عثمانیہ میں نقل کیا ہے کہ اوپر قرآن کا ذکر تھا کہ ''نزلنا القرآن تبیاناً لکل شیء'' آگے فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ خوبی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد پر مشتمل ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ آگے عدل کا حکم دیتا ہے۔

عدل کا معنی کیا ہے علامہ آلوسیؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں عقیدہ میں اعتدال کرنا نہ افراط نہ تفریط، دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہے لیکن عدل کے معنی انصاف کے ہیں اور احسان کے معنی اخلاص کے ہیں۔

۹۲۔﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾

عہد توڑنے والے کو تشبیہ:

ربط: ریطہ بنت سعد قریشیہ ایک عورت تھی، اس کا دماغی توازن ٹھیک نہ تھا یہ سارا دن چرخے پر سوت کاتتی جب شام کا وقت ہوتا تو اس کاتے ہوئے سوت کو دھاگہ دھاگہ کر کے اُدھیڑ ڈالتی، اللہ تعالیٰ نے یہاں تشبیہ دی کہ تم قسمیں کھاتے ہو کہ میں اس جماعت کو حق سمجھتا ہوں اور اس جماعت کے ساتھ رہوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ دوسری طرف سے فوائد ملے اور تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اپنے اس کاتے ہوئے مضبوط سوت کو دھاگہ دھاگہ کر دو۔ انکاث یہ جمع ہے نکث کی معنی ہے دھاگہ۔

۹۵۔﴿إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

انما میں اِنّ مشبہ بالفعل ہے اور ما موصولہ ہے، معنی بے شک وہ چیز جو اللہ کے پاس ہے۔

۹۸۔﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾

اذا جب ماضی پر داخل ہوتو مضارع کا معنی دیتا ہے تو ایک معنی یہ ہے کہ اذا اردت القرآن یہ معنی کشاف، بیضاوی، ابوالسعو دسب تفسیروں میں ملے گا۔ایک تفسیر اور بھی ہے کہ اذا قرأت القرآن ای اذا فرغت من قراءۃ القرآن فاستعذ باللّٰه کہ قرآن کے پڑھنے سے جب فارغ ہو جاؤ تو آخری سورتیں پڑھا کرو قل اعوذ برب الفلق،قل اعوذ بربّ الناس۔

۱۰۱۔﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:اوپر قرآن کا ذکر تھا پھر اس کی تعلیم کا ذکر تھا اب اس قرآن پاک پر ایک اعتراض اور اس کا جواب ہے،قرآن پاک میں نسخ بھی ہے،اس پر کفار اعتراض کرتے تھے۔اس کا جواب دیا واذا بدلنا ایۃً مکان ایۃٍ الخ سے۔

۱۰۳۔﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾

مشرکین کی تردید:

تفسیروں میں آپ کو کئی نام ملیں گے،ایک غلام تھا جس کا نام جبر تھا،بعض نقل کرتے ہیں یعیش ،بعض نقل کرتے ہیں عائش اور بعض نقل کرتے ہیں سنطاس، یہ غلام تھا رومی ۔یہ تھوڑا بہت پڑھا لکھا تھا، یہ جب بیمار ہوتا تو آپؐ اس کے پاس جاتے،کبھی پانی دیتے،کبھی دوائی دیتے اور کبھی خدمت کرتے، کفار نے کڑی ملائی کہ یہ جو قرآن سناتا ہے جبر نامی غلام اس کو پڑھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو جبر نامی غلام تعلیم دیتا ہے،فرمایا کہ زبان اس کی جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے،وہ عربی نہیں بول سکتا وھـــــذا لسان عربی مبین اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔

۱۰۶۔﴿إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ﴾

جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم:

ربط: پہلے لایؤ منـون کا ذکر تھا آگے اسی سلسلے میں فرمایا کہ جو مومن ہو پھر ایمان سے نکل جائے مرتد ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

واقعہ: یہاں آپ کو معالم التنزیل اور درمنثور میں ملے گا کہ حضرت عمارؓ کو کافروں نے گھیرے میں لیا اور مجبور کیا تو ایسے موقع پر انہوں نے جان چھڑانے کے لئے کلمہ کفر زبان سے کہا دل میں ایمان تھا،اس کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔اکـراہ کے متعلق فقہ میں بہت تفصیل ہے میں مختصراً بات عرض کرتا ہوں،فقہی طور پر اکراہ یہ ہے کہ کسی شخص کو قتل کی دھمکی دی جائے یا قطع عضو کی اور دھمکی دینے والا وہ ہو جو اپنی دھمکی کو پورا کر سکے، یہ ہے اکراہ۔ایسے موقع پر کلمہ کفر زبان سے کہنے کی اجازت ہے نہ کہے تو عزیمت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ”وقلبهٗ مطمئن بالایمان“ تومن کفر باللّٰه یہ مبتدا ہے اور فعلیھم غضب من اللّٰه اس کی خبر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

دو باتیں یہاں پر حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کی ہیں اور ایک بات میں زادالمعاد کے حوالے سے عرض کرتا ہوں

ایک واقعہ حبیب ابن زیدؓ کا نقل کیا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت تھی، یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمان تھی ۔۔۔۔۔

دوسرا واقعہ ہے عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ کا، یہ ہرقل روم کے مقابلے میں لڑے تھے۔ ہرقل نے ان کو سامنے کھڑا کر کے پوچھا یہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور خوبصورت نوجوان تھے ۔۔۔۔۔ اے نوجوان ازوّجک ابنتی و اشرکک فی مُلکی ۔۔۔۔۔

تیسرا واقعہ حضرت خُبیبؓ کا ہے۔ ان کو مشرکین نے سولی پر لٹکایا ۔۔۔۔۔ ابوسفیان نے کہا کہ تو کہہ دے کہ کاش آج میری جگہ محمدؐ سولی پر لٹکا دیئے جاتے اتنا لفظ کہہ دے میں تیری رہائی کا ذمہ دار ہوں الخ۔

۱۱۱۔﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾

ربط : اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے بھی آخرت کا ذکر ہے۔

۱۱۲۔﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾

کفرانِ نعمت کا نتیجہ:

یہ بستی کونسی تھی؟ تین تفسیریں آپ کو ملیں گی۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ یہ کوئی متعین بستی نہیں تھی ایسی بستیاں بے شمار ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس قریہ سے مراد ہے مکہ مکرمہ، مکہ مکرمہ کی بستی تھی ہر طرف سے رزق آتا تھا، انہوں نے انکار کیا اللہ کی نعمتوں کا اور ان کے پاس رسول بھی آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، "فکذبوه فاخذهم العذاب" ان پر قحط سالی مسلط ہوئی اور بخاری میں آتا ہے کہ اکلوا المیتة۔

تیسری تفسیر جمل اور کمالین وغیرہ میں ملے گی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ اس بستی سے مراد ہے مدینہ طیبہ مدینہ منورہ امن والا شہر تھا، مطمئن تھا، رزق وافر ملتا تھا، اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا، حضرت عثمانؓ کو شہید کیا، تو ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مسجد نبوی میں مسلسل کئی دنوں تک نہ اذان ہوئی نہ جماعت۔

۱۱۴۔﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا﴾

ربط: اوپر اللہ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ رب کا دیا ہوا پاک رزق کھاؤ۔

۱۱۶۔﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ﴾

ربط: اوپر اللہ کی حلال کردہ چیزوں کا بیان تھا آگے مشرکین کی تردید ہے کہ اپنے منہ سے کہتے تھے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

۱۱۸۔﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا﴾

ربط: آگے ان چیزوں کا تذکرہ ہے جو یہود پر حرام تھیں۔

۱۲۰۔﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا﴾

ربط: یہ مشرکین جو حرام اور حلال چیزوں کو خود بناتے اور اپنی نسبت ابراہیمؑ کی طرف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان ابراهيم كان امّة قانتا للّٰه حنيفا۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں پڑھا تھا ”ولا تحزن علیھم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون“ کہ آپؐ غم نہ کھائیں اور جو یہ تدبیریں کرتے ہیں اس سے تنگی محسوس نہ کریں۔ انہی تنگی کے مواقع میں سے ایک واقعہ معراج کا ہے۔

معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟

معراج کے واقعہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس سن میں ہوا؟

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ نبوت کے پانچویں سال پیش آیا، بعض فرماتے ہیں کہ نبوت کے دسویں سال، راجح قول یہ ہے کہ نبوت کے گیارھویں سال ہوا۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ﴾

حافظ ابن کثیرؒ نے لفظ سبحان سے استدلال کیا ہے معراج کے جسمانی ہونے پر کہ رب تعالیٰ نے سبحان الذی سے شروع فرمایا تو کوئی نرالی بات تو ہے جیسا کہ ہم بھی جب کسی نرالی اور عجیب بات کو ذکر کرتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں اگر یہ صرف خواب کا قصہ ہوتا اور کشف ہوتا تو اس میں کوئی نرالی بات نہیں، تو کہتے ہیں کہ لفظ سبحان میں اس بات کی دلیل ہے کہ نرالی بات ہے۔

پھر دوسری چیز یہ پیش کرتے ہیں کہ بعبدہٖ کے لفظ ہیں۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عبد کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ بروح عبدہٖ بلکہ بعبدہٖ فرمایا یہ دوسرا قرینہ ہے کہ آپ کو معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا ہے۔

﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ﴾

جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں ظاہری برکتیں بھی مراد ہیں اور روحانی بھی، ظاہری برکتیں یہ ہیں کہ باغات ہیں چشمے ہیں سرسبز علاقہ ہے اور باطنی برکتیں یہ ہیں کہ وہاں بے شمار پیغمبروں کی قبریں ہیں۔

﴿اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾

جمہور مفسرینؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ انہٗ کی ضمیر لوٹتی ہے لفظ الذی کی طرف سبحن الذی پاک ہے وہ ذات بے شک وہ ذات سمیع وبصیر ہے۔

روح البیان والا فرماتا ہے کہ ہٗ کی ضمیر راجع ہے بسوئے عبد ”بے شک وہ عبد سمیع وبصیر ہے“ اب آپ ﷺ کو سمیع وبصیر کہنے کا کیا مطلب؟

مطلب یہ ہے کہ جو آپؐ کی شان کے لائق تھا، وہاں اللہ کا کلام سنا، جو آپؐ کی شان کے لائق تھا وہاں دیکھا ”لقد رأی من ایٰت ربہ الکبریٰ“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرح سمیع وبصیر ہیں۔ اگر

مان لیا جائے کہ آپؐ سمیع وبصیر ہیں تو اس معنی میں جو آپؐ کی شان کے لائق ہے۔

۲۔﴿وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى﴾

ربط: اوپر مسجد اقصیٰ کا ذکر تھا اب آگے اسی مناسبت سے توراۃ کا ذکر ہے۔ کہ موسیٰؑ بھی اسی علاقے میں پہنچے۔ موسیٰؑ کو کتاب دی جو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دی۔

۵۔﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا﴾

بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے؟

یہاں تفسیروں میں بہت تفصیل ہے محقق بات یہ ہے کہ پہلا واقعہ تھا بخت نصر ایرانی کا کہ اس نے حملہ کیا اور وہاں قتل عام کیا۔

۷۔﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ﴾

یہ دوسرا واقعہ طیطاؤس رومی کا تھا یہ روم کا بادشاہ تھا، بعض کہتے ہیں کہ عیسائی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ عیسائیت سے متاثر تھا، اس نے وہاں حملہ کیا اور لوگوں کو قتل کیا، اتنا وہاں قتل عام کیا کہ گھوڑے گھٹنوں تک انسانوں کے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

ربط: اوپر توراۃ کا ذکر تھا اب اسی مناسبت سے قرآن کا ذکر ہے کہ جیسے ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی۔ اب ''ان ھـــذا القرآن یھدی الخ'' کہ وہ کتاب ہدایت تھی بنی اسرائیل کے لئے اور یہ کتاب'' ھـدی للناس'' ہے'' للّتی ھی اقوم ای لطریقۃالّتی ھی اقوم أوللّتی ای للخصلۃ الّتی''

۱۱۔﴿وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا﴾

ربط: بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط ہے کہ جب کافروں کو دھمکی دی گئی کہ ہم نے تمہارے لئے عــذاب الیــم تیار کیا ہے، تو کہتے تھے کہ وہ عذاب الیم کیوں نہیں لاتے، لائیے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان مانگتا ہے شرّ کو جیسا کہ مانگتا ہے خیر کو۔

روح المعانی، بیضاوی میں ہے کہ یہاں یـدع ُ میں واؤ کو گرا دیا گیا ہے اصل میں یـدعـو تھا نہ کوئی ناصب ہے نہ کوئی جازم ہے اور یہ صرف تخفیف کے لئے ہے، بغیر کسی قاعدے کے۔

۱۲۔﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا﴾

یہاں دونوں جگہ کل کا نصب فعل کی وجہ سے ہے پھر اس کو حذف کیا علیٰ شریطۃ التفسیر کے طور پر۔

۱۶۔﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾

آسودہ حال لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے بستیوں کو برباد کیا جاتا ہے:

فرمایا کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو حکم کرتے ہیں تو وہ

اس میں نافرمانی کرتے ہیں پس ان پر ہمارا ہلاکت کا قول ثابت ہو جاتا ہے۔
یہاں سے سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب رب ان کو حکم دیتا ہے اور وہ نافرمانی کرتے ہیں تو ان کا کیا قصور ہے؟
تو اس کے تین جواب ہیں
ایک جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا صحیح بخاری میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امرنا حکم دینے کے معنی میں نہیں ہے اَمــرنــا کے معنی کثّر نا ہم زیادہ کرتے ہیں۔ تو معنی یوں ہوگا کہ جب ہم ارادہ کرتے ہیں کسی بستی کو ہلاک کر دینے کا تو اس میں آسودہ حال لوگوں کو زیادہ کر دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تو ہمارا قول ان پر ثابت ہو جاتا ہے۔
دوسرا جواب عبداللہ ابن عباسؓ کا ہے روح المعانی اور معالم التنزیل وغیرہ میں ہے وہ یوں کہتے ہیں ''واذآ اردنا ان نهلک قرية امرنا مترفيها بالطاعةِ'' ہم وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں، پھر وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ تو حکم فسق کا نہیں بلکہ طاعت کا حکم دیتے ہیں۔
تیسرا جواب تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ یہاں امر سے امر تشریعی مراد نہیں بلکہ امر تکوینی مراد ہے امر تکوینی کا مطلب یہ ہے جس طرف جو شخص جانا چاہتا ہے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں۔

۱۸۔﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ﴾

یہاں العاجلہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے ای من کان یرید الدار العاجلة۔

۲۳۔﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے کوشش بھی کرے اب آخرت کی کوششوں میں سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، پھر آگے ایک رکوع اسی کے متعلق ہے کہ یہ بھی کرے، یہ بھی کرے اور آگے رکوع میں ہے کہ یہ بھی نہ کرے، یہ بھی نہ کرے۔

۲۳۔﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ آخرت کا ارادہ کرے وســعـی لهــا ســعيــاً اور اس کے لئے کوشش کرے تو آخرت کی کوششوں میں سب سے پہلی کوشش یہ ہے شرک کے قریب نہ جائے اور اب کچھ کرنے کے کام ہیں۔ وہ یہ ہے قـضـی ربک الّا تعبدوا الا ایاہ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک وغیرہ۔

۲۴۔﴿كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

''ای کـمار حمانی حین ربّیٰنی صغیرًا'' جیسا کہ انہوں نے مجھ پر شفقت کی تھی جب انہوں نے مجھے پالا تھا جب میں چھوٹا تھا۔

۲۷۔﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾

فضول خرچی کرنے والوں کو شیطانوں کے بھائی کہنے کی وجہ:

فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان رب کا نافرمان ہے اب وجہ تشبیہ کیا ہے؟ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں روح المعانی میں کہ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قدرت دی نیکی کی بھی اور بدی کی بھی۔ کیونکہ مکلف مخلوق ہے اب شیطان نے نیکی کی ساری قدرت بدی میں صرف کی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں دیا ہے، اس کو اگر تم بدی میں خرچ کرو گے تو شیطان کے بھائی ہو گے۔

۳۱۔﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾

ربط: پہلے رکوع میں کرنے کے کام تھے۔ اب یہاں اس رکوع میں نہ کرنے کے کام ہیں۔ گویا پہلے رکوع میں اوامر تھے اور اس رکوع میں نواہی ہیں۔

۴۰۔﴿أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ إِنَاثًا﴾

ربط: پہلے شرک کا رد تھا۔ آگے شرکیہ عقائد کا رد ہے۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا "ذالک مما اوحی الیک ربک" یہ وحی کے ذریعے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا۔ اب اسی وحی کا ذکر ہے کہ ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر باتیں بیان کیں کبھی نقلی دلیل ہے، کبھی عقلی دلیل ہے، کبھی آسمان کی طرف توجہ دلائی کبھی زمین کی طرف توجہ دلائی کبھی فضا کی طرف۔

۴۵۔﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ﴾

ربط: پہلے بھی قرآن کا ذکر تھا کہ ولقد صرفنا فی ھذا القراٰن آگے بھی قرآن ہی کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب تو قرآن پڑھتا ہے تو تیرے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم پردہ کر دیتے ہیں۔

۴۵۔﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾

أی حجابا ساترا اسی طرح موفورًا ای وافرًا، اور مأتیاً ای اتیا تمام میں مفعول بمعنی فاعل کے ہیں۔

۴۷۔﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوٰى﴾

یہاں ایک نحوی اشکال ہے کہ ھم مبتدا ہے اور ذات ہے اور نجوٰی خبر ہے اور صفت ہے حالانکہ صفت کا حمل ذات پر صحیح نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نجویٰ مصدر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے معنی یہ ہے اذھم متناجون جب وہ مشورہ کرتے ہیں سرگوشی کرتے ہیں، یہ آپ کو تفسیر کبیر، روح معانی، مدارک وغیرہ میں ملے گا۔

۵۲۔﴿فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾

بعض لوگ حمد سے حکم مراد لیتے ہیں بحمدہ ای بحکمہ کیوں کہ اس دن حمد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا،

دوسرے کہتے ہیں فتستجیبون بحمدہٖ کہ وہاں تمہاری زبانوں سے حمد بھی جاری ہوگی، بحمدہٖ کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ حمد اپنی زبانوں سے کرتے ہوں گے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تم خدا کے حکم کو مانو گے جو اپنی حمد کے ساتھ متصف ہے، کہ دنیا میں بھی اس کی حمد ہے اور آخرت میں بھی۔

﴿وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کافروں نے آپ ﷺ کو مسحور بھی کہا۔ قیامت کے بارے میں کہا کہ کب آئے گی کون لائے گا۔ تو ان باتوں پر مومنوں کو تکلیف ہوئی، ہونی بھی چاہئے کہ آپ ﷺ کو کبھی کہتے ہیں جادوگر ہے، کبھی کچھ تو کبھی کچھ تو فرمایا کہ کافروں کی ان باتوں سے متاثر نہ ہوں "میرے بندوں کو کہو کہ کہیں اچھی بات"۔

﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾

یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ اور زبور کا ذکر کیوں کیا اس میں کیا نکتہ ہے فرماتے ہیں اپنے مقام پر آئیگا (ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذ کران الارض یرثھا عبادی الصالحون) کہ زبور میں آنحضرتؐ کی امّت کے اقتدار کا ذکر ہے اس لئے داؤدؑ کا اور زبور کا ذکر کیا۔

۵۸۔﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾

جنّات سے پناہ مانگنے کا واقعہ:

ربط: اوپر شرک کا رد تھا آگے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔

واقعہ: تفسیر درمنثور وغیرہ میں ہے کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام تھا اس کا نام تھا اوج، وہاں جنّات کا ڈیرہ تھا۔ یہ لوگ جب وہاں جاتے تھے تو جنّات سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ اے وادی کے سردار جن میں تمہاری پناہ لیتا ہوں اور وہاں دودھ و مکھن وغیرہ چھوڑ دیتے تو جنوں کو اور بھی مزہ آگیا کہ ڈرتے بھی ہم سے ہیں اور مفت غذا بھی پہنچادیتے ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ جنّات مسلمان ہوئے، ان لوگوں نے جو مشرک تھے، بدستور ان کی پوجا جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو تم اللہ کے ورے پکارتے ہو تو یہ سنو کہ "فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلاً" اللہ کے ورے جن کو تم پکارتے ہو، وہ نہ تمہاری تکلیفیں دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کو پھیر کر کسی اور پر ڈال سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود خدا کے توسّل سے چاہتے ہیں۔

۵۸۔﴿وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

یعنی تقدیر میں لکھ چکے ہیں یہاں اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں "ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت ہیں اور اس کی پناہ میں ہیں سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا" اہلاک کی علت شاہ صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شہر میں لوگوں نے خانہ ساز بزرگ بنا رکھے ہیں۔

۶۰۔﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾

اس کی جزاء محذوف ہے ای فبلغھم۔

۶۰۔﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾

آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لئے فتنہ کا سبب:

یہاں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک تو آپ نے ابھی معراج کا واقعہ سنا بعض لوگوں کو الرؤ یا کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم نے ضوء السراج میں اس پر باحوالہ بحث کی ہے کہ رؤیا کا معنی، لغت میں خواب بھی ہوتا ہے اور بیداری میں دیکھنا بھی اس رؤیا کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہم نے نقل کی ہے۔ رؤیا عینٍ اُرِیھا رسول اللّٰہ کہ بیداری میں آنکھ کے ساتھ دیکھنا ہے خواب کا دیکھنا نہیں۔

۶۰۔﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ ﴾

شجرہ ملعونہ سے مراد شجرۃ الزقوم ہے۔کافر یہ کہتے تھے کہ ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے اور پھر کہتا ہے کہ اس آگ میں درخت بھی ہے تو یہ عقل نہیں مانتی۔ یہ ان کا شوشہ تھا۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ ترکی میں ایک جانور ہے سمندل، اس کی پشم کے لوگ کپڑے بناتے ہیں اور وہ کپڑے جب میلے ہو جاتے ہیں تو تنور میں ڈالتے ہیں، میل ختم ہو جاتا ہے کپڑے نہیں جلتے۔ تو اب دنیا کی ایسی چیزیں ہم دیکھتے ہیں تو آخرت کی کیا بات ہے۔

صراح مع القراح میں شیخ جمال الدین قرشیؒ لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک جانور ہے سمندر نامی وہ آگ میں ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ پانی میں مچھلی۔

۶۱۔﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوا﴾

ربط: اوپر نافرمانوں کا ذکر تھا کہ کبھی کہتے ہیں کہ شجرۃ ملعونہ وہاں کیسے ہوگا، آپ کو معراج پر کیسے لے جایا گیا، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ابلیس صفت مت بنو۔ رب نے فرمایا تھا کہ سجدہ کر اس نے نہیں کیا تھا۔ فرشتہ صفت بنو۔ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدے کا حکم دیا فرشتے گر پڑے نافرمان مت بنو، فرمانبردار بنو۔

۶۴۔﴿واستفزز﴾

استفزاز کے معنی ایک چیز نے کاٹ کر جدا کرنا اور استفزز کے معنی خفّف کے بھی ہوتے ہیں۔ بعض نے معنی کیا واستفزز ای واستخفّ ہلکا بنالیں، خفیف بنالیں۔

۷۱۔﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ﴾

ربط: اوپر توحید کا مسئلہ تھا، اب آگے قیامت کا مسئلہ ہے۔ تاکہ ان چیزوں کے بار بار آنے سے ذہن بنے کیونکہ قیامت کا بھی وہ انکار کرتے تھے۔ جسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں ''اذا کنا عظاماً وّ رُفاتاً ءانّا لمبعوثون خلقاً جدیدًا''

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ میں امام سے کیا مراد ہے؟

امام سے کیا مراد ہے؟ معالم التنزیل، خازن، بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ اس سے نبی مراد ہے کہ نوحؑ کی امت آئے گی، ھودؑ کی امت آئے گی، ساتھ نبی ہوگا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی وغیرہ ہیں، کہ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ماننے والے آئیں اور امام سے مراد چاروں سلسلوں کے امام مثلاً نقشبندی، سہروردی وغیرہ بھی مراد لیا گیا ہے اور امام کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس سے مراد خیر وشر ہے، امام سے یہ معنی بھی لیا گیا ہے کہ اس سے مراد نامہ اعمال ہے۔

۷۲۔﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں دوسرے مقام پر آتا ہے۔﴿اَبصر بهم واَسمع يوم ياتوننا﴾ یہ فعل تعجب کے صیغے ہیں معنی یہ ہے کہ کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے۔ کیا ہی سننے والے ہوں گے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ دیکھیں گے سنیں گے۔ تو یہ اندھا کیسے ہوگا؟ اس کے دو جواب ہیں:

(i) ایک جواب امام بخاری نے کتاب التفسیر میں دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اعمٰی سے مراد اُعمٰی عن الحجّة (دلیل سے اندھا) ہے۔

(۲) اعمیٰ کا یہ معنی ہے کہ جب قبر سے نکلے گا تو اوّل اندھا ہوگا پھر آگے چلے گا تو جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو ''اَبصر بهم واسمع يوم ياتوننا'' اللہ کی عدالت میں آئے گا تو دیکھنے والا، سننے والا ہوگا۔

۷۳۔﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾

ربط: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ یہ ربط بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ خود تو اندھے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو غلط راستوں پر چلانے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں اسی مناسبت سے آگے کچھ واقعات بیان فرمائے۔

شانِ نزول:

بنو ثقیف والوں کے مشروط ایمان لانے پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہ:

معالم التنزیل وغیرہ میں ہے کہ بنو ثقیف کے لوگ جو طائف کے آس پاس رہتے تھے آپؐ کے پاس آئے کہنے لگے کہ حضرت ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ ہمارے اس رقبے کو حرم بنا دیں، درمنثور وغیرہ میں یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن اس سال ہمیں چڑھاوے کی اجازت دے دیں، یہ بھی آپ کو ملے گا صاوی وغیرہ میں ہے کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن ہم نماز نہیں پڑھیں گے اور ہم جہاد کے لئے نہیں جائیں گے اور ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔۔۔۔ آپؐ نے اس موقع پر یہ خیال فرمایا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو انشاء اللہ سارا کچھ کریں گے، چلو ان سے کچھ نرمی برتو۔ آپ کا ارادہ بُرا نہ تھا لیکن اگر آپؐ ایسا کرتے تو اس کا نتیجہ بُرا ہوتا، لوگ کہتے کہ دیکھو ان کو چڑھاوے کی اجازت دی۔ ان کو نماز معاف کر دی، ان کو جہاد معاف کر دیا تو اس سے غلط تاثر پیدا ہوتا۔ رب نے

سخت تنبیہ فرمائی۔ وان ای وانّـــہٗ اور بعض انّھــم نکالتے ہیں بےشک قریب تھا کہ تجھے فتنے میں ڈال دیتے۔ ضـعف الـحیٰوۃ ای ضـعف عـذاب الـحیٰوۃ وضعف عذاب الممات دنیااورآخرت میں دُگنا عذاب دیتے۔

۷۶۔﴿وَإِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْأَرْضِ﴾

شانِ نزول:

معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ جب آپؐ مدینہ ہجرت کر کے آئے تو یہود نے آپؐ سے کہا کہ تو یہاں کیا کرتا ہے، پیغمبروں کا مرکز تو شام کا علاقہ ہے، تجھے وہاں جانا چاہئے تھا یہاں کیا کرتا ہے، اس موقع پر یہ آیت اتری۔

دوسری تفسیر روح المعانی اور کبیر وغیرہ میں ہے کہ مکہ والوں نے آپ کے قدم اکھاڑنے کی کوشش کی۔ اور آپؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ آپ کو یہاں سے نکالیں گے۔ تو جب آپ نکلیں گے تو آپ کے بعد وہ بھی تھوڑا ہی عرصہ رہیں گے غزوہ بدر کا واقعہ دو سال کے بعد ہوا۔

۷۷۔﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾

سنة من قدارسلنا میں سنّۃَ کا نصب بنزع الخافض ہے کہ اصل میں تھا کسـنّۃِ من قدأرسلنا۔ بیضاوی فرماتے ہیں کہ مفعول مطلق ہے ای سَنّ سنّۃَ من قد۔۔۔۔

۷۸۔﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾

ربط: اوپر کفار کی حیلہ سازیوں کا ذکر تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ آپ اپنے کام میں لگے رہیئے ان کی باتوں کی طرف توجہ ہی نہ دیں کہ انہوں نے یہ کیا یہ کہا بلکہ نماز قائم کریں۔

﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾

اس کا نصب کہاں سے ہے؟ تو دو آسان ترکیبیں ہیں ایک یہ ہے کہ اقم کے ساتھ ہے ای اقـم قـرآن الفجر دوسرا یہ کہ نصب علی الاغراء ہے کہ ''علیک قرآن الفجر'' کہ لازم ہے تجھ پر قرآن فجر کا۔

۷۹۔﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

تہجد کی نماز اور اس کا حکم:

تھجد کا مجرد مادہ ہے ھـجـود. ھجود کے معنی نیند کے ہیں، باب تفعّل کے خواص میں سے ایک خاصہ ہے ''التـجـنّـب عن الـمـاخذ'' ماخذ سے گریز کرنا تو لفظی معنی تہجد کے ہیں، نیند کو ترک کرنا پھر بعد میں تہجد کا معنی التبرّر نیکی کرنا ہوئے۔

﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾

اس کے متعلق خاصی بحث ہے کہ تہجد کی نماز آپؐ کے لئے فرض تھی یا نفل۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ آپ کے لئے

ضروری تھی وہ ”نافلۃً“ کا معنی کرتا ہے کہ نافلۃً ای زائدۃً علی الصلوٰت الخمس ”تہجد کی نماز آپ کے لئے فرضیت میں زائد ہے جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ابتداء تہجد کی نماز ایک سال تک آپؐ پر فرض تھی اور اُمت پر بھی اور اس کی فرضیت سورۃ مزمّل کے ابتدائی رکوع میں موجود ہے۔ آخری رکوع سال کے بعد نازل ہوا تو تہجد کی فرضیت منسوخ کردی گئی تو نافلۃً کے معنی ہے کہ آپؐ کے لئے بھی نفل تھی۔

۸۵۔﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ﴾

ربط: کبیر وغیرہ میں ہے کہ قرآن پاک اللہ کی وحی ہے اور اس سے قوموں کو حیات نصیب ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے آگے روح کا سوال ہوا جس سے بدن کی حیات ہوتی ہے۔

یہود کے اکسانے پر مشرکین نے آپ سے تین سوال کئے:

شان نزول:

ایک موقع پر یہود نے تین سوالات کئے۔ درمنثور میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ یہود کے اکسانے پر مشرکین نے تین سوال کئے۔

(۱) روح کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) اصحاب کہف کون تھے، ان کے کیا کارنامے تھے؟

(۳) ذوالقرنین کون تھا اور اُس کے کیا حالات تھے؟

تو یہاں سے روح کا جواب دیا باقی دو سوالوں کے جوابات آگے آئیں گے۔

یہاں خاصی طویل بحث چلتی ہے امام رازیؒ اس پر مصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو روح کی حقیقت بتلائی تھی آپؐ روح کی حقیقت کو جانتے تھے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ روح کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یہ صرف اُسی کے ساتھ خاص ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں اس پر مستقل باب قائم کیا ہے۔

امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم میں روح پر بحث کی ہے تو سمجھانے کے لئے فرماتے ہیں ”جسم لطیف سارٍ فی بدن الحیوان“ ایک ایسا لطیف جسم ہے جو جاندار کے بدن میں سرایت کئے ہوتا ہے۔

۸۶۔﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾

ربط: اوپر قرآن کا ذکر تھا آگے اسی قرآن پاک کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے بھیجی ہے اس کو چھین لیں جیسے روح نکالی جاتی ہے بدن سے۔

۸۷۔﴿إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾

رحمۃً یہ مفعول ہے فعل محذوف کا ای ابقیناہ رحمۃً من ربک۔

۸۹۔﴿مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾

یہ صفت ہے موصوف محذوف کی، وہ یہ ہے ولقد صرّفنا فی ھذا القران مثلاً من جنس کل مثل۔

۱۰۱۔﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ﴾

ربط: بعض اس کا ربط اس سے جوڑتے ہیں کہ کافروں نے کہا کہ "ان تتبعون الا رجلا مسحورًا" تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ واقعہ بیان فرماتا ہے، موسیٰؑ کا کہ ان کو بھی فرعون نے مسحورا کہا تھا تو گھبرایئے نہیں پہلے بھی ایسی باتیں ہوتی رہیں۔

دوسرا یہ بیان کرتے ہیں کہ گھبرائیں نہیں پہلے لوگوں نے بھی کتاب میں اختلاف کیا یعنی تورات میں اب اگر اس کتاب یعنی قرآن میں اختلاف کرتے ہیں تو گھبرائیں نہیں۔

۱۱۰﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾

آگے کفار کے ایک سوال کا جواب ہے۔ کسی موقع پر آپؐ نے کہا کہ یا اللہ کسی موقع پر کہا کہ یا رحمٰن کہنے لگے کہ ہاں ہمیں کہتا ہے کہ ایک کے علاوہ نہ مانو "مامن الٰهٍ الا الٰہ" واحد" " اس کے لئے دروازے کھلے ہیں یہ پکار سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لفظ اللہ کہنے سے اور رحمٰن کہنے سے ذاتیں دو نہیں بن جاتیں، اللہ کہہ کے پکارو یا رحمٰن کہہ کے پکارو یا رحیم کہہ کے پکارو، جن ناموں سے پکاروگے فله الاسماء الحسنٰی۔

۱۱۰۔﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِکَ ﴾

نماز میں قراءت کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھنے کا حکم:

ربط: اوپر بھی قرآن کا ذکر تھا آگے اسی قرآن کے بارے میں بخاری میں روایت آتی ہے کہ آپؐ نماز میں قرآن ذرا اونچی پڑھتے تھے تاکہ سننے والے متاثر ہوں ایمان لائیں۔ کافر گالیاں دیتے تھے اللہ پاک کو بھی، جبرائیل علیہ السلام کو بھی اور آپ ﷺ کو بھی تو آپؐ نے آہستہ پڑھنا شروع کیا، اتنا کہ پیچھے مقتدی آسانی سے نہیں سن سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بها" کہ قرآن کو نہ اتنا اُونچا کر کے پڑھیں کہ کفار سن کر بد کیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ پیچھے کھڑے ہوئے مقتدی نہ سن سکیں "وابتغ بین ذالک سبیلاً" اس کے درمیان درمیان چال اختیار کرو۔

سورۃ الکھف

۱۔﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾

ربط: پہلی سورۃ حمد پر ختم ہوئی قل الحمد اللہ اور یہ سورۃ حمد سے شروع ہو رہی ہے کہ الحمد للّٰہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کے آخر میں توحید کا ذکر تھا اس کے ابتداء میں رسالت کا مسئلہ ہے اور توحید و رسالت کا مسئلہ آپس میں لازم وملزوم ہے۔

۶۔﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ﴾

ربط: اوپر کتاب کا ذکر تھا آگے بیان فرمایا کہ آپ کو کتاب نہ ماننے پر کوفت ہوئی تھی اس کے بارے میں فرمایا ''لعلک باخع نفسک'' بعض معنی کرتے ہیں قاتل نفسک شاید آپ اپنے نفس کو ہلاک کرنے والے ہوں۔ بعض معنی کرتے ہیں مضیعٌ نفسک شاید آپ ﷺ اپنے نفس کو ضائع کرنے والے ہوں۔ ان کے پیچھے جو ایمان نہیں لاتے افسوس کرتے کرتے۔

۹۔﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ﴾

اصحاب کہف کا واقعہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چار سو سال پہلے کا واقعہ ہے، ایک ظالم بادشاہ تھا ایشیائے کوچک میں اس کا نام دِقیانوس تھا۔۔۔۔ چھ ساتھی تھے نام ان کے تفسیر نیشا پوری میں لکھے گئے ہیں۔

(۱) ایک کا نام تھا یملیخا، (۲) دوسرے کا نام تھا مکسلمینا، (۳) تیسرے کا نام تھا مشلینا، (۴) چوتھے کا نام تھا برنوش، (۵) پانچویں کا نام تھا مرنوش (۶) چھٹے کا نام تھا شاذنوش آگے ایک چرواہا تھا اس کا نام کفشطیطوش تھا ۔وہ بھی ساتھ ہولیا اس کا کتا تھا اس کا نام تھا قطمیر وہ بھی ساتھ چل پڑا۔ ان کے بیدار ہونے کے زمانے میں نیک بادشاہ جو تھا اس کا نام تھا یندوسس اس شہر کا نام اُفسوس تھا، آج کل اس کا نام ہے طرطوس۔

۱۹.﴿فلینظر ایّها أزکٰی طعامًا﴾ اس کے دو مطلب بیان کرتے ہیں۔

ایک یہ کہ وہاں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتے تھے تو انہوں نے کہا کہ جو ستھرا ہو وہ لانا۔

دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسی خوراک لانا جس میں غذائیت زیادہ ہو۔۔۔۔

۲۱.﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ﴾ ای کما بعثنا هم کذٰلک اعثرنا علیهم

جیسے ہم نے ان کو نیند کے بعد اُٹھایا ایسے ہی ہم نے لوگوں کو اُن پر مطلع کیا۔۔۔۔ یا'' وکذٰلک بعثناهم ای کما انجیناهم من ملکب کذٰلک بعثناهم' کہ جیسا ہم نے ان کو اس بادشاہ سے نجات دی اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا۔

۲۲۔﴿مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں بھی ان قلیل میں شامل ہوں پوچھا گیا، حضرت کیسے؟ فرمانے لگے کہ دیکھو پہلے دوقول اللہ تعالیٰ نے پیش کئے اوران کی تردید کی رجمًا بالغیب کے ساتھ اور یہ تیسرا قول نقل کیا اور اس کی تردید نہیں کی۔

۲۳۔﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا﴾

اصحاب کہف کے بارے میں جب آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کل بتادوں گا انشاءاللہ ساتھ نہ کہہ سکے۔کوئی مسلمان اس کا تصور نہیں کرسکتا کہ دل میں بھی نہ ہو، دل میں تو تھا زبان سے نہ کہہ سکے جب کل کا دن آیا آکر کہنے لگے کہ یہ ہمارا ادھار ختم کردیں، وحی نہ آئی، دوسرا دن گزرا، تیسرا دن گزرا اسی طرح لیکن وحی نہ آئی۔حافظ ابن کثیر وغیرہ فرماتے ہیں "وتاخر الوحی خمسۃعشر یومًا" پندرہ دن کے بعد جو وحی آئی تو یہ آئی ولاتقولنّ لِشایءٍ انی فاعل۔۔۔۔۔الخ۔

۲۴۔﴿وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بتا کر مجھ پر احسان کیا اس سے بھی عجیب ترین واقعہ رب تعالیٰ مجھے سنائے گا۔

دوسرا یہ کہ اصحاب کہف غار میں رہے اسی طرح آپؐ بھی ہجرت کرکے تین دن غار ثور میں رہے۔تو جیسے رب نے ان کے لئے ایک جگہ بنائی تھی رب تعالیٰ اسی طرح میرے لئے بھی بنائے گا۔

۲۷۔﴿وَاتْلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ﴾

ربط:تفسیر کبیر، ابوالسعود، سبق الغایات میں ہے کہ سورۃ شروع ہوئی تھی "الحمد للّٰہ الذی انزل الکتٰب" سے اس کے ساتھ یہ متعلق ہے کہ پڑھ دو جو کچھ تیری طرف وحی کی گئی ہے۔

۲۹۔﴿سُرَادِقُهَا﴾

سُرادق مفرد ہے بمعنی قنات (شامیانے) مرتفقا اسم ظرف کا صیغہ ہے نفع اٹھانے کی جگہ۔ اساور یہ جمع ہے اسورۃ کی اور یہ جمع ہے سوار" کی بمعنی کنگن۔

خُضرا یہ جمع ہے خضراء کی۔ سُندس جمع ہے سندسۃ کی اس کے معنی باریک ریشم اور اِستبرق جمع ہے استبرقۃ" کی بمعنی موٹا ریشم۔ ارائک جمع ہے اَریکۃ" کی بمعنی مسہریاں۔

۳۲۔﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی حقیقت سمجھانے کے لئے دو آدمیوں کا ایک واقعہ بیان کیا:

ربط:اوپر تھا "ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا" کفار کو ایسی دنیا کی زندگی پر گھمنڈ تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی ایک مثال بیان کی، اس میں اختلاف ہے کہ یہ مثال فرضی ہے یا حقیقی

ایک گروہ کہتا ہے کہ فرضی ہے صرف سمجھانے کے لئے بیان فرمائی ہے۔
دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حقیقی ہے ایک کافر شخص تھا اس کے دو باغ تھے ایک انگور کا اور دوسرا کھجور کا۔

٣٤۔﴿وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ﴾

ای "وکان لہ مال کثیر" کہ اس کے پاس کثیر مال تھا، دوسرا معنی کیا ہے کہ میوے زیادہ تھے۔

٤٠۔﴿حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾

حُسبان جمع حساب کی بمعنی عذاب، یہ کشاف میں ہے۔

٤٥۔﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

ربط: اوپر مال کی ناپائیداری کا ذکر تھا آگے دنیا کی زندگی کی ناپائیداری کا ذکر ہے۔

٤٦۔﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سے کیا مراد ہے؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے لا الہ الا اللّٰہ سبحان اللہ والحمد للّٰہ واللّٰہ اکبر مراد ہے
اور بعض فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہیں اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس سے الکلام الطیب ہر اچھی بات مراد ہے۔

٤٧۔﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا تو کفار نے کہا کہ قیامت آئے گی تو پہاڑ کہاں جائیں گے تو اس کا جواب دیا کہ "یوم نسیر الجبال۔

٤٩۔﴿فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾

ای لایغادر سَيِّئَةً صغیرةً او خصلةً صغیرةً ولا کبیرةً ای سیئةً کبیرةً او خصلةً کبیرةً.

٥٠۔﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ﴾

ربط: اوپر نیک و بد کا ذکر تھا، آگے فرمایا کہ تمہاری مرضی ابلیس صفت بنو یا فرشتہ صفت بنو۔

٥٤۔﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ شیطان کو دوست نہ بناؤ "اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ" آگے فرمایا کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے حق جاننے کے بعد بھی شیطان کے پیچھے پڑا ہے۔

٦٠۔﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ﴾

افضل کا مفضول سے علم حاصل کرنے کا واقعہ:

ربط: بیان القرآن میں ہے کہ کافروں نے کہا تھا کہ ان غرباء کو اپنی مجلس سے اٹھاؤ پھر ہم تیری مجلس میں آئیں گے۔ فرمایا کہ یہ لوگ غریبوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے ہم تمہیں ایک واقعہ بتلاتے ہیں کہ ایک افضل نے مفضول سے

علم حاصل کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ نے تقریر کی ایک شخص اٹھا اور موسیٰ سے پوچھا کہ آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ موسیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی فرمایا کہ فلاں آدمی ہے وہ تجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام پیغمبر تھے یا ولی اور اب وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟

یہاں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں بحث چلتی ہے کہ پیغمبر تھے یا ولی اور اب وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ پیغمبر نہ تھے بلکہ ولی تھے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ پیغمبر تھے اور یہ حق ہے پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو چکے ہیں لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اب بھی زندہ ہیں۔

۶۰۔﴿حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ دریائے فارس اور دریائے روم کے باہم ملنے کی جگہ مراد ہے، فوائد عثمانیہ میں ہے کہ دجلہ و فرات جہاں خلیج فارس میں گرتے ہیں وہ جگہ مراد ہے۔

۷۷۔﴿إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا﴾

یہاں قریۃ سے مراد قریہ انطا کیہ ہے۔ "وکان وراءهم ملک" اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا اور بعض نے جلندی ابن کرکر لکھا ہے۔

۸۲۔﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا﴾

غلام کا نام جیسور تھا۔

۸۲۔﴿لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ﴾

ان دو کے نام أصرم اور صریم تھے باپ کا نام کاشح اور ماں کا نام دهنا تھا۔

۸۲۔﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ﴾

روضۃ الریان میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ فاردتُ کہا۔ دوسری مرتبہ فاردنا کہا اور تیسری دفعہ فاراد ربک کہا تینوں جگہ مختلف صیغے کیوں لائے۔

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس کام کو انسان کسب کے درجے میں اکیلا کر سکتا ہے اور اس کام میں عیب ہی عیب ہو تو اس کام کی نسبت خدا کی طرف صحیح نہیں، چونکہ یہاں بظاہر کشتی میں عیب پیدا کیا گیا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں تھی لہٰذا یہاں فاردت واحد کا صیغہ لائے اور جس کام میں خیر بھی تھا اور شر بھی بظاہر قتل شر تھا اور حقیقتاً اس سے مقصود خیر تھی حضرت خضر علیہ السلام نے ادباً شر کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف پس دونوں کو یعنی خود کو اور اللہ تعالیٰ کو جمع کر کے فاردنا کہا اور جہاں فعل میں خیر ہی خیر تھی یعنی خزانے کی حفاظت اس کی نسبت خدا کی طرف کی لہٰذا فارادربک کہا۔

۸۳۔﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾

ربط: پہلے گزر چکا ہے کہ یہود نے ایک موقع پر آپؐ سے سوالات کئے۔ ایک روح کے بارے میں، دوسرا اصحاب کہف کے بارے میں اور تیسرا ذوالقرنین کے بارے میں۔ پہلی دو چیزوں کا ذکر ہو چکا، اب تیسرے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

ذوالقرنین کون تھا؟

اب یہاں طویل بحث ہے۔ تفسیر کبیر، روح المعانی، زادالمعاد، دارمی وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ یہ ذوالقرنین کون تھا؟ علاقہ کونسا تھا؟ زمانہ کونسا تھا؟ نبی تھے یا غیر نبی تھے۔ تو صحیح بات یہ ہے کہ ذوالقرنین نبیؑ نہیں تھا، نیک، دِل؛ مومن بادشاہ تھا، مستدرک حاکم میں، ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "لا ادری أذوالقرنین نبیا کان ام لا" میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہ تھے جمہور مفسرین کرام، شراح حدیث، مؤرخین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نبی نہ تھے ولی تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے ہم عصر تھے اور خضر علیہ السلام ان کے وزیر تھے یہ وجہ ہے کہ ان کے واقعہ کے بعد ان کا واقعہ ذکر کیا۔

ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ ایک وجہ یہ ہے کہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچے تھے یعنی مشرق اور مغرب۔ یہ وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے ظاہری علم بھی دیا تھا اور باطنی علم بھی، یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا ایک تاج تھا اس تاج کے دو کونے تھے۔

۸۸۔﴿فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ﴾

اس کی کئی ترکیبیں کی گئیں ہیں، ایک میں عرض کرتا ہوں، بیضاوی، کشاف، جمل وغیرہ میں ہے کہ الحسنی مبتدا موخر لـــــــہ یہ خبر مقدم اور جزاء اس ابہام کو جو مبتدا اور خبر میں ہے، اس کو دور کرتی ہے۔ تو اب معنی یوں ہوئے ''الحسنیٰ لهٗ'' بھلائی اس کے لئے ہوگی، بھلائی اس کے لئے کیا ہوگی وہ از روئے جزاء ہوگی۔

۹۴۔﴿إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾

یاجوج وماجوج کون ہیں؟

یہاں یاجوج وماجوج کے متعلق بہت بحث چلتی ہے کہ یہ کون ہیں؟ فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور فیض الباری وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ وہی قوم ہے جن کو گاگ مگاگ، چین ماچین کہتے ہیں، یہ چین کے لوگ، منگولیا کے لوگ، روسی لوگ یہ سب یہی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنھایۃ میں اس پر مبسوط بحث کی ہے کہ انسان ہی ہیں یہ چین کے لوگ، مانگولیا کے لوگ یہی ہیں یاجوج ماجوج۔ ان ہی کی نسل سے چنگیز خان تھا، ہلاکو خان تھا، جنہوں نے بہت مظالم کئے۔

۱۰۲۔﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾

غیب کا علم نہ نبی کو ہوتا ہے اور نہ ولی کو:

ربط: ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم یوں ربط بیان کرتے تھے کہ اللہ کی مخلوق میں درجے کے لحاظ سے پہلے ہوتے ہیں پیغمبر پھر اللہ کے ولی پھر اللہ کے نیک بندے اور بادشاہ ہوتے ہیں تو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کا جو پیغمبر تھے، خضرؑ کا جو پیغمبر تھے واقعہ بیان فرمایا اگر موسیٰؑ کو غیب کا علم ہوتا تو کیوں فرماتے کہ مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں پھر کیوں فرماتے کہ مجھے اس بندے کے پاس پہنچائیں تا کہ میں اس سے علم حاصل کروں اور خضرؑ کیوں کہتے کہ رب نے تجھے ایسا علم دیا ہے جو میں نہیں جانتا مجھے وہ علم دیا ہے کہ جو تو نہیں جانتا، تو پیغمبر ہیں غیب کا علم نہیں۔ پھر اگر اصحاب کہف علم غیب جانتے تو آپس میں جھگڑا کیوں کرتے کہ ایک دن یا بعض دن ٹھہرے۔ ولی ہیں لیکن اپنے لُبث کا زمانہ بھی نہیں معلوم اور تیسرے بادشاہ ذوالقرنین مومن، غیب کا علم ہوتا تو تحقیق حال کے لئے مشرق ومغرب کا سفر کیوں کرتے۔ تو جب پیغمبروں کو معلوم نہیں، ولیوں کو معلوم نہیں، نیک بادشاہوں کو معلوم نہیں تو اور کون خدا کے بندے ہوں گے جن کو غیب کا علم ہو۔

۱۰۵۔﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾

فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے کہ ایک وہ مومن ہوں گے جن کی حسنات ہی حسنات ہوں گی ان کا

حساب بھی نہ ہوگا اور ان کے اعمال بھی نہیں تولے جائیں گے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔امام بخاریؒ نے جلد نمبر۲ میں باب باندھا ہے" باب من یدخل الجنة من امتی بغیر حساب" ایک تو یہ مومن بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ دوسرے وہ کافر ہوں گے جن کی بدیاں ہی بدیاں ہوں گی، ان کا بھی حساب نہیں ہوگا بغیر حساب کے دوزخ میں جائیں گے۔اب" **فلانقیم لھم یوم القیامة وزنا**" کا ایک مطلب تو یہ ہوگا کہ ان کا حساب ہوگا ہی نہیں۔

بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ وزن تو ہوگا لیکن اس میں کچھ وقعت نہیں ہوگی کہ ایمان کے بغیر اور اخلاص کے بغیر ان اعمال میں کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

سورة مریم

١ . ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ذکر تھا کہ آپ فرما دیجئے کہ میں بشر ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے۔ آگے چند واقعات پیغمبروں کے بیان کرتے ہیں کہ ان پر بھی وحی نازل ہوتی تھی تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔

کھیعص میں کاف سے کریم، ھا سے ھادی یا سے یا رحمن، عین سے علیم، صاد سے صبور مراد ہے۔

۲ ﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ﴾

یہ خبر ہے مبتدا محذوف ھذا کے لئے۔ عبدہ مفعول ہے رحمۃ کا رحمۃ مصدر شبہ فعل۔

۵۔ ﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ﴾

موالی: جمع ہے مولٰی کی۔ اس کے کئی معنی آتے ہیں آقا، آزاد کردہ غلام، ابن العم، وارث۔ یہاں برادری کے دوست مراد ہیں۔

٦۔ ﴿يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾

نبی کی وراثت تقسیم ہوتی ہے؟

اہل حق کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، روافض اور قادیانی کہتے ہیں کہ انبیاء کرام کی وراثت تقسیم ہوسکتی ہے۔

اہل حق کی دلیل آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم پیغمبروں کے گروہ کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔

روافض اور قادیانی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کی وراثت تقسیم ہوتی ہے۔

جواب: اس وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں عقلاً ونقلاً اگر مالی وراثت ہوتی تو زکریاؑ خدا کے معصوم پیغمبر ہیں وہ اس لئے شور مچاتے کہ بیٹا دے تاکہ میرا مال اور کوئی نہ کھائے۔ اگر وراثت مالی مراد ہو تو آگے ہے ویرث من ال یعقوب آل یعقوب کی وراثت انکو کیسے مل سکتی تھی لہٰذا اس وراثت سے وراثت علمی مراد ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے "ثم اورثنا الکتب" اس وراثت سے علمی وراثت مراد ہے۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ "العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارًا ولا درهمًا انّما ورثوا العلم" الخ یہاں بھی وراثت علمی مراد ہے اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو وورث سلیمٰن داؤدؑ میں وراثت کا صرف سلیمٰنؑ کے لئے نہ بولتے بلکہ ان کے ۱۸ بھائی اور بھی تھے تو فرماتے کہ "وورث سليمٰن واخوته" مزید تفصیل ارشاد الشیعہ میں ہے۔

۷۔ ﴿مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ ہے کہ اس نام کا کوئی اس سے پہلے نہیں گزرا۔

دوسرا مطلب تفسیر کبیر اور روح المعانی میں یہ بیان کیا ہے کہ اس طرح کا اوصاف والا کوئی اور نہیں آیا۔

۸۔﴿ عِتِيًّا ﴾

عتا یعتو عتیا اس کے معنی ہیں کہ بڑھاپے کی وجہ سے کر سوکھ جائے اور عتا یعتو عتوا سے اس کے معنی سرکشی کے ہیں۔

۱۶۔﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾

ربط: پہلے زکریاؑ کا اور یحییٰؑ کا ذکر تھا۔ اب آگے عیسیٰؑ کا ذکر ہے کہ وہ پیغمبر تھے پھران کی ولادت کا قصہ، ان کی والدہ کا قصہ اس میں آئے گا۔

۱۸۔﴿ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾

جمہور اس کا معنی کرتے ہیں پرہیز گار کے۔ تفسیر اتقان میں اس کے معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ تقی اس زمانے میں ایک نوجوان تھا، بڑا بدمعاش کہ اگر تو تقی ہے تو پناہ لیتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے۔

۲۲۔﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا﴾

کتنی مدت تک حمل رہا تو تفسیروں میں آپ کو ایک گھنٹہ بھی ملے گا۔ تین گھنٹے بھی اور تین دن بھی ملیں گے اور مدت حمل نو ماہ بھی ملے گی۔

۲۳۔﴿فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ﴾

اس کے متعلق صاحب کشاف، بیضاوی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اجــاء متعدی ہے اور جاء لازم ہے تو معنی ہوں گے کہ لایا اس کو دردزہ کھجور کے تنے کی طرف۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اجاء کے معنی ہے اضــطــرَّ تو معنی ہوں گے کہ مجبور کر دیا، اس کو دردزہ نے اس بات کی طرف کہ وہ کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے۔

۲۷۔﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴾

فریّا کہتے ہیں چمڑے کو ٹیڑھے طریقے سے کاٹنا تو مطلب یہ ہے کہ تو ایک بُری اور خراب چیز لائی ہے۔

۲۸۔﴿يَا أُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ ﴾

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہارون ان کے بھائی نہ تھے صرف تشبیہ کے طور پر کہا کہ اس کی بہن ہو کر تو ایسا کرتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہارون ان کے حقیقی بھائی تھے، بہت نیک تھے لوگ ان کی نیکی کو مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔

۳۴۔﴿قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾

لفظ قــول منصوب کیوں ہے؟ جلالین والے اس کی دو ترکیبیں کرتے ہیں ایک یہ کہ قول کو مرفوع قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مبتدا محذوف هذا کی خبر ہوگی۔

اور دوسری یہ کہ منصوب ہے اور مفعول ہے فعل محذوف کا ای اقولُ قولَ الحق یا قلتُ قولَ الحق۔

۳۷۔﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ﴾

الاحزاب سے کون مراد ہیں؟

تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی وغیرہ میں بھی آپ کو ملے گا کہ مثلاً یہود نے عیسیٰؑ کے بارے میں غلط نظریہ قائم کیا۔عیسائیوں نے عیسیٰؑ کو رَب اور خدا کا بیٹا بنایا اور مشرکوں نے اس کے ساتھ تمسخر اور مذاق کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ احزاب سے عیسائیوں کے تین گروہ مراد ہیں کہ ایک ان کا گروہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتا ہے، ایک گروہ ثالث ثلاثہ کہتا ہے، ایک حلول کا قائل ہے یعنی نسطوریہ، یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

۴۱۔﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ﴾

ربط: کئی پیغمبروں کے واقعات پہلے بیان ہوئے اب یہاں سے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

۴۴۔﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾

بیضاوی میں ہے کہ شیطان کے کہنے پر غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا شیطان کی عبادت کرنا ہے ورنہ شیطان کی عبادت تو کوئی نہیں کرتا۔

﴿وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ ای دھرًا طویلاً۔

۴۷۔﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾

سلام کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ عملاً میری طرف سے آپ کو سلام ہو آپ مجھے ماریں گالیاں دیں میری طرف سے آپ کو سلام ہے اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ سلام متارکت مراد ہے۔

علم معانی میں سلام متارکت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جب کوئی کسی کی بات نہیں مانتا تو کہتا ہے کہ بابا میرا سلام یعنی میں الجھتا نہیں۔

۵۰۔﴿لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

لسان کے لفظی معنی ہوتے ہیں زبان لیکن یہاں مراد وہ کلمات ہیں جو زبان سے نکلیں یعنی ذکر، شہرت، معنی ہوگا کہ ہم نے اس کا ذکر اور شہرت سچائی کی بلند کی۔

۵۱۔﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا﴾

ربط: ان پیغمبروں کے بعد اب موسیٰؑ کا ذکر ہے۔پیغمبروں میں سے یہ بڑی شان والے تھے۔

۵۱۔﴿وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا﴾

نبی اور رسول کا ایک ہی مفہوم ہے یا الگ الگ:

نبراس شرح شرح العقائد، رشیدیہ، شرح ملا جلال وغیرہ میں اس پر بحث ہے کہ نبی اور رسول کا ایک ہی مفہوم ہے یا الگ الگ۔ایک گروہ کہتا ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔اگر ایک ہی معنی ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ نبی بھی تھے اور رسول بھی اور بعضوں نے فرق کیا ہے کہ رسول اس کو کہتے ہیں جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہو اور نبی اس کو

کہتے ہیں جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت نہ ہو۔

مثلاً موسیٰ رسول ہیں اور ہارونؑ نبی ہیں ان کے پاس الگ کتاب اور شریعت نہ تھی۔اس صورت میں کہ نبی اور رسول میں فرق ہے ان دونوں لفظوں کا ایک ذات کے لئے اکٹھا استعمال ہونا اس میں اشکال ہے کہ وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ مثلاً ان کے پاس کتاب بھی تھی نہ بھی تھی شریعت بھی تھی اور نہ بھی تھی، تو اس میں تو تعارض سا ہوا۔وہ کہتے ہیں کہ کوئی تعارض نہیں، دلائل سے ثابت ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نبوت دی اور فرعون کی غرقابی کے بعد کتاب بھی دی، تو پہلے دور میں نبی تھے اور بعد میں کتاب دی گئی تو رسول بھی ہوئے۔

۵۲۔﴿مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ﴾

الایـمـن یہ جانب کی صفت ہے۔اب اشکال ہوگا کہ جانب نکرہ ہے اور الایـمـن معرفہ ہے اور صفت و موصوف میں نکرہ اور معرفہ میں توحد شرط ہے۔

تو کہتے ہیں کہ اگرچہ جانب کا لفظ نکرہ ہے لیکن مضاف ہے لفظ طور کی طرف تو لفظ جانب نے مضاف الیہ سے اکتساب تعریف کیا ہے۔

اب الایمن سے کیا مراد ہے؟ یہ شمال، جنوب تو اضافی چیزیں ہیں تو صاحب کبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ جب مدین سے مصر کی طرف آرہے تھے تو موسیٰ کے آنے کے سلسلے میں جو دایاں کنارہ تھا وہ مراد ہے۔

۵۴۔﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾

حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد کس چیز میں تھے؟

یہ صادق الوعد کس چیز میں تھے؟ آپ کو یہاں یہ تفسیر بھی ملے گی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ جارہے تھے۔آگے ایک گاؤں نظر آیا فرمایا تم جا کر وہاں سے خوردنی (کھانے کی) چیزیں لے کر آؤ یا میں جاتا ہوں۔ساتھی نے کہا کہ میں جاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تیرے آنے تک میں یہاں رہوں گا۔تین دن کا ذکر بھی ہے اور ایک سال کا ذکر بھی ہے۔وہ گیا اس کو یاد بھی نہ رہا اور یہ تین دن یا سال تک وہیں رہے اور یہ بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں یہ خواب اسمٰعیل سے بیان کیا "فـانـظـر مـا ذا ترٰی" بیٹے نے کہا فَافعلْ ما تؤ مر ستجدنی ان شاء اللّٰه من الصّابرین. یہ وعدہ پورا کیا۔

۵۷۔﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾

خیالیؒ فرماتے ہیں کہ چار انبیاء کرام زندہ ہیں:

حضرت ادریسؑ حضرت نوحؑ کے باپ کے دادا تھے یعنی ان کے پردادا تھے۔آپ کو تمام تفسیروں میں یہ بات ملے گی۔ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ آپ کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا اور چوتھے آسمان پر لے جایا گیا۔

خیالیؒ فرماتے ہیں کہ اربـعـةٌ مـن الانبیاء أحیاء یعنی اس دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں "اثـنـان فـی الـسـمـاء واثـنـان فـی الارض" آسمان میں عیسیٰؑ اور ادریسؑ اور زمین میں الیاس اور خضر علیہما السلام اور یہ تفسیر بھی ملے گی کہ

ادریس کی طرف لوگ غلط باتیں منسوب کرتے تھے کہ یہ کہانت ان سے منقول ہے۔ تو رَب نے فرمایا کہ ان کا مقام بہت اُونچا ہے ایسی باتیں ان کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو۔

۶۴۔﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ﴾

شانِ نزول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جبرائیلؑ سے فرمایا کہ آپ آتے ہیں ملاقات کے لئے تو اس سے زیادہ مرتبہ کیوں نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے جواب دیا کہ وما نتنزّل الّا بامر ربک ہم تو رَب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے۔

ربط: اس کا پہلے سے ربط کیا ہے؟ تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ربط بہت پیارا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جیسے فرشتے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، جنّت بھی رب کے حکم کے بغیر نہیں مل سکتی۔

۶۶۔﴿وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَئِذَا مَا مِتُّ﴾

بیان القرآن، سبق الغایات میں یہ ربط ہے کہ اوپر دوزخ کے طبقے کا ذکر تھا، آگے جنت کا ذکر ہے یہ جنت دوزخ کا ظہور تو قیامت کو ہوگا۔ کافر یہاں کہتے تھے کہ جب قیامت نہیں تو جنت کیا دوزخ کیا۔

۷۱۔﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾

ورود کا کیا مطلب ہے؟

یہاں بہت تفصیل ہے میں مختصراً عرض کرتا ہوں، اس کو جملہ قسمیہ بھی بناتے ہیں معنی ہوگا کہ قسم ہے تم میں سے کوئی نہیں مگر اس دوزخ میں وارد ہوگا۔ بظاہر یہاں قسم کا کوئی لفظ نہیں تو اس کو قسم کیوں قرار دیا؟ بیضاوی، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ واو عطف کا ہے اور اوپر تھا فو ربک پس قسم ہے تیرے رَب کی، وہ ہے جملہ قسمیہ اس کا عطف اس پر ہے تو یہ بھی جملہ قسمیہ ہوا۔

اب یہاں ورود کا کیا مطلب ہے؟ تو معالم التنزیل، روح المعانی، مظہری وغیرہ تفسیروں میں بڑی بحث ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب دوزخ میں سے ہو کر آئیں گے۔ یہ دونوں بزرگ ورود کا معنی دخول کرتے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ جو نیک ہوں گے ان کے لئے بردًا وّ سلامًا ہوگی دوسروں کے لئے آگ ہو گی۔

وہ قرینہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں فرعون کے بارے میں آتا ہے فاوردھم النار کہ ان کو لے کر فرعون آگ میں داخل ہوگا تو یہاں ورود بمعنی دخول کے ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ قرآن میں آگے آئے گا "لو کان ھؤلاء الھۃً ما وردو ھا" کہ اگر یہ الٰہ ہوتے تو دوزخ میں داخل نہ ہوتے تو معلوم ہوا کہ ورود کے معنی دخول کے ہیں۔

تیسرا قرینہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہاں ثم نُنجّی کا لفظ ہے (پھر ہم نجات دیں گے)۔ یہ لفظ چاہتا ہے کہ دخول تو ہوگا لیکن متقیوں کو نجات ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دخول ہوگا۔

چوتھی دلیل وہ حدیث پیش کرتے ہیں ما منکم من برّ و لا فاسقٍ الّا ویدخلها کہ کوئی نیک اور فاسق تم میں سے نہیں مگر اس میں وہ داخل ہوگا۔

دوسری تفسیر حضرت ابن مسعودؓ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ورود بمعنی حضور کے ہیں۔ ان کی دلیل ہے کہ آگے آئے گا ''فلمّا ورد ماء مدین'' کہ جب موسیٰؑ مدین کے پانی پر حاضر ہوئے۔ دوسری دلیل وہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنّ الذین سبقت لهم منّا الحسنیٰ اولئک عنها مبعدون توجب وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے تو ان کا دوزخ میں دخول کیسے ہوگا؟

اکثر مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ورود سے مراد عبور ہے، پل صراط پر سے عبور ہوں گے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ هو الراجح کہ یہی راجح ہے۔

۷۶۔ ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ خبر اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل میں زیادتی کا معنی ہوتا ہے۔ اس میں یہ فرمایا کہ جو ہدایت والے ہیں اور الباقیات الصلحت والے ہیں وہ زیادہ بہتر ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس بہتری کافروں میں بھی ہے۔ آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ یہ خیر ان کے گمان کے مطابق ہے وہ اپنے آپ کو کہتے تھے۔

''ای الفریقین خیر مقاما'' تو یہ ان کے زعم کے مطابق فرمایا کہ تم اسے خیر سمجھتے ہو۔ پتہ چلے گا کہ وہ خیر ہے یا یہ خیر ہے۔

۷۷۔ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيَاتِنَا﴾

شان نزول: حضرت خباب بن الارتؓ تیر وغیرہ سیدھا کرتے تھے۔۔۔۔۔ عاص بن وائل نے ان سے کام لیا۔۔۔۔۔ انہوں نے رقم کا مطالبہ کیا۔۔۔۔۔ تو اس نے کہا کہ میں نہیں دیتا حتّٰی تکفر بمحمد جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہ کردے۔ آپؓ نے کہا کہ میں ان کا انکار نہیں کروں گا، اس وقت تک جب تک قیامت نہ آئے۔ اس نے کہا کہ چلو پھر قیامت کے دن تیرا قرضہ دے دوں گا۔

۸۳۔ ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ﴾

ربط: اوپر بھی کفار کا ذکر تھا آگے بھی کفار ہی کا ذکر ہے۔

۸۴۔ ﴿إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾

ہم ان کے لئے گنیں گے گننا اب یہاں عدًّا مفعول مطلق ہے اور مفعول بہ محذوف ہے۔ آپ کو تفسیروں میں ملے گا انّما نعدلهم السنین بعض میں ملے گا نعدّ لهم الشهورَ بعضے نکالتے ہیں نعد لهم الاسابیع اور بعض نکالتے ہیں اللّیالی اور بعض نکالتے ہیں الایام اور بعض نکالتے ہیں نعدلهم انفاسًا۔

۸۷۔ ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ (لایملکون کا فاعل محذوف ہے الناس یہ جلالین تک ملے گا) اور قاعدہ یہ ہے کہ

فاعل ظاہر ہوتو فعل مفرد آتا ہے آگے فاعل نکالتے ہیں من اتخذ تو یملکون جمع کیوں آیا؟

ایک جواب یہ ہے کہ من کا لفظ معنیً جمع ہے تو کوئی بات نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ الناس لایملکون کا فاعل ہے اور آگے اس کا بدل ہے۔

سورة طٰهٰ

١۔﴿طٰه ٥مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰى﴾

ربط: پہلی سورت کے آخر میں بھی توحید کا ذکر تھا'' ان کل من فی السمٰوٰت والارض الآ اٰتی الرحمٰن 19/19
عبدًا'' اور اس سورت میں بھی توحید کا ذکر ہے۔ یہ ربط بھی ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں قرآن کا ذکر تھا فانما یسّرناه بلسانک'' اس سورت میں بھی قرآن پاک کا ذکر ہے۔

طٰہٰ کے متعلق اہم بحث:

اس سورت کا نام طٰہٰ ہے۔ طٰہٰ کے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں، میں آسان اور مختصر عرض کر دیتا ہوں۔

(١) ھی من اسماء اللّٰه تعالٰی طاء سے طیب اور ھا سے ھادی مراد ہے۔

(٢) طٰہٰ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے یہاں حرف یا محذوف ہے اصل میں تھا یا طٰہٰ۔

(٣) یہ طا امر کا صیغہ ہے اور ھا ضمیر زمین کی طرف راجع ہے۔ طا کے معنی کچلنا تو طٰہٰ کے معنی ہوں گے، زمین کو کچل دو۔ آپؐ جب تہجد پڑھتے تھے تو ایک پاؤں کو تھکاوٹ کی وجہ سے اٹھا لیتے تھے اور ایک پاؤں کو زمین پر رکھتے تھے تو فرمایا طٰہٰ کچل دو اس زمین کو یعنی دونوں پاؤں زمین پر رکھ دو۔

٩۔﴿وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى﴾

ربط: امام فخر الدین رازیؒ یہ ربط بیان کرتے ہیں کہ اوپر قرآن کا ذکر تھا کہ یہ قرآن ہم نے اس لئے نہیں اتارا کہ تمہیں مشقت میں ڈالیں۔ وہ مشقت یہ کہ یہ لوگ کیوں نہیں مانتے اور آپ سورۃ کہف میں پڑھ چکے ہیں ''فلعلک باخع نفسک علی اٰثارھم'' تو آگے موسٰیؑ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھئے موسٰیؑ نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے حق بیان کیا تو اس وقت بھی انکار کرنے والے تھے فرعون اور اس کی قوم نے نہیں مانا۔

١٠۔﴿فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡا﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ موسٰیؑ کے ساتھ ان کی اہلیہ تھی حضرت صفورۃ اور ایک بچہ تھا اور ایک خادم تھا لہٰذا امکثوا جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ دوسری تفسیر یہ ہے النھایۃ لغت کی کتاب ہے اس میں ہے کہ لفظ اھل مذکر پر بولا جاتا ہے اس لئے امکثوا جمع مذکر کا صیغہ لائے۔

٤٦۔﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىۡ مَعَكُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰى﴾

تم دونوں خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں، خوب سنتا ہوں جو قول وہ کہے گا، اریٰ دیکھتا ہوں اس کارروائی کو جو وہ کرے گا۔ دو لفظ تھے ایک میں تھا کہ وہ زیادتی نہ کرے زبان کے ساتھ اور اس کے مناسب تھا اسمع دوسرے میں تھا کہ وہ زیادتی نہ کرے ہاتھ سے تو اس کے مناسب تھا اریٰ۔

۴۷۔﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی﴾

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ کافر کو السلام علیکم کہو اور علیکم السلام بھی کہو تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ اس کو سلام کا جواب بھی نہ دو۔

۵۵۔﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا﴾

ربط: پہلے آپ نے زمین کا لفظ پڑھا آگے اسی زمین کی کچھ تشریح ہے۔

۵۸۔﴿مَكَانًا سُوًى﴾

معنیٰ ہے کہ جگہ ہو ہموار۔

﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا﴾

موعد کو اسم ظرف مکان بھی بناتے ہیں کہ بنا ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کی جگہ اور اس کو اسم ظرف زمان بھی بناتے ہیں لیکن یہاں ظرف زمان لینا اولیٰ ہے۔ اس پر دو قرینے ہیں ایک یہ کہ آگے مکانا سوی میں مکان کا لفظ خود بخود موجود ہے تو اس کو مکان کے معنی میں لینا ضروری نہیں، دوسرا قرینہ، آگے خود فرعون نے کہا "موعدکم یوم الزینۃ"

۶۲۔﴿فَتَنَازَعُوْا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾

جادوگروں کا آپس میں تنازع کس بات میں تھا؟

تفسیر کبیر، روح المعانی، معالم التنزیل وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ ان جادوگروں میں سے بعض نے کہا کہ یہ سچا معلوم ہوتا ہے کوئی بہانہ کر کے جان چھڑاؤ بعض دوسروں نے کہا کہ نہیں ہم آئے ہی مقابلے کے لئے ہیں۔ تو تنازع اس بات میں ہوا کہ مقابلہ کریں یا نہ کریں اور آہستہ آہستہ سرگوشی کرنے لگے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ تنازع اس بات پر ہوا کہ بعض نے کہا کہ تم ایسا کرو کہ فرعون سے پہلے اپنا کرایہ منواؤ کہ ہمیں اجرت ملے گی یا نہیں، دوسروں نے کہا کہ نہیں بھائی بادشاہ ہے بادشاہ، اس نے بلایا ہے تو ضرور دے گا۔ دوسرے کہنے لگے کہ نہیں، یہ بڑا ظالم بیگار تو لیتا ہے لوگوں سے اُجرت نہیں دیتا اس سے پہلے اس کو منواؤ کہ اُجرت دو گے۔

۶۳۔﴿قَالُوْا إِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ أَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ﴾

نحوی اشکال:

یہ ہماری قراءت ہے تو اِن مخففہ من المثقلۃ ہے اب نحوی اشکال ہے کہ اِن کا اسم تو ہوتا ہے منصوب اور تثنیہ کی نصبی حالت ہوتی ہے یاء نون سے۔ تو چاہئے تھا کہ ہوتا اِن ھذین لسٰحران۔

قاضی بیضاوی، تفسیر بیضاوی میں، علامہ آلوسی، روح المعانی میں اور اندلسی البحر المحیط میں لکھتے ہیں۔ ایک ترکیب یہ ہے کہ اِن مخففہ من المثقلۃ ہے ھذان اس کا اسم نہیں۔ بلکہ ضمیر جو محذوف ہے وہ اسم ہے۔ ھذان مبتدا، لسٰحران خبر، مبتدا خبر مل کر پھر یہ خبر ہے اِن کی۔

اس ترکیب پر یہ اشکال ہے کہ مبتدا کی خبر پر لام نہیں آیا کرتا تو تم لسٰحران کو خبر کیسے بناتے ہو۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ھٰذان اِنّ کا اسم ہے عرب میں ایک قبیلہ تھا۔ بنوالحارث ابن کعب، وہ تثنیہ کا اعراب تقدیری قرار دیتے تھے تو یہ ان کے قاعدے کے مطابق منصوب ہے۔ تو ان کے نزدیک ہوگا جاء ھذان رایت ھذان مررت بھذان۔

تیسری ترکیب یہ ہے کہ اِن مخففہ من المثقلۃ نہیں ہے بلکہ یہ حروف ایجاب میں سے ہے۔ جیسے اجل، نعم جیر، ان،

ترکیب یوں ہوگی کہ ھذان لسٰحران مبتدا خبر ہے۔ اِنْ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس پر بھی وہی اشکال ہوگا کہ مبتدا کی خبر پر لام نہیں آیا کرتی۔

چوتھی ترکیب یہ ہے کہ اِن نفی کا ہے اور لسٰحران میں لام بمعنی اَلّا کے ہے۔ تو معنی یہ ہے ان ھذان ای ما ھذان الّا سٰحران۔

٦٦۔﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾

کیا رسیاں اور لاٹھیاں حقیقتاً سانپ بنی تھیں؟

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں یہاں اس بات پر خاصے مُصر ہیں کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ نہیں بنیں بلکہ انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں میں زیبق (پارہ) ڈال رکھا تھا اور پارے کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو گرمی پہنچے تو وہ حرکت کرتا ہے۔ تو جب انہوں نے رسیاں ڈالیں تو چونکہ گرمی زیادہ تھی تو ان میں حرکت آ گئی۔

امام رازیؒ یخیل کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انقلاب حقیقت نہیں ہوا تھا۔

جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے جادو کے ذریعے سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بنی تھیں۔

امام رازیؒ ہاروت و ماروت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جادو سے گدھا انسان اور انسان گدھا بن سکتا ہے اسی کو وہ اہل سنت کا مسلک قرار دیتے ہیں تو جب خود مانتے ہیں کہ جادر کے ذریعے سے گدھا انسان اور انسان گدھا بن سکتا ہے تو اگر ان رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ کی شکل میں لایا گیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

٦٧۔﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ﴾

سوال: ای اضمر فی نفسہ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰؑ اللہ کے پیغمبر ہیں، حق اور باطل کی ٹکر ہے، تو یہ خوف زدہ کیوں ہوئے یہ تو معاذ اللہ ایمان کی کمزوری کی طرف مشیر ہے؟

تفسیروں میں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک معالم التنزیل وغیرہ میں ہے کہ موسیٰؑ کو خوف اس کا ہوا کہ یہ جو کثرت سے سانپ نظر آتے ہیں اور لوگ نعرے لگاتے ہیں بعزۃ فرعون فرعون زندہ باد، تو جب میری باری آئے گی تو ان کی توجہ نہیں ہوگی۔ تو خوف اس بات کا ہے کہ میرے کام کو توجہ سے نہیں دیکھیں گے۔

دوسرا جواب علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ خوف اس کا تھا جب میں لاٹھی پھینکوں گا تو وہ بھی سانپ بن جائے گی۔ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ بنیں تو لوگ دونوں میں تمیز کیسے کریں گے۔ یہی کہیں گے کہ وہ بھی سانپ بن گئیں اور یہ بھی سانپ بنا۔ تو تمیز کے سلسلے میں متفکر تھے کہ کیسے تمیز کریں گے۔

۷۲۔ ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَ نَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ کہنے لگے کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے اس پر جو ہمارے پاس واضح دلیلیں آچکیں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا، اس صورت میں والذی فطرنا میں واؤ عاطفہ ہوگا۔

دوسری تفسیر میں ''والـــذی'' میں واؤ قسمیہ ہے معنی یوں کرتے ہیں کہ ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے اس پر جو ہمارے پاس واضح دلیلیں آئیں قسم اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا۔

۷۷۔ ﴿وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ﴾

کافی عرصہ موسیٰؑ مصر میں رہے جب اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ اب تم نے یہاں سے ہجرت کرکے ارض مقدسہ جانا ہے اسی کا ذکر ہے۔

۷۷۔ ﴿لَا تَخَافُ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی﴾

اے موسیٰؑ نہ تو اس بات کا خوف کرکہ "یدرکک فرعون "کہ فرعون تجھے آپکڑے گا'' ولا تخشی الغرق" اور نہ اس کا خوف کرو کہ تم دریا میں غرق ہو جاؤ گے۔

۸۷۔ ﴿وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ کہ ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا اور یہ اُٹھا کر لے آیا۔

دوسرا یہ کہ ہم نے ان زیورات کو آگ میں ڈالا فکذٰلک القی السامری ای صنع۔

(امام بخاری فرماتے ہیں) اس کے معنی ہے ڈھالنا کہ سامری نے ان زیورات کو ڈھال دیا۔

۹۰۔ ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُوْنُ مِنْ قَبْلُ یَا قَوْمِ﴾

ای من قبل مجیء موسٰی موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے۔

۹۳۔ ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ﴾

اکثر حضرات لا کو مزیدۃ قرار دیتے ہیں، معنی یہ ہوگا کہ جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تو تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو میری پیروی کرتا اور قیـــل اور روی کے ساتھ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ الّا حرف تحضیض ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اے ہارونؑ تجھے کس چیز نے منع کیا جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا کیوں نہ تو نے میری اتباع کی۔

۹۵۔ ﴿اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ﴾

تفریق کیسے؟ تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں آپ کے پیچھے چلا آتا تو کچھ صحیح العقیدہ لوگ بھی تھے لازماً وہ بھی میرے ساتھ چلتے۔ باقی جو گوسالہ پرستی کرنے والے تھے وہ نہ آتے تو آپ کہتے کہ تو نے تفریق ڈال

ای کہ کچھ کو لے آیا اور کچھ کو وہاں چھوڑ دیا۔

۹۶ ﴿مِنْ أَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾

ای من حافر فرس الرسول۔

۹۷۔﴿لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾

اعتراض:

بعض ملحدین نے یہاں اعتراض کیا ہے کہ سونا اور چاندی پگھلتا ہے، جلتا تو نہیں۔ جبکہ یہاں کہا کہ میں اس کو جلاؤں گا۔

جواب: تو علامہ آلوسیؒ جواب دیتے ہیں کہ یہ میری اور آپ کی بات نہیں ہے۔ ہمارے پاس بھی لاٹھی تو ہوتی ہے لیکن کبھی سانپ نہیں بنی۔ تو خدا کے پیغمبر ہیں اگر اس کو جلا دیں تو کیا اشکال ہے۔

دوسری بات یہ بیان کرتے ہیں کہ کیا ہمارے جو حکیم ہیں وہ سونے کو جلا کر اس کا کشتہ تیار نہیں کرتے، چاندی کا کشتہ نہیں بناتے؟ اگر تمہارے پاس سونے و چاندی کو جلا کر کشتہ بنانے کے طریقے ہیں تو خدا کے پیغمبر نے جلا دیا تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے۔

۱۰۳۔﴿إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا﴾

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعضے کہیں گے یوم اور بعضے کہیں گے عشرا، بعضے کہیں گے ساعة من النهار، بعض کہیں گے "عشيَةً او ضُحٰها" مختلف تعبیریں ہیں۔

جواب دیتے ہیں کہ کوئی تعارض نہیں کہنے والے جدا جدا ہیں موضوع ایک نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ لیتے ہیں کہ مقصد اس سے قلت ہے۔ یعنی آخرت کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے۔ تو اس کی بہ نسبت اس کو یوں تعبیر کیا ہے۔

۱۰۵۔﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾

ربط: ابھی قیامت کا لفظ آپ نے پڑھا "يحمل يوم القيامة وزرًا" قیامت کا لفظ جب آتا تھا منکرین قیامت کہتے تھے کہ قیامت آئے گی تو یہ پہاڑ کہاں جائیں گے۔ فرمایا کوئی اشکال کی بات نہیں قیامت آئے گی تو تیرا رب ان کو اُڑا دے گا۔

۱۰۶۔﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾

اب ھا کی ضمیر کہاں جاتی ہے تفسیر السراج المنیر، ابوالسعود، بیضاوی وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے جبال لیکن مضاف محذوف ہے ویذرها ای مواضع الجبال۔

دوسری تفسیر یہ لکھتے ہیں کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے ارض اس زمین کو چھوڑے گا بالکل میدان کی طرح۔ اگر چہ قریب میں ارض کا لفظ نہیں ہے لیکن فحوی کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۸۔﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾

لہٗ میں ہٗ کی ضمیر راجع ہے بسوئے اتباع مصدر کے جو یتبعون میں ہے، معنی ہوگا کہ اتباع کے لئے کوئی کجی نہیں ہوگی۔

۱۰۹﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾

دو آسان باتیں عرض کرتا ہوں۔ یہ مَن مفعول ہو کر منصوب یا مرفوع ہے مفعول ہو کر منصوب ہو تو معنی یہ ہوں گے اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت مگر اس شخص کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور اس کی بات پر راضی ہوا تو یہ مشفوع لہٗ مراد ہے۔

دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مرفوع ہے معنی یہ ہے کہ شفاعت نفع نہیں دے گی مگر اس کی جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی ہو لیکن پھر یہاں مضاف محذوف ماننا پڑے گا۔

جمل والے کہتے ہیں کہ عبارت یوں ہوگی "یومئذٍ لا تنفع الشفاعةُ الا شفاعةُ من اذن لهُ الرحمن"

۱۱۱۔﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾

عنی .یعنی ضرب سے معنی آتے ہیں مراد لینا اور عنی یعنی سمع سے معنی آتے ہیں مشقت میں پڑ جانا اور عنی یعنو نصر سے معنی آتے ہیں جھک جانا۔

۱۱۳۔﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾

بعض حضرات یہ نکالتے ہیں کما انزلنا هذه الآيات كذالك انزلناه قرآناً عربيًا ۔لیکن صحیح بات وہ ہے جو قرطبی وغیرہ میں ہے ای كما انزلنا الكُتُبَ على الانبياء من قبلك كذالك انزلناه۔۔۔۔

۱۱۶۔﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا﴾

ربط: اوپر حضرت آدمؑ کا اجمالی ذکر تھا کہ ہم نے ایک وعدہ لیا اور اس نے اس کو توڑا۔ اب آگے اس کی تفصیل ہے۔

۱۲۴۔﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾

قرآن سے اعراض کا نتیجہ:

یہاں دو باتیں مختصراً عرض کرتا ہوں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے باسنادٍ جیدٍ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ذکر یعنی اس قرآن سے اعراض کیا تو اس کے لئے قبر میں زندگی تنگ ہوگی۔ آلوسیؒ اور امام رازیؒ، عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی تنگ ہوگی، تنگ یوں ہوگی کہ خیر اس میں داخل نہیں ہو گی، مال بھی وافر، اولاد بھی وافر، سب کچھ وافر لیکن وہ جو آخرت میں اس کے لئے مفید چیزیں ہوں، وہ اس سے تنگ ہوں گی۔

۱۲۹۔﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾

ربط: اوپر آپ نے پڑھا کہ ہم نے ان سے پہلے کئی جماعتیں ہلاک کیں اگر دو چیزیں نہ ہوتیں تو ہلاکت ان کے لئے بھی آجاتی لہٰذا آپ صبر کریں اس پر جو وہ کہتے ہیں اور اللہ کی تسبیح بیان کریں۔

صاحب کشاف اوران کی پیروی میں بیضاویؒ معنی یہ کرتے ہیں اگر نہ ہوتا ایک فیصلہ جو طے ہو چکا ہے، تیرے رب کی طرف سے اور''اجــل مســمّــی'' نہ ہوتی البتہ ہوتا لازم۔ یہ حضرات اجل مسمّٰی کا اس کلمۃ پر عطف کرتے ہیں جو کہ اپنی صفت کے ساتھ موصوف ہے'' کلمة سبقت''اب سنو غور سے کلمة سبقت کیا ہے (العدة بتاخير العذاب عنهم) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر عذاب کی بات پہلے طے نہ ہوتی اور اجل مسمّیً سے مراد ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے جو وقت موت کا مقرر ہے اگر یہ نہ ہوتا لـکـان تو البتہ ہوتے کـان کی ضمیر راجع ہے اهلكنا میں اھلاک مصدر کی طرف''لـزامًا ای كان الاهلاک لِزامًا '' لزاماً مصدر ہے بمعنی لازم کے یعنی اللہ کی طرف سے ان کے لئے جو موت کا وقت مقرر ہے اگر یہ نہ ہوتا تو البتہ پھر ان کا ہلاک کرنا لازم ہوتا۔

۱۳۱۔﴿زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

زهرة کا نصب، نحوی بحث:

زهــرة کا نصب کس سے ہے میں چار باتیں آسان عرض کرتا ہوں۔ایک یہ ہے کہ نـصـب عـلـى الذم ہے۔ای اذم زهرة دوسری یہ کہ زهرة یہ بدل ہے ازواجًا سے وہ منصوب ہے تو یہ بھی منصوب ہے۔اَب اس پر سوال ہوگا کہ ازواجا تو ذات ہے زهرة وصف ہے یہ اس سے بدل کیسے ہوگیا؟ کہتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ ازواجًا ذوی زهرة الحيٰوة الدنيا ۔

تیسری یہ کہ زهرة ما سے حال ہے ای الٰی ما حال کو نہ زهرة الحيوة الدنيا ۔

چوتھی یہ کہ بہ میں ہ ضمیر سے حال ہے ای ما متعّنا به حال کونہ زهرة الحيوة الدنيا۔

۱۳۲۔﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ای والعاقبة لا هل التقوٰی۔

سورة الانبیاء

۱۔﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ ہر ایک منتظر ہے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ تم مسخرے کرتے ہو کہ قیامت کب ہوگی متیٰ هذا الوعد ؟ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں "اقترب للناس حسابهم" اس سورۃ کا نام سورۃ انبیاء ہے یعنی تمام انبیاء کرام کا عقیدہ اس میں بیان ہوگا۔ جو اگلے رکوع میں آرہا ہے کہ تمام پیغمبروں نے رب کی توحید سب سے پہلے بیان کی۔

۲۔﴿مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ﴾

کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے کی بحث:

اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور حادث نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ حادث ہے زمخشری نے اس مقام پر اہل حق کو اپنی مخصوص فکر کے ساتھ خوب کوسا کہ تم کہتے ہو کہ قرآن قدیم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "من ذکر من ربهم محدث" رب تعالیٰ اس کو محدث کہتا ہے اور تم قدیم کہتے ہو۔

جواب یہ ہے کہ یاد رکھنا ایک ہے کلام لفظی اور ایک ہے کلام نفسی مثلاً میں کہتا ہوں کہ النارُ محرِقة آگ جلانے والی ہے یہ الفاظ ہیں آگ کی حقیقت نہیں جو میں نے (النارُ محرِقة) کہا اس کا خارج میں وجود ہے، وہ جو خارج میں وجود ہے وہ ہے نفسی جس پر یہ الفاظ دال ہیں۔

ہم جو کہتے ہیں کہ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق یہ کلام لفظی کے بارے میں نہیں کہتے بلکہ کلام نفسی کے بارے میں کہتے ہیں جو رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہاں محدث کہا گیا ہے اس کا جمہور نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ یہاں محدث کے معنی حادث کے نہیں بلکہ تازہ کے ہیں۔

دوسرا جواب جو امام رازیؒ نے دیا ہے فرماتے ہیں کہ محدث تو یہ الفاظ ہیں اور الفاظ کے حادث ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ ہم جس کو قدیم کہتے ہیں وہ کلام نفسی ہے نہ کہ کلام لفظی۔

۳۔﴿وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ﴾

یہ دونوں (و هم يلعبون اور لاهية قلوبهم) الناس سے حال ہے کہ قریب آگیا لوگوں کے لئے ان کا حساب دراں حالیکہ وہ کھیلتے ہیں درانحالیکہ ان کے دل غافل ہیں حال متداخلہ بھی بنا سکتے ہیں اور حال مترادفہ بھی۔

﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾

نحوی اشکال:

یہاں ایک نحوی اشکال ہے وہ یہ کہ فاعل جب اسم ظاہر ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ فعل مفرد لایا جاتا ہے اور یہاں فاعل الذين ظلموا ظاہر ہے تو فعل جمع کیوں لائے؟

جواب: تفسیر روح المعانی، البحر المحیط، جمل، کمالین وغیرہ میں ایک جواب وہ ہے جو امام سیبویہؒ نے دیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اسرّوا میں ھم ضمیر فاعل ہے اور الذین ظلموا اس سے بدل ہے اور یہ من قبیل اکلونی البراغیث ہے۔

دوسرا جواب اخفش نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسرّوا میں واؤ علامت جمع ہے تو فعل ہی جمع نہیں ہے۔

تیسرا جواب کسائی نے دیا ہے کہ الذین ظلموا مبتدا موخر ہے اور اسرّ واالنجوٰی خبر مقدم ہے۔ اس کو (اسرّوا النجوی) مبتدا اس لئے نہیں بناتے کہ یہ جملہ فعلیہ ہے اور مبتدا اسم ہوتا ہے۔

چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ الذین ظلموا یہ اسرّوا کا فاعل نہیں یہ بدل ہے للناس سے معنی یہ ہے کہ قریب ہوا لوگوں کے لئے کون لوگ ہیں؟ الذین ظلموا.

پانچواں جواب یہ ہے کہ من ربھم میں ھم ضمیر سے بدل ہے کہ نہیں آتا ذکر ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے وہ کون ہیں؟ "الذین ظلموا"

چھٹا جواب یہ ہے کہ قلوبھم کی ضمیر سے بدل ہے۔ لا ھیۃ قلوبھم ان کے دل غفلت میں ہیں کون ہیں؟ الذین ظلموا۔

۸۔﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا﴾

اشکال:

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ جسدا مفرد ہے اور ھم ضمیر جمع کی ہے تو مفرد کا جمع پر حمل کیسے ہوگا؟

محلیؒ فرماتے ہیں کہ جسدًا جنس ہے بمعنی اجسادًا۔

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ وما جعلنٰھم ذوی جسدٍ۔

۱۱۔﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ واھلکنا المسرفین۔ ہم نے اسراف کرنے والوں کو ہلاک کیا۔

اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ ایک نہیں کم قصمنا من قریۃ کتنی بستیاں ہم نے پیس ڈالیں۔

صاحب قاموس اور صاحب کشاف کہتے ہیں کہ قصم کا معنی ہوتا ہے افظع الکسر (بُری طرح چیز کو توڑنا)

۳۰۔﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ "لا الٰہ الّا انا فاعبدون" اب اس کی الوہیت کے دلائل پیش کئے۔

۳۰۔﴿كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا﴾

آسمان وزمین کے بند ہونے اور کھول دینے کا مطلب:

آسمان وزمین بند تھے، اب بند کیسے تھے؟ روح المعانی، خازن، بیضاوی، ابوالسعود، مدارک وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ آسمان وزمین اکٹھے تھے ان کو جدا جدا کیا آسمان کو اوپر زمین کو نیچے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ بند تھے اس طور پر کہ آسمان سے بارش نازل نہیں ہوتی تھی اور زمین سے کوئی چیز پیدا

نہیں ہوتی تھی۔ تو اوپر سے ہم نے بارشوں کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو ہم نے چیزوں کے اُگانے کا حکم دیا۔ دونوں کو کھول دیا۔

۳۴۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ﴾

قادیانیوں کا حضرت عیسیٰ کی وفات پر استدلال اور اس کا جواب:

اس آیت مبارکہ سے قادیانی حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر استدلال کرتے ہیں کہ ہم نے کسی بشر کو تجھ سے پہلے خلد نہیں دیا تو عیسیٰؑ کو تم کیسے کہتے ہو کہ وہ زندہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ نفی خُلد کی ہے خُلد کے معنی ہمیشہ کی زندگی۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰؑ نازل ہوں گے چالیس سال حکومت کریں گے۔ ثم یموت ویصلّی علیه المسلمون و یُدفن فی قبری ای مع قبری۔ تو نفی اس آیت میں خلد کی ہے اور ہم بھی خلد کے قائل نہیں۔

۳۶۔ ﴿وَإِذَا رَءَاکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا إِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ﴾

ربط: اوپر رسالت کا ذکر تھا آگے کفار کے استہزاء کا ذکر ہے۔

۳۹۔ ﴿لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ﴾

لو حرف شرط جملہ شرطیہ ہے اس کی جزاء محذوف ہے ما قالوا ذالک

۴۲۔ ﴿قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ﴾

ربط: اوپر بھی توحید کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ دلیلیں ہیں، آسمان دیکھو، زمین دیکھو، پہاڑ دیکھو وغیرہ۔ یہ تو نعمتوں کی شکل میں تھا اب اللہ کی قدرتوں کا ترھیب کی صورت میں ذکر ہے یعنی پہلے ترغیب تھی اب ترھیب ہے۔ من الرحمن یہاں مضاف محذوف ہے ای من عذاب الرحمن، من عقاب الرحمن۔

۴۳۔ ﴿وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ﴾

آپ کو تمام تفسیروں میں انشاء اللہ ملے گا "صحبک اللّٰہ ای حفظک و اَجارک" اللہ تیری حفاظت کرے اور تجھے بچائے۔ اب اس کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے "ولا ھم منّا ای من عذابنا یصحبون ای یجارون" نہ وہ ہمارے عذاب سے محفوظ رکھے جاسکتے ہیں اور نہ بچائے جاسکتے ہیں۔

۴۷۔ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ﴾

الموازین جمع ہے میزان کی یا موزون کی:

الموازین جمع ہے میزان کی یا موزون کی تو یہ ہے جمع اور القسط مفرد ہے اور صفت ہے موازین کی تو صفت موصوف میں اتحاد شرط ہے کہ وہ جمع ہو تو یہ بھی جمع ہو وہ مفرد ہو تو یہ بھی مفرد ہو۔ تو یہ کیا ہوا کہ الموازین موصوف جمع اور القسط صفت مفرد ہے تو اس کے آسان جواب تین ہیں۔ جو عمدۃ القاری، فتح الباری میں اور روح المعانی، و بیضاوی میں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ القسط مصدر ہے، مصدر میں واحد، جمع، تثنیہ سب معانی ہوتے ہیں، اگر موازین جمع ہے تو القسط بھی جمع ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔

دوسرا جواب امام ابواسحاق الزجاجؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے، وہ یہ ہے ونضع الموازین ذوات القسط ۔تو اس کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھا ہے۔ ذوات ذو کی جمع ہے تو جمع ہی موصوف اور جمع ہی صفت ہے۔

تیسری ترکیب کہتے ہیں کہ قسط کو صفت نہ بناؤ بلکہ القسط کو مفعول لہٗ قرار دو، معنی یہ ہے "ونضع الموازین لاجل القسط "ہم ترازو رکھیں گے انصاف کی خاطر۔

۴۷۔﴿وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ﴾

یہ کان کی ضمیر کدھر جاتی ہے؟ تو انشاء اللہ آپ کو جلالین تک ملے گا ان کان العمل.

۴۸۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهَارُوْنَ الْفُرْقَانَ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کافر آپؐ سے استہزاء کرتے تھے آگے اللہ تعالیٰ کچھ انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہیں تا کہ آپؐ کو تسلی ہو اور کفار کو ترھیب ہو۔

۵۱۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا إِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ﴾

ربط: موسیٰ اور ہارونؑ کے بعد اب تفصیل سے ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تم کہتے ہو کہ ہم ابراہیمی ہیں تو دیکھو کہ وہ کیسا تھا اور تم کیسے ہو۔ ابراہیمؑ جس شہر میں پیدا ہوئے اس کا نام تھا طوسٰی۔

۶۳۔﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾

بل فعلهٗ کبیرهم کی تفسیریں:

یہاں میں تین تفسیریں عرض کرتا ہوں جو کبیر، مواہب الرحمٰن وغیرہ میں ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ فعلهٗ کا فاعل ہے کبیرهم (بلکہ کی ہے یہ کارروائی اس بڑے نے اِن کے)۔ فسئلوهم ان کانوا ینطقون۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ بل فعلهٗ یہ التفات ہے۔ انہوں نے کہا اے ابراہیم یہ کارروائی تو نے کی ہے؟ تو فرمایا ''بل فعله'' بلکہ اس نے کی ہے۔ یہ التفات ہے، آگے جملہ مستانفہ ہے "کبیرهم هذا فسئلوهم ان کانوا ینطقون"

تیسری تفسیر یہ ہے کہ "فعلهٗ من فعل" یہ کارروائی کی جس نے کی۔ بڑا ان کا یہ ہے ان سے پوچھو۔

۶۴۔﴿فَقَالُوْا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾

اس کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ واقعی جو اِلٰہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے، بول نہیں سکتے یہ اِلٰہ ہونے کے قابل نہیں۔ دوسرے معنی یہ کہ غلطی تمہاری، تم نے اپنے الٰہوں کی حفاظت کیوں نہیں کی، تم سارے کیوں چلے گئے تھے۔

۷۳۔﴿ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ ﴾

اصل میں واقامة الصلوٰة تھا تاء کو حذف کیا تخفیفا اور ماقبل کی مناسبت کی وجہ سے۔

۷۴۔﴿وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي﴾

یہاں قریہ سے مراد سدوم بستی ہے۔ ونوحًا ۔ ای اذکر نوحًا من قبل ای قبل ابراھیم

۷۸۔﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴾

واقعہ یہ ہے کہ ایک قوم کی بکریاں تھیں جو دوسری قوم کے کھیت میں جا پڑیں۔۔۔۔۔ داوٗدؑ نے فیصلہ کیا۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے سلیمٰن کو فہم عطا کی۔۔۔۔۔اسی واقعہ کو یہاں بیان فرمایا نفشت فیہ، لفظ نفش میں رات کا معنی اور بغیر چرواہے کا ہونا شامل ہے۔تو نفش کا معنی ہوں گے، بغیر چرواہے کے رات کو چرنا اور نفشت فیہ کا معنی ہے کہ جا پڑیں اس میں رات کو بغیر چرواہے کے قوم کی بکریاں۔

۷۹۔﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾

ھا ضمیر یحکمٰن میں جو حکومت مصدر ہے اس کی طرف لوٹتی ہے۔

۸۱۔﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ﴾

آگے آئے گا" رخاءً حیث اصاب " یہاں نرم ہوا ہے۔

روح المعانی، بیضاوی، کبیر وغیرہ میں ہے کہ کوئی تعارض نہیں، جب چاہتے ہوں گے آہستہ چلنا تو آہستہ چلتی ہوگی۔ جب چاہتے ہوں گے تیز چلنا تو تیز چلتی ہوگی، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ان کا تخت اوپر ہوا میں ہوتا تھا تو ابتدائی مرحلہ میں آہستہ ہوتا پھر تیزی سے چلتا تھا۔

(الی الارض التی بارکنا فیھا) یہ زمین سبا سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر اصطخر تک جو فارس میں ہے وہاں سے لے کر کابل تک تھی یہ ان کے اڈے تھے ان میں جاتے تھے۔

۸۳۔﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اس کی کوئی اصل نہیں:

تفسیر حقانی، خازن، معالم التنزیل، کبیر اور مستقل کتاب ایوبؑ بائبل میں جو ہے، میں ان کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت ایوبؑ ایشیائے کوچک میں تھے جو آجکل ترکیوں کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سات بیٹے، تین بیٹیاں دی تھیں، سب شادی شدہ تھے ان کے پاس تین ہزار اونٹ تھے۔۔۔۔۔ ان پر امتحان کیوں آیا؟ اس کا جواب آگے دوں گا۔۔۔۔۔ ایک ان کے بیٹے نے دعوت کی۔۔۔۔۔ حضرت ایوبؑ کی بیوی تھی رحمت بی بی۔۔۔۔۔ سارے مکان کے نیچے دب گئے۔۔۔۔۔ لوگ سامان لے گئے۔۔۔۔۔ یہ بھوکے رہتے تھے۔۔۔۔۔ بیوی جاتی لوگوں کے کپڑے دھوتی۔۔۔۔۔ یہ کتنا عرصہ ایسا رہا تو آپ کو تفسیروں میں سترہ سال اور اٹھارہ سال ملیں گے۔۔۔۔۔الخ

یہاں تفسیروں میں آپ کو خرافات ملیں گے کہ ایوبؑ کے بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے وغیرہ۔۔۔ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں اور ابن حجرؒ فتح الباری میں، عینی عمدۃ القاری میں، مولانا عثمانیؒ فوائد عثمانیہ میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر کو ایسی بیماری نہیں لگ سکتی جو موجب تکدّر اور تنفر ہو۔۔۔۔۔

۸۵۔﴿وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ﴾

ذوالکفل کون تھا اور اس کو ذوالکفل کیوں کہتے ہیں؟

ذاالکفل کون تھا اور اس کو ذاالکفل کیوں کہتے ہیں؟ تو کمالین والے اور دوسرے فرماتے ہیں کہ یہ بشر ابن ایوبؑ ہے، ایوبؑ کے بیٹے تھے۔

ذوالکفل اس لئے کہتے ہیں کہ" تکفّل سبعین نبیّا "ستر پیغمبر اس کے پاس آئے اور انہوں نے ان کی کفالت کی۔

۹۱۔﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا﴾

فیھا کی ضمیر راجع ہے، التی کی طرف اور دوسری جگہ آئے گا" فنفخنا فیه" اس میں فیه کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے اور فرج سے مراد اس کا جیب (گریبان) ہے معنی ہوگا فنفخنا فیه ای جبرائیلؑ فی جیبها۔

۹۴۔﴿فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا و کل الینا راجعون یہ سب ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے۔اب لوٹنے کے بعد کیا ہوگا تو فرمایا فمن یعمل من الصّٰلحٰت وھو مومن الخ

۹۵۔﴿وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾

حرام کے معنی واجب کے بھی آتے ہیں:

اگر حرام کا معنی وہ ہے جو حلال کے مدمقابل ہوتا ہے تو معنی صحیح نہیں ہوتا۔معنی یوں ہے کہ حرام ہے بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا کہ بے شک وہ نہ لوٹے یعنی عدم رجوع حرام ہے، تو معنی یہ ہوا کہ ان کا آنا ضروری ہے۔تو یہ تو حقیقت کے خلاف ہے۔محلیؒ اور اکثر مفسرین کرامؒ نے کہا کہ لا کا لفظ مزیدہ ہے، معنی یہ ہے حرام ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا کہ بے شک وہ لوٹتے یعنی لوٹنا حرام ہے۔

دوسرا جواب قاموس میں، صراح میں اور لغت کی کتابوں میں امام اصمعیؒ کے حوالے سے ہے کہ حرام" کے معنی واجب کے ہیں معنی یہ ہیں کہ واجب ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا۔کیا واجب ہے؟ انھم لا یرجعون کہ بے شک وہ نہیں لوٹیں گے۔اسی معنی کے پیش نظر حضرت شیخ الہندؒ نے معنی کیا اور لازم ہو چکا ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا بیشک وہ نہیں لوٹیں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا﴾

شان نزول: عبداللہ ابن زبعری کفر کے دور میں بڑا پراپیگنڈہ کیا کرتا تھا جب یہ آیتیں نازل ہوئیں" انکم وما

تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم ‘‘ تو کہتا تھا لوگوں سے کہ دیکھو جی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ ’’انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم ‘‘لوگوں نے تو عیسیٰؑ کی بھی عبادت کی ہے۔اسی طرح لوگوں نے عزیرؑ کی بھی عبادت کی ہے،تو پھر ہمارے ساتھ اکٹھے ہوں گے۔

جواب دیا کہ وہ تو اللہ کے بندے تھے اور وہ تو اس سے دور تھے وہ تو اس پر راضی نہیں تھے۔جن احمقوں نے ایسا کیا تو ان کی غلطی ہے۔

حسیس کا معنی ہے کہ آگ جب جلتی ہے تو اس سے شوشو کی آواز نکلتی ہے،اس آواز کو حسیس کہتے ہیں۔

۱۰۴۔﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾

کطی السجل للکتب کی تفسیریں:

اس کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ایک یہ ہے کہ سجل آنحضرتؐ کے منشی اور کاتب کا نام تھا معنی یہ ہے کہ ہم آسمان کو ایسا لپیٹیں گے جیسا یہ سجل نامی کاتب کاغذوں کو لپیٹتا ہے۔اس مضمون کی روایت ابوداؤد میں بھی ہے نسائی میں بھی ہے۔اسی مقام پر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد محترم ابوالحجاج رمزی نے اور حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث جعلی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سجل فرشتے کا نام ہے جس وقت دنیا کا نظام ختم ہوگا تو سجل نامی فرشتہ دفتر لپیٹ کر کے رکھ دے گا۔تو آسمان کو ایسا لپیٹیں گے جیسا کہ سجل فرشتہ دفتر کو لپیٹتا ہے۔

تیسری تفسیر جو آپ کو جلالین تک میں ملے گی کہتے ہیں کہ سجل کا معنی بستہ،لام بمعنی علی کے ہے ہم لپیٹیں گے آسمانوں کو جیسا کہ لپیٹا جاتا ہے بستہ کتابوں پر۔

۱۰۴۔﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ﴾

اس آیت سے مشرقی کا استدلال:

اس آیت سے مشرقی نے استدلال کیا ہے کہ رب کا وعدہ تو ہے کہ نیک وارث ہوں گے تو اب اس وقت یہ برطانیہ،امریکہ،روس یہی وارث ہیں تو نیک تو یہی ہوئے یہ کلمہ پڑھنے والے پکے کافر ہیں۔سورۃ زمر میں آتا ہے ’’واورثنا الارض نتبوّء من الجنّة حیث نشاء‘‘ روح المعانی،کشاف،بیضاوی،ابوالسعو دوغیرہ میں ہے کہ اس جنت سے جنت کی زمین مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔وہ وعدہ ان الفاظ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’انّ الارض یرثھا العبادی الصالحون‘‘ وہ جنت کی زمین ہے دنیا کی زمین مراد نہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں لکھا نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے،ایک ہزار سال تک کم وبیش مسلمانوں کی حکومت رہی۔

محلیؒ تفسیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ زبور سے اصطلاحی زبور مراد نہیں جو داؤدؑ پر نازل ہوئی زبور کے معنی کتاب اور الف لام جنس کے لئے ہے معنی ہوگا کہ ہم نے کتابوں میں لکھا لوح محفوظ کے بعد الذکر کا معنی کرتے ہیں

لوح محفوظ۔ کہ پہلے لوح محفوظ میں تھا پھر ہم نے اس کے بعد کتابوں میں لکھا۔

۱۰۷۔﴿وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا آگے رسالت کا اثبات ہے۔ یہ رحـــمة کیا ہے؟ اس کو مفعول لہٗ بھی بناتے ہیں معنی یہ ہے کہ ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر رحمت کرتے ہوئے جہان والوں پر اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رحـــمة حال ہے کاف ضمیر سے، نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر اس حال میں کہ تو رحمت ہے جہاں والوں کیلئے اور حمل مبالغۃً ہے۔

سورة الحج

۱۔﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾

ابھی اوپر قیامت کا ذکر تھا کہ میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید وہ جس کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے" وإن أدری اقریب ام بعیدما توعدون " آگے اسی قیامت کا ذکر ہے۔

۲۔﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾

حمل والی عورتوں کا حمل کو گرانے کا مطلب:

یوم کا نصب کس سے ہے؟ کہتے ہیں عظیم جو صفت مشبہ ہے یوم کا نصب اس سے ہے۔ ھا کی ضمیر کدھر جاتی ہے؟ دونوں تفسیریں ہیں زلزلۃ کی طرف بھی ہے اور قیامت کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ حمل والی عورتیں حمل کو گرا دیں گی۔ اس کا کیا مطلب؟

یہاں کشاف، بیضاوی، خازن وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ جو عورتیں یہاں بچوں کو دودھ پلاتی رہتی ہیں وہاں قیامت کے دن بھی ان کو دودھ پلائیں گی فرق یہ ہے کہ وہاں اتنی ہولناکی ہوگی کہ دودھ پلانا بھول جائیں گی اور جو عورتیں حاملہ مر گئیں ہوں وہ وہاں ڈر کی وجہ سے حمل کا اسقاط کر دیں گی۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ تشبیہ ہے کہ فرض کرو کہ اگر وہاں کوئی دودھ پلانے والی ہوتی تو بچے کو دودھ نہ پلاسکتی اگر کوئی حاملہ ہوتی تو اس کا حمل ڈر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا۔

۴۔﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾

کتب علیہ میں ہٗ ضمیر شیطان کی طرف لوٹتی ہے ای کتب علی الشیطان۔

۵۔﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا۔ اب قیامت کے اثبات کی دو دلیلیں رب تعالیٰ پیش کرتے ہیں۔ ایک دلیل" فانا خلقنکم" سے اور دوسری دلیل" وتری الارض ھامدۃً " سے بیان فرمائی۔

۵﴿لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ﴾

لنبین کا مفعول محذوف ہے ای لنبین لکم کمال قدرتنا تاکہ تمہارے لئے ہم اپنی قدرت کاملہ کو بیان کریں۔

۵۔﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾

طفلا حال ہے کم ضمیر سے، لیکن اشکال ہوگا کہ طفلا مفرد ہے اور کم ضمیر جمع کی ہے تو مفرد کا حمل اس پر کیسے ہوا؟

امام مبرد" فرماتے ہیں کہ طفلا مصدر ہے، مصدر واحد، تثنیہ، جمع سب ہی کے لئے آتا ہے جبکہ محلی" فرماتے ہیں کہ طفلا جنس ہے، بمعنی اطفال کے جبکہ دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے معنی یہ ہے کہ

نخرجکم طفلاً ای کل واحدِ منکم طفلاً۔

۵۔﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّکُمْ﴾

لتبلغوا کالام کس کے متعلق ہے؟ بعض نکالتے ہیں ''ثم نعمر کم لتبلغوا'' اور بعضے نکالتے ہیں۔ ''نبقیکم لتبلغوا'' پھر ہم تم کو باقی چھوڑیں گے تا کہ اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔

۱۱۔﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ﴾

کنارے پر عبادت کرنے کا مطلب

ربط: اوپر بھی کفار کا ذکر تھا کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو علم وہدایت کے بغیر کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اب آگے ان لوگوں کا ذکر آیا جو کافروں کی ایک قسم ہے جنہیں منافق کہتے ہیں۔ اوپر کھلے کافر تھے آگے چھپے کافر

علی حرفٍ کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ کنارے پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں یعنی جن لوگوں کو جلدی جانا ہوتا ہے، وہ مجلس میں ایک کنارے پر بیٹھ جاتے ہیں تا کہ نکلنا آسان ہو۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ حرف کے معنی شک کے ہیں یعنی شک میں ہیں۔ اگر بھلائی پہنچتی ہے، غنیمت وغیرہ تو اطمئن بہ اس پر اطمینان کرتے ہیں اور اگر کوئی تکلیف پہنچے لڑائی میں جانا پڑے تو پھر جاتے ہیں۔

۱۲۔﴿یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ﴾

لمن مفعول ہے لام اس پر زائد ہے معنی یہ ہے کہ پکارتے ہیں اس کو جس کا ضرر اس کے نفع سے قریب ہے۔

اب یہاں ایک اعتراض ہوگا کہ اوپر کی آیت میں تو یہ ہے کہ اللہ کے ورے اس کو پکارتے ہیں جو نہ ضرر دے سکتا ہے اور نہ نفع اور اس میں تو اس کا اثبات ہے کہ وہ پکارتے ہیں، اس کو جس کا ضرر نفع سے قریب ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفع بھی دے سکتا ہے لیکن نفع سے ضرر اقرب ہے۔

اس کا جواب آپ کو جلالین تک ملے گا معنی یہ کرتے ہیں یدعوالمن ضرہٗ اقرب من نفعه بتخیلهٖ و بزعمهٖ جو اپنے زعم سے یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس سے نفع ہوگا نفع تو کچھ بھی نہیں ہوگا، غیر اللہ کے پکارنے کا نقصان ہوگا۔

۱۵۔﴿مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ میری مدد نہیں کرے گا، اس لئے میں غیر اللہ کو پکارتا ہوں کہ میں تو بہت گھٹیا ہوں اس قابل نہیں کہ رب مجھ پر رحمت نازل کرے فرمایا کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا میں بھی نہیں کرے گا اور آخرت میں بھی تو نہیں وہ آسمان تک رسی تان لیں اگر اس کے بس میں ہے اوپر سے وہ مدد اور نصرت کا راستہ کاٹ دے، دیکھے اس کا غصہ کیا کرتا ہے۔ تو اس تفسیر کے لحاظ سے مکلف اس کا فاعل بنا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ینصرہٗ میں ہٗ کی ضمیر راجع ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو معنی ہوگا کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں تو اگر اس کے بس میں ہے تو وہ آسمان تک رسی

تان لے وہاں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بند کردیں اب دیکھے کہ اس کا غصہ، اس کی تدبیر کیا کچھ کرتی ہے۔ تو اس تفسیر کے لحاظ سے السماء سے حقیقۃً آسمان مراد ہے اور ایک تفسیر یہ ہے جو آپ کو جلالین تک ملے گی کہ جو شخص ارادہ کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کی اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرے گا، دنیا اور آخرت میں تو وہ رسی تان لے الی السماء ای الی سقف البیت اپنے مکان کی چھت تک اور اس رسی پر اپنا گلہ گھونٹ کر کاٹ لے لیقطع ای لیقطع نفسه من الارض زمین سے اپنے پاؤں اٹھالے اور گلے میں پھندہ ڈال کر مرجائے۔

۱۶۔﴿وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾

ای کما انزلنا هذه الآيات كذالك۔۔۔

۱۸۔﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾

اشکال:

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ بظاہر یہاں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے والے بھی کثیر ہیں اور جن پر عذاب ثابت ہے وہ بھی کثیر ہیں اس کا جواب صاحب بیضاوی نے یہ دیا ہے کہ یہاں کثیر سے مراد وہ کثیر نہیں جو قلیل کے مقابلہ میں ہو بلکہ فی نفسہ کثیر مراد ہے اور فی نفسہ یہ بھی کثیر ہیں اور فی نفسہ وہ بھی کثیر ہیں۔

۱۹۔﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾

ربط: اوپر دو گروہوں کا ذکر تھا ایک مومن دوسرا کافر آگے فرمایا کہ یہ دو گروہ اپنے رب کے بارے میں لڑتے ہیں مومن خدا کو مانتے ہیں اور کفار کے جتنے فرقے ہیں وہ نہیں مانتے۔

۲۱۔﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ﴾

مقامع مقمعةٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہتھوڑے کے ہیں۔ اب هم کی ضمیر کہاں جاتی ہے؟

بیضاوی، روح المعانی وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ کفار کی طرف جاتی ہے اور لام تخصیص کے لئے ہے کہ مختص ہے ان کے لئے ہتھوڑے لوہے کے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام بمعنی علی کے ہے ای علیهم ان پر پڑیں گے ہتھوڑے لوہے کے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ هم ضمیر راجع ہے بسوئے ملئکۃ اگرچہ یہاں ان کا ذکر نہیں ہے لیکن فحوی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ہاتھوں میں ہتھوڑے ہوں گے اور ان کے سروں کو پیٹیں گے۔

۲۳۔﴿إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾

ربط: اوپر کفار کا ذکر تھا آگے مومنوں کا ذکر ہے کہ کافروں کا تو وہ حشر ہوگا اور مومنوں کو یہ ملے گا۔

۲۶۔﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾

ربط: ابھی آپ نے مسجد حرام کا ذکر پڑھا اب آگے اس مسجد حرام کے بانی ابراہیمؑ کا اور اس بناء کا مقصد بیان کرتے

ہیں۔بوّا نا باب تفعیل سے معنی آتا ہے رات کوٹھکانہ دینالازمی معنی ہے تیار کرنا۔

۳۱۔﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾

مشرک کی مثال آسمان سے گرا فضا میں اور پرندوں نے نوچ نوچ کے کھالیا:

مشرک کی مثال رب تعالیٰ دیتے ہیں کہ ایک شخص آسمان سے گرا فضا میں وہ پرندوں کے قابو میں آگیا اور انہوں نے نوچ نوچ کے کھالیا اور اگر پرندوں سے بچا تو ہوا نے اسے ایسے گڑھے میں ڈال دیا کہ جہاں سے اس کا نکلنا ناممکن ہے۔اب مطلب یہ ہے کہ توحید اور ایمان یہ مومن کے لئے بہت اونچی جگہ ہے جیسے آسمان جب توحید چھوڑی، ایمان چھوڑا تو ان شکروں کے حوالے ہوگیا جو مولوی اور پیر ہیں، انہوں نے اسے بہکایا، یا اپنے پیٹ کی خواہش نے اس کو ایسے کھڈے میں ڈال دیا کہ جہاں سے نکلنا مشکل ہے۔

۳۲۔﴿ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾

فانّها میں ها ضمیر راجع بسوئے شعائر ہے لیکن مضاف محذوف ہے فانّ تعظیم الشعائر۔

۳۴۔﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ﴾

ربط:اوپر بھی قربانی کا ذکر تھا آگے بھی قربانی کا ذکر ہے۔ منسک کے معنی عبادت،قربانی اور سین کے کسرہ کے ساتھ ہوتو معنی قربانی کی جگہ۔

۳۸۔﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ﴾

ربط:اوپر آپ نے پڑھا ''اِنَّ الذین کفرو ایصدون عن سبیلِ اللّٰہ''وہ روکنا قولاً بھی ہے عملاً بھی ہے۔ مومنوں کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا،ایمان والوں کی طرف سے۔

۳۹۔﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾

کیا یہود کے گرجے اور نصاریٰ کے عبادت خانے بھی قابل قدر ہیں؟

ربط: ابھی اوپر مدافعت کا ذکر تھا،اسی مدافعت کے سلسلے میں پہلی آیت کریمہ جو جہاد کے سلسلے میں نازل ہوئی وہ یہ ہے،ہجرت کا دوسرا سال تھا،رمضان کا مہینہ تھا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد اترا کہ جن سے لڑا جاتا ہے اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں، بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اب اسلام ہی دنیا میں ہے باقی تمام دین منسوخ ہیں۔تو اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے گرجے بھی قابل قدر ہیں اور اسی طرح نصاریٰ کے بھی اور خانقاہیں بھی، مسجدیں بھی۔تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ چیزیں بھی قابل قدر ہیں۔ علامہ آلوسیؒ اور مولانا عثمانیؒ دو جواب دیتے ہیں،فرماتے ہیں کہ یہ اپنے اپنے دور میں جہاد کا فلسفہ بتایا۔جہاد اس سے پہلے بھی تھا اور پہلے دور میں یہود کے عبادت خانے ،نصاریٰ کے عبادت خانے بھی تھے تو اپنے اپنے دور میں اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو نہ وہ رہتے نہ وہ رہتے۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر چہ یہ ان کی نجات کا ذریعہ تو نہیں،نہ گرجے نہ ان کے عبادت خانے لیکن

بنسبت ان باغیوں کے تو یہ اچھے ہیں کہ جو رَب کا نام نہیں لیتے یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔اوران کا ذبیحہ حلال ہے۔ ہیں تو مشرک ہی لیکن نسبتاً اچھے ہیں نہ کہ فی نفسہ کیونکہ اسلام کا دور ہے۔

۴۴۔﴿فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ﴾

اصل میں یوں تھا فکیف کان نکیری ای انکاری بالعقوبة علیھم پس میری طرف سے سزا دینے کی وجہ سے میرا انکار کیسے ثابت ہوا۔

﴿وَقَصْرٍ مَّشِیْدٍ﴾

ایک معنی شاد یشید ضرب سے بلند ہونا کتنے ہی محل ہیں جو بلند ہیں۔دوسرا معنی چونا گچ کرنا کتنے ہی محل ہیں جو چونا گچ کیے ہوئے ہیں۔

۴۹۔﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾

ربط :اوپر توحید کا مسئلہ، رسالت کا مسئلہ اور عذاب الٰہی سے آگاہ کرنے کا مسئلہ تھا۔اب آگے فرمایا کہ ان کو اعلان کر کے سنا دو کہ اے لوگو میں نذیر مبین ہوں تمہارے لئے۔

۵۲۔﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ﴾

ایک من گھڑت واقعہ کی تردید:

روح المعانی ،کبیر ،مظہری اور تمام تفسیروں میں یہاں خاصی بحث ہے۔ میں نہایت ملخص خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ یہاں ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے،آپ ﷺ کی زبان سے قرآن پاک کے الفاظ جاری تھے،اس وحی کے درمیان معاذ اللہ شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ جاری کرائے ”تلک الغرانیق العُلٰی وانّ شفاعتھن لترتجٰی“ یعنی جب لات،منات،اورعزیٰ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ یہ سارے بُت مُرغابی کی طرح صاف ستھرے ہیں اوران کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔اس قسم کی روایت تفسیروں میں موجود ہے لیکن تمام محدثین کہتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے لا اصل لہٗ. اس لئے کہ اگر ایک جملہ شیطان آپ کی زبان سے کہلوا سکتا ہے تو وحی الٰہی محفوظ نہیں رہ سکتی یہ قطعاً خرافات ہیں۔وہ اس تفسیر کے مطابق ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جس وقت انہوں نے قراءت شروع کی تو ڈالا شیطان نے اس کی قراءت میں پس اللہ تعالیٰ نے منسوخ کی جو چیز ڈالی شیطان نے پس اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم کیا۔ یہ نری خرافات ہیں۔اب صحیح تفسیر کیا ہے؟۔

روح المعانی ،کبیر،فوائد عثمانیہ وغیرہ کے حوالے سے عرض کرتا ہوں،مثال کے طور پر آپؑ نے یہ آیت پڑھی حرمت علیکم المیتة والدم الخ ۔ اِدھر آپ پڑھ رہے تھے کہ اس پڑھنے کے درمیان شیطان نے لوگوں کے دِلوں میں ڈالا کہ جس کو رب مارے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود مارے یعنی اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے اس کو

حلال کہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے وسوسے کو منسوخ کیا یعنی مٹایا وہ کیا ہے ''کلو امماذکر اسم اللہ علیہ'' کہ مارتا اس کو بھی رب ہے اور اس کو بھی رب ہے اس پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس لئے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا وہ حرام ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ آپ نے پڑھا ''انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم'' ادھر سے آپؐ نے یہ پڑھا ادھر شیطان نے لوگوں کے دِلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ پھر تو حضرت عزیر علیہ السلام بھی شریک ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وسوسے کو مٹایا کہ '' انّ الذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولئک عنھا مبعدون'' تو آپؐ پر شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوا، آپ ﷺ اپنی جگہ پڑھ رہے ہیں شیطان اپنی جگہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال رہا ہے۔

۵۸۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا الذین اُخرجوا من دیار ھم الخ اللہ تعالیٰ ان مہاجروں کو خوشخبری سناتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی پھر قتل ہو گئے یا طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں رزق حسن دے گا۔

۶۷۔ ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ﴾

ربط: ماقبل میں قربانی کا ذکر تھا۔ وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ آپؐ صرف اکیلے رب کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جب اختلافِ نظریات ہو تو جھگڑا تو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ ہر امّت کے لئے ہم نے ایک عبادت بنائی ہے یہ تیرے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تو کرتے رہیں۔ ہاں آپ اپنے رَب کی طرف ان کو بُلاتے رہیں۔

۷۳۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا ''ویعبدون من دون اللہ'' اب اسی سلسلے میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد ہے۔

۷۸۔ ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾

ملۃ کا نصب کہاں سے ہے؟ یہ بھی آیا ہے ''اِتّبعوا ملۃابیکم اور نصب علی الاغراء'' بھی ہوسکتا ہے ''اِلزموا ملۃَ ابیکم ابراھیم''

سورة المؤمنون

۱۔﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات اور بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں بھی احکام شرعیہ کا ذکر تھا کہ رکوع کرو، سجدہ کرو، جہاد کرو، رب کی عبادت کرو۔اس میں بھی اہم احکام شرعیہ کا ذکر ہے نماز پڑھو، زکوۃ دو وغیرہ

۲۔﴿اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾

خشوع دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک تو ظاہری خشوع ہے بدن کو بغیر ضرورت کے نہ کھجلائے، داڑھی سے نہ کھیلے وغیرہ۔دوسرا باطنی خشوع وہ یہ ہے کہ "ان تعبد اللّٰه کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہ یراک"

۴۔﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکَاةِ فَاعِلُوْنَ﴾

اکثر حضرات تو زکوۃ سے شرعی زکوۃ مراد لیتے ہیں۔علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے تزکیہ نفس بھی مراد لیا ہے۔

۷۔﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ﴾

حضرت ابن عباسؓ کا متعہ کے جواز سے رجوع:

وراء ذالک میں متعہ بھی شامل ہے۔لواطت، زنا اور استمناء بالید سب شامل ہیں۔جن لوگوں نے متعہ کے جواز کے لئے حضرت ابن عباسؓ کا قول پیش کیا ہے۔حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں حضرت عینیؒ نے عمدۃ القاری میں خاصی بحث کی ہے کہ بے شک حضرت ابن عباسؓ پہلے اس متعہ کے جواز کے قائل تھے اور آخر میں انہوں نے اس سے رجوع کیا تھا۔رجوع کی روایات ترمذی شریف تک میں موجود ہیں۔

۱۲۔﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِیْنٍ﴾

ربط: آپ نے پہلے کئی دفعہ پڑھا ہے کہ منکریں قیامت جب قیامت کا ذکر آتا کہ جنت آئے گی، دوزخ آئے گی۔تو کہتے تھے کہ جنت اور دوزخ تو فرع ہے قیامت کی، تو سرے سے قیامت ہی نہ ہوگی "وما نحن بمبعوثین" جب ہم اٹھائے نہیں جائیں گے تو قیامت کہاں سے آئے گی دوزخ اور جنت کہاں سے آئے گی۔اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامت کے اثبات کے چند دلائل پیش کئے کہ وہ پروردگار جس نے یہ کیا وہ کیا وہ قیامت بھی ضرور لائے گا۔

۱۴۔﴿فَتَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ﴾

خالقین کے لفظ سے معتزلہ کا استدلال:

اس خالقین کے لفظ سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ خالقین جمع کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق اور بھی ہیں، اس سے تو ہمارا مسئلہ ثابت ہوگیا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے جبکہ اہل حق کہتے ہیں کہ بندہ خالق نہیں ہے کاسب ہے۔

کسب اور خلق میں فرق ہوتا ہے۔خلق مادہ کا محتاج نہیں اور کسب مادے کا محتاج ہوتا ہے اور خلق میں خالق منفرد ہے اپنے فعل میں دوسرے کا محتاج نہیں اور کاسب منفرد نہیں بلکہ دوسرے کا یعنی خدا کا محتاج ہے اپنے فعل میں۔

الخالقین کے معنی تفسیروں میں کئی ملیں گے کسی میں ملے گا۔ خالقین ای مصوّرین۔ تصویریں تو اور بھی بناتے ہیں لیکن حق تعالیٰ احسن تصویریں بنانے والے ہیں کیونکہ وہ اس میں روح بھی ڈالتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ﴾

طرائق طریقة کی جمع ہے بعض اس کے معنی کرتے ہیں راستہ کہ وہ آسمان جس میں راستے ہیں، کوئی کسی ستارے کا راستہ ہے کوئی کسی کا راستہ ہے۔

دوسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں، کوئی اِدھر چلتے ہیں کوئی اُدھر چلتے ہیں۔

جبکہ قاضی بیضاوی طرائق کے معنی کرتے ہیں طبق بہ طبق کے۔ کہا جاتا ہے طوبق النعلُ بالنعل جوتی کے چمڑے کی دو تہیں ہوتی ہیں ایک تہہ کو دوسری پر فٹ کیا جاتا ہے۔ تو معنی کرتے ہیں کہ وہ آسمان تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

۲۳۔﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾

ربط: تفسیر کبیر، ابوالسعو د وغیرہ میں ربط بیان کیا ہے کہ پہلے توحید کا مسئلہ تھا اب رسالت کا مسئلہ ہے۔

تو جیسا توحید کا مسئلہ اہم ہے، ایسا رسالت کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ پھر ان پیغمبروں نے سب سے پہلے توحید کا مسئلہ بیان کیا ہے ''یا قوم اعبدوا الله مالکم من الٰہ'' حضرت حسین علیؒ صاحب آسان ربط یوں دیتے تھے، فرماتے کہ پہلے چونکہ کشتی کا ذکر تھا اب آگے کشتی والے پیغمبر کا ذکر کرتے ہیں۔

۲۴۔﴿ما سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ تفسیر کبیر، البحرالمحیط وغیرہ میں آپ کو یہ تفسیر ملے گی کہ چونکہ پہلے پیغمبروں نے کہا تھا ''اعبدوا الله مالکم من الٰہ'' تو یہ ہم نے اپنے آباء سے نہیں سنا تھا کہ ایک ہی الٰہ ہے۔

دوسری یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں تو ہم نے آباء سے نہیں سنا کہ ایسا بشر بھی پیغمبر ہو سکتا ہے۔

۳۰۔﴿وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ﴾

بعض حضرات اِن کو مخففه من المثقله بناتے ہیں اور ہ ضمیر محذوف جو ضمیر شان ہے، اس کا اسم ہے اور اس ترکیب کا قرینہ یہ ہے کہ لمبتلیں خبر پر لام داخل ہے معنی کرتے ہیں کہ بے شک شان یہ ہے کہ ہم ہی آزمائش میں ڈالنے والے ہیں اور بعض حضرات متکلم کی ضمیر محذوف مانتے ہیں و انّا کنا لمبتلین کہ بیشک ہم ہی آزمائش میں ڈالتے ہیں۔

۳۲۔﴿فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾

رسول اور قوم سے کیا مراد ہے؟

یہاں نہ پیغمبر کا نام ہے اور نہ قوم کا۔ اس لئے بعض مفسرین رسول سے حضرت صالحؑ اور قوم سے ان کی قوم ثمود مراد لیتے ہیں ان کو مغالطہ الصیحة کے لفظ سے لگا جو آگے آتا ہے کہ صیحه کا عذاب قوم عاد پر نہیں آیا بلکہ ان پر تو

بادِ صرصرآئی۔ تواس قرینے سے انہوں نے سمجھا کہ اس سے قوم ثمود مراد ہے ھودنہیں۔

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں، زمخشری کشاف میں، بیضاویؒ انوار التنزیل میں، بغویؒ تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ الصیحہ سے مراد یہاں آواز نہیں بلکہ عذاب مراد ہے مطلقاً یعنی صیحہ جبرائیل مراد نہیں ہے تو قرین قیاس یہ ہے کہ رسول سے حضرت ھودؑ اور قوم سے ان کی قوم عاد مراد ہے۔

۳۶۔﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾

تفسیر بیضاوی، روح المعانی، البحر المحیط وغیرہ میں اس لفظ کے متعلق خاصی بحث ہے۔ اس میں ایک بات یہ ہے کہ ھیھات یہ مصدر ہے بمعنی بعدًا معنی ہوگا دوری ہے دوری ہے اس بات کے لئے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے تم سے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ھیھات بمعنی ماضی کے ہے ای بعُد بعُد اور لما توعدون یہ اس کا فاعل ہے۔ اس پر نحوی اشکال ہوگا کہ مفعول پر تو لام زائد داخل ہوا کرتا ہے جیسے "یدعو لمن ضرّہ" لیکن فاعل پر لام زائدہ نہیں آتا تو اس کو فعل (ھیھات) کیسے بنایا جبکہ اگلے جملے کو فاعل بناتے ہیں۔

مغنی اللبیب میں ابن ہشامؒ نے اس پر خاصی بحث کی ہے اور رضی نے بھی۔ کہتے ہیں کہ بعض نحاۃ اس کے قائل ہیں کہ فاعل پر بھی لام زائدہ آتا ہے۔

۳۷۔﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾

ھی کی ضمیر راجع ہے حیاۃ کی طرف اِن نفی کا ہے۔ ای ماھذہ الحیٰوۃ الاحیاتنا الدنیا نموت و نحیا۔ اب یہاں اشکال ہے کہ یہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں اور کہتے ہیں نموت و نحیا تو یہ کیسے؟ اس میں ایک تو وہ تعبیر ہے جو محلیؒ نے کی ہے ای نحیا بحیاۃ اولادنا۔ ہم مرتے ہیں اور ہماری آئندہ کی زندگی ہماری اولاد کے لئے ہے تو نحیا سے مراد اولاد کی زندگی ہے۔

جبکہ علامہ خازن اور بیضاوی وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی کہ پہلے موت ہو پھر حیاۃ ہو تو معنی ہوگا کہ اپنے موقع پر ہم مرتے ہیں، اپنے موقع پر جیتے ہیں۔

۴۴۔﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيْثَ﴾

احادیث حدیث کی جمع ہو تو خلاف القیاس ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں بات اور احادیث اُحدوثۃ کی جمع ہو تو موافق القیاس ہے اُحدوثۃ کے معنی کہانی جیسے اکاذیب اکذوبۃ کی اضاحیک اضحوکۃ کی جمع ہے

۵۱۔﴿يٰأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾

ربط: اوپر نوحؑ کا، موسیٰ کا، ہارون کا ذکر تھا اور ارسلنا رسلنا تترا میں اجمالاً سب پیغمبروں کا ذکر تھا۔ اب یہاں ذکر ہے کہ ان پیغمبروں کو اپنے اپنے وقت میں یہ حکم تھا یایھا الرسل کلوا...... الخ گویا اس میں اُمتوں کو ترغیب ہوئی کہ تم بھی پاکیزہ کھانے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

۶۲۔ ﴿وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ﴾

کتاب سے اکثر حضرات نامہ اعمال مراد لیتے ہیں اور یہ راجح ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لوح محفوظ مراد ہے۔

۶۷۔ ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾

تفسیر بیضاوی، معالم التنزیل، کبیر، روح المعانی وغیرہ تفسیروں میں خاصی بحث ہے۔ میں مختصر بات عرض کرتا ہوں۔ علامہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں'' مستکبرین عن الایمان'' به میں ہ ضمیر کدھر جاتی ہے؟

ایک یہ ہے کہ ہ ضمیر راجع بسوئے بیت اللہ ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ راجع بسوئے حرم کے ہے۔ تو معنی ہوگا کہ ایمان سے تکبر کرتے ہو اس بیت اللہ کی وجہ سے اور اس میں رہتے ہو۔ سٰمرًا یہ مصدر ہے اور مصدر میں واحد تثنیہ، جمع سب معنی ہوتے ہیں اور معنی میں اسم فاعل کے ہے ای سٰمرین کہ قصہ گوئی کرتے ہو

تھجرون باب نصر سے اس کا معنی ترک کرنا۔ تم اس قرآن کے متعلق رات کو قصے کرتے ہو کہ یہ ایسی کتاب ہے یہ ایسی کتاب ہے اور تم اس کو چھوڑتے ہو۔

۷۲۔ ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾

خرجًا کے معنی اجرًا، ثوابًا، رزقًا اور بعض تینوں معنی کرتے ہیں۔

۷۸۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور حق ان کے پاس آیا تو ''واکثر هم للحق کارهون'' ان ظالموں سے پوچھو کہ یہ کام کس نے کئے، کان کس نے دیئے، آنکھیں کس نے دیں، آسمان وزمین کس نے پیدا کئے تو اقرار کرتے ہیں کہ خدا نے پیدا کئے ہیں-----

۹۳۔ ﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوْعَدُوْنَ﴾

ربط: اوپر توحید اور قیامت کے واضح دلائل پیش ہوئے اس کے باوجود وہ توحید سے، قیامت سے انکار کرتے ہیں تو اپنی پوزیشن یوں صاف کر قل رب------

۹۹۔ ﴿قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾

بیضاوی، کمالین، جمل وغیرہ میں سے تین باتیں آسان عرض کرتا ہوں ایک یہ کہ ارجعون جمع تعظیمی ہے۔ جیسے ''انا نحن نزّلنا الذکر وانالهٗ لحافظون''

اس سے عیسائیوں کو بھی جواب ہوگیا کہ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو مسلمانو! تم کہتے ہو کہ ہمارا خدا ایک ہے۔ حالانکہ تمہارے قرآن سے ثابت ہے کہ خدا ایک نہیں بلکہ خدا بہت ہیں کیونکہ اگر ایک ہوتا تو کہتا انّی انزلتهٗ الخ۔ جواب وہی ہے کہ یہ جمع تعظیمی ہے۔

دوسرا یہ کہ ارجعون میں واؤ جمع، فاعل جمع کے لیے نہیں بلکہ تکرار فعل کے لیے ہے۔ تکرار فعل کا یہ مطلب کہ

گویایوں کہا جائے اِرجعنی، ارجعنی، ارجعنی ۔تیسرا یہ کہ رب تعالیٰ اور فرشتے جو ہیں تو فتہ رُسُلنا ان سب کو خطاب ہے۔

۱۱۰۔﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى أَنسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴾

اس کا ایک معنیٰ تو مفسرین کرامؒ کرتے ہیں اور ایک معنیٰ صوفیائے کرام کرتے ہیں۔

جمہور مفسرین یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ تم نے میرے ان بندوں کو اپنی بحث کا موضوع بنا رکھا ہے۔ دِن کو رات کو مجلس میں ان ہی کا ذکر، ان ہی کا ذکر یہاں تک کہ ان کا ذکر سبب بنا میری یاد کو بھلانے کا حتّٰی انسوکم ذکری کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ذکر اتنی کثرت سے تم لوگ کرتے رہے کہ میرے ذکر کو تم نے بھلا دیا۔

جبکہ صوفیائے کرام یہ معنیٰ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے اور اللہ کے نیک بندوں نے تصرّف کر کے کرامت کے لحاظ سے ہمارا ذکر بھلا دیا یعنی وہ لوگ اللہ کے نیک بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر ان کے نہ ماننے والوں کے دِلوں پر تالے لگا دیئے، جیسے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتّٰی یروُاالعذاب الالیم۔

۱۱۷۔﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾

یہاں سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ایسے اِلٰہ کو پکارے جس کے لئے اس کے پاس برھان ہو تو اس کو پکار سکتا ہے؟ تو تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ لا برھان لہٗ بہٖ کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کسی تفسیر میں آپ کو ملے گا "لا برھان لہٗ بہٖ ای صفة کاشفة لا مفھوم لہٗ" ایسی صفت ہے جس کا مفہوم مخالف مراد نہیں۔

سورة النور

١۔﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات، تفسیر ابوالسعود، تفسیر کبیر وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں تھا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا۔ آگے ان پر پابندی کا ذکر ہے کہ ان پر زنا کی پابندی ہے، کسی پر تہمت لگانے کی پابندی ہے وغیر ذالک۔

١٠۔﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾

یہ شرط ہے جزاء محذوف ہے لعاجل لکم بالعقوبة۔

١١۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا﴾

ربط: اور اپنی بیویوں پر الزام لگانے کا اور اس سے پہلے دوسری عورتوں پر الزام لگانے کا ذکر تھا'' والذین یرمون المحصنٰت ''میں اب ام المومنین پر معاذ اللہ تعالیٰ بدکاری کا الزام لگانے والوں کا ذکر ہے۔

﴿عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾

ان میں تین مخلص صحابہ بھی اس کا شکار ہیں، ایک مسطح بن اثاثہؓ، ایک حسان بن ثابتؓ اور ایک حمنہ بنت جحشؓ۔

٢٢۔﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾

شان نزول:

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سنا کہ تہمت لگانے والوں میں مسطح بن اثاثہ بھی ہیں اور مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احسان مند اور غریب صحابی تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ تو ان کی امداد بند کر دی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم میں سے فضیلت والے اور وسعت والے قریبی رشتہ داروں کو مال دینے سے قسم نہ اٹھائیں۔۔۔

٢٧۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ﴾

ربط: پہلے زنا اور تہمت زنا کے مسئلے تھے اب آگے ان اسباب کا ذکر ہے کہ اگر ان کی پابندی کی جائے زنا کی نوبت نہیں آئے گی اگر ان اسباب کی پابندی نہ کی جائے تو انسان زنا میں بھی مبتلا ہوگا، تہمت لگانے میں بھی مبتلا ہوگا۔ ان اسباب میں پہلا یہ ہے کہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو۔

٣٣۔﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا﴾

عبداللہ بن ابی بن سلول کا گھناؤنا کردار:

تمام تفسیروں میں ملے گا کہ ان اردن کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ یہاں آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیاں تھیں، وہ ان کو مجبور کرتا تھا کہ جا کر بدکاری کرو اور مجھے رقم لا کر دے دیا کرو اور وہ

بیچاری زنا سے بچتی تھیں ایمان بھی لائی تھیں۔تو فرمایا کہ جب وہ بچتی بھی ہیں پھر بھی ان کو مجبور کرتے ہیں۔

۳۴۔﴿وَمَثَلاً مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ﴾

مقدس ہستیوں پر بدکاری کا الزام:

حضرت یوسفؑ پر زلیخا نے بدی کا الزام لگایا آخر میں خود زلیخا نے اقرار کیا کہ یوسفؑ سچے ہیں اور میں نے ان کو پھسلانے کی کوشش کی تھی،اسی طرح مریم پر الزام لگایا گیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی صفائی خود حضرت عیسیٰؑ کے منہ سے بیان فرمائی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے کتاب دی جائے گی،اسی طرح حضرت عائشہؓ پر الزام لگا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کرکے ان کا دامن پاک کیا۔

۳۵۔﴿ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا ﴾

ربط:ابھی آپ نے موعظة للمتقين پڑھا کہ یہ قرآن کی آیتیں پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے نور سے فائدہ اٹھایا ہے اور آگے فرمایا کہ جن کے لئے نور نہیں ہے ان کو کہاں سے رب تعالیٰ نور دے گا۔آگے اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ہے۔

یہاں بحث تو انتہائی طویل اور دقیق وعمیق ہے،میں مختصر بات کہتا ہوں۔اللہ کے نور سے مراد اللّٰــه منّور السموات والارض۔ نور مصدر بمعنی فاعل،آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔

بعض نے نور سے اس کی صفت بھی مراد لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے النور الهادی۔

ایک ہے دیوار اس میں طاق ہے اس طاق کے اندر ہے چراغ۔ چراغ اتنا مستعد ہے کہ اگر اس کے قریب آگ نہ بھی کرو پھر بھی روشن ہونے پر آجاتا ہے،آگ دکھاؤ تو روشن ہوجاتا ہے۔انسان کا وجود جو ہے یہ ہے مثل دیوار اس میں جو سینہ ہے یہ ہے طاق اس میں جو دِل ہے وہ ہے چراغ اور اس دِل میں جو حق کے قبول کرنے کی استعداد ہے وہ ہے زیتون کا تیل۔وہ ایسی استعداد ہے کہ کوئی مبلغ نہ آئے تو خود بخود روشن ہونے کو تیار ہے اور اگر مبلغ آئے سنتے ہی نور علی نور .

۳۹۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى ﴾

اعمال کافر کو سراب سے تشبیہ:

وہ کافر جو نیک اعمال کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مجھے اس کا کوئی صلہ ملے گا لیکن کفر کی حالت میں اسے بدلہ نہیں ملے گا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسا سراب کہ پیاسے کو خیال آیا کہ وہ پانی ہے۔وہاں گیا کہ پانی ہوگا لیکن سراب کے سوا کچھ بھی نہیں۔اسی طرح وہ کافر بھی امید تو رکھتا ہے کہ مجھے ثواب ملے گا لیکن جب قریب پہنچا موت کا وقت آیا تو سب ختم ہیں کفر کی حالت میں نیکی کا کوئی بدلہ نہیں۔

اور دوسرے وہ کافر ہیں جو نیکی کو نیکی نہیں سمجھتے اندھیروں میں پڑے ہیں،نہ قیامت کا اقرار ہے نہ نیکی کا اقرار ہے۔تو ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گہرے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں،موج پر موج ہے اوپر بادل ہیں۔ہاتھ

اگر آنکھ کے قریب بھی کرے تو نظر نہیں آئے گا یہ وہ کافر ہیں جو نہ نیکی کرتے ہیں اور نہ نیکی سمجھتے ہیں۔

۴۱۔﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نور آسمانوں وزمین میں ہے اور جس کے لئے نور نہیں، اس کو نور حاصل نہیں ہوتا۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کے کچھ دلائل ہیں کہ ان کو دیکھ کر سمجھ میں تو سب کچھ آسکتا ہے۔ خدا کی قدرت، اس کا وجود، اس کی حکمت یہ سب سمجھ آسکتا ہے نہ سمجھنا چاہے تو اس کے لئے کچھ نہیں۔

۴۳۔﴿ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ﴾

یہ بارش کہاں سے آتی ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ اوپر آسمانوں میں پہاڑ ہیں بارش کا منبع وہ پہاڑ ہیں گو بادل بھی ہیں لیکن اصل منبع وہ پہاڑ ہیں ان سے بارش اترتی ہے۔

دوسرے کہتے ہیں جن میں امام رازیؒ، علامہ آلوسیؒ، علامہ اندلسیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہاڑوں سے مراد وہ بادل ہیں جو پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ بارش بھی برساتا ہے اور ان سے اُولے بھی برساتا ہے۔

۴۶۔﴿لَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ﴾

ربط: اوپر دو طبقوں کا ذکر تھا مومن مخلص اور کافر۔ اب ان درمیانی طبقے کا ذکر آگے آئے گا جن کو منافق کہتے ہیں۔ تفسیر مدارک وغیرہ میں آپ کو اس مقام پر ملے گا کہ بشر نامی منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوا زمین کے بارے میں یہودی نے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلیں، ان سے فیصلہ کرالیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں، میں تو محمد ﷺ ہی کے پاس لے چلوں گا۔ جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ کسی اور جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دونوں حاضر ہو گئے ۔آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمر کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے یہودی۔ نے پورا واقعہ سنایا اور بتادیا کہ محمد ﷺ نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرمادیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ اندر گھر میں تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کردیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی (حضرت جبرائیل علیہ السلام نے) فرمایا کہ عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرکے دکھادیا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔

۵۱۔﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ﴾

ربط: اوپر منافقین کا ذکر تھا کہ ان کو جب دعوت دی جاتی ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف تو اعراض کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مؤمنین کا ذکر ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں سمعنا واطعنا۔

﴿وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ﴾

یــخـــش اللّٰـــہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت بھی ہے عذاب بھی ہے تو ''الایمان بین الخوف والرجاء'' اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر رب کی ذات سے ڈرنا اور تقویٰ کا معنی یہ ہے کہ اس نے جو کام منع کئے ان سے بچنا، شرک نہ کرو، زنا نہ کرو وغیرہ۔

۵۳۔﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾

اس کا معنی یہ کرتے ہیں طـاعتـکـم معروفة تمہاری طاعت معروف ہے یعنی طاعۃ کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ دوسرے معنی کرتے ہیں ''طاعة معروفة خير لكم'' اچھی اطاعت تمہارے لئے بہتر ہے۔

اور محلیؒ معنی کرتے ہیں '' طاعة معروفة للنبي خير من قسمكم الذى لاتصدقون فيه'' آپ ﷺ کی اچھی اطاعت تمہارے لئے بہتر ہے ان قسموں سے جو تم اٹھاتے ہو۔

۵۵۔﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾

ربط: آگے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے کمال اطاعت کی اللہ تعالیٰ نے ان کو خلافت راشدہ نصیب کی۔ یہ خلفاء راشدین کی منقبت کے لئے نص صریح ہے۔

۵۸۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾

ربط: اوپر کا ربط اس کے ساتھ ہے تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلے حکم تھا کہ تم کسی کے گھر میں داخل نہ ہو جب تک اس سے اجازت نہ لو اس کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے۔

٦١۔﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ﴾

اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں کھانے پینے کی اجازت:

اوپر کسی کے گھر میں جانے کا ذکر تھا کہ اجازت کے بغیر نہ جاؤ، اب کسی کے گھر میں جانے کی اجازت ہو جائے تو وہاں کھانے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا کھانے کا مسئلہ بھی بیان کر دیا کہ گھر میں گئے تو کھا بھی سکتے ہو۔

یہاں تھانویؒ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ بعض اوقات یہ لوگ کسی کے گھر جاتے تھے۔ تو کھانے سے شرماتے تھے کہ ہم تو ان کو کچھ نہیں دے سکتے کچھ کما نہیں سکتے ہم کیسے کھائیں۔

فرمایا کہ نہیں کوئی حرج نہیں تم نہیں کما سکتے نظر کچھ نہیں آتا، لنگڑے ہو، بیمار ہو، کھانے کا وقت ہے احساس کمتری نہ پیدا کرو۔

دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ اندھے اور لنگڑے کے ساتھ کھانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ کچھ تو ویسے تنفر کرتے تھے اور دیندار لوگ اس لئے اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ یہ نابینا ہے اس کو چیزیں نظر نہیں آئیں گی، یہ لنگڑا ہے یہ وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ بیمار ہے تھوڑا کھائے گا مجھے اس کے ساتھ نہیں کھانا چاہئے کہ میں تو بسیار خور

ہوں اور یہ بیچارہ کم کھائے گا۔فرمایا لیس علی الاعمٰی حرج الخ

﴿مِنْ بُيُوْتِكُمْ﴾

بعض فرماتے ہیں کہ من بیوتکم سے مراد ہے من بیوت اولاد کم کیوں کہ اپنے گھر سے کھانے میں تو کلام ہی نہیں پھر کیوں فرمایا؟

تو فرماتے کہ من بیوتکم ای من بیوت اولاد کم کیونکہ انت و مالک لابیک کے تحت اولاد کا گھر بھی تمہارا ہی گھر ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾

بعض حضرات جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے کھانا سامنے رکھا ہوا ہے منتظر ہے کہ کوئی ساتھی آئے یا مہمان آئے تو تب کھائیں اکیلا کیسے کھائیں۔اب ظاہر بات ہے کہ کبھی مہمان آئے گا کبھی نہیں آئے گا تو فرمایا کہ اکیلے کھاؤ یا اکٹھے کھاؤ تم پر کوئی حرج نہیں۔

۶۲۔﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ﴾

استغفار کیوں؟

حضرت آلوسیؒ روح المعانی میں،حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ معافی کیوں مانگے کہ آپ کی مجلس تو دین ہی کی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسے کام کے لئے جائے جو دنیاوی ہو تو دین کے کام کو دنیاوی کام کے لئے چھوڑنا گناہ ہے تو یہ اس کی کوتاہی ہے کہ دنیاوی کام کو دین پر ترجیح دی۔اس کوتاہی پر استغفار پڑھے اور اگر وہ دین کا کام ہے تو پھر اس کی کوتاہی یہ ہے کہ گو وہ بھی اہم ہے لیکن یہ اہم تر ہے۔اہم تر کو چھوڑنا اہم کے لئے یہ بھی کوتاہی ہے اسی لئے آپؐ ان کے لئے استغفار کریں۔

۶۳۔﴿اَتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

نبی کریم ﷺ کو کیسے پکاریں؟

ربط:اوپر ذکر تھا کہ آنحضرتؐ کے پاس جب تم کسی اجتماعی کام میں ہو یعنی آپؐ بلائیں تو اجازت کے بغیر نہ جاؤ۔ایک تفسیر یہ ہے کہ نہ سمجھو آپ ﷺ کی دعوت کو آپس میں جیسے بعض کو بعض کی دعوت ہوتی ہے۔کہ تمہاری مرضی ہے قبول کرو یا نہ کرو پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنا ایمان ہے۔تو آپؐ کی دعوت کو اپنی دعوتوں پر قیاس نہ کرنا کہ آؤ،آؤ،نہ آلو،وَنہ آؤ۔تو دعاء سے دعوت مراد ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب آپؐ کو بلاؤ تو ایسا نہ بلاؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔جیسے ہم کہتے ہیں کہ یا زید یا بکر وغیرہ۔اس طرح تم کہو یا محمد بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ ادب واحترام سے۔

تیسری یہ کہ اپنی دعاؤں کی طرح پیغمبر کی دعا مت سمجھو کہ قبول ہونا ضروری نہیں بلکہ پیغمبر کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اپنی دعاؤں کی طرح نبی علیہ السلام کی دعا کو مت سمجھو۔

سورة الفرقان

۱۔﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا ذکر تھا کہ" لله فی السمٰوٰت والارض "اس سورۃ میں پہلے توحید کا ذکر ہے۔ پھر رسالت کا۔ دوسرا ربط یہ بھی دیتے ہیں۔ کہ پہلی سورۃ کے آخر میں رسول کا ذکر تھا لا تجعلوا دعآء الرسول اور اس میں بھی آگے رسالت کا ذکر موجود ہے۔ اس سورۃ کا نام ہے فرقان یعنی فرقان سے مراد وہ کتاب جو حق و باطل میں فرق کرے "لیکون للعلمین نذیرا" یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ لیکون کی ضمیر راجع ہے بسوئے عبد کہ وہ عبد ہو جائے عالمین کے لئے نذیر اور یہ بھی آپ کو ملے گی کہ یکون کی ضمیر فرقان کی طرف راجع ہے کہ وہ فرقان عالمین کے لئے نذیر ہو۔

کیا آپ ﷺ فرشتوں کے لئے بھی پیغمبر تھے؟

یہاں ایک لمبی چوڑی بحث ہے کہ آنحضرتؐ انسانوں اور جنوں کے لئے تو پیغمبر تھے تو کیا آپؐ فرشتوں کے لئے بھی مبعوث تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام بیہقیؒ، امام حلیمیؒ، امام محلیؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی طرف نہیں بھیجے گئے۔

ان کے مدمقابل سیوطیؒ، زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث تھے اور فرماتے ہیں کہ امام رازی کا اس پر اجماع نقل کرنا عجیب ہے وہ فرماتے ہیں کہ عالمین میں فرشتے بھی شامل ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حیوانات کے لئے بھی آپ ﷺ مبعوث تھے۔ یہ نہیں کہ وہ مکلف ہیں بلکہ بایں معنی کہ آپ ﷺ کے احکامات ان کے لئے بھی رحمت ہیں۔

دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے اس نے شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے مالک کو بلایا اور فرمایا "لمن هذا البعير "اس نے کہا کہ میرا ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے آپ کی تین شکایتیں کیں ایک اس کو پورا چارہ نہیں ڈالتا، دوسرا پانی بروقت نہیں پلاتا، تیسرا دھوپ پر باندھ لیتے ہو۔ فرمایا اتقوا الله فی هذه البهائم ان بہائم کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

۱۰۔﴿تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ﴾

ربط: پہلے کفار کے سوالات کا ذکر تھا کہ اس نبی کا باغ ہوتا جس سے کھاتا۔ اس کا جواب ہے فرمایا برکت والی ذات ہے کہ اگر چاہتا تو ان کے مطلوب باغ سے بہتر باغ اس دنیا میں بنا دیتا۔

۱۸۔﴿وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا﴾

کشاف، بیضاوی، خازن وغیرہ میں ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ "بورا" مصدر ہے۔ اور معنی میں بائرین کے ہے کیونکہ مصدر میں واحد، تثنیہ، جمع سب ہوتے ہیں تو عبارت یوں ہوگی "کانوا قوماً بائرین "یہ قوم ہوگی ہلاک۔ دوسرا یہ کہ بورا جمع ہے بائر مفرد ہے" ای کانوا قوماً بورا" کہ یہ قوم ہلاک ہونے والی ہے۔

۱۹۔ ﴿وَمَن یَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَاباً كَبِيراً﴾

بعض فرماتے ہیں کہ ’’من یظلم ای من یشرک ‘‘ جن میں محلی ؒ بھی ہیں اور اس کی وجہیں دو بیان کرتے ہیں۔ایک یہ کہ ظلم کا لفظ مطلق ہے اور مطلق کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت مطلق بولا جائے تو فرد کامل مراد ہوتا ہے اور فرد کامل گناھوں کا ہے شرک اس لئے من یظلم کا معنی کرتے ہیں من یشرک

دوسرا آگے فرماتے ہیں کہ نذقه عذاباً کبیراً یہ عذابًا سبیراً اس بات پر قرینہ ہے کہ اس سے کفر و شرک مراد ہے۔

جبکہ دوسرے فرماتے ہیں کہ بے شک وہ چیزیں جو کفر وشرک سے نیچے نیچے ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔

۲۰۔ ﴿وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

ربط :ابھی آپ نے کافروں کا یہ شوشہ سنا کہ ’’مالهذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق‘‘ اس کا جواب ہے کہ ہم نے آپؐ سے پہلے نبی نہیں بھیجے،مگر کھانا بھی کھاتے،بازاروں میں بھی چلتے تھے۔ اتصبرون یہ خبر ہے بمعنی امر کے ای اصبروا و کان ربک بصیراً۔

۲۱۔﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِىْٓ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴾

ربط: اوپر کفار کے مطالبات وسوالات کا ذکر تھا کہ یہ نبی کھاتا کیوں ہے؟ اس پر ایسے فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو کہ ہمیں بھی نظر آتے وغیرہ۔ اس پر فرشتے آتے ہیں ہم پر نہیں آتے، اس پر وحی نازل ہوتی ہے ہم پر نہیں آتی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب دیا کہ یہ کہتے ہیں کہ فرشتے کیوں نہیں آتے اور جس دن ان کی روح نکالنے کے لئے فرشتے آئیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہمارے اور ان کے درمیان دور کا پردہ ہوتا۔

۲۴۔﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴾

اشکال:

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ اسم تفضیل میں غیر پر زیادت ہوتی ہے۔ تو بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنت والے اس دن بہتر ہوں گے مستقر کے لحاظ سے اور احسن ہوں گے قیلولہ کی جگہ کے اعتبار سے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ کافروں کا مستقر بھی اچھا ہوگا اور ان کے قیلولے کا مقام بھی اچھا ہوگا لیکن مومنوں کا خیر اور احسن ہوگا۔

تو اس سلسلے میں تمام مفسرین کرامؒ یہ جواب دیتے ہیں کہ جنت والوں کا مستقر اور ان کا مقیل (قیلولے کی جگہ) اس سے بہتر ہوگا، جو دنیا میں کافروں کو ملا نہ کہ آخرت میں۔

۲۷۔﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِى﴾

شان نزول:

عقبہ بن ابی معیط ایک کافر تھا جو بدر کے موقع پر قتل ہوا۔ اس کو اسلام کے متعلق کچھ صداقت نظر آئی کلمہ پڑھا اس کا دوست ابی ابن خلف تھا اس نے دباؤ ڈالا اور اس کو کفر کی طرف آمادہ کیا تو ظالم سے مراد عقبہ ابی معیط ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ کاٹے گا کہ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا یعنی ابی ابن خلف کو جس نے مجھے سیدھے راستے سے گمراہ کیا۔

۳۰۔﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

نبی کریم ﷺ کا شکوہ:

اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ قال ماضی ہے اور اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ رسولؐ نے اے میرے رب میری اس قوم قریش نے قرآن کو متروک کر دیا یعنی انہوں نے قرآن کی کوئی تعظیم نہیں کی تو دنیا میں ایسا آپؐ نے فرمایا۔ دوسرا یہ کہ قال ماضی ہے لیکن معنی یقول کا ہے۔ اوپر چونکہ قیامت کا ذکر چلا آرہا ہے تو قیامت کے دن آپ ﷺ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر دیا۔ اب قوم سے کیا مراد ہے؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ امت اجابت مراد ہے یعنی جنہوں نے مانا لیکن ماننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا۔ دوسرا

یہ ہے کہ قوم سے امت دعوت مراد ہے۔ کیونکہ قیامت تک آنے والی نسلیں آپ ﷺ کی امت میں داخل ہیں۔ جیسے "قل یاایھاالناس اِنّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا" تو اس امت دعوت نے قرآن کو چھوڑ دیا۔

۳۱۔﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

ای کما جعلنا ھولاء اعدائک کذالک جعلنا لکل نبی عدوّا من المجرمین.

۳۵۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾

ربط: پہلے دور کوعات میں کفار کے مختلف قسم کے سوالات تھے کہ فرشتے کیوں نازل نہیں ہوئے؟ کوہ صفا سونا کیوں نہیں بنتا۔ اس قسم کے سوالات سے آپ ﷺ کو طبعی کوفت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آگے واقعات بیان کئے کہ ان پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں یہ صرف آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی۔

۳۸۔﴿وَعَادًا وَثَمُوْدَ وَأَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾

ای اھلکنا عاداو ثمودا یا عذّبنا عادًا و ثمودا الخ یا تبّرنا عادًاو ثمود الخ یہاں فرمایا اصحاب الرس، رس کے معنی کنواں ہے اس کی جمع رساس ہے۔

اصحاب الرس سے کون مراد ہیں؟

اصحاب الرس سے کون مراد ہیں؟۔ یہاں مختلف تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔ معالم التنزیل، درمنثور، کبیر وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ یمن کا علاقہ تھا۔ حنظلہ بن صفوان علیہ السلام ان کے نبی تھے عرصہ دراز تک ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ شہر سے باہر ایک کنواں تھا۔۔۔۔۔ اس میں حضرت حنظلہؑ کو ڈالا۔۔۔۔ ابن کثیر میں ہے کہ ان پر صرف ایک حبشی ایمان لایا تھا۔۔۔ اس کنویں میں انہوں نے ریت ڈالی مٹی اور پتھر پھینکے۔۔۔۔۔ آسمان سے آگ برسی۔۔۔

۴۲۔﴿إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

یہ بات کافر لوگ دو وجہ سے کہتے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے دین کی پختگی بیان کرتے تھے کہ ان کی میٹھی باتیں واقعی ایسی تھیں کہ وہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر لیتے لیکن ہم بھی بڑے پختہ تھے اپنے الٰہوں پر ڈٹے رہے۔ دوسرا یہ استہزاء کرتے تھے کہ ہاں جی دیکھا یہ ہمیں ہمارے الٰہو سے گمراہ کرنے والا ہے اگر ہم اپنے الٰہوں پر ڈٹے نہ رہتے تو یہ ہمیں بہکا دیتا۔ یہ استہزاء کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اللہ نے فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ کون گمراہ ہے۔ راستے کے اعتبار سے جس وقت کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

۴۵۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کفار نے کہا کہ قریب تھا کہ یہ ہمیں بہکا دیتا اگر ہم اپنے الٰہوں پر ڈٹے نہ رہتے۔ آگے رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کی دلیلیں پیش کیں کہ سارے کام تو کئے رب نے انہوں نے کیا کیا جن الٰہوں پر ڈٹے ہوئے

ہیں۔انہوں نے کیا کام کیا؟۔کیا تو نہیں دیکھتا اے محمد اپنے رَب کی طرف۔

﴿إِلٰى رَبِّكَ﴾

روح المعانی، کبیر، معالم التنزیل وغیرہ میں ایک یہ ہے کہ سورج چڑھنے سے پہلے مطلع بالکل صاف ہو تو روشنی ہوتی ہے لیکن خالی زمین پر سایہ چھایا ہوتا ہے۔ یہ دیکھو رَب نے کس طرح سایہ پھیلایا اگر رَب تعالیٰ اس سایہ کو ساکن کرتا یہ کہ سورج کو نہ طلوع کرتا سایہ ہی سایہ رہتا پھر ہم نے سورج کو حکم دیا کہ طلوع ہو جا تو جب وہ سایہ سمٹتے سمٹتے ختم ہو گیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ دیکھئے پہلے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا ہے۔ جوں جوں سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے سایہ گھٹتا جاتا ہے۔حتیٰ کہ نصف النہار کو بالکل برائے نام سایہ رہ جاتا ہے۔تو اگر ہم چاہتے تو اس سائے کو ساکن کر دیتے یعنی سورج کو طلوع ہونے کے بعد حکم دیتے کہ ٹھہرا رہ جب سورج ٹھہرا رہتا تو سایہ اپنی جگہ لمبا کا لمبا ٹھہرا رہتا۔

﴿وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا﴾

اناسی کی تحقیق:

یہاں آسان باتیں دو ہیں جو میں عرض کرتا ہوں تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ میں امام سیبویہؒ کا یہ قول ہے کہ اناسی اصل میں تھا اناسین جمع ہے انسان کی۔ پھر نون کو یاء کیا یاء کو یاء میں اِدغام کیا۔ اَناسِيَّ ہو گیا۔
فراءؒ فرماتے ہیں کہ اناسی جمع اِنسِیّ. انسیٌّ مفرد ہے اور اناسیُّ اس کی جمع ہے۔

۵۳۔﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾

مجمع بحرین کی تعیین:

تفسیر کبیر، روح المعانی، قرطبی میں مختلف مقامات بیان کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک زیادہ محقق بات وہ ہے جو حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں بتائی ہے اور ان ہی کے حوالے سے مولانا عثمانیؒ نے فوائد عثمانیہ میں نقل کی ہے۔
حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ارگان سے چاٹگام تک دو دریا چلتے ہیں۔ایک کا پانی میٹھا دوسرے کا کھارا اور درمیان میں ایک دھاری سی ہے، میٹھا پانی کھارے میں نہیں ملتا، کھارا پانی میٹھے میں نہیں ملتا حالانکہ پانی میں رقت و سیلان ہے، مل جانا چاہئے لیکن خدا کی قدرت ہے کہ میلوں تک وہ دھاری دریا میں چلی جاتی ہے، نہ کھارا پانی میٹھے میں ملتا ہے نہ میٹھا کھارے میں۔ یہ خدا کی قدرت ہے۔

۵۴۔﴿فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾

یہ سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ نسباً تو وصف ہے تو وصف کا حمل کیسے ہوا صهـرًا بھی وصف ہے اس کا ذات پر حمل کیسے ہوا تو صاحب کشاف کہتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے "فجعلهٗ ذانَسَبٍ و ذاصهر" (اس کو نسب والا بنایا اور سسرال والا بنایا) انہی کے حوالے سے دوسرے مفسرین نقل کرتے ہیں۔

۵۵۔﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا﴾

اس میں ایک تفسیر بیضاوی، کبیر، البحر المحیط وغیرہ میں یہ ہے کہ علی بمعنی الی کے ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہے کافر اپنے رَب کی طرف پیٹھ پھیرنے والا یعنی اس کو نہ ماننے والا۔ دوسرا یہ ہے کہ علی اپنے اصل معنی پر ہو تو پھر معنی یہ ہونگے "وکان الکافر علی ربہٖ ظھیرًا للشیطان" (کافر اپنے رَب کے مقابلے میں شیطان کی مدد کرتا ہے) یہ معنی محلیؒ وغیرہ نے کئے ہیں۔

۶۰۔﴿قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾

ماغیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہ کافر لوگ من الرحمن نہیں کہتے ہیں ما الرحمن کہتے ہیں انہیں اتنی عداوت آپ لوگوں کے ساتھ ہے کہ باوجود اس کے کہ رحمٰن کو مانتے بھی ہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہوتی ہے۔ وزادھم نفورًا میں زاد کی ضمیر قیل میں جو قول ہے اس کی طرف راجع ہے۔

۶۱۔﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا﴾

ربط: اوپر بھی رَب تعالیٰ کی توحید کی دلیل تھی آگے بھی توحید کی دلیلیں ہیں۔

۶۳۔﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

ربط: پہلے رحمٰن کا ذکر تھا اب آگے عباد الرحمٰن کا ذکر ہے۔ عباد مضاف ہے رحمٰن کی طرف دونوں مل کر موصوف اور الذین یمشون اس کی صفت آگے معطوف و معطوف علیہ چلتے چلاتے یہ ساری صفتیں ہیں۔ موصوف صفت ملکر مبتدا ہے اور آگے اولئک یجزون الغرفۃ اس کی خبر ہے۔

۷۰﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾

سیئات کو حسنات سے بدلنے کا مطلب

اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ پہلے جن اوقات میں سیئات کرتے، اب ان میں حسنات کریں گے۔ پہلے وہ اوقات سیئات کے لئے تھے، اب حسنات کے لئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی برکت سے جو ملکہ سیئہ تھا وہ اب حسنہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ملکہ سیئات کو ملکہ حسنات میں تبدیل کر دیا ہے۔ تیسرا یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ پہلے جو گناہ تھے اس پر توبہ کی سچے دل سے اللہ تعالیٰ توبہ کی وجہ سے ان گناہوں کے بدلے میں ثواب دے دیتا ہے۔

۷۶۔﴿حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾

مستقر وہ ہے کہ عارضی طور پر اس کو قیام گاہ بنائے اور مقام وہ ہے جسے دائمی طور پر بنائے۔

سورۃ الشعراء

۱۔﴿طٰسٓمٓ o تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں تھا "فقد کذبتم" کہ ان لوگوں نے آپؐ کی تکذیب کی ہے تو تکذیب سے آپؐ کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ آگے حق تعالیٰ نے کئی واقعات بیان کئے کہ یہ مکذبین تو پہلے سے چلے آرہے ہیں آپؐ پریشان نہ ہوں. طٰسٓمٓ کے متعلق میں عرض کرچکا ہوں کہ ایک قول یہ ہے کہ اللہ کا نام ہے طاء سے طیب، سین سے سمیع، میم سے مالک، مقتدر۔

۸۔﴿وَمَا کَانَ أَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾

سیبویہؒ کے ہاں کان کا لفظ زائد ہے جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ کان کے لفظ سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

﴿وَإِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی﴾

ربط: اب چند واقعات ہیں مکذبین کے۔ اس لئے موسیٰ کا واقعہ بیان فرمایا۔

۲۲۔﴿وَتِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ أَنْ عَبَّدْتَّ﴾

فرعون کا احسان جتلانا:

فرعون نے اپنا احسان جتلایا اس پر موسیٰ نے فرمایا کہ تو نے جو مجھے پالا ہے یہ تیرا احسان ہے اور تو نے میری ساری برادری کو غلام بنا رکھا ان پر مظالم ڈھاتا رہا تو ان کے مظالم کو نہیں دیکھتا۔ مجھے پالنے کا انعام تجھے یاد آیا۔ مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ مفہوم یہ ہے کہ اگر میں تیرے گھر پلا ہوں تو تیرا کوئی احسان نہیں اس لئے کہ میں جو تیرے گھر پلا یہ تیرے ظلم کا نتیجہ تھا، تو اگر بچوں کو نہ قتل کرواتا تو میری ماں مجھے دریا میں کیوں پھینکتی۔ میں تیرے گھر آیا تو یہ بھی تیرا ظلم ہے۔ کوئی احسان مجھ پر نہیں۔

۲۳۔﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾

فرعون کا سوال اور موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

منطق کی کتابوں میں آپ لوگوں نے پڑھا ہے کہ لفظ ما حقیقة الشیء اور ماھیة الشیء کے بارے میں سوال کرنے کے لئے آتا ہے، تو فرعون نے کہا کہ ما رب العالمین کہ رب العالمین کی حقیقت کیا ہے۔ قال اس کا فاعل موسیٰ ہے، رب کو اس کا فاعل نہ سمجھنا بلکہ یہ قال کا مقولہ ہے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ رَب ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ فرعون نے سوال کیا ہے رَب تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں اور حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں صفت کے ساتھ کہ "رَبُّ السَّمٰوٰتِ والارض" فرعون نے آس پاس والوں سے کہا کہ دیکھتے نہیں میں پوچھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی حقیقت کیا ہے اور یہ جواب دیتا ہے اس کی صفت کا یہ تو سوال اور جواب کی تقریر نہیں سمجھتا، اس کی مطابقت کو نہیں سمجھتا۔ موسیٰ نے فرمایا ربکم وہ رب ہے تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا۔ موسیٰ نے اس طرح جواب کیوں دیا۔ فرماتے ہیں رازیؒ اور آلوسیؒ، اندلسیؒ کہ رَب تعالیٰ کی حقیقت اور اس کی

ماہیت کو کوئی جان نہیں سکتا اس لئے اس کا جاننا صفات ہی سے ہے تو جواب بھی صفات سے دیا۔

۵۶۔﴿وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُوْنَ ﴾

آپ کو حاذرون کا معنی مستیقظون کے بھی ملیں گے کہ ہم بیدار ہیں۔آپ کو حاذرون کے معنی مسلّح کے بھی ملیں گے کہ ہم سب کے سب مسلّح ہیں۔آپ کو حاذرون کے معنی ڈرنے کے بھی ملیں گے کہ ہم ڈرتے ہیں ڈرنے کا یہ معنی کہ مثلاً حکومت کے مقابلے میں رعیت کی کوئی وقعت تو نہیں ہوتی لیکن شورش سے حکومت بھی ڈرتی ہے۔

۶۰۔﴿فَأَتْبَعُوْهُمْ مُشْرِقِيْنَ ﴾

ای داخلین فی وقت الاشراق. سورج کو چمکا رہے تھے یعنی اشراق کے وقت میں داخل ہو رہے تھے۔

۷۲۔﴿هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ ﴾

ای هل یسمعون دعائکم یا هل یسمعون قولکم کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں۔

۷۷۔﴿فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ﴾

الّا استثناء منقطع ہے یا متصل ہے۔ایک طبقہ جن میں محلیؒ بھی ہے۔فرماتے ہیں کہ استثناء منقطع ہے لکن کے معنی میں، کیوں؟ اس لئے کہ رب العالمین ان کے معبود باطلہ میں شامل نہیں لہٰذا استثناء منقطع ہوگا۔

جبکہ رازیؒ اور آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ عبادت کرتے ہیں، رب کی بھی اور اوروں کی بھی مشرک رب کو مانتا تو ہے اس کا منکر تو نہیں ہوتا۔تو ان کے جو معبود تھے ان میں رَب بھی تھا اور جب مستثنیٰ منہ میں رَب شامل ہے تو پھر استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے۔

۸۹۔﴿إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾

بعض نکالتے ہیں کہ "بقلب سلیم من الشرک" اور بعض نکالتے ہیں "سلیم من الشک" اور بعضے نکالتے ہیں" بقلبٍ سلیم من الرّیا" کسی تفسیر میں آپ کو یہ لفظ ملے گا کسی میں یہ اور کسی میں یہ، کسی کا کسی کے ساتھ کوئی تعارض نہیں۔

۱۱۲۔﴿قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

صاحب جمل فرماتے ہیں کہ دونوں صحیح ہیں ما کو استفہامیہ قرار دو، وما علمی میں کیا جانتا ہوں؟

دوسرا یہ کہ ما نفی کا قرار دے کر معنی یہ کرو کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا کرتے تھے۔

۱۲۸۔﴿أَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴾

ای اتبنون بکل مکان مرتفع آیةً تعبثون۔

۱۲۹۔﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴾

مصانع کی تحقیق:

مصانع جمع ہے مصنع کے، اس کے معنی پانی کا حوض۔بناتے ہو تم پکے پکے حوض پانی کے لئے لعلکم

ای کانکم تخلدون گویا کہ تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔تو قاموس کی پیروی میں مصانع کے معنی حوضوں کے کئے۔جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ مصانع مصنع کی جمع ہے اور یہ مصدر میمی ہے کاریگریاں اور یہی معنی شیخ الہندؒ نے کئے ہیں اور بناتے ہو تم کاریگریاں گویا کہ تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔

۱۳۷۔﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ ﴾

ایک بات یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ فعل ہمارا مگر پہلوں کی عادت، ہم اپنے پہلوں کی عادت کو نہیں چھوڑتے۔ دوسرا یہ کہ هذا کا مشار الیہ آپ کا وعظ کرنا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی وعظ کرنے والے تھے مثلاً نوحؑ نے کیا اسی طرح ان سے پہلے بھی تھے۔یہ تمہاری وعظ کی باتیں پہلوں کا طریقہ ہے اور ہمیں عذاب نہ ہوگا۔

۱۴۸۔﴿وَزُرُوْعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ﴾

کہتے ہیں کہ جس وقت ابتداءً کھجور کا پھول ہوتا ہے اس کو طلع کہتے ہیں اس سے تھوڑا آگے بڑھ جائے تو اس کو بلح کہتے ہیں۔ هضيم کا معنی ہے، ملائم معنی ہوگا کہ ایسے کھجور جن کا پھول نرم ہو۔

۱۴۹۔﴿فٰرِهِيْنَ﴾

فارهين ترَفُهٗ سے بھی لیتے ہیں، آسودگی حاصل کرنے کے لئے اور فارهين کے معنی حاذقين کے بھی کرتے ہیں۔اپنے کو ماہر بتلانے کے لئے۔تم پہاڑوں میں پتھر تراش تراش کر کے گھر بناتے ہو۔

۱۶۰۔﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾

یہ كذبت مؤنث کا صیغہ ہے اور قوم بظاہر مذکر کا صیغہ ہے تو بعض مفسرین نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ یہاں قوم قبیلۃ کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہے کہ كذبت قبيلة لوط

مصباح اللغات میں تصریح ہے کہ لفظ قوم يذكر و يؤنث۔اب یہاں آیا ہے كذبت قوم لوط مؤنث ہے اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ وجاءهٗ قومهٗ يهرعون وہاں قوم کا لفظ مذکر استعمال ہوا ہے۔

۱۶۸۔﴿قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴾

قلىٰ يقلي ضرب يضرب سے معنی ہے بغض کرنا۔یہاں معنی ہوگا کہ تمہارے اس عمل کو جو لوگ بغض کی نگاہوں سے دیکھنے والے ہیں میں ان میں سے ہوں یعنی تمہارے اس عمل کو بغض کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

۱۷۶۔﴿كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾

اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین کون تھے؟

اس میں مفسرینؒ کا اختلاف ہے کہ مدین والے اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے یا دو۔

اکثر فرماتے ہیں کہ وہ ایک ہی قوم ہے۔مدین شہر تھا اس لئے اصحاب مدین کہا اور اس مدین کے حدود اربع میں وسیع جنگلات تھے۔ان ہی لوگوں کو اصحاب ایکہ جنگل والے کہتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دو قومیں الگ الگ ہیں۔حضرت شعیبؑ کو مثلاً پہلے اہل مدین کی طرف

بھیجا گیا۔لوگوں نے نافرمانی کی اوران کی نافرمانی کی وجہ سے ان کو تباہ کیا گیا۔ پھر اصحاب ایکہ کی طرف ان کو بھیجا گیا۔

حافظ ابن کثیرؒ کا موقف یہ ہے کہ مدین والوں پر تو رجفه اور زلزله کا عذاب آیا اوران کے بارے میں آتا ہے کہ سائبان کی شکل میں عذاب آیا آگ برسی اور تباہ ہو گئے۔

اصحاب مدین کے بارے میں تو آپ نے الصیحه اور الرجفه کے لفظ پڑھے۔تو ان پر عذاب جو آیا وہ اور نوعیت کا تھا معلوم ہوا کہ وہ الگ قوم تھی اوران کے بارے میں ابھی آتا ہے کہ" فاخذهم عذاب یوم الظُّلّة" سائبان کی شکل میں ایک بادل آیا آگ برسی،تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اور قوم ہے یہ اور قوم ہے۔

یہ حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق ہے جو تفسیر ابن کثیر میں ہے جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ایک ہی قوم پر کئی قسم کے عذاب آئے ہیں۔لوطؑ کی قوم۔کے سلسلے میں چار عذاب آئے ہوسکتا ہے کہ زلزلہ بھی ہو رجفه بھی ہو،آسمان سے آگ بھی برسی ہو۔

۱۸۹۔﴿فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ﴾

روح المعانی،مظہری وغیرہ میں ہے کہ سخت ترین گرمی تھی،ایسی گرمی کہ سانس لینا مشکل تھا،بادل کا ایک ٹکڑا انہیں نظر آیا اس بادل کے ٹکڑے کے نیچے جمع ہوئے،وہاں کچھ سہولت نظر آتی تھی،وہ ایک دوسرے کو بلانے لگے،آؤ یہاں کچھ سہولت ہے۔وہ سب کے سب جب اس بادل کے نیچے جمع ہوئے۔اس بادل سے آگ برسی سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

۱۹۳۔﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ﴾

ربط:سورۃ شروع ہوئی تھی کتاب سے تلک ایٰت الکتٰب المبین. لعلّک باخع نفسک۔

آگے مکذبین کے واقعات کا ذکر تھا۔ پھر اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔کہ اگر یہ آپ کی اس کتاب کو نہیں مانتے تو گھبرایئے نہیں۔یہ اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے جبرائیلؑ نے لاکر تیرے دل پر اتاری ہے تاکہ تو ڈرائے۔

۱۹۴۔﴿وَإِنَّهُ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ﴾

تفسیر بیضاوی،روح المعانی،ابوالسعود وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ وانّہٗ ای وانّ ذکــــرہٗ بے شک اس قرآن کا ذکر پہلے صحیفوں میں تھا۔دوسرا یہ ہے کہ بے شک یہ قرآن پہلے صحیفوں میں تھا۔ قرآن سے مراد اس کے جو بنیادی عقیدے ہیں توحید کا،رسالت کا،قیامت کا یہ سب عقیدے جو نہ بدلنے والے ہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی تھے۔

۲۰۰۔﴿كَذٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

ای کماسلکناالتکذیب فی قلوب المشرکین کذالک سلکناہ فی قلوب المجرمین.

۲۰۹۔﴿ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾

ذکری مفعول لہٗ ہے ای لاجل الذکر یہ کس کا مفعول لہٗ ہے ای مُنذرون للذکر ہم ڈراتے ہیں نصیحت کی خاطر اور ہم ظلم تو نہیں کرتے کہ بغیر پیغمبروں کے ان کو ہلاک کر دیں۔

۲۱۰۔﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ﴾

کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن معاذ اللہ شیطان اتارتا ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ چند دن وحی نہ آئی تو ایک عورت ام جمیلہ نے کہا جو ابولہب کی بیوی تھی کہ وہ شیطان جو آپ کے پاس آتا تھا وہ ساتھ چھوڑ گیا۔

۲۱۸۔﴿الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ﴾

ای حین تقوم للصلوٰۃ کہ جب صلوٰۃ فرض کے لئے تو کھڑا ہوتا ہے۔ حین تقوم کے یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ تہجد کے لئے جب تو کھڑا ہوتا ہے۔ حین تقوم کے یہ معنی بھی ہے کہ جب تو تبلیغ کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔

سورة النمل

١۔﴿ طٰسٓ تِلْکَ اٰیَاتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ﴾

ربط: پہلی سورت کے آخر میں قرآن پاک کا ذکر تھا کہ اس کو شیطان نہیں لائے تنزیل من رب العالمین ہے اور اس میں بھی کتاب کا ذکر ہے کہ تلک ایت القران و کتاب مبین۔

٦۔﴿وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ﴾

تُلَقّٰی کا معنٰی تلقی علیک بالشدۃ سختی کے ساتھ یہ قرآن تجھ پر ڈالا جاتا ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا اور حدیث میں آتا ہے کہ سخت سردی کے زمانہ میں بھی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو پسینہ آتا تھا۔

تو تُلَقّٰی کے معنی تُلقٰی کے ہے۔

٨۔﴿فَلَمَّا جَآءَ هَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

اس کی دو ترکیبیں کرتے ہیں ایک یہ کہ "ان بورک من فی النار ای ان بورک من فی طلب النار" وہ جو آگ کی طلب میں ہے وہ کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام و من حولها اور وہ جو آگ کے ارد گرد ہیں وہ کون ہیں؟ فرشتے ہیں۔

دوسرا یہ ہے کہ ان بورک من فی مکان النار جو اس آگ کی جگہ پر ہے وہ فرشتے ہیں اور جو اس کے آس پاس ہے وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

٩۔﴿اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾

اکثر "الا من" کو استثناء منقطع قرار دیتے ہیں اس لئے کہ پیغمبر تو ہوتے ہیں معصوم تو الا لکن کے معنی میں ہے من ظلم اس کی جنس سے نہیں کیونکہ یہ گناہ گار ہے۔

جبکہ کمالین وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ الا استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے اور ظلم کا معنی یہاں گناہ کبیرہ وصغیرہ نہ لیں۔ بلکہ وہ جو پیغمبروں سے لغزش ہوتی ہے۔جیسے ربنا ظلمنا انفسنا الخ تو جب ظلم کا معنی یہ لیں گے یعنی رائے اور اجتہاد کی غلطی تو یہ انبیاء کرام سے بھی صادر ہوئیں اور اس صورت میں الا من ظلم کو استثناء متصل قرار دے سکتے ہیں۔

١٥۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ عِلْمًا﴾

تفسیر سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط ہے کہ پہلے دو گروہوں کا ذکر تھا ایک وہ جو مومنین ہیں دوسرے وہ جو اخسرون ہیں نقصان اٹھانے والے۔آگے فرماتے ہیں کہ یہ واقعات مومنین کے ہیں۔آخری رکوع میں و لقد ارسلنا الی ثمود اخاهم صٰلحا میں نافرمانوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی۔اللہ نے عذاب نازل کیا۔ ماننے والے تھے اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا۔

۱۸۔﴿حَتّٰی إِذَا أَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾

تفسیروں میں آپ کو طائف کا لفظ بھی ملے گا اور شام کا بھی کہ یہاں چیونٹیاں بکثرت تھیں۔ وقالت النملة اس چیونٹی کا نام منظرة بھی آپ کو ملے گا اور بعض تفسیروں میں طاعة بھی ہے۔

۲۰۔﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴾

تفقد کے معنی ہوتے ہیں طلب المفقود (مفقود کو طلب کرنا) اب لازمی معنی تفقد کے یہ ہیں کہ حاضری لی کیونکہ حاضری سے پتہ چلے گا کون مفقود ہے کون حاضر ہے۔ تو لازمی معنی ہوئے کہ پرندوں کی حاضری لی۔ اس ہدہد کا نام یعفور تھا۔

۲۴۔﴿أَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ﴾

الا میں لا کو بعض مفسرین نے زائدہ بنایا تو معنی ہوگا کہ ان کو ہدایت نہ ہوئی اس کی کہ وہ سجدہ کریں اور قیل کے ساتھ یہ تفسیر بھی ملے گی کہ وہ جملہ لا یهتدون پر ختم ہوا۔ آگے جملہ مستانفہ ہے اور الاحرف تحضیض ہے۔ معنی ہوگا کہ کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو۔

۳۶۔﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ﴾

جاء کا فاعل الرسول ومن معه ہے اور سلیمٰن اس کا مفعول ہے اس کا فاعل نہیں۔

۳۷۔﴿لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾

ای لاطاقة لهم بها: قال عفريت اس کا نام ذکوان تھا۔ قال الذی عنده اس کا نام آصف بن برخیا تھا۔

۴۳۔﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِيْنَ﴾

صدها کا فاعل کون ہے؟ اس میں دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ ما کانت تعبد یہ فاعل ہے۔ (روکا تھا اس بلقیس کو اس چیز نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے ورے)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ صد کی ضمیر راجع ہے۔ بسوئے سلیمانؑ (سلیمانؑ نے روکا اس کو اس سے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے ورے)

۴۴۔﴿وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ﴾

یہ امتحان کیوں لیا؟

اکثر تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ اس لئے کہ سلیمانؑ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے اور سنا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں تو اس کو دیکھنا چاہتے تھے کہ ہے یا نہیں کیونکہ سنا ہے کہ جس عورت کی پنڈلیوں پر بال ہوں وہ خطرناک ہوتی ہے، لیکن امام رازیؒ، آلوسیؒ، عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ سلیمانؑ اس کی عقل کی خامی (کم عقلی) بیان کرنا چاہتے تھے کہ دیکھ عقل تو تیری اتنی ہے۔ کہ شیشوں کو تو نے پانی سمجھا اور عقل اتنی ہے کہ سورج

کی چمک دمک دیکھ کر اس کو سجدہ کرنے لگی۔

۴۵۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾

ربط: پہلے مومنوں کا ذکر تھا اب آگے مجرموں کا ذکر ہے۔

۴۹۔﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ﴾

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی قتل کرنے کا واقعہ:

یہاں آپ کو تفسیر خازن میں، معالم التنزیل وغیرہ میں ملے گا کہ ایک عورت تھی عنیزہ بنت غنم، خاوند فوت ہوگیا تھا جوان سال لڑکیاں تھیں، اس کی بھیڑیں تھیں، بکریاں بھی اور جانور بھی تھے۔ اس نے قدار کیساتھ بات کی کہ اگر اونٹنی کو راستے سے ہٹادے تو جس لڑکی کو کہے گا میں شادی کر کے دے دونگی کیونکہ ایک دن جانور پانی پیتے ہیں اور ایک دن اونٹنی پیتی ہے۔ تو جب ہمارے جانوروں کی باری آتی ہے۔ تو ہمیں اپنے جانوروں کو پانی دینے کا موقع نہیں ملتا۔ لڑکیاں ہیں پلانے والی اور وہ پیچھے ہی رہتی ہیں۔ تو اس لئے اس اونٹنی کو راستے سے ہٹادو۔ اس نے کہا کہ اونٹنی کو بھی ختم کر دونگا اور صالحؑ اور اس کے اہل کو بھی ختم کر دونگا۔ یہ رات کو انھوں نے مشورہ کیا اور نو غنڈوں نے اللہ کی قسمیں اُٹھائیں کہ صالحؑ اور اس کے اہل کو ختم کریں گے۔

۵۴۔﴿وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾

فعل محذوف ہے اس ای واذکر لوطًا یہاں وارسلنا نہیں نکال سکتے کیونکہ معنی ہوگا ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بھیجا جس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا حالانکہ اس سے پہلے وہ پیغمبر تھے۔ اس لئے واذکر فعل محذوف نکالیں گے۔

﴿أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ﴾

ربط: پہلے ذکر تھا کہ اللہ بہتر ہے یا وہ شریک۔ آگے فرمایا کہ سب کام تو اللہ نے کئے ان شریکوں نے کیا کیا؟

۶۰۔﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴾

تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ عدل یعدل کا صلہ عن بھی آتا ہے اور عدل کا صلہ باء بھی آتا ہے۔ اگر صلہ باء ہو تو معنی یہ ہوگا بلکہ وہ قوم ہے جو اللہ کیساتھ شرک کرتی ہے۔ عن صلہ ہو تو معنی یہ ہے بلکہ وہ قوم ہے جو حق سے اعراض کرتی ہے۔ تو بعض مفسرین نے یہاں شرک کے معنی کئے ہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ اعراض کرتے ہیں۔ تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

۶۴۔﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾

ربط: یہاں تک تصرف کی صفت کا بیان تھا آگے صفت علم کا بیان ہے۔

۶۶۔﴿ بَلِ ادَّارَكَ ﴾

ادَّارَكَ کی تحقیق انیق:

ادارک اصل میں تھا تدارک محلیؒ بل کا معنی کرتے ہیں ھل اور تدارک کا معنی کرتے ہیں تلاحق، اور فی الاخرۃ میں فی بمعنی مع ہے ای مع الاخرۃ تو بل ادارک کا معنی کرتے ہیں کیا مل چکا ہے ان کا علم آخرت کیساتھ یعنی وہ قیامت کا علم جانتے ہیں۔

تو اس پر اشکال ہے کہ بل کو ھل کے معنی میں لینا نہ لغت کی کتابوں میں ہے نہ نحو کی کتابوں میں۔ صاحب جمل اور صاحب کمالین وغیرہ نے یہ مخلص اختیار کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے أادَّارک ہمزہ استفہامیہ اور ابی ابن کعبؓ کی قرأت میں ہے ام ادّارک وہ استفہامیہ لاتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ ان کی قرأت کی روشنی میں بل بمعنی ھل کے آئے تو صحیح ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ادّراک اصل میں تھا تدارک تاء کو دال کیا دال کا دال میں ادغام کیا ابتداء میں ہمزہ وصل لے آئے تدارک بنو فلان ای تلاحقو ا بالھلاک کہ فلاں کے بیٹے ایک دوسرے سے ملے ہلاکت میں۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہے بلکہ گر چکا علم ان کا آخرت کے بارے میں۔ یہ معنی کرتے ہیں شاہ عبد القادرؒ اور شیخ الہندؒ۔

۶۷۔﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴾

ربط: اوپر بھی قیامت کا ذکر تھا "بل ادّارک علمھم فی الاخرۃ میں" آگے بھی قیامت کے متعلق تذکرہ ہے کہ کافروں نے یہ بات کی کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے آباء تو کیا دوبارہ ہم زمین سے نکالے جائیں گے۔

۷۵۔﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾

یہاں غائبۃ صفت ہے شــئی موصوف محذوف کی، معنی یوں کرتے ہیں نہیں ہے کوئی شی غائب ہونے والی آسمان اور زمین میں مگر کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں درج ہے اور لوح محفوظ اللہ کے علم کا کروڑ در کروڑ واں حصہ بھی نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شئی تو مذکر ہے غائبۃ مونث ہے۔تو غائبة کیسے شئی کی صفت بنی۔تو آپکو تمام تفسیروں میں یہ جواب بھی ملے گا کہ غائبة میں جو تاء ہے یہ تاء تانیث کی نہیں بلکہ تاء مبالغہ کی ہے۔

۷۸۔﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ﴾

بے شک تیرا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اپنے حکم کیساتھ دنیا میں تو دلیل اور برہان کا فیصلہ ہوگا قیامت کو عملی فیصلہ ہوگا اماّ الی الجنّة و اماّ الی النار۔

۸۰۔﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ﴾

مسئلہ حیات انبیاء اور سماع موتی پر تفصیلی بحث:

میں تھوڑی سی تشریح کرتا ہوں غور سے سمجھنے کی کوشش کریں۔پہلے میں نے اشارہ کیا تھا کہ سماع موتیٰ کی دو شقیں ہیں۔
ایک شق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبور کے پاس سے مثلاً الصلوٰۃ والسلام کا سماع کرتے ہیں یا نہیں۔
اہل حق دور سے سماع کے قائل نہیں ہیں دور سے اگر کوئی صلوۃ والسلام پڑھتا ہے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔اور قبر کے پاس اگر کوئی کلام کرے تو سنتے ہیں یا نہیں سنتے تو اس مسئلے میں امت کا کوئی اختلاف نہیں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ قبور کے پاس سے انبیاء کرامؑ کے سماع پر امت کا اتفاق ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کی سرپرستی میں تعلیم القرآن رسالہ چھپتا تھا اس میں تصریح کی کہ اس مسئلے میں جو اس وقت دو گروہ ہیں اسمیں فریقین کا کوئی اختلاف نہیں۔تو یہ شق تو بالکل اتفاقی تھی۔اب کوئی اختلاف کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری اس پر ہے۔

باقی دوسری شق ہے عام اموات کے سماع اور عدم سماع بس اس میں صحابہ کرامؓ سے تا ہنوز اختلاف چلا آرہا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ سماع کی قائل نہ تھیں۔حضرت ابن عمرؓ حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ سماع کے قائل تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں، علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں، حافظ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مسلک نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "و خالفها الجمهور" جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔
اب اس سلسلے میں جو حضرات کہتے ہیں کہ نہیں سنتے تو وہ قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی استدلال کرنے

کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔ تلخیص المفتاح اٹھا کر دیکھیں، مختصر المعانی دیکھیں، مطول دیکھیں، اسرار البلاغہ دیکھیں دلائل الاعجاز دیکھیں ان سب کتابوں میں موجود ہے۔

شیخ عبدالقاہر جرجانیؒ پیر مُرِدیٰ جو فن کے موجد ہیں اور انہی سے لوگوں نے آگے یہ فن لیا۔ فرماتے ہیں کہ تشبیہ کے چار ارکان ہیں۔ ایک مشبہ دوسرا مشبہ بہ تیسرا حرف التشبیہ اور چوتھا ہے وجہ تشبیہ۔

اب یہاں دیکھئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں زندہ کافروں کو مردوں کیساتھ تشبیہ دی ہے۔ ہاں یہ یاد رکھیئے کہ وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہوگی دو نہیں ہوں گی۔ ہم جو کہتے ہیں زید کالا سد تو یہاں زید ہے مشبہ أسد ہے مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ ہے شجاعت۔ تو یہ وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہوگی دو نہیں یہ مسلم قاعدہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کر سکتا جو علم کو مانتا ہے۔ اللہ پاک نے قرآن میں زندہ کافروں کو دو چیزوں کیساتھ تشبیہ دی۔ ایک موتی اور ایک صم اور عمی۔ اب اس سلسلے میں جو اللہ نے زندہ کافروں کو تشبیہ دی ہے۔ موتی سے، صم سے عمی سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندہ کافر مشبہ ہے اور موتیٰ مشبہ بہ، صم مشبہ بہ، عمی مشبہ بہ، اب یہ سمجھنا ہے کہ وجہ تشبیہ کیا ہے اس مسئلے کے نزاع کا سارا مدار اس پر ہے۔ کہ وجہ تشبیہ کیا ہے۔ جو لوگ عدم سماع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ عدم السماع وجہ تشبیہ ہے لیکن ان کا یہ کہنا بالکل غلط فاحش ہے کیوں کہ اگر موتی میں وجہ تشبیہ عدم السماع ہے تو وہی وجہ تشبیہ آپکو زندہ کافروں میں بھی ماننی پڑے گی۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زندہ کافر بھی نہیں سنتے۔ اگر یہ کہہ دیں کہ ہاں واقعی نہیں سنتے زندہ کافر بھی تو پھر بات اور ہے اور کوئی عقلمند اس کا دعویٰ نہیں کرے گا کہ زندہ کافر نہیں سنتے۔ سنتے نہیں تو پھر مکلّف کس بات کے۔ پھر دوسری بات بھی یاد رکھیں کہ لا تسمع یہ عدم سماع حکم خبری ہے یہ حکم خبری کیسے وجہ تشبیہ بنتا ہے تو وجہ تشبیہ قطعاً یہ نہیں ہے۔ بلکہ وجہ تشبیہ ایک پہلے پڑھ چکے ہیں کہ "شبهھم بهم فی عدم الانتفاع بما یتلیٰ علیه" یہ جلالین میں موجود ہے، بیضاوی میں موجود ہے، السراج المنیر میں موجود ہے ابوالسعود میں موجود ہے خازن میں موجود ہے۔ تو وجہ تشبیہ ہے عدم انتفاع۔ اب دیکھئے دور جانے کی ضرورت نہیں دوسری لائن میں ہے۔ "ان تسمع الّا من یؤمن بایٰتنا" وہاں پہلے لا تسمع تھا یہاں ا نْ ہے۔ وہاں بھی تسمع تھا یہاں بھی تسمع ہے۔ انْ تسمع تو نہیں سناتا الا من یؤمن مگر صرف اسی کو جو مومنین ہوں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ صرف مومنین سنتے ہیں کافر نہیں سنتے۔ اب یہ معنی کریں گے کہ کافر نہیں سنتے یا یہ معنی کریں گے کہ کافر نہیں سنتے سماع قبول۔ آپکو یہ کہنا پڑے گا سماع افہام سماع تدبر، تو جو معنی یہاں ہے وہی معنی وہاں ہوگا۔ تمام تفسیروں میں ہے۔ کہ سماع افہام، سماع تدبر، سماع انتفاع، تو جیسے زندہ کافروں سے نفی ہے ویسے ان مردوں سے، وجہ تشبیہ دو نہیں ہوں گی۔ اسی لئے صاحب حقانیؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں عدم سماع کا اشارہ تک موجود نہیں۔

مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں معارف القرآن میں کہ آیات عدم سماع پر کوئی دال نہیں۔ انہی آیتوں کو پیش کر کے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں" والحق انّ الموتیٰ تسمع"

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں'' والحق انّ الموتیٰ تسمع''

سید مولانا محمد انور شاہؒ فرماتے ہیں۔ کہ سماع پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ سماع موتی یہ ثابت ہے بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ اور حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں فیض الباری میں وذخیرۃ الاحادیث تدل علی سماع موتیٰ۔

بعض حضرات یوں مغالطہ دیتے ہیں کہ جی احادیث ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے لیکن تعارض ہو تو تب، تناقض ہو تو تب، تعارض اور تناقض ہو تو قطعی کو ظنی پر ترجیح دیں گے اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ تعارض کیلئے آٹھ شرطیں ضروری ہیں۔ وحدت موضوع، وحدت محمول الی آخرہ اور یہاں نہ موضوع ایک ہے نہ محمول ایک ہے پھر تعارض کہاں سے آیا۔ کیوں کہ یہاں ہے انک لا تسمع الموتیٰ یہاں موضوع ہے سنانے والا اور محمول ہے الموتیٰ اور احادیث میں ا لمیت یسمع ہے وہاں موضوع ہے میت۔ تو سنانے والا اور میت ایک تو نہیں ہے جب وحدت موضوع نہیں تو تعارض کہاں سے آیا۔ پھر محمول بھی ایک نہیں یہاں قرآن میں ہے

''تسمع'' باب افعال سے اور وہاں احادیث میں ''یسمع'' ہے باب سمع یسمع سے۔ تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جب موضوع اور محمول ایک نہیں ہے تو تعارض کہاں سے آیا۔ تو قرآن اپنی جگہ پر حق ہے اور احادیث بخاری ومسلم کی اپنی جگہ پر درست وصحیح ہیں۔ پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ میں آتا ہے ''الموتی لاتسمع'' بیشک آتا ہے۔ اس میں زیادہ بسط سے بحث کی ہے حافظ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اور شاہ اسحاقؒ صاحب نے مائۃ مسائل میں کہ مردے نہیں سنتے اور نظیر یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ میں اس سے کلام نہیں کروں گا تو مرنے کے بعد اگر اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔

ہم نے سماع موتی کے آخر میں مستقل عنوان دیا ہے اور ٹھوس حوالے پیش کئے کہ قسم کا معاملہ عرف پر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ لا أکل رأسًا سر نہیں کھاؤں گا اب چڑیا کا سر کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ کوئی کہے کہ لا ارکب الدابہ میں دابہ پر سوار نہیں ہوگا پھر کافر پر جو۔ ان شر الدواب الخ ہے سوار ہوا تو حانث نہ ہوگا۔ معاملہ اَیمان کا عرف پر ہے۔

عرف میں یہ مقصد ہوتا ہے کہ میرا زندہ سے کلام کرنا مراد ہے، مردہ سے نہیں اور پھر عجیب بات ہے حافظ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ الموتیٰ لا تسمع یہ جزئیہ پیش کرتے ہیں اور خاصی تفصیل کرتے ہیں اور اسی فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ دو چیزیں سنتے ہیں قرع النعال بھی سنتے ہیں اور السلام علیکم بھی سنتے ہیں۔

شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کئی صفحات اس پر لکھتے ہیں پھر اسی مائۃ مسائل میں پوچھا گیا کہ حضرات مردے کو قبر کے پاس سے سلام کریں تو سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سلام سنتے ہیں۔

پھر بہت سے حضرات کو یہ شبہ ہے کہ بہت سے حضرات سماع موتی کے منکر ہیں بے شک لیکن میں دیانۃً کہتا ہوں کہ کلیۃً انکار کوئی نہیں کرتا۔ اسی میں حافظ ابن ہمامؒ، شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ عبدالقادرؒ، حضرت گنگوہیؒ ہمارے حضرت

مرشد مولانا حسین علی صاحبؒ یہ سماع موتیٰ کے منکر تھے لیکن کلیۃً انکار نہیں کرتے تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کوکب الدری میں فرماتے ہیں ''الحق أنّ الموتیٰ لاتسمع''

لیکن فتاویٰ رشیدیہ میں فرماتے ہیں کہ تلقین میت صحیح ہے کہ اکثر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ قبر کے پاس مردوں کو سلام کرنا احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت حسین علی صاحب بلغة الحیران میں فرماتے ہیں کہ روح سنتی ہے تو مطلقاً انکار نہ ہوا۔

سورة القصص

﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○﴾

ربط: تفسیر کبیر، سبق الغایات میں ہے کہ پہلی سورت میں من ض ل کا ذکر تھا پھر منذرین کا ذکر تھا اس سورت کے شروع میں گمراہوں اور منذرین کا ذکر ہے۔

۷۔﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى﴾

واوحینا الیٰ أم موسٰی ای وحی منام أو حی الھام: یہاں وحی سے نبوت والی وحی مراد نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے مراد لی ہے اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ عورتوں میں پیغمبر نہیں گزرا عورتوں میں سے کسی کو نبوت نہیں ملی اور یہاں وحی سے مراد الہام ہے۔ موسیٰ کی والدہ کا نام یوحانذ تھا اور بعض تفسیروں میں اس کا نام یوخابذ بھی آیا ہے۔

۸۔﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خَاطِئِيْنَ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ ہے کہ فرعون نے جو بنی سرائیل کے بچوں کو قتل کیا اور ان پر ظلم کیا۔ اس میں وہ خطاء کار تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ موسیؑ کے اُٹھانے یں تکوینی خطا کی یعنی جس کا خطرہ تھا وہ آ گیا۔

۱۰۔﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾

امام ابوعبیدہؒ معنی یوں کرتے ہیں واصبح فؤاد ام موسٰی فٰرغًا ای من حزن موسٰی أو غم موسیٰؑ کہ موسیؑ کی ماں کا دل فارغ ہو گیا غم سے، لیکن طبری فرماتے ہیں کہ یہ معنی جمہور کے خلاف ہے۔

جمہور معنی کرتے ہیں کہ واصبح فؤاد ام موسٰی فرغاً الا من ذکر ہ کہ موسیٰ کی ماں کا دل باقی چیزوں سے فارغ ہو گیا لیکن موسیٰ کا تذکرہ اور ذکر باقی تھا یعنی موسیؑ کے علاوہ سے اس کا دل فارغ ہو گیا۔

۱۲۔﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾

تفسیر بیضاوی، روح المعانی، قرطبی، البحر المحیط وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ مراضع مُرضع کی جمع ہے۔ دودھ پلانے والی عورت تو معنی یہ ہوگا۔ کہ ہم نے اس پر دودھ پلانے والی عورتوں کو اس سے پہلے حرام کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مراضع مَرضع کی جمع ہے اس کے معنی دودھ پلانے کی جگہ، معنی ہوگا کہ ہم نے پستانوں کو اس پر حرام کیا "من قبل ای من قبل مجئ امّ موسٰی" کسی عور۔ .کا دودھ نہیں پیتے تھے۔

۱۴۔﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

یہاں اس حکم سے مراد قوت فیصلہ ہے کہ جب دو آدمی ان کے سامنے پیش ہوتے تھے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیتے تھے اور جن حضرات نے یہاں حکم سے نبوت مراد لی۔ ہے۔ وہ مغالطے میں ہیں اور محلی بھی اس کا شکار ہے۔ نبوت تو جب کوہ طور سے واپس آر۔ ہے تھے اس وقت ملی تھی ' ودخل المدینة علی حین غفلة" فرعون جس شہر میں

رہتا تھا اس کا نام مُنف تھا۔

﴿وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾

فرعون کی قوم کا جو آدمی تھا اس کا نام تفسیروں میں قاب بھی آیا ہے اور قانون بروزن خاتون بھی آیا ہے اور فلیسیون بھی آپ کو ملے گا۔ موسیٰ کی قوم کے آدمی کا نام معلوم نہ ہو سکا تفسیروں میں۔

۲۰۔﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يَا مُوْسٰى﴾

اس کا نام تھا حزقیل یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور اس کے نام پر آگے سورۃ آئے گی سورۃ مؤمن'' وجاء رجل مؤمن'' سے یہی حزقیل مراد ہے اور بڑے عہدے پر تھا۔ یسقون کا مفعول محذوف ہے ای یسقون مواشیھم اور بعض نکالتے ہیں'' یسقون الانعام. حتی یصدر الرعاء مواشیھم''

۲۹۔﴿أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾

جذوۃ: آگ کا ایسا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو'' فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ'' اس شجرہ کا نام کیا تھا؟ تو تفسیروں میں مختلف نام ملیں گے ایک یہ ہے کہ علیق تھا کیکر اور بیری کے درخت پر پیلے رنگ کی بیل ہوتی ہے۔ اسکو علیق کہتے ہیں اور اس کا نام آپ کو عناب بھی ملے گا اور بعض تفسیروں میں غوسج بھی ملے گا۔

۳۴۔﴿فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا﴾

اس کو بھیجو میرے ساتھ ردءًا ای معینًا و ناصرًا معین اور مددگار جو میری تصدیق کرے۔

۳۵۔﴿فَلَا يَصِلُوْنَ إِلَيْكُمَا بِاٰيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ﴾

بـاٰیتنا ای اذھبا بـاٰیتنا یہاں فعل اذھبا محذوف ہے (لے چلو میری نشانیوں کو) اور بعض نکالتے ہیں وارسلنا ھما باٰیتنا (ہم نے ان دونوں کو بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ)

۳۷۔﴿وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾

کشاف بیضاوی وغیرہ میں ہے'' العاقبۃ المحمودۃ فی دار الاخرۃ''

۴۴۔﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾

نحاۃ کوفیین کہتے ہیں کہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہو سکتی ہے۔'' جانب'' موصوف ہے'' الغربیّ'' صفت ہے اور حق یہی ہے۔ جبکہ بصریین کہتے ہیں کہ یہاں اس کا مضاف الیہ محذوف ہے کوئی نکالتا ہے بجانب الجبل الغربیّ، کوئی نکالتا ہے بجانب الواد الغربیّ، کوئی نکالتا ہے بجانب المکان الغربیّ۔

۴۷۔﴿وَلَوْلَا أَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ﴾

ونکون من المؤمنین یہ شرط ہے اور لولا کی جزاء لما ارسلنک الیھم محذوف ہے۔

۴۸۔﴿قَالُوْا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوْا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُوْنَ﴾

سحران سے مراد قرآن پاک اور تورات ہے۔

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قرآن پاک کو اور تورات کو کہا کہ یہ جادوگر ہے اور ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور یہی تفسیر راجح ہے۔ کیونکہ آگے آیت اسی کی تائید کرتی ہے" قل فاتوا بکتاب من عند اللّٰہ" کہہ تو پس لاؤ تم اللہ کی طرف سے کتاب جو زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو تورات اور قرآن سے میں اس کی پیروی کروں گا۔ تو آگے کتاب کا ذکر ہے تورات اور کا قرآن کا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سحران مصدر ہے اور معنی میں ساحران کے ہے۔ انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور آنحضرت ﷺ معاذ اللہ دونوں جادوگر ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔

یہ بھی تفسیر کی گئی ہے لیکن آگے کے الفاظ قل فاتوابکتٰب من عند اللّٰہ اول تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

۵۱۔﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

ربط: اوپر اس کا ذکر آپ نے پڑھا کہ "من بعد مااھلکنا القرون الاولی" ہم نے پہلی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ اس کے بعد فرعون کی قوم بھی ہلاک ہوئی۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جن جماعتوں کو ہلاک کیا تھا کیا ان کے پاس پیغمبر نہیں آئے۔ وحی نہیں آئی دفعۃً بے خبری میں ہلاک ہوئے؟

اس کا جواب ہے کہ ایسا نہیں ہوا "ولقد وصلنالھم القول" اور البتہ ہم نے ملایا ان کے لئے قول تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ملانے کا یہ معنی کہ ایک پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی پھر دوسرا پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی، پھر تیسرا پیغمبر آیا اس پر وحی نازل ہوئی۔ اب لازمی معنی کرتے ہیں وصّلنا ای بینّا (ہم نے ان کیلئے بات بیان کردی۔)

۵۶۔﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾

اس کا شان نزول یہ ہے کہ آپؐ کے چچا عبد مناف یعنی ابو طالب، (طالب بیٹے کا نام تھا) کی موت کا وقت تھا، آپ ﷺ اس کے پاس پہنچے۔ اس وقت ابوجہل، عبداللہ بن امیہ پاس تھے۔ آپؐ نے فرمایا چچا میرے کان میں کلمہ پڑھ دیں میں قیامت میں تیری شفاعت کروں گا، آپ نے بار بار اپنی بات پیش کی لیکن ابو طالب نے یوں کہ کر انکار کر دیا کہ اگر قریش یہ کہہ کر مجھے عار نہ دلاتے، کہ گھبراہٹ کی وجہ سے اس نے اسلام کا کلمہ کہہ لیا ہے، تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

۵۷۔﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا﴾

بیضاوی وغیرہ میں فی مقدر نکالتے ہیں" ای بطرت فی معیشتھا "جس نے تکبر کیا اپنی زندگی میں۔

دوسرا یہ کہ معیشتھا کو تمیز بناتے ہیں وہ بطر (تکبر) جو تھی از روئے معیشت تھی۔

تو ایک یہ ہے کہ منصوب ہے نزع خافض کی وجہ سے دوسری یہ کہ تمیز ہے۔

۶۱۔﴿أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا﴾

تو ایک یہ ہے کہ منصوب ہے نزع حافض کی وجہ سے دوسری یہ کہ تمیز ہے۔

۶۱۔﴿أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْداً حَسَناً﴾

ربط: پہلے دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا بیان تھا اور فرمایا کہ یہ ختم ہونے والی ہے۔اس سلسلے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو جماعتیں اور دو آدمی ہیں،

ایک وہ ہے جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ جنت میں جائے گا، اللہ کی رضا حاصل ہوگی تو کیا یہ اس کی طرح ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کا ساز وسامان دیا ہے اور مرنے کے بعد ان لوگوں میں داخل ہوگا جو دوزخ میں ہیں۔کیا یہ دونوں برابر ہیں۔کہاں برابر ہوسکتے ہیں ایک عارضی فائدہ اٹھانے والا ایک دائمی فائدہ اٹھانے والا یہ کب برابر ہوسکتے ہیں۔

۶۳۔﴿هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ﴾

اشکال:

یہاں ایک اشکال ہے کہ ''ھو لاء الذین اغوینا'' مبتدا ہے، ''اغوینا ھم'' خبر ہے تو وہی مبتدا ہے اغوینا اور وہی خبر اغوینا ھم تو اس میں کیا فائدہ ہے یہ تو ایسا ہے جیسا ''الانسان انسان'' تغائر بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔

جواب جمل والے اور کمالین والے اس کو یوں حل کرتے ہیں کہ مبتدا مطلق ہے اور خبر مقید ہے کیوں کہ آگے مقید ہے کما غوینا سے تو لہذا اس میں فائدہ ہوا کہ مبتدا مطلق اور خبر مقید ہے۔

۶۸۔﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾

اہل بدعت کا آپ ﷺ کے مختار کل ہونے پر استدلال:

اہل بدعت آنحضرتؐ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپؐ مختار کل ہیں۔تو اس لفظ کی میں ذرا تشریح کرتا ہوں غور سے سنیں۔مختار اسم فاعل کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی۔اسم فاعل ہو تو اصل میں مُخْتَيِرٌ تھا اسم مفعول ہو تو مُخْتَيَرٌ ہے۔فاعل ہو تو معنی ہوگا اختیار رکھنے والا تو سارے کائنات کا اختیار اس کے پاس ہے۔کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تمام اختیارات آپ کو دے دیئے اور آپؐ اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے سب کچھ کرتے ہیں۔

حتی کہ احمد رضا خان نے کہا کہ احد سے ''احمد سے احمد کو اور احمد سے تجھ کو سب کن مکن حاصل ہے یا غوث'' اور چونکہ خدا کی صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی صفت عطائی ہے تو شرک نہ ہوا۔

دوسرا معنی مختار کا اختیار دیا گیا۔تو پہلے سے اختیار رکھتے ہیں یہ بھی باطل ہے اور اختیار دیا گیا یہ بھی باطل ہے کیونکہ اللہ نے خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیئے اور ایک معنی مختار کا ہے چنا ہوا اگر مختار کا یہ معنی کریں کہ آپ ﷺ خدا کی ساری مخلوق میں چنے ہوئے ہیں تو یہ معنی صحیح ہے اور یہ معنی وہ نہیں لیتے بلکہ وہ مختار کل کا یہ معنی کرتے ہیں کہ سارے جہان کا اختیار آپ ﷺ رکھتے ہیں سارے جہاں کا اختیار آپ ﷺ کو دیا گیا ہے، دونوں کفر کے کلمے ہیں۔کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ ''التاویل فی ضروریات الدین لایدفع الکفر'' اگر وہ یہ معنی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو

۷۱۔﴿ أَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾

چونکہ پہلے رات کا ذکر تھا اور رات میں سنا جا سکتا ہے اس لئے ''افلا تسمعون'' کہا اور بعد میں چونکہ دن کا ذکر ہے اور دن میں دیکھا جا سکتا ہے اس لئے ''افلا تبصرون'' کہا۔

۷۶۔﴿إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾

قارون کا نام منور تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا:

ربط: آپ نے اوپر پڑھا کہ کمن متعناہ متاع الحیوٰۃ الدنیا کہ جس کو ہم نے دنیا کا سامان دیا پھر وہ قیامت میں حاضر کئے ہوئے میں سے ہوگا۔ آگے ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے اس کو دنیا دی تھی تو اس نے کیا کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ قارون کا نام منور تھا۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے اور مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ یہ موسیٰؑ کا چچازاد بھائی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یوں بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن عمران بن قاھث اور قارون کا نسب نامہ یوں بیان کرتے ہیں قارون بن یصھر بن قاھث۔ بہت بڑا منافق تھا، اللہ نے اس کو بہت خزانے دیئے تھے۔

ایک تفسیر کی رو سے اس کے خزانے کی چابیاں آدمیوں کی ایک جماعت (عصبۃ کا لفظ دس سے لے کر چالیس تک پر بولا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ستر تک پر بولا جاتا ہے) اٹھایا کرتی تھی۔ تو جب چابیاں اتنی ہوں کہ ایک جماعت نہ اٹھا سکے تو اندازہ لگائیں کہ خزانہ کتنا بڑا ہوگا اور مفاتح مفتح کی جمع ہے۔

دوسری یہ ہے کہ مفاتح مفتح کی جمع ہے یعنی اس کے پاس اتنے خزانے تھے کہ ایک اچھی خاصی جماعت نہیں اٹھا سکتی تھی۔

۷۸۔﴿وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾

ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ حضرت قرآن کی آیتیں آپس میں بظاہر متعارض ہیں۔ اس میں ہے ''لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون'' دوسری جگہ پر آتا ہے ''فوربک لنسئلنھم اجمعین'' اس میں تو سوال ہے اور اس میں سوال نہیں ہے

فرماتے ہیں کہ جب حیثیت بدل جائے تو کوئی تعارض نہیں۔ رب تعالیٰ ان سے استعلام اور استخبار کی بناء پر سوال نہیں کریں گے تاکہ معلومات حاصل کرلیں کہ تم نے یہ کیا یا نہیں کیا۔ بلکہ یہ سوال توبیخ کے طور پر ہوگا کہ تم نے کیا کیوں۔

﴿وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾

ھا ضمیر کس طرف جاتی ہے؟ تو بعض کہتے ہیں کہ خصلۃ کی طرف لایلقھا ای الخصلۃ

و بعض کہتے ہیں کہ جنت کی طرف ای لا یلقھا ای الجنۃ۔ (نہیں دی جاتی یہ خصلت یا جنت مگر صابرین کو)

﴿وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾

ویکان کی تحقیق:

تفسیر بیضاوی، روح المعانی، البحر المحیط، اور دوسری تفسیروں میں جو ہے۔ اس میں سے دو آسان قول جو میں عرض کرتا ہوں (۱) ایک یہ کہ وی اسم فعل بمعنی اعجب کے اور کاف بمعنی لام کے ہے۔ یہ سیبویہ اور خلیل ابن احمد کا مسلک ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں تعجب کرتا ہوں کہ ان اللّٰہ یبسط

دوسرا یہ کہ وی اسم فعل معنی اعجب کے اور انّ حرف مشبہ بالفعل ہے یہ بصریین کا مسلک ہے تو معنی یہ کرتے ہیں کہ میں تعجب کرتا ہوں گویا کہ اللہ تعالیٰ یبسط الرزق لمن یشاءُ۔

۸۳۔﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

ربط: پہلے رکوع میں دنیا کی ناپائیداری کا ذکر تھا کہ دیکھو قارون کو کتنا خزانہ ملا لیکن کیا ہوا۔ اب آخرت کا ذکر کر دیا فرمایا آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے ہے جو زمین میں فساد نہیں چاہتے۔

۸۵۔﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ﴾

ربط: ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم یہ ربط دیتے تھے کہ اس سورۃ کی ابتداء میں موسیٰ کا ذکر ہے۔ جو مصر سے چلے مدین رہے اور پھر چند سالوں کے بعد مدین سے مصر لوٹے اسی طرح آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے اور کفار نے حالات پیدا کئے ہجرت کر کے گئے پھر حق تعالیٰ آپ کو معاد یعنی مکہ مکرمہ کی طرف لوٹائے گا۔

جبکہ امام رازی، ابوسعود فرماتے ہیں کہ یہاں معاد سے قیامت مراد ہے اور ابھی اوپر قیامت کا ذکر آیا ہے۔ تلک الدار الاخرۃ تو ربط یہ ہے کہ جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل کیا وہ آپ کو معاد قیامت کی طرف لوٹائے گا۔

سورة العنكبوت

۱۔﴿ الٓمٓo أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴾

تفسیر سبق الغایات فی نسق الایات میں یہ ربط ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا'' وادع الی ربک'' اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ اللہ کی طرف دعوت میں بڑی سے بڑی تکلیفیں پیش آئیں، آگے فرمایا کہ پہلے لوگوں پر بھی تکلیفیں آئیں تم پر بھی آئیں گی صرف اتنی بات پر تمھیں نہیں چھوڑ دیا جائیگا کہ زبان سے امنا کہو۔ آزمائش نہ ہو نہیں بلکہ بڑی تکلیفیں آئیں گی۔

(۳)﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ﴾

معتزلہ کا غلط استدلال:

معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ آنے والے جو واقعات ہیں ان واقعات کے ظہور کے بعد حق تعالی ان کو جانتا ہے پہلے نہیں جانتا۔ زمخشری یہاں بڑا خوش ہے، بڑا غالی معتزلی ہے، وہ کہتا ہے کہ دیکھو قاعدہ نحوی یہ ہے کہ جس وقت نون تاکید ثقیلہ یا خفیفہ مضارع پر داخل ہو تو اس میں حال کے معنی نہیں ہوتے استقبال کیلئے مختص ہوتا ہے۔

کہتا ہے۔ دیکھو: ولیعلمن پر نون تاکید ثقیلہ داخل ہے۔ معنی یہ ہے کہ البتہ اللہ ضرور جان لے گا ''الذین صدقوا'' کو اور البتہ ضرور جان لے گا جھوٹوں کو۔ تو یہ تو آئندہ استقبال کیلئے ہے حال کا تو اس میں معنی بھی نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اہل حق یہاں علم سے علم ظہور مراد لیتے ہیں اور علم ظہور کا معنی میں نے روح المعانی اور بیان القرآن کے حوالے سے دوسرے پارے میں ولنعلم کی تفسیر میں عرض کیا تھا تو علم سے علم ظہور مراد ہے۔

۴۔﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ﴾

آگے کفار جو مسلمانوں کو تکلیفیں دیتے تھے ان کیلئے تنبیہ ہے۔

﴿ ووصینا الانسان بوالدیه حسناً۔ وان جاهداك لتشرك بی مالیس لك به علم فلا تطعهما ﴾

شان نزول:

سعد بن مالک بن ابی وقاصؓ (ابی وقاص دادا کا نام تھا) عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے۔ برادری میں آپ ﷺ کے ماموں لگتے تھے فاتح ایران ہیں ماں کا نام حمنہ بنت ابی سفیان ہے۔ امیر معاویہؓ کی بہن تھی، اور بھائی کا نام عتبہ تھا وہ جس نے پتھر مارا تھا اور احد میں آپکا دانت مبارک شہید کیا تھا۔ تو ان کی ماں نے پہلے زور لگایا کہ بیٹا حماقت میں اپنے آبائی عقیدے کو نہیں چھوڑنا۔ اس لئے تو پھر اپنے عقیدے پر لوٹ آئے انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم پھر اپنے آبائی دین پر واپس آجاؤ یا میں اسی طرح بھوک پیاس سے مر جاؤں، اور ساری دینا میں ہمیشہ کے لیے یہ رسوائی تمہارے سر ہے کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ حضرت سعدؓ کی والدہ ایک دن رات اور بعض اقوال کے مطابق تین دن تین رات

اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہی، حضرت سعدؓ حاضر ہوئے اور والدہ کو خطاب کر کے کہا کہ اماں جانا اگر تمہارے بدن میں سو ۱۰۰ روحیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مرجاؤ، بہرحال اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھالیا۔

۱۳۔﴿وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالاً مَّعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾

ظاہری تعارض کا اشکال اور اس کا جواب:

پہلے رب نے فرمایا "وما هم بحاملين من خطٰيهم" (ان کی خطاؤں کو نہیں اٹھائیں گے) اور آگے اس کا اثبات ہے کہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے "واثقالاً مع اثقالهم" اپنے بوجھوں کیساتھ اور بوجھ بھی اُٹھائیں گے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بوجھ اٹھائیں گے۔ پہلے نفی تھی کہ نہیں اٹھائیں گے۔

تو امام رازیؒ تفسیر کبیر میں، علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں اور حضرات نے بھی لکھا ہے کہ نفی کا محل اور ہے اثبات کا محل اور ہے۔

نفی کا محل یہ ہے کہ ایسے انداز سے دوسرے کا بوجھ اٹھا دینا کہ کوئی گناہ باقی نہ رہے اور اثبات کا محل یہ کہ اپنے بوجھ بھی ہوں گے اور اضلال و گمراہ کرنے کا بوجھ بھی (من سنّ سنة سيئة) جس نے برا راستہ بتلایا تو اس بتلانے والے پر بھی گناہ ہوگا لیکن کرنے والا نہیں چھوٹے گا۔

۱۴۔﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ﴾

ربط: تفسیر کبیر وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ پہلے تھا "ولقد فتنا الذين من قبلهم" ہم نے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش و امتحان میں ڈالا۔ اب اس مد کے چند واقعات ہیں۔

پہلے نوحؑ کے امتحان کا ذکر ہے پھر ابراہیمؑ کا ہے پھر لوطؑ کا ہے۔ شعیبؑ کا ہے کہ یہ پہلے جو لوگ گزرے امتحان میں پڑے۔

۱۵۔ ﴿وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

ھا کی ضمیر کدھر کو لوٹتی ہے۔ تو مفسرینؒ کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ سفینہ کی طرف (ہم نے اس کشتی کو نشانی بنایا) دوسرے کہتے ہیں کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے الفعلة (کہ اللہ تعالی نے تم کو پکڑا اس کاروائی کو ہم نے نشانی بنایا)

۲۳۔﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُوْلَئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي﴾

آگے اس تقریر کا تتمہ ہے جو ابراہیمؑ نے کی تھی۔

۲۵۔﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَاناً مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُم کی دو ترکیبیں اور قرأتیں

دو ترکیبیں آسان ہیں جو میں عرض کرتا ہوں تفسیر البحر المحیط، روح المعانی، کمالین، جمل وغیرہ میں ایک ترکیب یہ ہے، کہ ما موصولہ ہے "اتخذتم من دون اللّٰه اوثاناً" یہ اس کا صلہ ہے، مودة مفعول لہ ہے "ای لاجل

انما اتخذتم من دون اللّٰہ اوثاناموددۃ بینکم فی الحیٰوۃالدنیالاینفعکم (بے شک وہ چیز جو تم نے بنائی اللہ کے ورے اوثان تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے وہ تمہیں نفع نہیں دے گی)

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ما کو مصدریہ بناتے ہیں اور اس ما مصدریہ نے انّ کو عمل سے روک دیا لہٰذا جب ما کافہ نے ان کو عمل سے روک دیا تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں تو معنی یوں کرتے ہیں ''انّ اتخاذکم من دون اللّٰہ اوثانالاجل الموددۃبینکم'' (تمہارا یہ بنانا بتوں کو دوستی کی وجہ سے جو تمہارے درمیان ہے دنیا کی زندگی میں) ایک قراءت میں موَدۃ (مرفوع) ہے اس میں مودۃ خبر ہے انّ کی لیکن وہ ہماری قراءت نہیں ہے۔ ہماری قرات میں مودۃ مفعول لہ ہے اس کو سمجھ لیں کہ مفعول لہ کبھی سبب بنتا ہے فعل کا اور کبھی نتیجہ ہوتا ہے۔

مثلاً قعدت عن الحرب جُبنًا (میں لڑائی سے بیٹھ گیا جبن کی وجہ سے) تو یہ جبن سبب بنا لڑائی سے بیٹھنے کا اور کبھی نتیجہ ہوتا ہے فعل کا ضربتہ تأ دیبًا (میں نے مارا اس کو تا کہ یہ مارنا اس کو ادب سکھائے) اب یہاں مودۃٌ کا معنی ہوگا کہ یہ جو تمہاری آپس میں دوستی ہے اس دوستی کی وجہ سے تم نے بنایا اوثان کو اللہ کے ورے۔ تو تمہاری جو دوستی ہے یہ سبب بنی شرک کا۔

اسی لئے حدیث میں آتا ہے ''المرء علی دین خلیلہ'' دوسرا یہ ہے کہ تم نے جو یہ اوثان بنائے اس لئے کہ ان اوثان کی محبت حاصل ہو تو تمہارا کام بن جائے گا معاذ اللہ۔

۲۹۔﴿وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ﴾

وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کے دو مطلب:

اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تمھاری خواہش کی تکمیل کا اور نسل انسانی کی بقاء کا جو راستہ بنایا تم اس کو کاٹتے ہو اور غیر فطری اور خلاف وضع کام کرتے ہو۔

دوسرا مطلب یہ کہ راستوں میں بیٹھ جاتے اور جو لوگ وہاں سے گزرتے زبردستی ان کو پکڑتے اور ان سے بُرا کام کرتے۔

﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرِ﴾

(اور لاتے ہو تم اپنی مجلس میں برائی) یہ بھی آپ کو ملے گا کہ صوت بازی کے مقابلے ہوتے تھے اور ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔ یہ بھی آتا ہے کہ ایک نے مثلاً پین نکالا اس سے دوسرے نے چھینا اس سے تیسرے نے چھینا اور اس سے چوتھے نے چھینا، مالک کو نہیں ملتا تھا اور بے چارہ پریشان ہوتا تھا۔

۳۸۔﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَ﴾ ای اھلکنا عاداًو ثمود.

۳۸۔﴿وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ .....وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾

اکثر مفسرین، یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ ہوشیار تھے۔

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں معنی کرتے ہیں۔ و۔ ؔ انوا ضُلَلَة وہ گمراہ تھے تو گویا مستبصر کا لفظ ہوشیاری

کے لئے بھی آتا ہے اور گمراہی کے لئے بھی یہ اضداد میں سے ہے۔

۴۰۔﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ﴾

حاصب کے معنی سنگریزے کے آتے ہیں سنگریزے ہوں تو لوطؑ کی قوم پر برسے۔

حاصب کے معنی تند اور تیز ہوا کے بھی آتے ہیں ہوا ہو تو قوم عاد پر یہ ہوا آئی۔

﴿وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ﴾

صیحة سے مراد صیحة جبرئیلؑ ہو تو یہ قوم شعیبؑ ہے۔ صیحة سے مطلق عذاب مراد ہو تو مطلق عذاب بھی لوگوں پر آیا ہے۔

(۴۱)﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ﴾

مثال:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے سوا کوئی دوست بنایا ہے ان کی ایک مثال مکڑی کی طرح ہے عنکبوت یہ جالا بُنتی ہے اس کا جالا تمام گھروں سے کمزور تر گھر ہے۔ نہ گرمی سے بچائے نہ سردی سے بچائے۔ غیر اللہ کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھنے والا مکڑی کے جالے میں ہے نہ کوئی اس کو فائدہ دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اب یہاں تشبیہ کی وجہ کیا ہے؟

ایک بات کبیر وغیرہ میں ہے کہ یہ مکڑی اکثر عموماً جالا بناتی ہے مکان کے نیچے یا درخت کے نیچے، اس اُحمق سے پوچھو اتنی بڑی عمارت تیرے لئے کافی نہیں کہ الگ اپنے لئے جالا بناتی ہو مشرک رب کو مان کر نیچے اپنے لئے کاکا صاحب، بابا صاحب بناتا ہے یعنی غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔

دوسری بات یہ جو مکڑی کا مکان ہے اس کیلئے مٹی و مواد خارج سے نہیں آتا اس کے مکان کا مواد سارا اس کے پیٹ سے نکلتا ہے لعاب مکڑی کے پیٹ سے نکلتا ہے اور اس سے وہ جالا بناتی ہے۔ اسی طرح مشرک کے پاس خارج اور نفس الامر میں کوئی دلیل نہیں وہ جو کچھ نکالتا ہے، پیٹ سے نکالتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ جالا مکڑی کو نہ گرمی سے بچائے نہ سردی سے اسی طرح مشرک غیر اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنے والا نہ اس سے کوئی نفع اٹھا سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان۔

۴۵۔ ﴿اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات وغیرہ میں یہ ربط ہے کہ پہلے ایک مثال کے ذریعے شرک کی تردید تھی مثال سے حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے ایسی تردید کے بعد بھی جو بات کو نہ مانے تو طبعی طور پر کوفت ہوتی ہے رنج ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا۔ انکی طرف دھیان نہ کریں اپنے کام میں لگے رہیں ''اتل مااوحی'' انسان کا مزاج ہے کہ جب ایک کام میں لگا رہے تو دوسری طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ ان کی ان باتوں سے متاثر نہ ہوں نہیں مانتے تو نہ مانیں۔

۴۵۔ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾

نماز کی ذاتی تاثیر یہ ہے کہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے:

قرآن کریم کی آیات صاف طور پر بتلاتی ہے کہ نماز کی ذاتی تاثیر یہ ہے کہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور بے حیائی اور برائی میں مبتلا بھی ہیں تو اب اس کا مطلب یا تو یہ ہوا العیاذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد کہ اللہ تعالی کا ارشاد صحیح نہیں ہے کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟

اور اگر یہ شق باطل ہے اور یقیناً باطل ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہماری نماز نماز نہیں اگر نماز ہو تو اللہ تعالی کا یہ ارشاد ضرور پورا ہو کہ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔

۴۶۔ ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

ربط: اوپر کتاب کا ذکر تھا اب آگے اسی مناسبت سے اہل کتاب کا ذکر ہے اور وہ اس کتاب کا انکار بھی کرتے تھے تو فرمایا کہ ''ولا تجاد لوا اھل الکتب الا بالتی ای بالطریقة او بالخصلة التی ھی احسن''

۴۷۔ ﴿وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ﴾

ای کما انزلنا الکتب علی الانبیاء من قبلک۔

﴿قُلْ كَفَى بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کفار نے کہا کہ اس پر نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں'' لولا انزل علیه ایٰت من ربه'' اس کا ایک جواب تو حق تعالی نے یہ دیا کہ کیا یہ قرآن نشانی نہیں ہے کافی۔ فصیح و بلیغ کیا یہ میری صداقت کی نشانی نہیں ہے؟

۵۴۔ ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ کفار کہنے لگے کہ تیرے لئے باغ کیوں نہیں ہے، سونے کی کوٹھی کیوں نہیں ہے، اچھا یہ خوشی نہیں دکھا سکتا تو عذاب ہی لے آ ''ویستعجلونك بالعذاب'' رب تعالی اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ''لجاء ھم العذاب'' ان پر آجاتا عذاب۔

۵۲۔﴿یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ﴾
ربط: ماقبل میں کفار کا ذکر تھا۔اب اس کے مدمقابل مومنوں کا ذکر ہے۔
۲۰۔﴿وَكَأَيِّن مِن دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُم﴾
انسان جب اپنے ملک میں ہوتو اس کی دکان ہوگی، زمین ہوگی، کھیتی باڑی کرتا ہوگا اب اللہ تعالی ہجرت کا حکم دے رہے ہیں تو طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کھائے گا کیا؟
اللہ تعالی اس کا دفعیہ فرماتے ہیں کہ کتنے جانور ہیں اپنا رزق نہیں اٹھائے پھرتے ''اللہ یرزقھا وایاکم '' اللہ تعالی ان کو بھی اور تمھیں بھی رزق دیتا ہے۔
۶۴۔﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ﴾
ربط: اوپر توحید کا مسئلہ اور شرک کا رد تھا اب آخرت کا مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ بنیادی عقیدوں میں آخرت کا مسئلہ بھی ہے۔
﴿لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾
یہ آپ نے علم الصیغہ تک پڑھا ہوگا کہ حیوان کا جو وزن ہے اس میں حرکت ہوتی ہے کہ زندگی حرکت والی وہ آخرت کی ہے۔
(۶۹)﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾
اس کی مختلف تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ کرتے ہیں ”والذین جاھدوا فی رضائنا“ بعض نکالتے ہیں و”الذین جاھدوا فی سبیلنا“ بعض نکالتے ہیں فی حقنا اور بعض نکالتے ہیں فی طاعتنا۔

سورة الروم

۱۔﴿ الٓمّٓ oغُلِبَتِ الرُّوْمُ oفِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ oفِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَo﴾

ربط :تفسیر سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ جو ظالم ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو رب کے نیک بندے ہیں وہ دنیا میں کامیاب ہیں اور جو ظالم ہیں وہ دنیا میں بھی مغلوب ہیں اور ان کو اللہ تعالی نے شکست دی۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ آنحضرت کی ولادت باسعادت کے بعد ۶۰۳ء میں ایرانیوں نے روم پر حملہ کیا اور رومیوں سے مصر، عراق، شام، خلیج فارس کی اکثر ریاستیں چھین لیں حتیٰ کہ ان کا دارالحکومۃ قسطنطنیہ خطرے میں پڑ گیا اور مشرکین خوش ہوئے کہ ان کے حلیف غالب آ گئے باتیں ہوتی رہیں اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ سورۃ نازل ہوئی کہ اگر چہ رومی اب شکست کھا چکے ہیں لیکن چند سالوں کے بعد ان کو کامیابی ہوگی ۔۔۔۔۔۔ الی اخرہٖ۔

۳۔﴿مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴾

غلب مصدر ہے مبنی للمفعول ہے یعنی اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔

۱۰۔﴿ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ اَسَآؤُا السُّوْٓاٰی﴾

یہاں مغالطہ کوئی دے سکتا ہے کہ کان افعال ناقصہ میں سے ہے اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور یہاں عاقبۃ تو منصوب ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ عاقبۃ خبر مقدم ہے اور السوای اسم موخر ہے۔

۱۱۔﴿اَللّٰہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ﴾

ربط :او پر قیامت کا ذکر تھا کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔ اگلے دو رکوعوں میں اللہ تعالی نے اپنی قدرت کی نشانیاں پیش کیں کہ یہ کام جو رب کرتا ہے تو وہی رب قیامت بھی لائے گا۔

۱۰۔﴿فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ ﴾

یحبرون کی چار تفسیریں:

امام ابوعبیدہؒ مشہور لغوی ہے وہ یحبرون کا معنی کرتے ہیں یسرون ان کو خوش کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں جن کے نام لئے ہیں کہ یہ تفسیر فلاں سے منقول ہے اور جن کے نام ذکر نہیں کئے اور صرف تفصیلی اقوال نقل کئے ہیں وہ سب امام ابوعبیدہؒ سے ہیں۔

مجاہدؒ یحبرون کا معنی کرتے ہیں یکرمون ان کی عزت کی جائے گی۔

ابن عباسؓ تفسیر کرتے ہیں یُنعمون ان کو نعمت سے نوازا جائیگا۔

امام اوزاعیؒ معنی کرتے ہیں کہ ان کو گانا سنایا جائے گا۔ یہ تفسیریں، جمل، کمالین بیضاوی وغیرہ میں موجود ہیں۔

۱۷۔﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾

ابو البرکات نسفیؒ نے اور اسی طرح تفسیر مظہری وغیرہ میں اس مقام پر لکھا ہے کہ بعض مفسرین کرامؒ نے

تمسون کے لفظ سے مغرب اور عشاء کی نماز پر، اور حین تصبحون صبح کی نماز اور عشیا سے عصر کی نماز اور تظھرون سے ظہر کی نماز پر استدلال کیا ہے۔

۲۱۔﴿وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾

ربط: پہلے منکرین قیامت کا ذکر تھا "وان کثیر امن الناس بلقاء ربھم لکافرون" ان کو سمجھانے کیلئے رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کی دلیلیں پیش کیں اس رکوع میں بھی قدرت کی دلیلیں ہیں آگے نتیجہ آرہا ہے۔

۲۷۔﴿وَهُوَ الَّذِیْ يَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

اھون علیہ میں لفظی اور معنوی بحث:

یہاں ایک لفظی بحث ہے ایک معنوی، لفظی بحث تو یہ ہے کہ اھون اسم تفضیل ہے تو اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ رب پر بہت آسان ہے اور ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل میں زیادۃ کے معنی ہوتے ہیں۔

تمام مفسرین اس کا جواب دیتے ہیں کہ اسم تفضیل نفس فعل کے معنی میں ہے کہ اعادہ اس پر آسان ہے تمھیں سمجھانے کیلئے کہ دیکھو بغیر مثال اور بغیر نمونے کے چیز کو بنانا تمہارے قاعدے کے مطابق مشکل ہوتا ہے، اس کی مثال اور نمونہ دیکھ کر بنانا آسان ہے۔ رب کے ہاں دونوں آسان ہیں کوئی اس میں فرق نہیں۔

اب یہ ھو کی ضمیر کدھر جاتی ہے؟ تو اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ یعیدہٗ میں جو اعادۃ ہے اس کی طرف راجع ہے۔ اعادۃ مصدر ہے اور مصدر مذکر اور مؤنث ہوتا ہے پھر خصوصاً وہ مصدر جو تاء والا ہو یا، یاء والا ہو مناظرۃ، مجادلۃ، مقابلۃ وغیرہ۔

بعض نے اس کی تاویل کی ہے کہ ھو کی ضمیر راجع ہے الرجوع کی طرف یعنی اعادۃ کے لفظی معنی لئے۔

۲۸۔﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾

ربط: پہلے دو رکوعوں میں قیامت کا اثبات اور قیامت کے اثبات کے دلائل تھے۔ اس رکوع میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد ہے۔

۳۱۔﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ﴾

یہ ترکیب میں مذکور اور محذوف دونوں سے حال ہوسکتا ہے وہ ہے "واقم وجھک انت ومن معک" (تو بھی قائم کر اور تیرے ساتھی بھی قائم کریں) حال کو نکم منیبین الیہ یہ منیبین "اقم وجھک" جو مذکور ہے اور "ومن معک" جو محذوف ہے ان سے حال ہے۔

۳۱۔﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

امام احمدؒ کا استدلال:

اس آیت سے امام احمدؒ استدلال کرتے ہیں کہ قصداً نماز کو چھوڑنے والا کافر ہو جاتا ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر نہیں ہوتا۔

امام احمدؒ کی طرف سے یہ دلیل پیش کرنا تقریب تام نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں حرف واؤ ہے "واقیموا الصلوۃ" نماز قائم کرو "ولا تکونوا من المشرکین" اور مشرکین میں سے نہ ہو یہ اس کی دلیل نہیں یہ جملہ معطوف ہے۔ تو دو حکم ہیں ایک نماز قائم کرنے کا ایک شرک نہ کرنے کا یہ اس کی دلیل نہیں تو اس سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

باقی جو حدیث پیش کی ہے "من ترک صلوٰۃ متعمدًا فقد کفر" وہ احد ہے اور تکفیر کیلئے قطعی دلیل درکار ہے یا نص ہو یا خبر متواتر یا اجماع۔

۳۸۔﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ﴾

ربط: اوپر رزق کا ذکر تھا آگے اس رزق کو خرچ کرنے کے مواقع بیان کرتے ہیں۔

۳۹۔﴿وَمَآ اٰتَيْتُم مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾

ہدیہ دینے میں نیت:

ربط: ماقبل میں رزق کے ہاتھ سے نکل جانے کا بیان تھا خیرات، صدقات وغیرہ آگے اس کے مدمقابل سود کا بیان ہے کہ اس سے مال تو ہاتھ میں آتا ہے لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی۔

تفسیر بیضاوی، روح المعانی وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ ما اتیتم جو دیتے ہو تم سود خوروں کو سود تا کہ لوگوں کے مال بڑھیں یعنی سود خوروں کے۔ فلا یربو عند اللّٰہ کے ہاں نہیں بڑھتے تو تم جو سود خوروں کو مال دیتے ہو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا تو اس تفسیر کے مطابق ربا سے سود ہی مراد ہوگا۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تم کسی کو تحفہ دیتے ہو، ہدیہ دیتے ہو اس خیال سے کہ وہ تمہیں اس سے زیادہ دے تو کہتے ہیں کہ یہ ربا اس مطلوب کے لحاظ سے ہے کہ تم تحفہ دیتے ہو زیادہ حاصل کرنے کیلئے تو یہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھے گا کیونکہ تمہارا مقصد اچھا نہیں اس لئے ثواب سے محروم رہو گے۔

۴۱۔﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ﴾

اجتماعی مصائب اور آلام اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں:

ربط: اوپر شرک کا رد تھا آگے اس شرک کے نتیجے میں فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا کیونکہ "کان اکثرھم مشرکین" اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خشکی میں فساد، سمندر میں فساد جو بھی ہوتا ہے لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا "ایُّ الناسِ اشدُّ بلاء" "لوگوں میں سب سے زیادہ تکلیف کس کو پہنچی ہے "قال الانبیاء" سب سے زیادہ مشقتیں انبیاء کو پیش آتی ہیں پھر ان کو جو ان کے قریب ہیں پھر جو ان کے قریب ہیں جتنا جس کا دین مضبوط ہوتا ہے اتنی اس پر مشقتیں آتی ہیں۔ اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں پر آتی ہیں حالانکہ پیغمبر معصوم ہیں "بما کسبت ایدی الناس" ان کے گناہوں کا نتیجہ تو نہیں اب پیغمبروں پر مشقتیں کیوں آتی ہیں بہت سی حکمتیں ہیں میں دو عرض

کرتا ہوں

ایک یہ کہ ان کے درجے بلند ہوں اور دوسری یہ کہ وہ تکلیف میں لوگوں کیلئے نمونہ بنیں۔ تو انبیاء پر کو جو تکلیفیں آتی ہیں وہ اس مد میں نہیں ہاں ہماری تکلیفیں وہ بما کسبت ایدی الناس کی مد میں ہیں۔

۴۵۔ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

لیجزی کا لام کس کے متعلق ہے کمالین والے کہتے ہیں کہ یصدعون کے متعلق ہے۔ الگ الگ گروہ ہوں گے تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور اعمال کئے اچھے۔

۴۹۔ ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ﴾

علامہ بغویؒ اور علامہ محلیؒ نے اِنْ کا معنی قد کیا ہے وہ معنی کرتے ہیں (اور تحقیق تھے وہ اس سے پہلے کہ ان پر بارشیں نازل کی جاتیں اس بارش کے نازل ہونے سے ناامید)

بعض مفسرین ان کے پیچھے پڑ گئے کہ اِنْ کا لفظ لغت میں قد کے معنی میں نہیں آتا۔ آپ نے یہ اِنْ بمعنی قد کیوں لیا لیکن ان بزرگوں کا یہ کہنا غلط ہے قاموس جو لغت کی کتاب ہے تاج العروس لغت کی کتاب ہے ان میں تصریح ہے کہ اِنْ بمعنی قد کے آتا ہے جیسے سورۃ غاشیہ میں ہے "ان نفعتِ الذکری"

بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔

بیضاویؒ، ابو سعودؒ، آلوسیؒ، اندلسیؒ کہتے ہیں کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے ضمیر اسم محذوف ہے واِنَّہٗ۔

۵۱۔ ﴿وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ﴾

فن اقتضاب کا معنی:

اب کی ضمیر کدھر جاتی ہے تو دیکھئے علم المعانی میں ایک مستقل فن ہے اس کو کہتے ہیں فن اقتضاب اس کا معنی یہ ہے کہ ضمیر ایسی چیز کی طرف لوٹے جو خود موجود نہیں لیکن اس مرجع پر دال چیز موجود ہے۔

وہ کیا ہے تو فرماتے ہیں فراوہ ای اثر الریح وھو النبات

تو بعضے یوں کہتے ہیں فراوہ ای نبات۔ نبات کو دیکھیں جو اثر الریح ہے۔

۵۴۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ ان ذالک لمحی الموتیٰ اللہ تعالیٰ جو یہ کام کرتا ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ آگے قیامت کا اثبات کرتے ہیں کہ دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ضعف سے نطفہ پھر لوتھڑا، پھر بوٹی پھر اس میں شکل انسانی بنائی پھر اس میں روح ڈالی پھر جب بچہ پیدا ہوا تو چل نہیں سکتا تھا، کھا نہیں سکتا تھا پی نہیں سکتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت دی چلنے پھرنے کی، کھانے پینے کے قابل ہوا ایسے ہی ہم تمہیں موت دیتے ہیں پھر ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں پھر قیامت کے دن تمہیں اٹھایا جائیگا۔

سورۃ لقمن

۱۔﴿الٓمّٓ o تِلْکَ اٰیَاتُ الْکِتَابِ الْحَکِیْمِ﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے۔ کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ "ولقد ضربنا للناس فی ھذا القران" اس سورۃ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے۔

۶۔﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ﴾

شانِ نزول:

نضر بن حارث ایک کافر تھا یہ حیرہ کے علاقہ میں گیا، وہاں سے کچھ ناول خرید کر لایا۔ اس میں رستم اور ایرانی جرنیلوں اور شاعروں کے کمالات اور خوبیاں تھیں اور اس کی لونڈیاں تھیں گانے والی۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کسی مجلس میں لوگوں کو قرآن سناتے یہ نضر بن حارث قریب ہی ان لونڈیوں کو جمع کر لیتا بڑی سُریلی آواز تھی اور جاہل لوگ اس کی طرف بھی مائل ہو جاتے، اس کا مقصد تھا اللہ کے راستے سے روکنا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۲۔﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ﴾

حضرت لقمان کا تعارف:

ربط: اوپر توحید کا اثبات تھا شرک کا رد تھا آگے فرماتے ہیں کہ توحید اتنی واضح ہے کہ عقلی طور پر بھی انسان کو سمجھ آجاتا ہے۔ حضرت لقمانؒ نے عقلی طور پر توحید کا اثبات کیا شرک کا رد کیا اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دی۔

اب یہ لقمان کون ہیں؟ عکرمہؒ فرماتے ہیں کان نبیا نبی تھے معالم التنزیل، درمنثور وغیرہ میں ہے۔

جبکہ بقیہ تمام حضرات کہتے ہیں کہ نبی نہ تھے۔ لقمان ابن باعور ابن ناحور نیک آدمی تھے۔ حضرت داوٗدؑ کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے اپنی عقل سے، سمجھ سے وہ باتیں اخذ کیں جو عین فطرت کے موافق تھیں۔

۱۳۔﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ﴾

لقمانؒ کے بیٹے کا کیا نام تھا؟

تو تفسیروں میں تین نام آپ کو ملیں گے ایک ثاران ایک مشکم ایک انعم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ملے گا کہ آیا وہ بیٹا مشرک تھا اور اس کو ایمان کی طرف لانے کیلئے کہا کہ بیٹے شرک نہ کرنا اور یہ بھی ہے کہ وہ موحد تھا اس کو توحید پر قائم رکھنے کیلئے اور شرک سے نفرت دلانے کیلئے کہا یبنی لاتشرک باللہ۔

ملحدین کا اعتراض:

ملحدین نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک آدمی شرک کرتا ہے کفر کرتا ہے بالغ جب تک نہیں تو غیر مکلف ہے۔ بالغ ہونے کے بعد ایک گھنٹہ شرک کیا اور مر گیا تو تم کہتے ہو کہ اس کیلئے خلود فی النار ہے فرض کرو ایک مہینہ شرک کیا خلود فی النار ہے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا سو سال شرک کیا۔ ہزار سال شرک کیا تم کہتے ہو کہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا تو یہ انصاف کے قاعدے کے مخالف ہے کہ شرک تو لیا ایک گھنٹہ ایک مہینہ ایک سال، دس سال یا بیس سال

اور دوزخ میں ہمیشہ رہے۔ یہ انصاف کے قاعدے کے خلاف ہے تمہارا یہ دعویٰ عقل کے بھی خلاف ہے۔

حضرت نانوتوی فرماتے ہیں کہ تم نے بات کو نہیں سمجھا فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ باقی جتنے گناہ ہیں وہ محدود ہیں ان کی سزا بھی محدود ہے۔ شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی صفات میں جو غیر محدود ہیں غیروں کو شریک کرتا ہے علم کی صفت میں قدرت کی صفت میں سمع کی صفت میں، بصر کی صفت میں تو اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں غیر محدود ہیں مشرک نے ڈاکہ ڈالا ہے غیر متناہی صفات پر اس لئے سزا بھی غیر متناہی ہے اور باقی جو گناہ ہیں وہ محدود ہیں اس لئے سزا بھی محدود ہے۔

۱۶۔﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّهَا﴾ ای الخصلة السيئة.

۱۸۔﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ﴾

اس میں دو تفسیریں ہیں ایک آپ کو جلالین تک ملے گی للناس میں لام بمعنی عن کے ہے۔ ولا تصعر کا معنی لا تمل (نہ مائل کر اپنے، رخساروں کو لوگوں سے) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام اپنے معنی میں ہے معنی یہ ہوگا نہ پھلا اپنے رخساروں کر لوگوں کے لئے۔

۲۰۔﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ﴾

ربط: اوپر حضرت لقمانؑ کی نصیحت تھی اپنے بیٹے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک نہ ٹھہرانا آگے اللہ تعالیٰ توحید کے کچھ دلائل بیان فرماتے ہیں۔ جن سے خود بخود شرک کا رد ہوگا۔

۳۱۔﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ﴾

ربط: اوپر بھی خدا کی قدرت کی دلیلیں تھیں کہ سورج اس نے مسخر کیا چاند اس نے مسخر کیا دن کو رات میں رات کو دن میں وہ داخل کرتا ہے آگے بھی اس کی صفات ہیں۔

۳۴۔﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے کہنے لگے کہ قیامت کب آئے گی۔

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے:

یہاں تفسیر المنار، روح المعانی، معالم التنزیل، خازن وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ عامر بن حارث ایک شخص کا نام ہے اس نے آنحضرتؐ سے پانچ چیزوں کا سوال کیا۔ کہنے لگا کہ مجھے یہ بتلائیں کہ قیامت کب آئے گی؟

یہ بتلائیں کہ میں نے زمین کاشت کی ہے بارش کب ہوگی؟

میری بیوی امید سے ہے حاملہ ہے بتائیں کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟، کالا ہوگا یا گورا؟، نیک ہوگا یا بد؟

میں آج کے کام کو تو جانتا ہوں مگر کل میں کیا کروں گا؟

وہ زمین تو مجھے معلوم ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں مجھے بتائیں میں مروں گا کہاں؟

یہ پانچ چیزوں کے بارے میں عامر بن حارث نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ ارشاد نازل فرمایا کہ

قیامت کا علم بھی اس کو ہے یہ بھی کہ بارش کب نازل کرے گا ارحام میں کیا ہے کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا۔

ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اور بھی دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ تمام ارحام کا علم (یعنی کلیات کا علم) اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ کلیات بعض چیزیں وحی کے ذریعے سے معلوم ہوں تو قطعی ہیں۔ کشف و انہام کے ذریعے معلوم ہوں تو ظنی ہیں لیکن وہ صرف بعض ہیں قطعی چیز جو ہے وہ صرف پروردگار کو معلوم ہے کلیات کوئی نہیں جانتا اس کے سوا اور یہ کلیات، جزئیات کا فرق کیوں کرتے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ الف لام جمع کے صیغے پر داخل ہو تو جمعیت کے معنی نہیں رہتے تمام نحاۃ متفق ہیں کہ الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ ارحام رحم کی جمع ہے الف لام اس پر داخل ہے تو معنی یہ ہے کہ تمام کا جاننا صرف رب کا کام ہے۔ جزئیات جو تم نے پیش کی ہیں وہ اس کے خلاف نہیں ہیں۔

یہاں تمھیں تفسیر روح المعانی، ابوالسعود، مدارک اور مظہری وغیرہ میں ملے گا کہ ابو جعفر منصور عباسیوں کا پہلا خلیفہ، اس نے خواب دیکھا کہ خواب میں ملک الموت اس سے ملا اور اس نے اس سے پوچھا کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں کتنا عرصہ ٹھہروں گا اس نے یوں پنجہ کھڑا کر دیا۔ اس نے اہل تعبیر سے تعبیر دریافت کی تو کسی نے کہا پانچ برس، کسی نے کہا پانچ مہینے، کسی نے کہا پانچ دن، امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچوں چیزیں سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

سورۃ السجدۃ

ا۔ ﴿الٓمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ توحید پر ختم ہوئی کہ صرف اللہ تعالیٰ علیم ہے وہی خبیر ہے اور وہی غیب کو جانتا ہے آگے بھی توحید کا ذکر ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کیلئے پیغمبر بھیجا ہے کتاب نازل کی ہے جو اس پر چلے گا کامیاب ہے جو نہیں چلے گا ناکام ہے۔

وجہ تسمیہ:

نام اس سورۃ کا سجدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ سجدہ کا اس میں ذکر ہے اس لئے اس کو سورۃ سجدہ کہتے ہیں میں نے بہت تلاش کی کہ یہ تو وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اور بھی سورتوں میں سجدہ ہے تو صرف اس کو سورۃ سجدہ کیوں کہا کہ اس میں سجدہ کا ذکر ہے۔ میں اپنی طرف سے ایک بات کہتا ہوں "ان یکن صواباً فمن اللّٰہ تعالی و ان یکن خطأً فاستغفر اللّٰہ تعالی و اتوب الیہ" وہ یہ ہے کہ ایسے سجدہ کا ذکر ہے جس کیلئے گرم نرم بستر ترک کر کے سجدے میں انسان پڑے وہ اس سورۃ میں ہے۔ باقی سورتوں میں سجدہ کا ذکر تو ہے لیکن اس وصف کے ساتھ کہ گرم بستر ترک کرے اور اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے وہ صرف اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے۔ یہ وجہ تسمیہ معقول معلوم ہوتی ہے۔

﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ أَلْفَ سَنَةٍ کی چار تفسیریں:

یہاں میں تھوڑی سی بات عرض کرتا ہوں۔ تفسیر روح المعانی، معالم التنزیل، کبیر، خازن اور فوائد عثمانیہ اور موضح القرآن کا خلاصہ میں عرض کرتا ہوں۔

تدبیر کرتا ہے وہ آسمان سے زمین تک پھر وہ امر چڑھ جاتا ہے اس کی طرف اس دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ (یہ ترجمہ ہے)

اب تشریح ہے مجاہد بن جبرؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ایک ہزار سال کے کام سپرد کر دیتا ہے کہ یہ ہزار سال کا کام تمھارے سپرد ہے اور وہ ہزار سال رب کے ہاں ایک دن ہے۔

دوسری تفسیر اللہ تعالیٰ جب کوئی کام کرتا ہے تو قادر مطلق تو ہے لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ اس کام سے پہلے ہزار سال اس کام کے مبادی تیار ہوتے ہیں وہ ہمارے حساب سے ہزار سال ہیں رب تعالیٰ کے ہاں ایک دن۔ تیسری تفسیر زمین سے آسمان تک اگر کوئی چل کر جائے تو پانچ سو سال کی مسافت ہے یہ الگ بات ہے کہ فرشتہ ایک لحہ میں جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اُترتا ہے۔ زمین پر، پھر اس کی تکمیل کے بعد اس آسمان کے اوپر جگہ ہے وہاں تک وہ پہنچتا ہے۔ تو وہ ہمارے حساب سے پانچ سو آنے کے پانچ سو جانے کے ہزار سال ہیں اور رب کے ہاں ایک دن ہے فرشتہ ایک لحہ میں وہاں تک پہنچتا ہے۔

چوتھی تفسیر شاہ عبد القادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار سال تک ایک طریقہ رہتا ہے۔ مثلاً پیغمبر اولوالعزم

تشریف لائے۔انہوں نے کام کئے ان کا نام ونسب ہزار سال تک باقی رہا۔یا بڑے بڑے نامی گرامی بادشاہ دنیا میں آئے اور پھر ہزار سال کے بعد ان کا دور،ان کے اثرات ختم ہوئے۔پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر گئے۔

یہ تفسیریں اس کی ہیں کہ یوم سے مراد قیامت کا دن نہ ہو بلکہ یہ دنیا ہی کا یوم مراد ہو۔دوسری تفسیر کبیر،روح المعانی،قرطبی وغیرہ میں ہے کہ اب دنیا میں یہ نظام رب چلاتا ہے پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں یعنی قیامت میں لوٹ جائے گا۔جس کی مقدار ہے ہزار سال آج بھی کام وہی کرتا ہے قیامت کو بھی وہی کرے گا۔

اب اس تفسیر پر یہ اشکال ہوگا کہ یہاں مقداره الف سنةٍ ہے اور آگے آپ پڑھیں گے "فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة" تو یہاں ہزار سال کہا اور وہاں پچاس ہزار سال ہے۔

تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا ابن کثیر میں ہے معالم التنزیل میں ہے،روح المعانی،خازن سب میں ہے فرماتے ہیں کہ یہ اُن مجرموں کے حساب سے ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ مومنین کیلئے وہ وقت اتنا ہوگا کوقت صلوٰة المکتوبة. (ایک فرضی نماز کا وقت)۔جو کافر ہوگا اس کے لئے ہوگا دن ہزار سال کا۔کافر گر جس نے دوسرے کو کافر بنایا اس کیلئے وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا۔

اس کو آپ یوں سمجھیئے کہ ایک آدمی ہے صحت اس کی اچھی ہے وہ رات کو سویا وہ گھنٹوں کی رات کو یوں محسوس کرے گا کہ ابھی سویا ابھی جاگا اور ایک وہ شخص کہ جس کو کبھی جاگ آتی ہے کبھی نیند آتی ہے اس کو رات قدرے لمبی معلوم ہوگی اور ایک وہ شخص ہے جس کے ایک ایک رونگٹے میں درد ہے اس درد والے کو رات لمبی نظر آئے گی وہ کہے گا کہ میں نے رات کیا گزاری میں نے تو سال گزارا۔رات اتنی ہی ہے لیکن اس کے حق میں وہ اس کے حق میں وہ اُس کے حق میں وہ۔

۱۱۔﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾

اشکال:

یہاں پر اشکال کیا ہے کہ یہاں ہے "یتوفٰکم ملک الموت" توفی کا اسناد ہے ملک الموت کی طرف۔
آگے آپ پڑھیں گے "الله یتوفی الانفس حین موتها" وہاں توفی کا اسناد ہے رب کی طرف،

پہلے پڑھ چکے ہیں توفّته رُسُلنا وہاں بے شمار فرشتوں کی طرف توفی کی نسبت ہے۔تو یہ تفنّن کیوں اختیار کیا ہے؟ کہتے ہیں کوئی تعارض نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد توفی علی الحقیقت ہے۔ملک الموت کی طرف اس لئے کہ وہ موت کے فرشتوں کا انچارج ہے اور رُسُل (فرشتوں) کی طرف توفی کی نسبت بایں معنیٰ کہ وہ مباشر ہیں۔وہ ان کے حکم سے جان نکالتے ہیں۔

۱۲۔﴿وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ کفار قیامت کے منکر تھے کہ ہم جب زمین میں مل جائیں گے تو نئی مخلوق بنائی جائیں گے

فرمایا کہ آج تو یہ انکار کرتے ہیں اے مخاطب وہ وقت دیکھنے کا ہے کہ جس وقت مجرمین اپنے سر نیچے کئے ہوئے ہوں گے۔ لو اگر تمنی کیلئے ہو تو جزاء کی ضرورت نہیں اور اگر لو شرطیہ ہو تو جزاء محذوف ہوگی۔

۱۳۔﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰاهَا﴾

حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں امکان کذب کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اگر ہم چاہیں ہر نفس کو اس کی ہدایت دے سکتے ہیں۔ یعنی کافروں کو ہم مومن بنادیں حالانکہ اس کے علم میں ہے وہ کہہ چکے ہیں کہ لا یؤمنون کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

تو یہاں شئنا کہا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں تو امکان کذب پر یہ آیت دال ہے۔

۱۷۔﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ﴾

بیضاوی، کشاف وغیرہ میں ہے کہ نفس نکرہ ہے لا کے نیچے داخل ہے نکرہ نفی کے تحت داخل ہو تو اس میں تعمیم ہوتی ہے تو گویا نفوس کثیرۃ ہیں (نہیں جانتا کوئی نفس ما اُخفی لھم)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس تو مونث ہے اور لھم میں ضمیر مذکر کی ہے ضمیر اور اس کے مرجع میں مطابقت نہیں؟

تو کشاف والے کہتے ہیں کہ لفظ نفس اگر چہ مؤنث ہے لیکن بمعنی شخص کے ہے اور شخص مذکر ہے۔ تو معنی ہوگا کہ نہیں جانتا کوئی نفس وہ جو اشخاص اور افراد کیلئے مخفی ہوگا آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے۔ جزاءً بما کانوا یعملون ای یُجزون جزاءً بما کانوا یعملون.

۲۳۔﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ رب کی آیتیں اس کے سامنے پیش کی گئیں اس نے اعراض کیا۔ آپ کو طبعی طور پر بڑی کوفت ہوتی تھی حق بیان کرتے ان کی بولی میں بیان کرتے بغیر اُجرت کے بیان کرتے پھر بھی نہ مانتے پھر آگے فرمایا کہ آپ گھبرائیے نہیں موسیٰ کو بھی بھیجا تھا ہم نے اس وقت بھی منکر تھے، کتاب کی تکذیب کرنے والے تھے۔

۲۳۔﴿فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾

لقائہ میں ہ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال:

تفسیر روح المعانی، بیضاوی، خازن، ابوسعود وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ لقائہ میں ہ کی ضمیر راجع ہے موسیٰ کی طرف (ہم نے موسیٰ کو کتاب دی نہ ہو تو شک میں موسیٰ کی ملاقات کے بارے میں)۔ معراج کی رات حضرت موسیٰ کے ساتھ آپ کی ملاقات ہوئی۔ دوسری تفسیر کہ ہ ضمیر راجع بسوئے کتاب ہے (ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پس نہ ہو تو شک میں کتاب کے ملنے میں) یعنی کتاب کے ملنے میں شک نہ کرنا۔

سورة الاحزاب

۱۔﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ کافروں کو ان کا ایمان فتح والے دن نفع نہیں دے گا۔اب آگے یہ ہے کہ ان کافروں اور منافقوں کی بات کو نہ ماننا۔اس سورۃ کا نام ہے احزاب یہ حزب کی جمع ہے۔

اشکال:

اب یہاں ایک اشکال ہے۔وہ آپ کو چھوٹی سی تفسیروں میں بھی ملے گا فرمایا یایھا النبی اتق الله (اللہ سے ڈرتو)۔امر تو انشاء کیلئے ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ پہلے تو نہیں ڈرتا تھا اب ڈرتو یہ واقع کے خلاف ہے پیغمبر تو پہلے سے ڈرتا ہے۔تو اس کا جواب آپکو مختصری تفسیر میں بھی ملے گا کہ یایھا النبی اتق الله ای دم علی تقواہ انکے تقوی پر دائم رہ تو امر انشاء کے لئے نہیں دوام کے لئے ہے۔

۴۔﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾

ابو معمر جمیل ابن اسد یہ کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں:

اوپر تھا کہ کافروں کی بات بھی نہ مان منافقوں کی بات بھی نہ مان اب اس سلسلہ میں ایک شخص کا رد ہے۔اس کا نام تھا ابو معمر جمیل ابن اسد وہ کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں اور محمد ﷺ کا ایک دل ہے ان کی ایک سمجھ ہے میری ڈبل سمجھ ہے۔بعض بے وقوف اسکو مانتے تھے۔کیونکہ وہ بڑی مزیدار بات کرتا ہے تو ہوسکتا ہے اس کے دو دل ہوں۔

اللہ نے فرمایا ما جعل الله لرجل من قلبين في جوفه اور یہ تفسیر بھی معالم التنزیل وغیرہ میں آپ کو ملے گی منافق کہتے تھے کہ محمدؐ کے دو دل ہیں قلب معنا وقلب مع اصحابه ایک دل ہمارے ساتھ ہے اور ایک دل اپنے اصحاب کے ساتھ،اللہ تعالی نے اس کا رد فرمایا۔

۶۔﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾

ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں کس اعتبار سے ہیں؟

ربط: آگے آپ ﷺ کو فرمایا کہ منافقوں کی بات نہ ماننا آپؐ تو مومنوں کے خیر خواہ ہیں۔

۶۔﴿وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

امام رازی نے تفسیر کبیر میں،آلوسیؒ نے روح المعانی میں اور دیگر حضرات نے یہاں بحث کی ہے،کہتے ہیں کہ مائیں کس سلسلے میں ہیں؟

فرماتے ہیں کہ وراثت میں مائیں نہیں،پردے کے اعتبار سے نہیں کہ جیسا ماؤں سے پردہ نہیں ایسا اُن سے پردہ نہیں۔بلکہ نکاح کے اعتبار سے مائیں ہیں کہ جیسا مومنوں کو اپنی ماؤں سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح ازواج مطہرات سے بھی ان کا نکاح کرنا صحیح نہیں ہے۔لیکن ازواج مطہرات کی بیٹیوں سے مومنوں کا نکاح صحیح ہے۔حضرت عثمانؓ بھی تو مؤمن ہیں حضرت رقیہؓ اور حضرت کلثومؓ کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کیا۔حضرت علیؓ بھی تو مومن ہیں

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔

۹۔﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ اللہ نے کافروں کیلئے عذاب عظیم تیار کیا ہے۔ آخرت کا عذاب تو الگ رہا دنیا میں دیکھیں کہ اللہ نے کیسا عذاب ان کو دیا۔

۲۱۔﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

ربط۔غزوہ خندق میں منافقین نے حیلے بہانے کر کے جان چھڑائی فرمایا کہ اگر تم مومنین ہو تو آنحضرتؐ آپ لوگوں کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ آپؐ تو خندق کھودیں، مٹی اٹھائیں، سردی برداشت کریں، بھوک پیاس برداشت کریں اور تم گھروں میں مزے سے بیٹھے رہو۔ ہو بھی مومن تمھیں دیکھنا چاہیئے تھا کہ آپ ﷺ کیا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ تمھارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

۲۳۔﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا﴾

آیت کے نزول کا سبب اور انس بن نضر کا واقعہ:

قضی نحبهٗ ای قضی نذره اور تفسیر حسینی والے جو فارسی میں بڑا عمدہ ترجمہ کرتے ہیں وہ معنی کرتے ہیں قرارداد۔

شان نزول:

انس بن نضرؓ کسی ضرورت کے سبب سے بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے انہوں نے اللہ سے اقرار کیا تھا کہ اگر بدر کی لڑائی کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کو کسی لڑائی کا موقع پیش آیا تو میں بڑی جانبازی سے لڑوں گا جب احد کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو یہ مسلمانوں کے لشکر میں موجود تھے اپنا عہد پورا کرنے کی غرض سے تلوار لے کر دشمن کے لشکر کی طرف بڑھے انہیں جب سعد بن معاذؓ راستہ میں ملے تو انہوں نے کہا اے سعد مجھے احد کے پہاڑ سے جنت کی خوشبو آتی ہے یہ کہہ کر دشمن سے لڑے اور کچھ اوپر اسی (۸۰) زخم کھا کر شہید ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۰۔﴿وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ○ يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ○إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا ○﴾

ربط: اُوپر ازواج مطہرات کا ذکر تھا کہ جو نیکی کرے گی تم میں ہم اس کو دُہرا اجر دیں گے اور ہم نے عمدہ رزق ان کے لئے تیار کیا ہے آگے عام مومنین اور مومنات کیلئے اجر عظیم کی بشارت ہے لیکن ان کے کچھ اوصاف بھی ملحوظ ہیں کہ یہ یہ صفات والے ہوں تو پھر مغفرت اور اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

اسلام اور ایمان میں فرق:

بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آئے اعرابی کی شکل میں پہلا سوال کیا "ما الایمان"؟

آپؐ نے فرمایا "ان تومن باللّٰہ وملٰئکتہ۔۔۔"

دوسرا سوال کیا ما الاسلام؟

تو آپؐ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ "لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ وتقیم الصلوۃ، وتؤ دی الزکوۃ..."

تیسرا سوال یہ کیا کہ "ما الاحسان"؟ اخلاص کیا ہے فرمایا کہ "ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" چوتھا سوال یہ کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا "ما المسؤل عنہما باعلم من السائل..."

اس حدیث کے پیش نظر محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عقائد کو ایمان سے تعبیر کیا اور یہ جو اعمال ہیں۔ نماز، روزہ، حج وغیرہ ان کو اسلام سے تعبیر کیا۔ تو اس حدیث کے پیش نظر مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان وہ ہیں جو نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرتے ہیں۔ اور مومنین وہ ہیں جو عقائد کے لحاظ سے بڑے صاف ستھرے ہیں۔

۳۶۔﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾

ربط: اُوپر مومنین اور مومنات کا ذکر تھا آگے فرماتے ہیں کہ کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ ایمان کا دعویٰ

کرتے ہوئے اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے۔

شان نزول:

آنحضرتؐ نے زید بن حارثؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحشؓ کیساتھ کیا......الخ

۳۰۔﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ﴾

آپ ﷺ کا نام گرامی محمدؐ چار دفعہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

ایک تو چوتھے پارے میں "مامحمد الارسول قدخلت من قبله الرسل"

دوسرا یہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم۔

تیسرا سورۃ محمد میں نزل علی محمد۔

چوتھا محمد رسول اللہ والذین معه۔ان چار مقامات پر آپ کا نام گرامی آیا ہے۔

لفظ محمد کا معنی تعریف کیا ہوا جیسا کہ اللہ تعالی نے آپ کی تعریف کی،فرشتوں نے کی،انسانوں نے کی،جنات نے کی۔اپنوں نے کی بیگانوں نے کی،مخلوق میں اتنی تعریف کسی کی نہیں کی گئی۔

اور ایک مقام پر آپ کا اسم گرامی احمد آیا ہے یہ احمد کا لفظ اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے اشھر بمعنی مشھور اگر یہ اسم مفعول کے معنی میں ہو تو معنی ہوگا کہ بہت زیادہ تعریف کیا ہوا اور کبھی یہ معنی میں فاعل کے آتا ہے تو معنی ہوگا بہت زیادہ حمد کرنے والا۔

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ستر (۷۰) نام آپ کے قرآن کریم میں آئے ہیں۔

آنحضرتؐ کے بیٹے تین تھے حضرت قاسمؓ،حضرت ابراہیمؓ۔ان دو کا ذکر بخاری وغیرہ میں ہے ان کے وجود میں کوئی جھگڑا نہیں۔

اور تین نام آتے ہیں عبداللہ،طیب،طاہر ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ ایک ہے یا متعدد۔

ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں طبع شدہ کتاب ہے۔اس میں ہم نے مجمع الزوائد وغیرہ کے حوالے دیے کہ جس کا نام عبداللہ ہے وہی طیب ہے وہی طاہر ہے۔تو آپؐ کے تین بیٹے ہیں بس اور بیٹیاں چار ہیں حضرت رقیہؓ،حضرت کلثومؓ،حضرت زینبؓ اور حضرت فاطمہؓ اور اس مقام پر اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔آپ کے بیٹے حضرت قاسم بلوغ سے پہلے وفات ہو چکے بالغ نہیں تھے لیکن اس قابل تھے کہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے۔تو فرمایا کہ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو زیدؓ کے کیسے باپ ہو سکتے ہیں۔

۴۰۔﴿وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ﴾

مسئلہ ختم نبوت اور مرزا قادیانی:

یہ صیغہ کیا ہے اس کا معنی کیا ہے؟ایک بات تو یہ ہے کہ خاتم کے معنی مہر کے ہوتے ہیں خاتم کے معنی سا یختم

بہ تو معنی یہ ہے کہ پیغمبر آئے پیغمبروں کے آنے کے بعد مہر لگ گئی۔ جیسا لفافہ ہو اس میں چیز بند کر کے اوپر مہر لگا دیں نہ کوئی چیز نکلے نہ کوئی چیز داخل ہو سکے۔ وہ پیغمبروں پر مہر لگ گئی کہ آئندہ کوئی اس سلسلے میں نبوت کا دعوٰی نہیں کرے گا یعنی پیغمبر نہیں آئے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک مکان ہے بڑا عمدہ لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو خاتم کا معنی یہ ہے کہ مہر لگ گئی اب نبوت نہیں چلے گی۔

قادیانی اور اس کے چیلے کہتے ہیں کہ خاتم النّبیّن کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مہر لگتی جاتی ہے نبوت چلتی جاتی ہے۔ ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے۔

مرزا کی کتاب ہے ''تریاق القلوب'' اس میں لکھتا ہے کہ مجھ سے پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام تھا جنت بی بی، اس کے بعد میں پیدا ہوا اور میں اپنے والدین کیلئے خاتم الاولاد ہوں۔ میرے بعد کوئی اولاد نہیں اب ہم کہتے ہیں کہ اگر خاتم کا معنی آپ کا بیان کردہ ہے کہ مہر لگتی ہے آگے سلسلہ چلتا ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ آپ کی والدہ کے مخصوص مقام پر مہر لگتی ہے اولاد آتی ہے مہر لگتی ہے اولاد آتی ہے اور اگر آپ اس کو نہیں مانیں گے تو پھر آپ کا بیان کردہ معنیٰ غلط ہے۔

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں، مبردؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں خاتم باب مفاعلہ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ نے نبیوں کو ختم کر دیا۔ تو وہ مہر کے معنی میں نہیں لیتے۔ خاتم باب مفاعلہ سے لیتے ہیں۔ یہاں قرآن کی فصاحت دیکھیں کہ خاتم النبیین کہا خاتم الرسل نہیں کہا تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ خاتم الرسل کا معنی یہ ہے کہ کتاب والا اور شریعت والا نبی نہیں آئیگا خاتم النّبیین کہا کہ جن کے پاس کتاب نہیں، شریعت نہیں ان کے لئے بھی خاتم ہیں۔

آگے یہ بیان فرمایا کہ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی صاحب الشریعت اور خاتم النّبیین ہیں کہ غیر تشریعی نبوت کو بھی ختم کرنے والا ہے۔ اب یہ جو تشریع غیر تشریع کے چکر چلاتے ہیں سب ختم۔

۴۱۔﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ آنحضرت ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اللہ کے رسول ہیں یعنی روحانی باپ ہیں جسمانی نہیں، فرماتے ہیں کہ تمھیں اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کی ذات گرامی تمہارے روحانی باپ ہیں بڑی بات ہے۔ اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

۴۵..﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا﴾

شاھد کا کیا معنی ہے؟

شاھد کا کیا معنی ہے؟ امام راغب اصفہانیؒ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں کہ شاھدًا کا معنی معلمًا (آپ کو ہم نے معلم بنا کر بھیجا)۔

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں معنی کرتے ہیں کہ شاھدًا للّٰہ بوحدانیتہٖ ہم نے آپ کو اللہ کی وحدانیت کا گواہ بنا کر کے بھیجا۔

اور اکثر مفسرینؒ وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو میں دوسرے پارے میں مفصل بیان کر چکا ہوں "لتکونوا شھداء علی الناس" و یکون الرسول علیکم شھیدا" ۔کہ یہ امت پہلی امتوں پر گواہی دے گی اور آپؐ ان کی گواہی کی صفائی دیں گے۔

۴۸۔﴿وَدَعْ أَذَاهُمْ﴾

یہاں مضاف محذوف ہے ای ودع جزاء اذٰھم (چھوڑ ان کی اذیت کا بدلہ)

۴۹۔﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾

پہلے حضرت زینبؓ کا آپؐ کے ساتھ نکاح کا ذکر تھا "زوجنا کھا" اب آگے نکاح کے سلسلے میں اور طلاق کے سلسلے میں کچھ احکام ہیں کیونکہ حضرت زینبؓ کو طلاق دی تھی حضرت زیدؓ نے اور آپؐ کا نکاح بھی ہوا تو اسی طلاق اور نکاح کی نسبت سے آگے نکاح و طلاق کے کچھ مسئلے ہیں۔

۵۰۔﴿وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ﴾

آیت پر لفظی، معنوی بحث:

یہاں ایک لفظی بحث ہے ایک معنوی ہے۔ لفظی بحث یہ ہے کہ بنت عمک یہ عم مفرد ہے آگے بنت عمّاتک یہ عمات جمع ہے۔ بنت خالک یہ مفرد ہے بنت خالاتک یہ جمع ہے۔تو بنت اعمامک اور بنت اخوالک کیوں نہیں کہا؟۔

تو نحوی قاعدہ بھولنا نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ مفرد ہو، خالی عن التاء ہو، یہ مضاف ہو تو تعمیم کیلئے ہے۔اب عمک یہ مفرد ہے خالی عن التاء ہے اور اس کو ک ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا تو معنی یہ ہوا کہ تمھارے چچوں کی بیٹیاں، اسی طرح خالک ہے کہ مفرد ہے اور خالی عن التاء ہے اور کاف ضمیر کی طرف مضاف ہے۔تو معنی بنے گا تیرے ماموؤں کی بیٹیاں، عمتک مفرد ہے، تاء والی ہے اس طرح خالتک مفرد ہے اور تاء والی ہے لہٰذا یہ قاعدہ نہیں چلے گا۔

اب آگے معنوی بحث یہ ہے کہ فرمایا کہ آپ کی جو چچوں کی بیٹیاں ہیں اور پھوپھیوں کی، ماموؤں کی اور خالاؤں کی بیٹیاں ہیں آپ کیلئے حلال ہیں جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ حلال نہیں ہیں۔

اور آگے فرماتے ہیں یہ آپؐ کے لئے ہیں مومنین کیلئے نہیں۔وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے تفسیر کبیر، قرطبی، البحر المحیط، روح المعانی وغیرہ میں کہ جنہوں نے ہجرت کی ہے تو دین سیکھا ہوگا اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی انہوں نے دین نہیں سیکھا ہوگا۔

اہل یورپ کا تعدد ازواج پر اعتراض:

اہل یورپ نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے ایک تعدد ازواج کا اعتراض بھی ہے۔

میں یہاں صرف ایک دو باتیں عرض کرتا ہوں آپؐ نے یہ بہت ساری بیویاں کیوں کیں؟

ایک یہ کہ آپؐ نے مختلف قوموں اور برادریوں کی دشمنی ختم کی۔ عرب کے مختلف خاندان تھے آپؐ نے ان مختلف خاندانوں میں شادی اس لئے کی کہ ان کے درمیان دشمنی ختم ہو، اسلام کیلئے رکاوٹ پیدا نہ ہو آپؐ کا یہ منصوبہ کامیاب رہا دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ قیامت تک تمام انسانوں، جنوں، مردوں، عورتوں کیلئے نبی ہیں عورتوں کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں کہ مرد کھل کر بیان نہیں کرسکتا اور عورت کھل کر پوچھ نہیں سکتی۔

دین کی وہ باتیں جن پر روزے موقوف ہیں نمازیں موقوف ہیں بہت سے مسائل موقوف ہیں، ایسے مسائل ازواج مطہرات کے ذریعے پھیلے تو تعدد ازواج عیاشی کیلئے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ اسلام کی طرف لوگوں میں کشش ہو اور بیبیوں میں کھل کر اسلام کی تعلیم ہو۔

۵۳۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ﴾

حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا:

ربط: پہلے آپ نے آپؐ کے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا ذکر پڑھا اور نکاح کے سلسلے میں آپ کی خصوصیات کا ذکر پڑھا۔ یہ واقعہ بھی حضرت زینبؓ کے نکاح پر پیش آیا۔ پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ایک ہی چھوٹا سا کمرہ تھا اس کے ایک کونے میں کھانا پک رہا تھا۔ لوگ آتے تھے کھانا کھاتے اور جاتے تھے۔ تین آدمی وہیں بیٹھے رہے اس نیت سے کہ مسجد میں تو ہم آپ کی باتیں سنتے رہے سفر میں سنتے رہے آج ہمیں یہ فخر ہے کہ آپ کے گھر میں آپکی باتیں سنیں۔ آپؐ کو ان کا اتنی دیر سے بیٹھنا ناگوار گزرا۔۔۔۔۔۔۔ الیٰ اخرہ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۵۹۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ﴾

ربط: اوپر آپ نے مسئلہ پڑھا کہ ازواج مطہرات سے جب کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ ازواج مطہرات کیلئے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ آپؐ اپنی بیویوں سے کہہ دیں، بیٹیوں سے کہہ دیں، مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ "یدنین علیھن من جلابیبھن" پردہ سب کے لئے ہے۔

۵۹۔ ﴿ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ﴾

بعض یہاں لا کا لفظ نکالتے ہیں کہ پردہ کریں تا کہ ان کو نہ پہچانا جائے کہ کون ہیں چھیڑنے والے نہ چھیڑیں اور بعض کہتے ہیں کہ لا کی ضرورت نہیں یعرفن کے معنی ہیں پہچانی جائیں کہ انھن حرائر کہ یہ آزاد عورتیں ہیں کیونکہ لونڈیوں کا پردہ نہیں ہوتا۔

۶۳۔ ﴿وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا﴾

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ الساعة تو مؤنث ہے اور قریب کا لفظ مذکر ہے تو بعض یہ جواب دیتے ہیں

کہ فعیل کا وزن مذکر ومونث دونوں کیلئے آتا ہے جیسے ''رجل جريح ،امراة جريح'' دوسرے کہتے ہیں کہ قریبًا یہ صفت ہے موصوف اس کا محذوف ہے ''لعل الساعة تكون شيئًا قريبًا'' شيء موصوف اور قریبًا صفت ہے۔

۶۹۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ﴾ 2

بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دینے کے چند واقعات:

ربط: اوپر آپ نے پڑھا ما کان لکم ان تؤ ذوا رسول اللہ تمھیں کوئی حق نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اسی مد میں آگے فرماتے ہیں کہ اے مومنو! تم نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اذیت پہنچائی۔ تم اپنے پیغمبر کو اذیت مت پہنچاؤ۔

اب یہ اذیت موسیٰؑ کو کیسی دی؟ روح المعانی، کبیر، خازن، مظہری، فوائد عثمانیہ کے حوالے سے میں تین باتیں عرض کرتا ہوں غور سے سنیں۔

پہلی بات موسیٰؑ جب غسل کرتے تھے تو تنہائی میں کرتے تھے اس وقت کے لوگ ایک دوسرے کے سامنے غسل کرتے تھے بے باکی سے ''موسى عليه السلام كان رجل حييًا ستيرا'' حیا والے تھے۔ موسیٰؑ کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ اسے اُدرہ کی بیماری ہے۔ ایک دن موسیٰؑ غسل کر رہے تھے غسل کرتے وقت کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے۔ غسل کرنے کے بعد وہ پتھر کپڑے لے بھاگا۔ عین مجمع میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ تو لوگوں نے موسیٰؑ کو دیکھا کہ مابہ اُدرہ۔ تو ایک یہ روایت ہے جو بخاری میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قارون نے ایک عورت کو مثلاً دس ہزار کی تھیلی دی کہ تو موسیٰ پر الزام لگا اور اس نے مجمع میں کہہ دیا کہ آپؑ نے میرے ساتھ یہ کارروائی کی ہے معاذ اللہ لیکن پھر موسیٰ نے رب سے دعا کی۔ اس بی بی نے عرض کیا کہ آپ بے گناہ ہیں میں نہیں بولتی یہ تھیلی بولتی ہے۔ اس سے بھی رب نے بری کیا۔

تیسری بات انہیں کتابوں میں مستدرک حاکم کے حوالے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ ہمارے ہاں ہارونؑ کی جان نکالنے کیلئے فلاں جگہ متعین ہے اُن کو بتانا نہیں وہاں لے آنا وہاں گئے تو ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی موسیٰؑ نے فرمایا کہ آپ یہاں لیٹ جائیں۔ لیٹے تو فرشتہ موت کا پہنچ گیا۔ ہارونؑ فرمانے لگے خدعتنی یا موسیٰ تو دھوکہ کر گیا میرے ساتھ۔ بعد میں لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ ہارونؑ ہمارے حق میں نرم تھے یہ سخت تھے انہوں نے ان کو ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں سے فرشتوں کے ذریعے ان کی میت کو یہاں پہنچایا۔ انہوں نے دیکھ بھال کر کہا کہ کوئی گلا وغیرہ نہیں گھونٹا گیا خدا کی طرف سے ان کی موت کا وقت مقرر تھا تو یہ اذیت موسیٰؑ کو پہنچائی گئی رب نے پاک اور مبرا کر دیا۔

۷۲۔﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

وہ امانت کیا تھی؟

وہ امانت کیا تھی؟ کہتے ہیں۔ امانت ہے احکام کی، عقائد، عبادات کی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں،

پہاڑوں سے کہا کہ میں تمھیں ادراک اور علم وشعور دے دوں اور پھر یہ امانت تم پر ڈالتا ہوں تو انہوں نے انکار کر دیا تو جس امانت کو پہاڑ، زمین وآسمان نہ اٹھا سکے اس کو انسان نے اٹھایا۔

24/24

۷۱۔﴿ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾

ظلوم اور جہول کا معنی:

ہمارے نزدیک ان الفاظ کی تشریح شاہ ولی اللہ نے جو اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے۔ وہ بہت آسان ہے یعنی اس امانت کو اٹھانے کی وجہ سے ظالم جاہل نہیں بنا۔

ظلوم اس کو کہتے ہیں۔ جس میں عدل کرنے کا وصف ہو عدل کرنے کی استعداد ہو پھر مرضی سے ظلم کرے۔

جہول اس کو کہتے ہیں کہ استعداد علم حاصل کرنے کی ہو اور وہ اس استعداد کو ضائع کر کے جہالت کو اختیار کرے۔ یعنی چونکہ انسان میں عدالت کا وصف بھی تھا استعداد بھی تھی نہ کرے گا تو ظلوم بنے گا۔ انسان میں علم حاصل کرنے کی صفت بھی ہے نہ کرے گا تو جاہل بنے گا۔ اس میں چونکہ اللہ تعالی نے فطری طور پر یہ استعداد رکھی ہے اور پہاڑوں میں فطری طور پر نہ تھی۔

اسی طرح کبیر، البحر المحیط اور کمالین وغیرہ میں یہ تفسیر بھی کی ہے کہ حمل کے معنی خانھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر پس انہوں نے انکار کیا ان یحملنها ای یخنها کہ اس امانت میں خیانت کر سکیں "وحملها الانسان ای وخانها الانسان" اور انسان نے اس میں خیانت کی۔ قاموس میں حمل کے معنی خان کے موجود ہیں۔ اور اسی آیت کو قاموس والے پیش کرتے ہیں کہ "ان یحملنها ای یخنها" اور انسان سے مراد انسان کافر ہے اس نے خیانت کی۔

سورة سبا

۱-﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰولٰی وَ الاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾

ربط: ابھی آپ نے اوپر پڑھا کہ امانت ہم نے پیش کی اس امانت میں سرفہرست ہے خداوند عزیز کی توحید پھر اس میں ہے رسالت پھر اس میں ہے قیامت۔ پہلے رکوع میں پہلے توحید کا مسئلہ پھر قیامت کا مسئلہ پھر آپؐ کی رسالت کا ذکر ہے کیونکہ یہ امانت کی بنیاد اور ستون ہیں۔

۵-﴿اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ﴾

بعض رجز کا معنی کرتے ہیں سیء العذاب (بُرا عذاب) اور بعضے کہتے ہیں رجز کے معنی شدید۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا معنی کیا ہے بلا کا دردناک۔

۶-﴿وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ هُوَ الْحَقَّ ﴾

یہ ترکیب میں کیا ہے؟ ایک یہ ہے کہ اس کا عطف ہے لیجزی پر اور یہ منصوب ہے معنی یہ ہے" تا کہ دیکھ لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا کہ جو چیز تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ حق ہے" دوسری یہ کہ اس کو جملہ مستانفہ بناتے ہیں تو یہ مرفوع ہوگا معنی ہوں گے" اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا کہ جو چیز تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے وہ حق ہے"۔

۱۰-﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے ابھی آپ نے لکل عبد منیب پڑھا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بندوں کا آگے ذکر ہے داؤد علیہ السلام ہیں، سلیمانؑ ہیں۔ اور پہلے نافرمانوں کا ذکر تھا آگے سبا کے سلسلے میں ان کا ذکر ہے کہ ان کے ساتھ یہ ہوا اور جو رب کے بندے تھے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ احسانات کئے۔

﴿یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ﴾

اب یؤب نصر سے معنی لوٹنا اور اوّب یؤوّب کے معنی لوٹانا۔ تو لفظی معنی اوّبی کے ہیں رجعی۔ اے پہاڑو! لوٹاؤ تم اس کے ساتھ مفعول محذوف ہے "اوّبی معه التسبیح" قرینہ کیا ہے؟ یسبحن کے لفظ تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ اب لازمی معنی کرتے ہیں کہ تم تسبیح کرو۔ والطیر کا عطف کس پر ہے؟ کہتے ہیں کہ یجبال کے محل پر عطف ہے نہ کہ لفظ پر اس لئے کہ لفظوں میں یہ مرفوع ہے اس لئے کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اصل میں یہ ہے دعونا الجبال ہم نے پہاڑوں کو بلایا یہاں بھی دعونا کا صیغہ ہے کہ ہم نے پرندوں کو بلایا۔

﴿وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ ﴾

یہ لام کس کے متعلق ہے؟ تو کہتے ہیں کہ فعل محذوف کے متعلق ہے،

''وسخرنا لسلیمن الریح'' قریناً آپ پہلے پڑھ چکے ہیں وسخرنا اور آئندہ بھی پڑھیں گے۔

۱۲۔﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾

یہاں مضاف محذوف ہے ای سیر غدوها اس ہوا کا پہلے پہر کا چلنا ایک مہینہ ہوتا۔

۱۳۔﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾

بعض کہتے ہیں کہ محاریب یہ اسم آلہ کا صیغہ ہے آلہ حرب دوسرے کہتے ہیں کہ مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر الحرب، تماثیل تمثال کی جمع ہے اس کے معنی تصویر کے ہیں کہ اس زمانہ میں جاندار چیزوں کی تصویریں جائز تھیں۔ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ تمثال سے مراد درخت کی تصویر، پھول کی، پہاڑ کی تصویر مراد ہے۔ جفان جفنة کی جمع ہے اس کے معنی ہیں بڑا پیالہ۔ کالجواب یہ جابية کی جمع ہے اس کے معنی حوض ہیں۔

۱۴۔﴿اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ﴾

ارض کے معنی زمین کے نہیں ہیں بلکہ یہاں اس کے معنی ہے کریدنا ''دَآبَّةُ الْاَرْضِ'' وہ کیڑا جو لکڑی کو چاٹتا ہے جس کو دیمک کہتے ہیں۔ منساته بمعنی پیچھے ہٹانے کا آلہ یہاں لاٹھی مراد ہے۔

۱۶۔﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾

قوم سبا کی تباہی کا منظر:

عرم عرمة کی جمع ہے اس کے معنی بند کے ہیں سنی ہوگا کہ ہم نے بند کا سیلاب ان پر بھیجا اور عرم کے معنی زور کے بھی کرتے ہیں۔ وہاں ایک پہاڑ تھا کوہ ابلق اس پہاڑ کے دامن میں انہوں نے یعنی قوم سبا نے ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔ اس زمانہ میں بارشیں بھی زیادہ ہوتی تھیں۔ چوہے نے تھوڑا سا سوراخ نیچے سے کرلیا اس سوراخ سے پانی بہتا رہا انہوں نے پرواہ نہ کی ہوتے ہوتے وہ سیلاب ایسا پھیلا کہ سبا کا شہر بھی تباہ ہوگیا، آدمی بھی اُجڑ گئے، باغوں میں مہینوں تک پانی کھڑا رہا جس کی وجہ سے درخت بالکل سڑ گئے یہاں سے کچھ لوگ شام چلے گئے اور یہیں سے کچھ لوگ جو اوس اور خزرج کے آباد تھے مدینہ چلے گئے۔

۲۲۔﴿ اُدْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ ان لوگوں نے کفر کیا اب اسی کفر کی بڑی چیز رب کی توحید کا انکار ذکر کرتے ہیں۔

۲۳۔﴿حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ﴾

بخاری میں اسی آیت کے پیش نظر کتاب التفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے زنجیر کو چٹان پر رگڑنے سے وہ جو فرشتے ہیں حیران ہو کر دم بخود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ملائکۃ المقربین سے خطاب فرماتے ہیں، قریب جوان کے فرشتے ہوتے ہیں اتنے بدحواس ہوتے ہیں کہ ان کو سننے کی سکت نہیں ہوتی وہ ان ملائکۃ المقربین سے پوچھتے ہیں ماذا قال ربكم ہمارے ہوش وحواس خطا ہو گئے تھے رب نے کیا کہا تھا وہ کہتے ہیں حق کہا تھا تو جو فرشتے اللہ کے سامنے اتنے بے بس ہیں کہ رب کے کلام کو اطمینان

ے سن نہیں سکتے ان کو تم کہتے ہو کہ یہ جبرا سفارش کرتے ہیں اور تمہیں بخشوادیں گے۔

باب تفعیل کا ایک خاصہ سلب ماخذ بھی ہے۔ فزع یفزع کے معنی خس وخاشاک کو دور کرنا۔ سلب کرنا تو اب معنی یہ ہوئے کہ جب گھبراہٹ کو دور کیا جائیگا یا سلب کیا جاتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں ماذا قال ربکم.......

۲۸۔﴿وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾

كافة کی ترکیب:

کافة ترکیب میں کیا ہے؟ اکثر مفسرین کرامؒ جن میں محلیؒ بھی ہیں بیضاویؒ، صاحب مدارک اور ابو سعود بھی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ للناس یہ ذوالحال ہے کافة کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نہیں بھیجا تجھے مگر دراں حالیکہ سب لوگوں کیلئے تو کافة حال ہے اور للناس ذوالحال ہے۔

اس پر اشکال بھی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ مجرور بالحرف ہو یا مجرور بالاضافت ہو تو اس کا حال مقدم نہیں ہوا کرتا۔ رضی نے شرح کافیہ میں، ابوحیان اندلسیؒ نے البحر المحیط میں، ابن مالک نے الفیہ میں تصریح کی ہے کہ ہم یہ قاعدہ نہیں مانتے بلکہ مجرور بالحرف ہو یا مجرور بالاضافت ہو تو اس کا حال پہلے ہو سکتا ہے،

جبکہ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ حال ہے کاف ضمیر سے اور کافة میں تا مبالغہ کیلئے ہے تانیث کی نہیں معنی یہ کرتے ہیں کہ ہم نے نہیں بھیجا تجھے الا کافًا مگر اس حال میں کہ تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو یعنی سب لوگوں کو اپنی نبوت میں جمع کرنے والا ہے۔

۳۱۔﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ ہم نے نہیں بھیجا تجھے مگر سب لوگوں کیلئے بشیر اور نذیر۔ آپؐ قرآن کے ذریعے کافروں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور مومنوں کو بشارت سناتے تھے کافروں نے کہا کہ یہ قرآن جس کے ذریعے تو ہمیں ڈراتا ہے اور ان کو بشارت سناتا ہے ہم اس کو نہیں مانتے تو اس کا ذکر ہے۔

۳۷۔﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ﴾

ربط: اوپر کفار نے کہا تھا کہ "نحن اکثر اموالاً واولادا" اس رکوع میں اس کا جواب دیتے ہیں۔

۴۵۔﴿وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ﴾

تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی اور لغت کی کتاب قاموس میں ہے۔ کہ المعشار جزء من العشرة کالعشر و العشیر۔ معشار کا معنی دسواں حصہ جیسے عشر اور عشیر کا معنی ہے دسواں حصہ۔

۴۶۔﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ﴾

ربط: ابھی آپ نے اوپر سنا کہ آپؐ کے بارے میں انہوں نے کہا "ماھذا الا رجل" یہ ایک شخص ہے جو افک مفتری پیش کرتا ہے ہم نہیں مانتے آگے فرماتے ہیں کہ تو ان کو کہہ دے "انما اعظکم بواحدة ای بکلمة واحدة" (ایک بات کے ساتھ) کوئی نکالتا ہے بخصلة واحدة (ایک خصلت کے ساتھ)

اور بعض تفسیروں میں ملے گا بطریقة واحدة ایک طریقہ کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں وہ نصیحت آگے ہے کہ تم کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر خوب غور وفکر کرو......الخ

۴۸۔﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ﴾

معالم التنزیل، کبیر وغیرہ میں یہ معنی ہے رب میرا ڈالتا ہے حق یعنی وحی ڈالتا ہے پیغمبروں کی طرف۔دوسرا معنی روح المعانی، خازن، مظہری تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا بے شک رب میرا حق کو ڈالتا ہے باطل پر جیسے پہلے آپ نے پڑھا ویقذف بالحق علی الباطل.......

۴۹۔﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ﴾

باطل سے کیا مراد ہے؟

باطل سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں آپ کو تین تفسیریں ملیں گی کبیر، مواہب الرحمٰن، بیضاوی، کمالین، جمل وغیرہ میں ایک یہ کہ ''الباطل من اسماء الشیطن'' (شیطان کے ناموں میں سے ہے۔) حق آچکا اور شیطان نہ ابتداءً کوئی چیز کرسکتا ہے اور نہ لوٹا سکتا ہے۔

دوسرا معنی باطل سے حق کے مقابلے کی چیز مراد ہے تو کہہ دے حق آچکا ''وما یبدئ الباطل لاھلہٖ خیرًا وما یعید'' باطل باطل والوں کے لئے خیر نہ ابتداءً کرسکتا ہے نہ انتہاءً۔

تیسرا معنی یبدی اگرچہ یہ متعدی ہے لیکن متعدی باب کبھی لازمی معنی میں بھی آتا ہے اب معنی یوں کرتے ہیں کہ قل کہہ دے آچکا ہے حق اور اب نہیں ظاہر ہوگا باطل اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔

۵۴۔﴿وَحِیْلَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَھُوْنَ﴾

اس کے دو مطلب بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ قیامت کے ساتھ متعلق ہے تو معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جس کو وہ چاہتے تھے رکاوٹ ڈالی جائے گی جیسے ان گروہوں کے درمیان ڈالی گئی وہ چاہیں گے عذاب سے چھوٹ جانا، جنت میں داخل ہو جانا، رب کو راضی کرنا لیکن ان کے درمیان اور مایشتھون کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی کہ آخرت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کے ساتھ متعلق ہے تو معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان اور ان کے مایشتھون کے درمیان رکاوٹ ڈالی جائے گی جیسے ان سے پہلے گروہوں کے درمیان۔ وہ کیا؟ یہ کہ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے مال رہیں اولاد رہے، ہماری عزت رہے، ہم پر کوئی غالب نہ آئے، ہم پر عذاب نہ آئے لیکن ہوا اس کے برعکس مال بھی تباہ ہوئے اولاد بھی تباہ ہوئی جیسے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا ان کے ساتھ بھی ویسے ہی ہوگا۔

سورة فاطر

۱۔﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِکَةِ رُسُلاً أُولِیْ أَجْنِحَةٍ﴾

ربط: پہلی سورت کے آخر میں آپ نے پڑھا کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے امنا بہ (ہم اس پر ایمان لائے) لیکن اس وقت کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا تو ایمان کی بنیادی چیزیں تین ہیں ایک توحید، ایک رسالت کا مسئلہ اور ایک قیامت کا مسئلہ ہے اس سورت کی ابتداء میں بھی پہلے توحید کا ذکر تھا پھر وان یکذبوک فقد کذبت رُسل من قبلک سے رسالت کا مسئلہ ہے۔ آخر میں پھر قیامت کا مسئلہ ہے۔

یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں ان سے دنیا میں گریز کرتے تھے آخرت میں کہیں گے امنا بہ لیکن وہ ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا۔

۲۔﴿فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ﴾

یہاں آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ "فلا مرسل له من بعد امساکہٗ" پہلے تھا وما یمسک کہ جس کو اللہ تعالی روک لے اس کو چھڑانے والا کوئی نہیں اس کے روکنے کے بعد یہاں مضاف محذوف ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ اللہ کے فناء ہونے کے بعد بلکہ من بعد امساکہ جلالین تک آپ کو انشاء اللہ ملے گا۔

یہ من بعد امساکه محذوف نکال کر اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اس سے تو معاذ اللہ یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ کے نہ ہونے کے بعد فلا مرسل له اس کو کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔

۸۔﴿أَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾

عدیل کیا ہے؟

اوپر دو طبقوں کا ذکر تھا ایک تھے الذین کفروا دوسرے الذین امنوا۔ آگے بھی ان دونوں طبقوں کا تقابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ دیکھو ایک شخص وہ ہے جس کیلئے مزین کیا گیا بُرا عمل مزین کس نے کیا؟ شیطان نے پس اس من نے دیکھا اس بُرے عمل کو حسنة۔ اب یہاں دیکھئے افمن میں ہمزہ استفہام ہے اور ہمزہ استفہام کے مدمقابل جو جملہ ہوتا ہے اس کو عدیل کہتے ہیں۔ وہ عدیل یہ ہے کمن هداه اللّٰه کہ جس کے لئے مزین کیا گیا اس کا برا عمل وہ اس کو دیکھتا ہے حسنة یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی۔ قرینہ کیا ہے آگے آتا ہے "فان اللّٰه یضل من یشاء ویهدی من یشاء" یہ یهدی کا لفظ قرینہ ہے کہ مدمقابل کا جملہ کمن هداه اللّٰه ہے۔

۱۰۔﴿إِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ﴾

کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے؟

کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ لا اله الا اللّٰه مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے سبحان اللّٰه مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللّٰه اکبر مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پاکیزہ کلمہ مراد ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ افضل الکلام سبحان اللّٰه (افضل ترین کلام سبحان اللہ ہے)

یہاں ایک بات ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ کلمات طیبات اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح کو اللہ

تعالیٰ اٹھاتا ہے تو کلمات طیبات کے بارے میں خود چڑھنا فرمایا اور عمل صالح کے بارے میں فرمایا کہ اس کو اللہ اٹھاتا ہے۔ یہ فرق کیوں؟ محققین نے یہ کہا کہ کلمات طیبات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں ذاتی طور پر صعود ہے۔ اور عمل جو ہے یہ عامل کی صفت ہے اس کو رب اٹھائے گا تو تب اُوپر جائے گا۔ تو جو عمل اخلاص کے ساتھ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اٹھائے گا۔

۱۱۔﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ﴾

تفسیر کبیر، ابوسعود، مدارک، روح المعانی وغیرہ میں یہ بحث ہے کہ جو معمر ہو اس معمر کی عمر کیسے کم ہوگی؟ یہ جو فرمایا کہ "ولا ینقص من عمره الا فی کتب" تو عمرہ میں ضمیر راجع ہے بسوئے معمر، معمّر بھی ہے پھر عمر کم بھی ہوئی، تو وہ معمر کیسے ہوا؟

تو یہاں دو تفسیریں نقل کی ہیں ایک حضرت ابن عباسؓ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ معمر کی عمر سے کم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کی عمر ہے سو سال ایک دن اس میں سے کم ہوا تو لکھا جاتا ہے نقص یوماً، مہینہ کم ہوا تو لکھا جاتا ہے نقص شهرا، علی هذا القیاس۔

اور حضرت قتادہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ معمّر وہ ہے جو کہ ساٹھ سال سے اوپر ہو۔ اور جو ساٹھ سال سے کم ہو وہ معمّر نہیں ہے اور وہ اس حدیث کے پیش نظر معنی کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے اکثر لوگ ساٹھ اور ستر کے درمیان رہیں گے۔ زیادہ عمر نہیں پائیں گے مگر کم لوگ۔

۱۲۔﴿وَمَا يَسْتَوِی الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾

موحد اور مشرک کا فرق:

ربط: اوپر توحید کا مسئلہ تھا آگے موحّد اور مشرک کا فرق بیان کرتے ہیں ایک مثال کے ذریعے کہ دو سمندر ہیں ایک سمندر کا پانی میٹھا ہے حلق سے آسانی کے ساتھ نیچے اتر جاتا ہے اور ایک دوسرا سمندر ہے جس کا پانی نمکین اور کھارا ہے۔ تو کیا یہ دونوں سمندر برابر ہیں؟ جیسے یہ برابر نہیں ایسے ہی موحد اور مشرک، مومن اور کافر، سنی اور بدعتی، حق والا اور باطل والا برابر نہیں۔

۱۴۔﴿إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَ كُمْ﴾

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں، کہ "اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری دعا نہیں سنتے" جواباً ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو: یہ کہاں سے تم نے نکالا اوپر تو ہے والذین تدعون من دونه تو ضمیر یہاں لوٹتی ہے من دون اللّٰہ کی طرف یعنی تدعوهم میں ضمیر هم، من دون اللّٰہ کی طرف لوٹتی ہے مردوں کی طرف نہیں کہ اگر تم ان من دون اللّٰہ کو پکارو تو تمہاری پکار کو نہیں سنتے۔ تو من دون اللّٰہ میں صرف مردے نہیں بلکہ زندہ بھی ہیں اس کا معنی تفسیر معارف القرآن؛ روح المعانی میں یوں کرتے ہیں کہ جن کو تم اللہ کے ورے پکارتے ہو دور ہو تو وہ سنتے نہیں قریب ہوں تو سن لیں لیکن تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔

۱۸۔﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ﴾
ربط: اوپر آپ نے پڑھا کہ اللہ کے سواء اوروں کو پکارتے ہیں اس لئے پکارتے ہیں تا کہ تمھارا کام کریں رب نے فرمایا کہ پہلے تو سنتے نہیں اگر سن لیں تو تمہارا کچھ کر نہیں سکتے۔ فرمایا سن لو تم سب محتاج ہو، پیغمبر بھی محتاج ہیں، پیر بھی محتاج ہیں، امام بھی محتاج ہیں، فرشتے بھی محتاج ہیں سب کے سب محتاج۔
۲۸۔﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾
ربط: پہلے رکوع میں تھا کہ اے لوگو! تم سب کے سب محتاج ہو رب کی طرف کیوں کہ ساری چیزیں رب نے پیدا کی ہیں الم تر ان الله کیا تم میں کوئی ہے کہ آسمان سے بارش نازل کرے؟
اللہ تعالی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے "جُدد بیض" جُدة کی جمع ہے دو پہاڑوں کے درمیان درہ اور کمالین والے، جمل والے معنی کرتے ہیں قطعة بمعنی ٹکڑے۔ غرابیب یہ غربیب کی جمع ہے، غربیب کا مجرد مادہ ہے غُراب بمعنی کوا۔
۳۵۔﴿لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ﴾
نصب کے معنی ہوتے ہیں مشکل کام کرتے وقت جو مشقت انسان کو ہوتی ہے اور لغوب کہتے ہیں تھکاوٹ کو جو کام کرنے کے بعد جب انسان فارغ ہوتا ہے تو بدن کو جو تھکاوٹ حاصل ہوتی ہے کیونکہ جنت میں تو کوئی کام ہے نہیں۔
۳۷۔﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ﴾
نذیر سے مراد کون ہے؟
تفسیر کبیر، خازن، معالم التنزیل وغیرہ تفسیروں میں یہ باتیں آپ کو ملیں گی۔ ایک یہ کہ نذیر سے مراد ہے پیغمبر، دوسری تفسیر نذیر سے مراد قرآن پاک ہے۔ تیسری تفسیر نذیر سے مراد ہے عقل، چوتھی تفسیر نذیر سے مراد ہے بالوں کا سفید ہونا، کہتے ہیں کہ جس وقت داڑھی یا سر میں بال سفید ہونا شروع ہوں تو آدمی کی حالت پہلے سے بدلنی چاہیئے۔ پانچویں تفسیر ہے کہ اس سے مراد ہے پوتا یہ سب تفسیریں اپنی جگہ صحیح ہیں۔
۳۸۔﴿إِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾
ربط: اوپر دو طبقوں کا ذکر تھا ایک مومن ایک کافر ان کا نتیجہ جنت اور ان کا نتیجہ دوزخ، آگے حق تعالی بیان فرماتے ہیں کہ ان کے عمل کو بھی رب جانتا ہے اور ان کے عمل کو بھی جانتا ہے۔
۴۲۔﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا﴾
تبدیل کا مطلب یہ کہ مجرم قوم پر جو عذاب آنا تھا وہ عذاب نعمت کے شکل میں بدلے یوں نہیں ہوگا، یوں بھی نہیں ہوگا کہ وہ عذاب کسی اور قوم پر ڈالا جائے یہ تحویل کا مطلب ہے۔
۴۵۔﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾
اس میں ماکو مصدریہ بھی بناتے ہیں تو معنی ہوگا بما کسبوا ای بکسبهم اور موصولہ بھی قرار دیتے ہیں تو عبارت یوں ہوگی بما کسبوا به۔

سورة یٰسٓ

۱۔﴿یٰسٓ oوَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ oاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ oعَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات اور بیان القرآن ،بلغتہ الحیر ان وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں تھا کہ کافروں نے قسم اٹھائی "واقسموا باللّٰہ جھدایمانھم.....من احدی الامم" اب اس نذیر کا ذکر ہے کہ ہم نے وہ نذیر تو بھیجا ہے لیکن ظالموں نے مانا نہیں۔

یٰسین کیا ہے؟ میں کئی تفسیریں عرض کرتا ہوں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یٰسین لغت بنی طے میں انسان کے معنی میں ہے یا انسان یعنی انسان کامل۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یٰسین آپؐ کا نام ہے۔

اور یہ بھی تفسیر ہے کہ یٰسین ،سورۃ کا نام ہے۔

۸۔﴿فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾

وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ طوق کس چیز کا ہے؟ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ طوق ہے ان کے تکبر کا ،جحود کا ،انکار کا ،وہ طوق اتنا ہے کہ نیچے راستہ تو تب نظر آئے گا کہ سر نیچے جھکائے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾

ربط: اوپر کافروں کے کفر کا ذکر تھا کہ ان کے آگے بھی پردے ہیں پیچھے بھی پردے ہیں جحود کے انکار کے۔تو فرمایا کہ ایک واقعہ ان کو سنائیں تاکہ عبرت حاصل ہو کہ ایسے مجرم پہلے بھی تھے انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔آپ دیکھیں ایک تو یہاں وہ بات ہے جو عام تفسیروں میں ہے وہ یہ ہے کہ انطاکیہ شہر تھا عیسیٰؑ نے اپنے دو صحابی بھیجے ،ایک کا نام ابوسعود نے یونس اور دوسرے کا یوحنا بتایا جبکہ قاضی بیضاویؒ ایک کا نام پولس اور دوسرے کا نام یحیٰی بتاتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں تو کافروں نے کہا کہ ماأنتم الا بشرٌ مثلنا پھر ہم نے ان کی تائید کیلئے تیسرا بھیجا شمعون۔

امام رازیؒ کبیر میں ،آلوسی روح المعانی میں ،اندلسیؒ البحرالمحیط میں ،ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ اور ہیں ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں وہ کہتے ہیں کہ جس وقت انہوں نے قوم سے جا کر کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں تو قوم نے کہا کہ ما انتم الا بشر مثلنا (نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر) تو جو براہ راست رب کی طرف سے آتا تھا کافر اس کی بشریت کے منکر تھے پیغمبر کے نمائندوں کی بشریت کے منکر نہیں تھے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا واقعہ نہیں ہے عیسیٰؑ سے پہلے کا واقعہ ہے۔

۲۰۔﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى﴾

شہر کے دوسرے کنارے سے جو آدمی دوڑتا ہوا آیا اس کا نام تھا حبیب بن اسرائیل النجار۔

۳۲۔﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾

تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ اِنْ نفی کا ہے۔ کل میں تنوین عوض مضاف الیہ کے ہے ای کل الخلائق. لما بالتشدید بمعنی الا کے ہے تو معنی یہ ہے کہ نہیں ہے سب کی سب مخلوق مگر سب ہی ہمارے ہاں حاضر ہوں گے۔

بعض قراء نے اس کو لما با لتخفیف بھی پڑھا ہے اب لما ہو تو ان کو مخففه من المثقلة بناو ای انه بے شک شان ہے کہ سب کی سب مخلوق البتہ ہمارے ہاں اکٹھی ہوگی۔ پھر ما کو بمعنی الذی قرار دیتے ہیں۔

۳۳۔﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ سب ہمارے ہاں اکٹھے کئے جائیں گے قیامت میں۔ جو منکرین قیامت تھے وہ کہتے تھے اذا متنا و کنا ترابا ء وعظاما أ إنا لمبعوثون

تو قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے۔ اس مستبعد ہونے کو رب نے رد کیا۔ اور اپنی قدرت کی چند دلیلیں پیش کیں کہ یہ رب قیامت برپا کرے گا جس نے یہ نشانیاں بنائی ہیں۔

۴۵۔﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ کی مراد میں تین تفسیریں:

یہاں ایک لفظی بحث ہے ایک معنوی۔ لفظی بحث یہ ہے کہ یہ جملہ شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اعرضوا اس پر قرینہ اگلی آیت میں معرضین کا لفظ ہے۔ اور معنوی بحث یہ ہے کہ مابین ایدیکم و ما خلفکم سے کیا مراد ہے؟

تو میں آسان تین تفسیریں عرض کرتا ہوں۔ تفسیر کبیر، البحر المحیط، کمالین وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ ما بمعنی من کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس ذات سے جو تمہارے آگے بھی ہے اور تمہارے پیچھے بھی ہے تو یہ اعراض کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس سے جو تمہارے آگے ہے یعنی (دنیا کی زندگی) وماخلفکم اور جو تمہارے بعد ہے یعنی آخرت کی زندگی ہے۔ مابین ایدیکم سے دنیا کی زندگی اور ماخلفکم سے آخرت کی زندگی مراد ہے، یہ تفسیر محلیؒ نے کی ہے۔

تیسری تفسیر آپ نے سورۃ سبا کے پہلے رکوع میں پڑھی" افلم یروا الی مابین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض "الخ۔ تو معنی یہ کرتے ہیں کہ ان کے آگے جو زمین ہے اور ان کے آگے جو آسمان ہے ڈرو کہ زمین میں رب تمہیں دھنسا نہ دیں اور آسمان کا ٹکڑا رب تم پر گرا نہ دیں۔ پیچھے تمہارے جو زمین ہے جس سے چل کے آئے ہو اور پیچھے تمہارے جو آسمان ہے۔ اللہ چاہیں تو زمین میں دھنسائے آسمان سے تم پر ٹکڑے برسائے تو یہ اعراض کرتے ہیں۔

۴۷۔﴿إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

معالم التنزیل، خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ مقولہ کفار کا ہے، کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے مانگتے ہو اگر تم نیک ہوتے رب کے پیارے ہوتے تو رب تمہیں خود نہ دیتا کہ ہم سے مانگتے ہو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ مقولہ مومنوں کا ہے مومن کافروں کو کہتے ہیں کہ اے کافرو! تم صریح گمراہی میں ہو وہ کیسے وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے سب کچھ، تمہیں بھی تو رب نے دیا اگر تمہیں دیا تو اس سے تم مقبول نہیں بنے ہمیں نہیں دیا تو اس سے ہم حقیر مردود نہیں بنے۔ کیوں کہ دنیا تو ایسی چیز ہے کہ'' يعطي من يحب و من لا يحب '' (دنیا اسے بھی ملتی ہے جس سے راضی ہوتا ہے اور اسے بھی ملتی ہے جس سے راضی نہیں ہوتا) تیسری تفسیر یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں۔

۵۱۔﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ﴾

ربط: اوپر بھی قیامت کا ذکر ہے صیحۃ واحدۃ آگے بھی اسی صیحہ کا ذکر ہے "فاذا هم من الاجداث" اجداث یہ جدث کی جمع ہے اس کا معنی ہے قبر۔

قبروں کا ذکر اس لئے کیا کہ عرب میں جتنے لوگ بھی تھے وہ مردوں کو جلاتے نہیں تھے قبر میں دفن کرتے تھے مشرکین بھی، عیسائی بھی، یہودی بھی صابئین بھی، یہ مردوں کو جلانے کا سلسلہ ہندوستان میں ہندوؤں کی ایجاد ہے۔ تو اس لئے اُن کو یہ بتایا گیا کہ جن کو تم دفن کرتے ہو وہ قبروں سے نکلیں گے خواہ ان کو جلا دیا جائے یا پرندوں اور درندوں نے ان کو کھا لیا ہو۔

۵۲۔﴿قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا﴾

منکرین عذاب قبر کا ایک باطل استدلال اور اس کا جواب:

تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ جو عذاب قبر کے منکر ہیں انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے اس طور پر کہ مرقد کا مادہ ہے رقد یرقد نصر ینصر سے اس کے معنی سونا اور مرقد کے معنی سونے کی جگہ تو سوتا تو وہ ہے جس کو تکلیف نہ ہو، جسے تکلیف ہو اس کو نیند کب آتی ہے۔ تو وہ کیسے سوئے گا جس کو فرشتے ہتھوڑے ماریں پسلیاں آر پار ہوں۔

تو اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سزا نہیں ہوگی یہ منکرین عذاب قبر نے استدلال کیا ہے۔ اس کا اہل تفسیر نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ یہاں مرقد میں تجرید کی گئی ہے۔ وہ یوں کہ مرقد کا معنی ہے سونے کی جگہ اب اس سے سونے کا معنی نکال دو تو مرقد کے معنی ہوں گے جگہ تو ان کا استدلال اس آیت سے باطل ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس وقت قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس سے کچھ پہلے عذاب کو موقوف کر دیا جائیگا۔ تو جس وقت اُٹھیں گے اسوقت کے لحاظ سے وہ مرقد ہے پہلے نہیں کیونکہ مرنے کے بعد بدستور عذاب ہوتا ہے۔ یہ معالم التنزیل وغیرہ میں ملے گا۔

۵۸۔﴿سَلَامٌ قَوْلاً مِنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾

یہاں محلّی متفرد ہے اپنی ترکیب میں وہ سلام کو مبتدا بنا تے ہیں۔قولاً خبر ہے اور اصل میں تھا سلام بالقول اور سلام نکرہ کیوں مبتدا بنا یہ بحث شرح جامی وغیرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں جبکہ کمالین والے یہ فرماتے ہیں کہ قولاً حال ہے اور علیکم خبر نکالتے ہیں۔سلام علیکم حال کو نہ قولاً من رب رحیم۔دوسرا قولاً کو نصب علی المدح کے طور پر کمالین والے مانتے ہیں۔

۶۲۔﴿وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا﴾

جبلاً جمع ہے جبیل مفرد ہے تو جبیل کا معنی ہوا مخلوق اور جبلا کا معنی خلائق ہے۔

۶۸۔﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کی جگہ پر مسخ کر دیں اسی مسخ کی ایک دلیل ہے۔دیکھو ایک آدمی جوان ہوتا ہے قد اس کا سیدھا ہے سنتا بھی ہے اب بوڑھا ہو گیا۔بوڑھا ہونے کے بعد آنکھوں سے دیکھتا نہیں، کانوں سے سنتا نہیں، منہ میں دانت نہیں۔کبڑا ہو کر چلتا ہے تو اللہ تعالی جس نے اس سیدھے کو ٹیڑھا کر دیا وہ مسخ بھی تو کر سکتا ہے۔

۶۹۔﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي﴾

ربط: سورۃ کی ابتداء میں آپ نے پڑھا یٰسٓ والقراٰن الحکیم اس کا ربط اس کے ساتھ ہے۔

یہ کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن شعر و شاعری ہے فرمایا کہ ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور یہ ان کی شان کے لائق بھی نہیں۔

۷۵۔﴿وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾

هُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُوْنَ کی تین ترکیبیں:

یہاں میں تین آسان ترکیبیں عرض کرتا ہوں۔بیضاوی، کشاف، روح المعانی میں ہے کہ ھم کی ضمیر راجع ہے بسوئے کفار اور لھم کی ضمیر راجع ہے بسوئے الھۃ (اور کفار اپنے الھۃ کیلئے لشکر ہیں حاضر کئے ہوئے جب ان الھون کی تردید کی جاتی ہے تو یہ کفار ان کی تائید کیلئے میدان میں کود پڑتے ہیں)۔دوسری ترکیب یہ کہ ھم کی ضمیر راجع بسوئے الھۃ ہے اور لھم کی ضمیر راجع بسوئے کفار۔(کہ وہ الھۃ ان کفار کیلئے لشکر ہے حاضر کئے ہوئے لیکن بزعمھم یعنی ان کا خیال یہ ہے کہ ہم جب ان کو پکاریں گے تو ہماری مدد کیلئے آئیں گے) تیسری ترکیب تفسیر روح المعانی، کبیر وغیرہ میں ہے کہ لھم میں لام بمعنی علی کے ہے ھم کی ضمیر راجع بسوئے الھۃ اگلے ھم کی ضمیر راجع بسوئے کفار تو معنی یہ ہوگا (کہ ان کے معبودان کے خلاف لشکر بن کر گواہی دیں گے استغاثہ کریں گے) اس کا قرینہ سورۃ مریم کا رکوع ہے" واتخذوا من دون اللّٰه الھۃ لیکونوا لھم عزّا کلا سیکفرون بعبادتھم ویکونون علیھم ضدًا" (جن کو ان لوگوں نے اللہ کے ورے معبود بنا کر رکھا ہے وہ انکی عبادت کا انکار کریں گے اور ہوں گے ان کے مخالف تو اس آیت کے پیش نظر لام کو بمعنی علی کے اور جند محضرون کا معنی انکے خلاف

ہو کر ضد بن جائیں گے۔

۷۷۔﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾

دوبارہ زندہ ہونے پر اعتراض:

یہاں تفسیروں میں آپ کو مختلف نام ملیں گے۔ عاص ابن وائل کا نام بھی ملے گا۔ عقبہ بن ابی معیط کا نام بھی ملے گا ابوجہل اور ابی ابن خلف کا بھی ملے گا۔ کسی تفسیر میں کوئی نام کسی میں کوئی۔ قبرستان میں گیا تو ایک بوسیدہ کھوپڑی اسکو ملی اس کو لے آیا۔ آپؐ ایک مجلس میں تھے فارغ ہونے کے بعد اس نے آپؐ سے کہا کہ اس کو ہاتھ لگائیں ہاتھ لگانے سے ریزہ ریزہ ہوگئی اس پر اس نے کہا کہ **من يحيى العظام وهى رميم** تو کہتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کیا جائیگا اس موقع پر رب نے تین جواب دیئے۔ پہلا جواب **اولم يـر الانســان.....فـاذا هو خصيم مبين** تک دیا۔ دوسرا جواب **الـذى جـعـل لكم من الشجر الاخضر نارًا** (کہ وہ ذات تمہیں زندہ کرے گی جس نے سبز درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کی) یہاں تفسیروں میں آپ کو دو نام ملیں گے ایک درخت کا نام تھا مرخ، ایک کا نام تھا عفار ان درختوں کی خصوصیت یہ تھی کہ سبز ٹہنی کو ایک دوسرے پر رگڑتے تو آگ کے شعلے پیدا ہوتے تھے۔ سفر میں اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ تیسرا جواب ''**اوليـس الذى خلق السمٰوت والارض**'' سے **الى قوله تعالى** '' **اذا اردنا شيئاً ان يقول له كن فيكون**'' تک دیا۔

سورۃ الصّٰفّٰت

١۔﴿وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ٥فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾

والصّٰفّٰت صفًا کی چار تفسیریں:

ربط: سورۃ یٰسین کے آخر میں بھی توحید کا ذکر تھا "فسبحٰن الذی بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ" اوراس سورۃ کا آغاز بھی توحید ہی سے ہو رہا ہے "ان الٰھکم لواحد" نام اس کا صافات ہے۔

والصافات صفا کی بہت سی تفسیریں ہیں، تفسیر کبیر، روح المعانی، مظہری، معالم التنزیل وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی صفات ہیں۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھتے ہیں صف باندھنا پس جھڑکتے ہیں بادلوں کو جھڑکنا پس تلاوت کرتے ہیں ذکر کی جواب قسم ہے "ان الٰھکم لواحد"

دوسری تفسیر یہ ہے کہ والصافات صفا سے مجاہدین کی صفیں مراد ہیں قسم ہے مجاہدین کی ان جماعتوں کی جو دشمن کے مقابلے میں صفیں باندھتے ہیں صفیں باندھنا" کا نھم بنیان مرصوص" پس جھڑکتے ہیں دشمن کو جھڑکنا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ والصافات صفا سے نمازیوں کی صفیں مراد ہیں جو امام کے پیچھے کھڑے ہو کر صفیں باندھتے ہیں پس جھڑکتے ہیں شیطان کو، نفس امارہ کو جھڑکنا پس اللہ کے ذکر کی تلاوت کرتے ہیں۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے مبلغین کی جماعتیں مراد ہیں قسم ہے مبلغین کی ان جماعتوں کی جو صف باندھتے ہیں اور زجر کرتے ہیں اپنے وعظ کے ذریعے زجر کرنا۔ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر پڑھتے ہیں۔

٥۔﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾

رب المشرق والمغرب کہیں مفرد، کہیں تثنیہ، کہیں جمع لانے کی وجہ

یہاں مشارق جمع لائے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں "وللہ المشرق والمغرب" وہاں مفرد لائے۔

آگے سورۂ رحمٰن میں تثنیہ آئے گا "رب المشرقین ورب المغربین" تو تفسیر کبیر میں روح المعانی میں اور تفسیروں میں بھی لکھا ہے کہ کوئی تعارض نہیں۔

جہاں یہ ہے رب المشرق اس سے مراد ہے سمت مشرق اور جہت مغرب جہاں آیا ہے رب المشرقین تو اس سے مراد ہے مشرق الصیف اور مشرق الشتاء اسی طرح مغربین بھی۔ جہاں مشارق یا مغارب کا لفظ آیا ہے تو وہاں سے روزانہ کا مشرق مراد ہے آج جہاں سے سورج چڑھا کل اس سے ذرا ہٹ کر چڑھے گا پھر اس سے ذرا ہٹ کر چڑھے گا درمیان میں ہزاروں میلوں کا فرق ہے لیکن دور ہونے کی وجہ سے ہم محسوس نہیں کر سکتے تو رب المشرقین بھی ٹھیک ہے رب المشارق بھی ٹھیک ہے اور رب المشرق بھی ٹھیک ہے۔

٧۔﴿وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ﴾

بیضاویؒ، محلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے ای وحفظنھا حفظا

۱۹۔ ﴿فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾
صاحب کشاف اور محلیؒ فرماتے ہیں کہ ہی ضمیر مبہم ہے اور زجرۃ واحدۃ اس کی تفسیر ہے جیسے رُبَّہ رجلاً میں ہ ضمیر مبہم ہے آگے رجلا اس کی تفسیر ہے۔
جبکہ بیضاویؒ، آلوسیؒ، اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ ہی کی ضمیر راجع بسوئے بعثۃ ہے جو مبعوثون میں مصدر ہے معنی ہوں گے کہ یہ بعثۃ جو ہوگی "زجرۃ واحدۃ" ایک ہی ڈانٹ ہوگی اسرافیلؑ بگل پھونکیں گے "فاذا ھم قیام ینظرون"
۲۲۔ ﴿اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ﴾
وَاَزۡوَاجَهُمۡ سے کیا مراد ہے؟
ربط: واضح ہے اوپر سے بھی قیامت کا ذکر چلا آرہا ہے آگے بھی قیامت ہی کا ذکر ہے۔ وازواجھم سے کیا مراد ہے؟ تو مدارک، بیضاوی، معالم التنزیل میں یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ انکی بیبیاں۔ معنی ہوگا انکو بھی اور انکی بیویوں کو بھی جمع کرو۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ازواجھم سے ان کے ہم مشرب مراد ہیں جمع کروان کو اور ان کے ہم مشربوں کو مثلاً یہودی، یہودی کیساتھ ملے گا۔ نصرانی نصرانی کے ساتھ ملے گا اسی طرح جو طبقے کفار کے ہیں ان کو ان کے ازواج کو اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے (لات ہے، منات ہے، عزیٰ ہے) ان کو جمع کرو۔
۲۸۔ ﴿قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡيَمِيۡنِ﴾
یمین کے معنی قوت اور زور کے بھی کرتے ہیں معنی یہ ہے کہ تم ہمارے پاس دنیا میں قوت کے ساتھ (کہ ہم قوی ہیں اور ہم سچے ہیں) آتے تھے۔ اور یمین کے معنی قسم کے بھی آتے ہیں اگر قسم ہو تو عن بمعنی باء کے ہوگا "تاتوننا عن الیمین ای بالیمین" تم ہمارے پاس آتے تھے قسمیں اٹھاتے ہوئے کہ خدا کی قسم ہم سچے ہیں ہم کامیاب ہیں۔
۳۱۔ ﴿اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ﴾
العذاب مفعول محذوف ہے قرینہ آگے آرہا ہے انکم لذائقوا العذاب الالیم.
۴۰۔ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾
اس کا استثناء کس سے ہے؟ تو کہتے ہیں کہ انکم لذائقوا العذاب الالیم سے ہے کہ بے شک تم عذاب الیم البتہ چکھو گے مگر اللہ کے مخلص بندے وہ محفوظ رہیں گے۔
۴۷۔ ﴿لَا فِيۡهَا غَوۡلٌ وَّلَا هُمۡ عَنۡهَا يُنۡزَفُوۡنَ﴾
امام بخاری کتاب التفسیر میں غول کا معنی کرتے ہیں وجع البطن پیٹ کا درد تو معنی ہوگا۔ لا فیھا میں فی تعلیلیہ ہے "ای لا لاجلھا غول" کہ اس کی وجہ سے ان کے پیٹ میں درد بھی نہ ہوگا اور نہ وہ بدحواس کئے جائیں گے۔ جبکہ دوسرے حضرات غول کا معنی کرتے ہیں الصداع سر کا درد۔

۴۸۔﴿وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ﴾

مودودی صاحب کا ایک فاسد قیاس:

بیضاوی، ابوسعود میں اس کا ایک معنی یہ ہے کہ شرم کی وجہ سے ان کی نگاہیں نیچے ہوں گی۔ 25

دوسرا معنی قصرت الطرف علی ازواجهن ان کی نگاہیں اپنے خاوندوں پر ہی بند ہوں گی۔

یہاں ایک عجیب بات مودودی صاحب تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ حوریں کافروں کی لڑکیاں ہوں گی جو سن رشد کو نہیں پہنچیں یعنی جو بالغ نہیں ہوئیں قریب البلوغ تھیں۔ اس وقت اس کا رسالہ چلتا تھا ''ایشیاء'' اس کے ذریعے سوال ہوا کہ حضرت آپ تو کہتے ہیں کہ کافروں کی لڑکیاں ہوں گی۔ حالانکہ علماء تو سلف کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جنت کی مخلوق ہوگی تو آپ کی بات کو مانیں یا سلف کی مانیں تو ایشیاء میں مودودی صاحب نے جواب دیا کہ سلف کا بھی ایک قیاس ہے اور ہمارا بھی ایک قیاس ہے ''لا حول ولا قوة الا باللّٰه''

پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام سلف کے مقابلے میں کمر ٹھونک کر کے کھڑا ہو جانا کونسی انصاف کی بات ہے اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ سلف قیاس نہیں کرتے۔

درمنثور، معالم التنزیل، مجمع الزوائد، جمع الفوائد وغیرہ میں روایات ہیں حوروں کے بارہ میں آتا ہے کہ خلقن من كافورٍ، کافور سے پیدا ہوئیں ہیں خُلقن من مسک، کستوری سے پیدا ہوئیں ''خلقن من عنبر'' عنبر سے پیدا ہوئیں۔ اسی طرح اس سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت امامہؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابودرداءؓ کی مرفوع حدیثیں ہیں لیکن مودودی صاحب کہتا ہے کہ میرا بھی ایک قیاس ہے سلف کا بھی ایک قیاس ہے یاد رکھیں اکابر پر جس نے اعتماد نہ کیا اس کا بیڑا ضرور غرق ہوگا۔

۵۸۔﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾

یہ استفہام تلذذ ہے وہ مومن کہیں گے کیا پس ہم نہیں مرنے والے مگر وہ موت جو پہلے مرچکے ہیں اور ہم نہیں سزا دیے جائیں گے ''ان هذا لهو الفوز العظيم'' بے شک یہی بڑی کامیابی ہے۔

۶۸۔﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں تفسیر کبیر، معالم التنزیل، مظہری، خازن وغیرہ میں کہ جس وقت وہ پیاسے ہوں گے تو ان کو آگ سے باہر نکال کر پانی پلایا جائے گا پھر جہنم کی طرف ان کو لوٹایا جائے گا۔ تو پانی جس مقام پر ہوگا وہاں آگ نہ ہوگی یہی معنی علامہ محلیؒ کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کو جہنم سے نکال کر زمہریر کے طبقے میں داخل کیا جائیگا پھر جہنم میں تو جہنم سے زمہریر اور زمہریر سے جہنم عذاب میں کوئی وقفہ نہ ہوگا۔

۷۵۔﴿وَلَقَدْ نَادَانَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ ہم نے ان میں منذر بھیجے اب آگے ان منذرین کا ذکر ہے سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا

ذکر ہے جو مشرک قوم کی طرف سب سے پہلے بھیجے گئے اور البتہ تحقیق پکارا ہمیں حضرت نوحؑ نے فلنعم المجیبون مخصوص بالمدح محذوف ہے ای فلنعم المجیبون نحن ہم اچھا جواب دینے والے ہیں۔

﴿مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے کیا مراد ہے؟

اس کا ایک معنی غرقاب کرتے ہیں کہ ہم نے غرق ہونے سے ان کو بچایا۔

دوسرا معنی کرب کا صدمہ کرتے ہیں کہ نوحؑ کی قوم کفر وشرک میں مبتلا تھی قوم کی حالت کو دیکھ کر حضرت نوحؑ کو صدمہ ہوتا تھا۔ یہ قوم تباہ ہوئی تو اس صدمے سے نجات ہوئی۔ تیسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ کرب سے مطلب یہ ہے کہ قوم، نوحؑ سے استہزاء کرتی تھی اور کہتی تھی ''مجنون واز دجر'' تو جب قوم تباہ ہوئی تو یہ پریشانیاں بھی ختم ہوئیں۔

۷۷۔﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ﴾

اور ہم نے ان کی اولاد کو باقی رکھا تین بیٹے تھے حضرت نوحؑ کے ایک بیٹے کا نام حام تھا ایک کا نام سام ایک کا یافث، سام ترکوں کے، افغانیوں کے اور ایرانیوں کے اب ہیں۔ اور حام سوڈانیوں کے اب ہیں اور یافث یاجوج ماجوج کے اب ہیں۔

۷۸۔﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾

مفعول محذوف ہے وہ کیا ہے، بعض نکالتے ہیں ''وترکنا علیه ثناءً حسنا فی الاخرین'' بعض نکالتے ہیں ''وترکنا علیه ذکرًا جمیلاً فی الاخرین''

۸۳۔﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيْمَ﴾

اس کا مطلب بعض مفسرین یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی پیغمبر تھے اور حضرت ابراہیمؑ بھی پیغمبر تھے۔ ان کے گروہ میں سے ہیں۔ یہ تفسیر بھی صحیح ہے کوئی شک نہیں لیکن بعض فرماتے ہیں کہ شیعتہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کو اپنے اہل خانہ سے بیوی اور بچوں سے بھی تکلیف پہنچی اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی اپنے باپ اور خاندان سے تکلیف پہنچی تو اپنے گھریلو افراد سے تکلیف پہنچنے والوں میں وہ بھی ہیں یہ بھی ہیں۔

۸۶۔﴿اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ﴾

تریدون فعل ہے الهةً مفعول بہ ہے انفکًا مفعول لہ ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ کیا تم اللہ کے ورے جھوٹے الہہ کا ارادہ کرتے ہو۔

۸۹۔﴿فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾

بخاری شریف میں روایت ہے لم یکذب ابراهیم الاثلاث کذبات۔ ایک یہ کہ ''انی سقیم'' ایک یہ کہ ''بل فعله کبیر هم هذا'' اور ایک یہ کہ اپنی بیوی کو کہا انت اُختی۔ آگے اس روایت پر بڑی بحث ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہی جھوٹی ہے لیکن یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے اگر بخاری ومسلم میں

بھی ایسی حدیثیں موجود ہوں تو پھر تو حدیث کا خدا ہی حافظ ہے۔

جمہور یہ معنی کرتے ہیں علامہ عینیؒ نے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے، مولانا محمد یوسف نے جو کوکب الدراری والے ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حقیقت نہیں صورت ان کا کذب ہے۔ حقیقت میں اس لئے نہیں کہ فرمایا انت اختی فی دین اللّٰہ (اللہ کے دین میں تو میری بہن ہے) تو اس میں جھوٹ ہے؟

اور بل فعله کبیر هم کی چار تفسیریں میں نے کی تھیں وہاں دیکھ لینا اور یہاں انی سقیم کا معنی یہ ہے کہ تمہاری اس کواکب پرستی کو دیکھ کر مجھے طبعی طور پر بیماری کا صدمہ ہوا۔ تمہاری اوثان پرستی اور کواکب پرستی کو دیکھ کر مجھے روحانی کوفت ہوئی تو صورۃً کذب ہے نہ کہ حقیقتاً۔

۹۶۔﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

کسب اور خلق میں فرق:

معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اہل حق کہتے ہیں کہ انسان کاسب ہے خالق نہیں میں نے کہا تھا کہ کسب اور خلق میں تین فرق ہیں۔

ایک یہ کہ کسب مادہ کا محتاج ہے، خلق مادہ کا محتاج نہیں۔

دوسرا یہ کہ کسب آلہ کا محتاج ہے خلق آلہ کا محتاج نہیں۔

تیسرا یہ کہ خالق اپنے فعل میں متفرد ہوتا ہے اور کاسب متفرد نہیں ہوتا۔

اہل حق نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ کیسے؟ روح المعانی، مدارک، ابوسعود، تفسیر احمدی، بیضاوی وغیرہ سب میں ہے ایک یہ کہ ما مصدریہ قرار دیتے ہیں تو معنی یہ ہے واللّٰه خلقكم و عملكم (اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے عمل کو بھی پیدا کیا)۔

دوسرا ما کو موصولہ بھی قرار دیتے ہیں اور عائد الی الموصول محذوف مانتے ہیں "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَهٗ" (اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور اس چیز کو بھی جس کو تم کرتے ہو) تو اہل حق کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تمہارا خالق بھی اللہ ہے اور تمہارے اعمال کا خالق بھی اللہ ہے۔

۱۰۳۔﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾

"لكل انسان جبينان بينهما جبهة" ہر آدمی کے لئے دو جبین ہیں اور ان کے درمیان جبھہ (پیشانی) ہے جبینان (کان پٹی) روٹی کھاتے وقت جو ہلتی ہے اس کو کہتے ہیں جبین۔

۱۰۷۔﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾

یہاں دو تفسیریں ہیں کہ وہ مینڈھا کہاں سے آیا؟ ایک یہ کہ وہ جنت سے حق تعالیٰ نے بھیجا دوسرا یہ کہ وہ جو ہابیل نے قربانی کی تھی اس کو اللہ نے جنت سے واپس بھیجا۔

۱۱۲۔﴿ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴾

قربانی حضرت اسماعیل کی ہوئی تھی اس پر چند دلائل:

بعض حضرات جن میں شاہ عبدالقادر جیلانیؒ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قربانی اسحٰقؑ کی ہوئی ہے اسماعیلؑ کی نہیں ہوئی۔لیکن جمہور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اسماعیلؑ کی قربانی ہوئی۔کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں وبشرناہ باسحق تو یہاں واو حرف عطف ہے قرآن کریم بتلاتا ہے کہ جس کی قربانی ہوئی وہ اور ہے اور یہ اور ہے۔کہ پہلے جس لڑکے کی بشارت ہے"وبشرناہ بغلام حلیم" آگے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں حرف عطف کے ساتھ وبشرناہ باسحق۔تو نص سے ثابت ہوا کہ قربانی اسحٰقؑ کی نہیں ہوئی بلکہ اسماعیلؑ کی ہوئی تھی۔

دوسری دلیل آپ سورۃ ھود میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت ابرہیمؑ کو بشارت دی اسحاقؑ کی ومن وراء اسحق یعقوب اور اسحٰقؑ کے بعد یعقوبؑ کی بشارت دی اب سوال یہ ہے کہ انہوں نے جب بچپن میں ذبح ہونا تھا تو پوتا کہاں سے پیدا ہوتا،مرنے کے بعد تو پیدا نہ ہوتا۔

یہ دلیل حافظ ابن کثیرؒ نے لکھی ہے اور دلیلیں بھی ہیں ہم ان کو یہاں بیان نہیں کریں گے،ان میں سے ایک مستدرک کی روایت بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا انا ابن ذبیحین (میں ذبیحین کا بیٹا ہوں)ایک اسماعیلؑ اور دوسرے آپ کے والد کہ وہ باپ کا دسواں بیٹا تھا اس کو ذبح کرنا تھا لیکن پھوپھیاں پیچھے پڑ گئیں کہ ذبح نہ ہونے دیں گے۔

یٰبُنَیَّ کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے کیا ہے اے میرے چھوٹے بیٹے۔تو اس (یعنی یٰبُنَیَّ) سے بھی وہ (شاہ عبد القادر جیلانیؒ)استدلال کرتے ہیں کہ اسحاقؑ عمر میں چھوٹے تھے تو انہی کی قربانی ہوئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یاء تصغیر کی ہے۔یاء تصغیر کا معنی ہوتا ہے اے میرے پیارے بیٹے،چھوٹے بیٹے،میرے پُتری،تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمر میں چھوٹے تھے۔تو یاء تصغیر کا معنی کیا ہے انہوں نے۔

۱۲۵۔﴿أَتَدْعُونَ بَعْلًا﴾

اس میں اختلاف ہے کہ بعل مرد کا نام تھا یا عورت کا،اکثر تو کہتے ہیں کہ بعل مرد تھا لوگ اس کی بڑی قدر کرتے تھے اس بعل کے نام سے شہر کا نام بعلبک پڑا لوگ اس کو پکارتے تھے۔

تفسیر اتقان میں ہم نے پڑھا کہ بعل عورت کا نام تھا۔بڑی پاک باز بڑی نیک ضرب المثل عورت تھی۔

۱۲۵۔﴿أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ﴾

تفسیر کبیر میں اس مقام پر دع اور ذر کا فرق بتلایا ہے کہتے ہیں ذر کے معنی ہے علم کے بعد کسی چیز کو چھوڑنا اور دع کے معنی علم کے بغیر چھوڑنا،تو دع عام ہے اور ذر خاص ہے۔

۱۳۰۔﴿سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِينَ﴾

یہاں دونوں تفسیریں آپ کو ملیں گی بیضاوی،خازن،ابوسعود،مدارک وغیرہ وغیرہ میں ایک یہ کہ وہی الیاسؑ ہیں۔ان کو الیاس بھی کہتے تھے ال یاسین بھی کہتے تھے جیسا طور سیناء بھی ہے طور سینین بھی ہے۔

دوسری تفسیر آپ کو یہ ملے گی کہ ال یاسین سے مراد ان کے پیروکار ہیں۔

۱۴۱۔﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾

ای من المغضوبین. دحض کے معنی پھسلانا ان کو کشتی سے نیچے گرادیا گیا۔

۱۴۲﴿وَهُوَ مُلِيمٌ﴾

امام بخاریؒ معنی کرتے ہیں اتی ما یلام علیه (ایسی کارروائی کی جس پر ان کو ملامت کیا گیا)۔

۱۵۸۔﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ﴾

اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری کا مطلب:

''وجعلوا بینه ای بین الله تعالی وبین الجنة نسبا'' اس کی ایک تفسیر تو کرتے ہیں ... مفسرین کرامؒ اور وہ بخاری کی اس روایت کے پیش نظر کرتے ہیں جو کتاب التفسیر میں ہے۔ کہ جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ تم جو فرشتوں کو رب کی بیٹیاں کہتے ہو تو ان کی مائیں کون ہیں؟ کہنے لگے سروات الجن یعنی جو جنوں میں پریاں ہوتی ہیں وہ ان کی مائیں ہیں۔ تو اس صورت میں معنی ہوگا کہ اللہ کے درمیان اور جنوں کے درمیان رشتہ ناطہ بنایا۔ محلیؒ اور بعض دیگر اور معنی کرتے ہیں وہ جنوں سے یہاں فرشتے مراد لیتے ہیں۔ وہ ''جن'' کا لغوی معنی لیتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے درمیان اور فرشتوں کے درمیان رشتہ ناطہ بنایا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنادیا۔ وہ جن کا اصطلاحی معنی نہیں لیتے بلکہ لغوی معنی لیتے ہیں کہ نگاہوں سے اوجھل ہونا کہ فرشتے ہماری نگاہ سے اوجھل ہیں۔

۱۶۲۔﴿مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ﴾

اس میں چند تفسیریں ہیں آسان عرض کرتا ہوں کشاف،، بیضاوی، روح المعانی البحرالمحیط، کمالین وغیرہ میں آپ کو ملے گا ایک یہ کہ علیہ میں ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے الاعباد اللّٰہ میں جو مضاف الیہ ہے اس کی طرف راجع ہے۔ معنی یہ ہے پس بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو نہیں ہو تم اللہ کے مقابلے میں فتنے میں ڈال سکنے والے، گمراہ کرسکنے والے، مگر اسی کو جو خود دوزخ میں داخل ہونے والا ہو۔

دوسری تفسیر علیہ میں ہ ضمیر راجع ہے فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ میں معبود کی طرف اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ''فانکم وماتعبدون ما انتم علی عبادة معبود کم بفاتنین''

۱۶۴۔﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ﴾

ربط: اوپر فرشتوں کا ذکر تھا آگے ان فرشتوں کی زبانی ان کے حالات بیان ہورہے ہیں۔ ہم فرشتوں میں کوئی نہیں مگر اس کا مقام معلوم ہے۔

سورة صٓ

۱۔﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات میں یہ ربط ہے۔ کہ پہلی سورۃ کے آخر میں رسالت کا ذکر تھا کہ "سلام علی المرسلین" اسی مد میں آگے آپؐ کی رسالت کا ذکر ہے" بل عجبوا أن جاء هم منذر"۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی سورۃ کے آخر میں والحمد لله رب العالمین خدا کی توحید کا ذکر تھا اور آگے یہاں شرک کا رد اور توحید کا اثبات ہے۔ مجرموں نے کہا اَجعل الالهة الها واحدا۔ تو پہلی سورۃ میں توحید کا ذکر تھا اس میں بھی توحید ورسالت کا ذکر ہے۔

اس سورۃ کا نام صٓ ہے، صٓ مخفف ہے صدق کا۔ والقران ذی الذکر یہ جملہ قسمیہ ہے۔

مفسرین کرامؒ اور نحاۃ کے یہاں دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ جواب قسم مذکور ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ جواب قسم محذوف ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ مذکور ہے پھر ان میں اختلاف ہے، ان میں ایک طبقہ کہتا ہے کہ جواب قسم ہے "اهلکنا من قبلهم من قرن" دوسرے کہتے ہیں "ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب" پہلی بات اخفش نے کہی اور دوسری بات فراء نے کہی۔ تیسرا طبقہ کہتا ہے کہ اس کے آخر میں آئیگا "ان ذالک لحق تخاصم اهل النار" یہ ہے زجاجؒ کا قول۔ چوتھا طبقہ کہتا ہے کہ جواب قسم صٓ ہے۔ تو معنی یہ ہے "والقران ذی الذکر صدق محمدؐ" جواب قسم پہلے بھی ہوتا ہے بعد میں بھی ہوتا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جواب قسم محذوف ہے ان میں محلیؒ جو فرماتے ہیں وہ یہ ہے "والقران ذی الذکر ماالامر کما قال کفار مکة من تعدد الالهة" یہ جواب قسم ہے۔ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ جواب قسم یہ ہے "ماالامر کما تزعمون" زمخشری کہتے ہیں جواب قسم ہے والقران ذی الذکر انه لمعجز۔ شیخ ثناءاللہ فرماتے ہیں جواب قسم ہے "انک لمن المرسلین" قرینہ ہے۔ یسین والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین۔

۳۔﴿فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾

کشاف، بیضاوی، روح المعانی، قرطبی، البحرالمحیط وغیرہ تفسیروں میں ہے امام سیبویہؒ اور خلیل ابن احمدؒ فرماتے ہیں کہ لات میں لامشبہ بلیس ہے اور تاء زائدہ ہے جیسے رُبّت اور ثُمّت میں اور اسم اس کا محذوف ہے وہ ہے ولات حین حین مناص نہیں تھا وقت وقت چھٹکارے کا۔

اور اخفشؒ فرماتے ہیں کہ لانفی جنس کا ہے تاء اس میں مزیدہ ہے حین مناص مضاف مضاف الیہ یہ اسم ہے لا کا اور خبر محذوف ہے ولات حین مناص لهم.

﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾

اس کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ ہمارا اپنے الٰہوں پر ڈٹنا مراد ہے۔

دوسرا معنی یہ محمدؐ جو تمہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں یہ اس کی مراد ہے ہم نے اس کی مراد کو نہیں پورا ہونے دینا۔

۷۔﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾

ایک تفسیر یہ کہ ملت آخرہ سے مراد حضرت عیسیٰؑ کی ملت ہے کیونکہ پہلی ملتوں میں آخری ملت وہی تھیں وہ بھی تو تین کے قائل ہیں ایک کے تو وہ بھی قائل نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کہ ملۃ آخرۃ سے مراد یہ ہے کہ ہماری جو پہلی ملت گزری باپ، دادا وغیرہ ان میں بھی کوئی اس کا قائل نہ تھا تو یہ کیسے کہتا ہے کہ ایک ہے۔

۱۲﴿وَفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی اس (فرعون) کے مخالف ہوتا اس میں میخیں ٹھونک دیتا تھا اور سولی پر لٹکا دیتا تھا اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ جب یہ سفر پر جاتا تو اس کے پاس سونے اور چاندی کی میخیں ہوتی تھیں۔ خیمے لگانے کیلئے سونے چاندی کے میخیں زمین میں گاڑتا تھا تو لوگوں میں مشہور تھا کہ سونے چاندی والی میخوں کا بادشاہ

۱۵۔﴿وَمَا يَنْظُرُ هٰؤُلَاءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾

ربط: اوپر مجرم قوموں کا ذکر تھا آگے ان کی سزا کے وقت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ منتظر نہیں مگر ایک ہی آواز کے جو اسرافیلؑ کے بگل سے پھونکی جائے گی۔

۱۵۔﴿مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾

لغت کی کتابوں میں فَواق اور فُواق کے معنی لکھے ہیں کہ جانور کا جب دودھ دوہا جائے تو دوہتے وقت درمیان میں تھن کو ہاتھ لگایا دودھ نکالا پھر اس کو ہاتھ لگایا تو اس درمیانے والے وقفہ کو فَواق کہتے ہیں فُواق بھی کہتے ہیں اب لازمی معنی کرتے ہیں وقفہ تو حضرت اسرافیلؑ جب بگل پھونکیں گے تو درمیان میں وقفہ نہ ہوگا۔

۱۷۔﴿ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾

ذاالاید کے کیا معنی ہیں؟ تو بخاری کی روایت ہے "كان يأكل من عمل يديه" اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ یہ معنی بھی ہے کہ أيد کے معنی قوت یعنی ذوقوة على العبادة يصوم يومًا ويفطر يومًا اور رات کے تین حصے کئے تھے ایک میں عبادت کرتے تھے دوسرے میں قیام کرتے تھے۔ تیسرے میں آرام کرتے تھے۔

۲۱۔﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾

یہاں تین تفسیریں ہیں ایک مردود، دوسری مرجوح، تیسری مقبول:

یہاں ایک تفسیر ہے مردود اور دوسری تفسیر ہے مرجوح اور تیسری ہے مقبول۔

مردود تفسیر تو وہ ہے جو بائبل میں ہے کہ معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد داؤدؑ کے پڑوس میں ایک شخص تھا وہ جہاد پر گیا ہوا تھا حضرت داؤدؑ ایک رات اپنے محل میں ٹہل رہے تھے تو دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت عورت غسل کر رہی ہے خادموں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا کہ بنت سبع ہے اور حتی اوریاہ کی بیوی ہے تفصیل کے لئے تفسیر حقانی دیکھیں یہ تفسیر مردود ہے۔ دوسری تفسیر جو مرجوح ہے وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام راستہ میں جا رہے تھے ایک عورت پر نظر پڑی دل

میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ میری بیوی ہوتی لیکن یہ اس لئے مرجوح ہے کہ پیغمبر کے گھر میں بیویاں تھیں نہ بھی ہوتیں تو یہ کہنا کہ یہ میری بیوی ہوتی پیغمبر کی شان سے بالکل بعید ہے۔

تیسری تفسیر جو کہ مقبول ہے مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے اور اس کو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لیا ہے اور اسی کو مولانا محمد انور شاہ صاحب نے لیا ہے۔ وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام کو ایک موقع پر اپنے حسن انتظام پر کچھ ناز ہوا کہ میں نے مثلاً چوبیس گھنٹے عبادت کیلئے وقف کئے ہوئے ہوں۔ ایک گھنٹے میں ایک بیوی دوسرے میں دوسری تیسرے میں تیسری اور سحری کے وقت میں خود اللہ کی عبادت کرتا ہوں تو اس وقت دنیا میں کوئی اور گھر ایسا نہیں جہاں چوبیس گھنٹے ترتیب کے ساتھ رب کی عبادت ہوتی ہو۔ رب کو یہ پسند نہ آیا جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو بڑا اونچا محل تھا دیواریں تھیں دو فرشتے دیوار پھاند کر آ گئے حضرت داؤدؑ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ دیوار پھاند کر آئے ہیں۔ رات کے وقت آئے ہیں پہرے دار کہاں گئے ایسی فکر ہوئی کہ عبادت ذہن سے نکل گئی اسی الجھن میں پڑے رہے۔ تو اس واقعہ کے ذریعے رب تعالیٰ نے بتلایا کہ میری توفیق ہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔

٢٦۔﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا کہ ''لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب'' اب اسی آخرت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر آخرت نہ آئے تو پھر یہ دنیا کا جو نظام ہے۔ یہ رب نے کیوں بنایا۔ مثلاً کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے کے بعد جیسے نتیجہ ہوتا ہے ایسے ہی دنیا کے بعد آخرت نتیجہ ہے۔

٣١۔﴿إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ﴾

معالم التنزیل، خازن، بیضاوی سب تفسیروں میں ملے گا۔ میں دو تفسیریں عرض کرتا ہوں پہلے لفظی بحث سن لیں صافنات صافنۃ یا صافن کی جمع ہے اور صافن ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں کہ تین پاؤں اس کے زمین پر ہوں اور چوتھے پاؤں کا کنارہ زمین پر لگا ہوا ہو کہتے ہیں کہ اس وضع کے گھوڑے بڑے اصیل ہوتے ہیں اور جیاد، جواد کی جمع ہے۔ جواد کے معنی تیز رفتار۔

اب ایک تفسیر جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ سلیمانؑ نے معائنہ کیا کہا گھوڑے پیش کرو میں دیکھنا چاہتا ہوں ان کی خدمت ہوتی ہے یا نہیں چنانچہ گھوڑے ان کے سامنے سے گزرتے رہے گزرتے رہے ہاتھ کسی کو نہ لگایا۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ ان کو پھر لوٹاؤ میں انکو ہاتھ لگا کر دیکھوں۔ پنڈلیوں پر ہاتھ لگایا، گردنوں پر ہاتھ لگایا اور فرمایا کہ میں ان کے ساتھ محبت کرتا ہوں عن تعلیلیہ ہے عن ذكر ربی ای لاجل ذكر ربی اپنے رب کی یاد کیلئے کہ یہ آلہ جہاد ہیں اس تفسیر میں کسی چیز کا حذف لازم نہیں آتا راجح یہی تفسیر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سلیمنؑ کے سامنے گھوڑے پیش کئے گئے بہت زیادہ تھے۔ ہوتے ہوتے عصر کا وقت نکل گیا اور عصر کی نماز ان سے چھوٹ گئی۔ توارت کی ضمیر راجع بسوئے شمس ہے۔ یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو ذبح کرو ان کو ذبح کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا۔

سورج کو یوشع بن نون کے لئے لوٹایا گیا:

یہاں ایک روایت تفسیروں میں نقل کرتے ہیں کہ ان کیلئے سورج لوٹایا گیا اور ایک روایت آنحضرتؐ کے بارے میں بھی ہے کہ حضرت علیؓ کی ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے نماز رہ گئی تو سورج لوٹا دیا گیا۔ اس روایت کو امام طحاویؒ مشکل الآثار میں نقل کر کے کہتے ہیں صحیح ہے۔ قاضی عیاضؒ الشفاء میں نقل کر کے کہتے ہیں صحیح ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور ابوالحجاج مزیؒ کہتے ہیں کہ یہ جعلی ہے۔ مبسوط بحث ہم نے دل کا سرور میں کر دی ہے۔

صحیح روایات کے پیش نظر ایک ہی واقعہ ہے جو بخاری میں ہے، مسند احمد میں ہے، الترغیب والترھیب میں ہے اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ کہ "ماحبست الشمس الالیوشع ابن نون" وہ یوں کہ جمعہ کا دن تھا یہ دشمن کے مقابلے میں لڑ رہے تھے، دیکھا تو سورج غروب ہونے کو ہے یوشع بن نون نے کہا کہ پروردگار اگر ہم نے کافروں کو مہلت دی تو کل اور فوجیں لے آئینگے "اللّٰھم احبسھا علینا" اے اللہ سورج کو روک دیں چنانچہ سورج روک دیا گیا۔

۳۴۔﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ﴾

حضرت سلیمانؑ نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ چلو اللہ کے راستے میں جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت سردی زیادہ ہے یا گرمی زیادہ ہے یا تھکے ہوئے ہیں تو عذر بہانہ کیا تو سلیمانؑ کو یہ بات ناگوار گزری۔

بخاری شریف میں روایت ہے ستون کے لفظ بھی ہیں تسعون کے بھی مائة کے لفظ بھی ہیں اتنی بیویاں تھیں خیال کیا کہ ایک رات میں اپنی تمام بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا حاملہ ہوں گی تو میرے گھر کی فوج تیار ہو جائیگی لیکن زبان سے انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی نے بچہ جنا اور وہ بھی ادھورا سا مردہ بچہ، وہ دائی نے لا کر آپؑ کے سامنے رکھ دیا۔ تو صحیح تفسیر یہی ہے،

دوسری تفسیر بھی ہے وہ آپ کو جلالین تک انشاء اللہ ملے گی۔ کہتے ہیں کہ سلیمانؑ کے پاس انگشتری تھی اس کے زور سے حکومت کرتے تھے غسل کرنے کا ارادہ کیا (واقعہ مشہور ہے ہر جگہ مذکور ہے۔ مرتب)

۴۱۔﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادٰى﴾

ایوبؑ کو یہ تکلیف کیوں پہنچی؟

ایوبؑ کو یہ تکلیف کیوں پہنچی تو اس کی وجہ کمالین، جمل، قرطبی وغیرہ میں یہ لکھی ہے۔ کہ ایوبؑ سے ایک مظلوم نے مدد مانگی اس کی طرف توجہ نہ کر سکے اس کا صلہ یہ ملا کہ تکلیف میں مبتلا ہوئے۔

دوسری وجہ بکری ذبح کی گوشت کھا رہے تھے وجاره الی جنبه جائع ان کا پڑوسی بھوکا تھا۔ تیسری وجہ: ایک سائل آیا اس نے آکر سوال کیا یہ اپنے کام میں مشغول تھے اس کی طرف توجہ نہ گئی اللہ تعالی نے یہ قصہ پیش کیا۔

۴۶۔﴿إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾

ذکری الدار یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ھی ذکری الدار۔

۶۵ ۔﴿هٰذَا وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾
هذا کی تین ترکیبیں آپ کو ملیں گی۔ ایک یہ کہ هذا مبتدا، للمؤمنین اس کی خبر ہے۔
دوسری یہ کہ هذا خبر ہے مبتدا محذوف کی ای الامر هذا معاملہ یہی ہے۔
تیسری یہ کہ اسکو مفعول بناتے ہیں ای خُذ هذا۔
۶۶ ۔﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ وَّمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾
ربط۔ ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحومؒ یہ ربط فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ کی ابتداء میں تھا ''وعجبوا ان جاء هم منذر منهم'' یہ اس بات پر تعجب کرتے کہ ان میں سے ڈرانے والا ہے۔ درمیان میں چند واقعات پیغمبروں کے بتلائے کہ انہوں نے بھی اپنے اپنے موقع پر لوگوں کو ڈرایا اللہ کے احکام بتلائے۔ آخر میں اسی مضمون کی طرف عود ہے کہ '' قل انما انا منذر وما من الٰه الا اللّٰه ''۔
۶۷ ۔﴿قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ﴾
یہ ھو کی ضمیر کدھر جاتی ہے تو اس کے مرجع میں اختلاف ہے اسی وجہ سے پھر ربط بھی مختلف ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ھو کی ضمیر راجع بسوئے قرآن ہے کہ یہ قرآن بہت بڑی خبر ہے۔
دوسری یہ کہ ھو کی ضمیر راجع ہے بسوئے یوم الحساب کے، اوپر قیامت کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ قیامت کا ذکر بہت بڑی خبر ہے اور تم اس سے اعراض کرتے ہو۔
تیسری یہ کہ ھو ضمیر کا مرجع توحید ہے جو ماقبل میں ہے ''وما من الٰه الا اللّٰه'' یہ توحید بہت بڑی خبر ہے اور تم اس سے اعراض کرتے ہو میں کہتا ہوں تینوں تفسیریں صحیح ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں۔
۶۹ ۔﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى﴾
اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال اور اس کا جواب:
ایک حدیث میں آتا ہے جو مشکوٰۃ، ترمذی میں ہے اور خازن نے اس مقام پر اور در منثور نے ساتویں پارے میں اس پر خاصی بحث کی ہے ''وکذالک نری ابراهیم الخ'' کی تفسیر میں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو مجھ سے کہا کہ ملا اعلیٰ کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ مجھے علم نہیں اللہ تعالیٰ نے دست قدرت میری چھاتی پر رکھا تو سب چیزیں میرے لیے روشن ہو گئیں۔ اس روایت سے اہل بدعت نے علم غیب پر استدلال کیا ہے مبسوط بحث ہم نے ازالۃ الریب میں کر دی۔
پہلے تو میں نے بخاری کے حوالے سے اس کے بارے میں نقل کیا کہ حدیثٌ مضطربٌ فیه نظرٌ امام ترمذیؒ جو متساھل فی الحدیث ہیں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے پہلے تو حدیث ہی میں اضطراب ہے
پھر ایک بات میں نے یہ بھی لکھی کہ اگر اس روایت کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی کل شیٔ سے سب چیزیں مراد نہیں بلکہ وہ چیزیں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے جن کا پہلے علم نہ تھا یہ چیزیں بتلائیں۔ مبسوط بحث ''ازالۃ الریب'' میں

ہے اس میں دیکھیں۔

۷۱۔﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ﴾

ربط: آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتہ صفت بننا چاہتے ہو یا ابلیس صفت بننا چاہتے ہو آدمؑ کو جب رب تعالیٰ نے پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور ابلیس نے انکار کیا اب تمہاری مرضی فرشتہ صفت بنو مطیع بنو یا ابلیس صفت عاصی بنو۔

۸۴۔﴿قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ﴾

یہ فالحق ترکیب میں کیا ہے تو اس کی دو آسان ترکیبیں آپ کو ملیں گی ایک یہ کہ فالحق منی اس میں الحق مبتدا منی خبر ہے۔ بعض نکالتے ہیں فالحق قولی (حق ہے میری بات) اگلا والحق یہ اقول کیوجہ سے منصوب ہے۔

سورة الزمر

۱۔﴿تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں ہے "قل انما انا منذر وما من اله الا الله الواحد القهار"۔توحید کا ذکر تھا اس میں بھی توحید کا ذکر ہے اور شرک کا رد ہے نام اس کا زمر ہے۔زمر زمرة کی جمع ہے اس کے معنی طائفہ، گروہ آگے ذکر آئے گا وسیق الذین کفروا الی جهنم زمرًا اس وجہ سے اس کا نام الزمر ہے۔

۹۔﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ﴾

مدمقابل جملہ ہے کمن طبع علی قلبه،بعض نکالتے ہیں "کمن هو عاصٍ" یہ اس شخص کی طرح ہے جو نافرمان ہے؟

۱۰۔﴿قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

احمد رضا خان کا عبدالنبی نام رکھنے پر استدلال:

اوپر نافرمان کا ذکر تھا کہ "واذا مس الانسان الضر دعانا الخ" اب آگے اللہ کے بندوں کا ذکر ہے کہ قل یعباد الذین امنوا۔اس سے اہل بدعت نے استدلال کیا ہے کہ فرمایا کہ تو کہہ اے میرے بندو۔تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی کے بندے ہوتے ہیں لہٰذا عبدالرسول،عبدالنبی،عبدالمصطفیٰ نام رکھنا درست ہے۔یہ احمد رضا خان کا استدلال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری جگہ آتا ہے۔"ما کان لبشرٍ ان یوتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله ولکن کونوا ربانیین" الخ میں نے ایک ضابطہ بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کسی بشر کو حق نہیں بشر بھی عام نہیں بلکہ وہ بشر جس کو ربّ نے کتاب دی ہو نبوت دی ہو یہ حق ہی نہیں کہ وہ کہے لوگوں کو کہ کونوا عبادًا لی تم میرے بندے بن جاؤ۔تو اگر تم اس کا یہ معنی کرتے ہو قل یعباد اے میرے بندو تو اس کی تو قرآن نفی کرتا ہے کہ کسی بشر کو حق ہی نہیں دیا تو رب تعالیٰ نے جس چیز کا حق ہی نہیں دیا وہ کیسے کہے تو میں نے عرض کیا تھا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو کہہ میری طرف سے میں رب ہوں میری طرف سے اعلان کر یعباد الذین امنوا اور آگے قرینہ ہے ذالک یخوف الله به عباده یعباد فاتقون. فبشر عباد الذین تو جو معنی یہاں ہے وہی معنی وہاں ہے۔

۱۶۔﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ﴾

جمل،کمالین وغیرہ میں لکھا ہے کہ اوپر تو سائے ہوتے ہیں یہ "من تحتهم ظلل" (کہ ان کے نیچے بھی سائے ہوں گے) یہ کیسے ہوں گے؟ تو اس کے تین جواب دیتے ہیں ایک یہ کہ ایک ضد کو دوسرے ضد میں استعمال کرنا ہے دوسرا یہ کہ من تحتهم ظللا کا لفظ مشاکلة کہا۔

تیسرا کہتے ہیں کہ جہنم کے اوپر نیچے طبقے ہیں تو اوپر والوں کے پاؤں کے نیچے جو آگ ہوگی وہ نیچے والے طبقے کیلئے تو سایہ ہے۔

۲۲۔﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾

ربط: اوپر مومنوں اور کافروں کا ذکر تھا آگے بھی ان ہی دوگروہوں کا ذکر ہے اس کے مدمقابل کا جملہ محذوف ہے وہ ہے کمن طبع علی قلبہٖ معنی یہ ہوگا کہ کیا پس وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے دل پر مہر لگ گئی ہو؟

۲۴۔﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾

اس کا بھی مدمقابل کا جملہ محذوف ہے۔ وہ یہ ہے کہ "کمن امن منه" (اس شخص کی طرح ہے جو اس سے مامون رہا) اس کی دو مشہور تفسیریں ہیں ایک یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے دنیا میں جو اپنے چہرے کو برے عذاب سے بچاتا ہے ایمان لاکر، نیک اعمال کر کے، یہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے چہرے کو بُرے عذاب سے نہیں بچاتا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو اپنے چہرے سے باقی اعضاء کو بچانے کی کوشش کرتا ہے یہ تفسیر علامہ محلیؒ نے کی ہے۔

۲۹۔﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾

موحد اور مشرک کی مثال:

یہ موحد اور مشرک کی مثال ہے کہ ایک غلام ہے اس کے کئی آقا ہیں آقا بھی ضدی۔ امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں الشکس الرجل الذی لایرضی بالانصاف (جو انصاف پر راضی نہ ہو) تو ایک غلام ہے اس کے مثلاً چار آقا ہیں ان میں باہم مخالفت ہے۔ بیک وقت ایک کہتا ہے کہ میری ٹانگ دباؤ دوسرا کہتا ہے کہ مجھے پانی لاکر دو تیسرا کہتا ہے کہ بازار سے سبزی لاکر دو، چوتھا کہتا ہے میرے بوٹ پالش کر تو غلام کیلئے تو مصیبت ہے۔ دوسری طرف ایک غلام ہے کہ اس کا ایک ہی آقا ہے، تو اب بتاؤ کہ پہلا غلام آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے یا دوسرا۔ اسی طرح مشرک کی مثال ہے کہ آج اس مزار پر پہنچا کل اس مزار پر پہنچا وہاں دیگ دی وہاں بکرا ذبح کیا مصیبت پڑی ہوتی ہے اور موحد صرف اکیلے رب کو پکارتا ہے۔

۳۰۔﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾

حیات انبیاء کا معنی:

ہم حیاۃ انبیاء کے قائل ہیں لیکن حیاۃ کا یہ معنی نہ سمجھنا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات نہیں ہوئی "کل نفس ذائقة الموت" موت سب کو آتی ہے۔ ہم کس حیات کے قائل ہیں مرنے کے بعد قبر میں اعادة الروح کے ساتھ جو حیات عطا کی جاتی ہے اس حیاۃ کے قائل ہیں یہ ہم نہیں کہتے کہ وفات نہیں ہوئی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے "انک میت وانهم میتون. افان مت فهم الخالدون. افأن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" اہل حق جس

حیات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں قبر میں برزخ میں جو حیات ملتی ہے سب سے اعلیٰ پیغمبروں کی ہے پھر، شہداء کی، پھر عام مومنین کی بلکہ کفار کو بھی وہ حیات حاصل ہے اگر حیات نہ ہو تو عذاب قبر اور ثواب قبر تو پھر ہے ہی نہیں۔

حالانکہ عذاب قبر کی حدیثیں متواترہ ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ میں نے ''تسکین الصدور'' میں تصریح کی ہے کہ عذاب قبر پر احادیث متواترہ موجود ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے فقہ اکبر میں کہ ''اعادة الروح الی العبدفی قبرہٖ حق'' یہی امام احمدؒ کا فیصلہ ہے تو حیاۃ انبیاء کا یہ معنی نہ سمجھنا کہ ہم کہتے ہیں کہ ان کی وفات نہیں ہوئی۔

٣٢۔﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ﴾

ربط: پہلے شرک کی تردید" ضرب اللّٰه مثلاً رجلاً فيه شركاء" مثال سے کی۔ اتنی واضح مثال کے بعد اگر کوئی شرک کرے تو اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

پہلے تفسیر گزر چکی ہے جمہور کی بھی اور حافظ ابن کثیر کی بھی واؤ کے متعلق، لیکن یہاں حافظ ابن کثیرؒ کی تفسیر جاری نہیں ہوتی، جمہور کی ہی چلے گی اس لئے کہ پہلے جو بات گزری ہے تو اس میں حرف اوتھا۔

حرف اُواور واؤ میں فرق:

یہاں حرف واو ہے حرف أو احد الا مرين کیلئے ہوتا ہے اور واؤ جمع مطلق کیلئے ہوتا ہے تو یہاں پہلے جملہ کا مصداق بھی ایک ہے دوسرے جملے کا بھی۔

واؤ احد الامرين کیلئے نہیں آتا تو معنی یہ ہوں گے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا بنسبة الشريک اليه والولدله اور حق کو جھٹلایا جب حق اس کے پاس آیا۔

٣٣۔﴿وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

یہاں سے حق کو ماننے والوں کا ذکر ہے۔ اس کا مصداق کون ہے؟

تو امام رازی تفسیر کبیر میں اس پر مصر ہیں کہ اس کا مصداق صرف ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ وہ شخصیت جو حق کو لائی یعنی آنحضرت ﷺ وصدق به اس کا مصداق ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ والذی جنس کے درجے میں ہے تو معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو سچائی لائی یعنی آنحضرتؐ اور وہ جنہوں نے حق کی تصدیق کی۔

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ الذی لفظاً مفرد ہے معنیً جمع ہے لفظ کے اعتبار سے صدق کہا آگے معنی کے اعتبار سے اولئک هم المتقون جمع کا صیغہ لائے۔

٣٥۔﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

یہاں اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس سے بظاہر یہ شبہ پڑتا ہے کہ سوء کو اللہ تعالیٰ دور نہیں کرے گا تو اس کا جواب تفسیروں میں آپکو ملے گا کہ أسوا اسم تفضیل نفس فعل کے معنی میں ہے۔

٤٢۔﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا﴾

حیات فی القبر کی تحقیق اور تفصیل

ربط: اوپر آپ نے پڑھا کہ جن کو اللہ کے ورے تم پکارتے ہو ان کے پاس نہ نفع ہے نہ ضرر کچھ بھی نہیں۔ اختیار سب رب کے پاس ہے۔ اب آگے توحید کے چند دلائل ہیں اور شرک کا رد ہے ان دلائل میں پہلی دلیل "اللّٰه يتوفى الانفس حين موتها" ہے۔ میں نے" يعيسى انى متوفيك "میں بحوالہ بحث کی تھی کہ متوفيک کا مجرد مادہ وفات نہیں بلکہ وفی ہے" الكريم اذا وعد وفى تو متوفيک" کا معنی قاموس والے، کلیات ابوالبقاء والے، تاج

العروس والے، صراح والے کرتے ہیں "الاخذ بالوفی" پورا پورا لینا ومن المجاز الوفاۃ، مجازی معنی اس کے ہیں وفات، اسی توفی کے لفظ سے یہ بھی ہے "اللّٰہ یتوفی الانفس الخ" اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو موت کے وقت۔ اب یہاں توجہ سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

اہل حق کا یہ مسلک ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ جتنے بھی طبقات ہیں سب اس کے قائل ہیں کہ ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس موت کے بعد قبر میں نوع من الحیاۃ ایک گونہ زندگی حاصل ہوتی ہے اس کو حیٰوۃ فی الجملہ کہتے ہیں بالجملہ نہیں۔ حیاۃ فی الجملہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو تو سب کچھ محسوس ہوتا ہے دوسرا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ علم بھی ہوتا ہے ادراک بھی ہوتا ہے، شعور بھی ہوتا ہے، نکیرین سوال کرتے ہیں سوال بھی سمجھتا ہے جواب بھی دیتا ہے۔ اس کے بعد قبر کی راحت بھی پاتا ہے قبر کی تکلیف بھی پاتا ہے حیاۃ مطلقہ کاملہ وہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو بھی سمجھ آئے قبر میں حیاۃ مطلقہ اور کاملہ نہیں کہ دوسرا بھی محسوس کرے لیکن وہ خود محسوس کرتا ہے۔

اس کی مثال شرح مقاصد میں، شرح مواقف میں، شرح عقائد جلالی میں دی ہے کہتے ہیں کمریض السکتۃ سکتے کا مریض ہو جیسے سکتہ ایک بیماری ہوتی ہے اس میں نہ تو نبض چلتی نظر آتی ہے نہ سانس لینا نظر آتا ہے۔ نہ حرکت کوئی نظر آتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو سمجھانے کیلئے انہوں نے یہ مثال بیان کی ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قبر میں حیات نہیں ہے برزخ میں حیات نہیں، روح کا تعلق جسم سے قائم نہیں کیونکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور وہ جو نہیں مرتے ان کو کھینچ لیتا ہے نیند کے وقت پس روک لیتا ہے ان کو جن پر موت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے یعنی ان ارواح کو روک لیتا ہے بدن سے نہیں جڑنے دیتا اور دوسری ارواح جو ہیں نیند کی حالت میں جن کو روک لیا تھا ان کو پھر بدن سے جوڑ دیتا ہے تو جب روح کا تعلق بدن سے نہ ہوا تو حیات کہاں سے ہوئی۔

یہ ان حضرات کا مغالطہ یا ان کا استدلال ہے میں مختصر بات عرض کرتا ہوں یہ سورۃ زمر مکیۃ ہے اور سورۃ بقرہ وسورۃ آل عمران مدنیۃ ہیں۔ اب اس مقدمے کے بعد یہ سمجھیں کہ اگر اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہو کہ ارواح کا اجسام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور حیات حاصل نہیں ہوتی بقول ان کے کہ روح الگ ہوتی ہے جسم الگ ہوتا ہے تو ایک تو نص کے خلاف ہے۔ احادیث متواترہ کے خلاف ہے، امت کے اجماع کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کا کوئی مطلب جو نص کے خلاف ہو، احادیث متواترہ کے خلاف ہو امت کے اجماع کے خلاف ہو یقیناً وہ قرآن کا مطلب نہیں ہوسکتا۔ اب نص کے کیسے خلاف ہے تو سورۃ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء" بلکہ وہ زندہ ہیں اسی مضمون کی آیت آپ چوتھے پارے میں سورۃ آل عمران میں پڑھ چکے ہیں۔

اب اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ روح کا تعلق بدن سے نہیں ہوتا تو پھر آیت ولا تقولو ا لمن یقتل..... بل احیاء کا معنی ہم کیسے سمجھیں گے جبکہ اس کے بعد والی آیت میں آتا ہے بل احیاء کہ وہ زندہ ہیں ولکن

لاتشعرون لیکن تمھیں شعور نہیں۔
یہ بات بھی تفصیلاً عرض کر چکا ہوں کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہاں سے روح کی زندگی مراد ہے۔تو وہ غلط کہتے ہیں اس لئے کہ رب تعالی فرماتے ہیں کہ **ولا تقولوا لمن يقتل** کہ جس کو قتل کیا گیا اس کو تم مردہ مت کہو تو قتل جسم کو کیا جاتا ہے نہ کہ روح کو۔
پھر جن لوگوں نے کہا کہ جسد مثالی مراد ہے۔وہ بھی باطل ہے اس لئے کہ قتل جسد عنصری کو کیا جاتا ہے نہ کہ جسد مثالی کو تو قرآن پاک کی نص قطعی سے ثابت ہے کہ وہ زندہ ہیں۔
اب امساک کا کیا معنی۔ ''تسکین الصدور'' میں میں نے باحوالہ بحث کی ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے نشوونما والا اور ایک تعلق وہ ہے جس میں نشوونما نہیں کرتا۔مثال کے طور پر ہم اگر ایک ہفتہ سوئے رہیں۔ بعض پر غشی طاری ہو جاتی ہے ان کے ناخن بھی بڑھتے ہیں، بال بھی بڑھتے ہیں تو روح کا جو بدن سے نشوونما والا تعلق ہے یہ اس جہاں میں ہے، قبر میں نشوونما کا تعلق نہیں تو روح کا وہ تعلق جو بدن کے ساتھ نشوونما کا ہوتا ہے اس کو رب تعالی کھینچ لیتے ہیں۔باقی فہم، ادراک، شعور، تکلیف کا احساس کرنا، راحت کا محسوس کرنا یہ بدستور رہتا ہے۔
اب یہاں نیلوی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شہید زندہ ہیں نبی تو نہیں زندہ، یہ زندگی نص سے تو شہداء کی ثابت ہے۔انبیاء کی ثابت نہیں ہے میں نے ''المسلک المنصور'' میں کہا کہ مولانا آپ کچھ زمانہ مدرس بھی رہے ہیں کچھ تدریس کا خیال تو رکھو۔پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء کو آپ کہتے ہیں کہ وہ زندہ نہیں اور شہداء کو کہتے ہیں کہ زندہ ہیں یہ کیسی بات ہے۔
پھر میں نے کہا کہ چلو یہ بات سمجھ نہیں آتی تو یہ تو سمجھ لو کہ پیغمبروں میں شہید بھی تو ہوئے ہیں **''وقتلهم الانبياء'' ''ويقتلون النبين''** جیسا یحیی ہیں زکریاؑ ہیں۔تو آپ یہ کہیں کہ وہ پیغمبر جو شہید ہیں وہ زندہ ہیں جو شہید نہیں وہ زندہ نہیں تو آپ مطلق کیوں کہتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء اس سے ثابت نہیں پہلے تو شہداء کو پیغمبروں سے بڑھانا اور انکو گھٹانا اصول کے خلاف ہے۔پھر آپ کو یہ کہنا چاہیئے کہ جو پیغمبر شہید ہیں وہ زندہ ہیں تو ثابت تو ہو گیا کہ پیغمبروں میں کوئی زندہ بھی تو ہیں میں نے تسکین الصدور میں سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ بھی شہید ہوئے ہے ھ میں زینب نامی یہودیہ نے جو زہر کھلا دیا تھا وہ عالم اسباب میں آپ کی شہادت کا موجب بنا۔
بخاری شریف میں باب وفاۃ النبیؐ میں باقاعدہ اس حدیث کا ذکر ہے۔
۵۱۔﴿ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾
قَالها میں ھا ضمیر کا مرجع **المقالة** مصدر ہے کوئی **المقولة** نکال دیتے ہیں **بعض القول** نکال دیتے ہیں۔
۵۲۔﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ﴾
ربط: ابھی آپ نے سنا کہ جنہوں نے ظلم کیا ان کو ان کے اعمال کا نتیجہ ملے گا۔اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ظلم کر چکے اور گناہ کما چکے کیا ان کے لئے اب نجات کی کوئی صورت بھی ہے۔فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اللہ تعالی تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

بغیر تعیین کے نمازوں کو قضا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا:

مسئلہ: یہاں ایک مسئلہ سمجھیں کہ بغیر تعیین کے نمازوں کو قضاء کرنا اس سے فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا جب تک یہ تعیین نہ ہو کہ فلاں دن کے فلاں وقت کی نماز قضاء کرتا ہوں یا مثلاً میرے ذمہ جو ہزار نمازیں فجر کی ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں۔ تو بغیر تعیین کے ذمہ فارغ نہیں ہوگا بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔

مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت یہ بتائیں قُتلت مقبلاً غیر مدبرٍ دشمن کی طرف میری چھاتی ہو اور پیٹھ نہ دکھاؤں اور شہید ہو جاؤں تو اس صورت میں میرے گناہ معاف ہو جائیں گے سارے کے سارے فرمایا ہاں سارے کے سارے۔ وہ شخص بہت خوش ہوا اور چلا گیا اتنے میں جبرائیلؑ آئے آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کو واپس بلاؤ۔ بلایا گیا فرمایا کیف قلت تو نے کیسا کہا اس نے جو کہا تھا دوبارہ دہرایا۔۔۔۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو ایسا ہی بتلایا تھا لیکن جبرئیلؑ آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں الا الدین تین دفعہ اس کو دہرایا۔

دین سے رب کا دین مراد ہے نماز رب کا دین ہے، روزہ بھی دین ہے۔ شامی میں، البحر الرائق میں مفصل بحث ہے۔

۵٦۔ ﴿أَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ﴾

اس کی دو ترکیبیں آپ پڑھ چکے ہیں کبیر، روح المعانی کے حوالے سے، محلیؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ بـــادروا قبـل ان تـقول نفـس (جلدی کرو اس سے پہلے کہ کوئی نفس کہے، یٰحسـرتی) تو یہ حضرات بادروا کا لفظ نکالتے ہیں۔

٦٠۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

٦٣۔ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾

امام راغب اصفہانیؒ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں کہ مقالید جمع ہے مقلید یا مقلاد کی اور کہتے ہیں کہ اقلید کی بھی ہو سکتی ہے تو مقلید، مقلاد، اقلید کے معنی چابی۔

٦٤۔ ﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْنِّيْ أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا آگے مشرکین کی ایک پیشکش کا رد ہے۔ ایک وفد مشرکین کا آپؐ کے پاس آیا کہنے لگے کہ تیری وجہ سے شہر میں اختلاف پیدا ہو گیا اس ساری کارروائی کا ذمہ دار تو ہے تجھ سے پہلے ایک ہی نظریہ کے لوگ تھے کوئی اختلاف نہ تھا اب دیکھ صلح صفائی سے رہنا اچھی بات ہے۔ تو ایسا کر کہ ہم تیرے اللہ کو پکارتے ہیں آپ ہمارے الٰہوں کو پکاریں۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا قل افغیر اللہ الخ۔

۷۱۔ ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾

ربط: ابھی آپ نے قیامت کا ذکر سنا کہ ”ثم نفخ فیه اخرى“ تو نفخہ ثانیہ کے بعد کیا ہوگا؟ وہ آگے اصولاً دو گروہ

سورہ المؤمن

۱۔﴿حٰمٓ ٥تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں کافروں کا اخروی بدلہ بتلایا کہ دوزخ میں جائیں گے اور مومنوں کی جزاء بتلائی کہ جنت میں جائیں گے۔ اب اس سورت کی ابتداء میں ہے کہ کافروں کو رب تعالیٰ نے دنیا میں ہلاک کیا اور مومنوں کیلئے رب کے فرشتے دنیا میں دعائیں کرتے ہیں۔ یعنی آخرت کی سزا و جزا تو اپنے مقام پر ہے دنیا میں بھی کافروں کو سزا ہوئی اور آخرت میں بھی ناکام ہیں اور مومنین دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ تنزیل الکتب یہ مبتدا ہے اور من اللّٰہ العزیز یہ موصوف مع اپنی صفات کے خبر ہے اب لفظ اللّٰہ موصوف ہے العزیز صفت اول، العلیم صفت ثانی۔ غافر الذنب صفت ثالث قابل التوب یہ اس پر عطف ہے (ذی الطول کا معنی ہے انعام والا، احسان والا اور طول کے معنی قدرت کے بھی ہیں)۔

نحوی اشکال:

قاعدہ یہ ہے کہ اسم فاعل کی اضافت لفظی فائدہ تو دیتی ہے لیکن تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ لفظی فائدہ یہ ہے کہ مضاف پر تنوین نہیں آتی جیسے غافر تھا تو اضافت کی وجہ سے اس پر تنوین نہ آئی معنوی کوئی فائدہ نہیں دیتی وہ نکرہ ہی رہتا ہے۔

سوال: یہ پیدا ہوتا ہے کہ العزیز اور العلیم معرفہ ہیں اور غافر الذنب یہ معرفہ نہیں ہے۔ تو نکرہ کیسے صفت بن گیا معرفہ کی۔

جواب: قرطبی، البحر المحیط، روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ اسم فاعل میں جب دوام اور استمرار کے معنی ہوں تو یفید المعرفۃ معرفہ کا فائدہ دیتا ہے اور حال کا یا استقبال کا معنی ہو تو پھر تعریف کا فائدہ نہیں دیتا اور یہاں اسم فاعل دوام اور استمرار کے معنی میں ہے۔

اب دوسرا اشکال یہ ہے کہ شدید صفت مشبہ ہے اور صفت مشبہ میں دوام بھی ہو تو معرفہ کا فائدہ نہیں دیتا تو یہ معرفہ کی صفت کیسے بنا؟

جواب: یہ دیتے ہیں کہ شدید ہے تو صفت مشبہ لیکن معنی میں اسم فاعل کے ہے اور صفت مشبہ جب اسم فاعل کے معنی میں ہو اور اسم فاعل میں دوام اور استمرار کا معنی ہو تو یفید المعرفۃ۔

۱۰۔﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ﴾

ربط: آپ نے اوپر پڑھا کہ جو کافر ہیں انهم اصحب النار اب آگے ان کفار ہی کا ذکر ہے۔

۲۱۔﴿أَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا﴾

ربط: اوپر کافروں کی اُخروی سزا کا ذکر تھا اب فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی تو ان کو سزائیں دی گئیں یہ زمین میں چلتے نہیں پس دیکھیں کہ کیسا انجام ہوا ان سے پہلے لوگوں کا۔

۲۸۔﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾

فرعون نے جب کہا کہ میں اس (موسیٰ) کو قتل کر دوں گا۔ تو فرعون کی آل میں سے ایک شخص تھا جو فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اس کا نام حزقیل تھا اور اس کی کابینہ میں اونچے درجے پر تھا اس نے خیال کیا کہ یہ ہے تو ظالم موسیٰ کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہے۔ اگر میں اس واقعہ پر خاموش رہتا ہوں تو حق تعالیٰ قیامت کو مجھ سے سوال کرے گا کہ مومن ہوتے ہوئے پیغمبر کی جان تو نے نہ بچائی اور اگر میں جان بوجھ کے بات کرتا ہوں تو ظالم ہے ظلم کرے گا۔۔۔۔۔الیٰ آخرہٖ۔

۳۲۔﴿وَيَا قَوْمِ إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ﴾

قیامت کے دن کو یوم التناد کہنے کی وجہ:

روح المعانی، مظہری، معالم التنزیل، البحر المحیط، مواہب الرحمٰن، کمالین وغیرہ میں یہاں بڑی بحث ہے میں کہتا ہوں سب تفسیریں صحیح ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ جس وقت دنیا میں تم پر عذاب آئے گا تو تم اپنی نصرت کیلئے ایک دوسرے کو بلاؤ گے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ جس وقت قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے آواز دیں گے کہ فلاں رول نمبر والا آئے یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ ''ونادیٰ اصحب الاعراف، نادیٰ اصحب الجنة، نادیٰ اصحب النار'' (سورۃ الاعراف میں ہے) اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ جب جنت والے جنت میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یا اهل الجنة اور دوزخ والوں کو کہیں گے یااهل النار پھر موت کو مینڈھے کی شکل میں دونوں کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''یا اهل الجنة خلود فلا موت ویااهل النار خلود فلا موت''

۳۳۔﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾

ای تولون وجوهكم حال كونكم مدبرين

۳۴۔﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ﴾

یہاں یوسف سے کونسا یوسف مراد ہے؟

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں کیا یوسفؑ تھے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یوسفؑ کو طویل عمر دی گئی اور اس دور کے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ یوسفؑ بن یعقوبؑ نہیں ہے یہ اور یوسف ہیں اور ان کے بعد ان کو نبی بنایا گیا اور جب وہ مر گئے تو تم نے کہا کہ اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ دو تفسیریں آپ کو جلالین تک میں ملیں گی اور امام رازیؒ کبیر میں، علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں، اندلسیؒ البحر المحیط میں فرماتے ہیں کہ یہ ان کو خطاب کر کے بڑوں کا انکار ذکر کیا۔ جیسے پہلے پارے میں آتا ہے ''وظلّلنا عليكم الغمام'' (ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا) ان پر تو بادلوں کا سایہ نہیں تھا اسی طرح ''وانزلنا عليكم المن والسلوٰى'' قرآن پاک کے نزول کے وقت جو یہودی تھے ان پر تو من

وسلویٰ نازل نہیں ہوا تھا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بڑوں پر ہوا تو ان بڑوں کے کارناموں کو یاد کرا کے ان کو شرمندہ کیا جا رہا ہے۔

۳۵ ﴿ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيَاتِ اللّٰهِ﴾

اس کی ایک ترکیب تو محلی نے کی ہے کہ الذین یجادلون ... اتٰھم یہ مبتدا ہے اور کبر مقتًا عند الله یہ اس کی آگے خبر ہے۔ جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ مسرف کا لفظ نکرہ ہے مرتاب کا لفظ نکرہ ہے، نکرہ میں تعمیم ہوتی ہے اس لئے الذین یجادلون کو اس کی صفت بناتے ہیں اور من کا لفظ بھی پہلے ہے جو لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع ہے وہ جو مسرف ہیں مرتاب ہیں وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں

۳۵.﴿عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾

نحوی قاعدہ ہے کہ لفظ کل جب معرفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء کیلئے ہوتا ہے نکرہ پر داخل ہو تو عموم افراد کیلئے ہوتا ہے یہاں قلب کا لفظ نکرہ ہے کل اس پر داخل ہے تو قاعدہ کے مطابق اس کا معنی یہ ہوا کہ متکبر جبار کے ہر ہر دل پر۔ تو متکبر کیلئے تو قلوب کثیرہ ثابت ہوئے کیونکہ افراد کی تعمیم ہے تو یہ تو خلاف واقع ہے جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں ما جعل الله لرجلٍ من قلبین فی جوفه اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب صاحب کشاف نے دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں قلب سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ "کذالک یطبع الله علی کل ذی قلبٍ" تو یہ ذی کا لفظ نکالتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں قلب اگرچہ نکرہ ہے لیکن معرفہ کے معنی میں ہے تو یہاں ضلال (گمراہی) عموم قلوب کیلئے نہیں ہے بلکہ عموم ضلال بجميع القلب کیلئے ہے۔ یعنی لفظ کل پورے دل کی گمراہی کے لئے ہے ہر دل کے لئے نہیں تو معنی یہ ہے مہر کر دیتا ہے گمراہی کی ۔۔۔۔ ہر مغرور جبار کے پورے دل پر۔

۴۵۔﴿ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ﴾

عذاب قبر پر تفصیلی بحث:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں، قاضی عضد الدین ایجیؒ نے مواقف میں، علامہ تفتازانیؒ نے شرح العقائد اور شرح مقاصد میں، جلال الدینؒ نے شرح عقائد جلالی میں چند آیات پیش کیں ہیں قبر کے عذاب پر اور ایک آیت پیش کی ہے علامہ شمس الدین خیالیؒ نے وہ ذرا اختصار پسند ہے۔ میں پہلے علامہ خیالیؒ کے حوالے سے عرض کرتا ہوں سورۃ نوح میں ہے (مِمَّا خطيئٰتهم أغرقوا فادخلوا نارًا). مما میں ما مزیدہ ہے ای من خطیئٰتھم اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ غرق ہوئے یہ غرق جسم اور روح دونوں ہوئے نہ فقط روح اور نہ فقط جسم، فادخلو نارًا پس آگ میں داخل کئے گئے تو اب آگ میں بھی روح اور جسم دونوں داخل ہوں گے۔ علامہ خیالیؒ فرماتے ہیں کہ فادخلوا میں فاء تعقیب بلا مہلت کیلئے ہے تو اس غرقابی کے بعد جو ان کو سزا ہوئی اس کا نام ہے عذاب قبر اور عذاب برزخ جسم بھی اس میں شامل ہے روح بھی شامل ہے اور یہاں دیکھیں 'وحاق بآل فرعون سوء العذاب" (اور گھیر لیا

آل فرعون کو بُرے عذاب نے) تو جس عذاب نے ان کو گھیرا تھا تو روح مع الجسد کو گھیرا نہ فقط روح اور نہ فقط جسم کو۔ پھر "النار یعرضون علیھا" میں بھی روح اور جسم دونوں ہوں گے پھر "یوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون" میں بھی روح اور جسم دونوں ہوں گے۔ یہ عقائد والے پیش کرتے ہیں عذاب قبر کے بارے میں کہ قبر کا عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اور ساتویں پارے میں آتا ہے کہ "ولو تری (اگر تو دیکھے) اذالظلمون فی غمرات الموت" (جس وقت ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے) اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے أخرجوا انفسکم (یہ اخراج کی نسبت ان کی طرف مجازی ہے) یعنی اپنی جانوں کو ہمارے حوالے کرو۔ الیوم تجزون عذاب الھون (آج کے دن تمھیں بدلہ دیا جائے گا ذلت کے عذاب کا) یہ خطاب بھی ارواح مع الاجساد کو ہے۔

اب رہی دوسری بات جن روایات میں یہ آتا ہے کہ أرواح شہداء پرندوں کے اجواف میں جنت میں سیر کرتی ہیں یعنی یہ پرندے ان کی سواری ہوں گے۔ اسی طرح یہاں آیا اس مقام پر کہ یہ کالے رنگ کے پرندے ہیں جن کے اجواف میں آل فرعون کو جہنم میں ڈالا گیا۔ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں مبسوط بحث کی ہے اتنی کسی اور نے اکٹھی نہیں کی۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کی روح علّیین میں ہوتی ہے اس کا تعلق جسم کے ساتھ قبر میں ہوتا ہے۔ وہ علّیین اور قبر کے ساتھ تعلق میں مربوط ہے اور جنت میں بھی چلتی پھرتی ہے اور بدآدمی کی روح سجّین میں ہے قبر میں بھی اس کا تعلق ہے اور یہ سارے تعلقات برحق ہیں۔ ہمارے شعور سے بالاتر ہے اگر ہم عقل سے کام لیں گے تو معتزلی بن جائیں گے۔ ایمان سے کام لو سب اپنی جگہ برحق ہیں کسی کا کسی سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

۵۰۔﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾

دنیا کی زندگی میں پیغمبروں کی مدد کرنے کا مطلب:

ربط: اوپر آپ نے واقعہ پڑھا کہ فرعون نے موسیٰؑ سے کہا "ذرونی اقتل موسیٰ" اور رجل مومن کے بارے میں بھی قتل کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو بھی بچایا اور اس کو بھی آگے رب تعالیٰ اپنا ضابطہ بتلاتے ہیں "انا لننصر رُسلنا" کہ جیسا ہم نے موسیٰؑ اور رجل مومن کی جان بچائی اس طرح ہم پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے پیغمبروں کی ضرور مدد کریں گے حالانکہ بعض انبیاء کرام کو شہید کیا گیا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

"وقتلھم الانبیاء، ویقتلون النبین" اور پیغمبروں نے ہجرت بھی کی ہے تو پھر اس نصرت کا کیا معنیٰ؟ تفسیر ابن جریر طبری جو محمد بن یزید بن کثیرؒ طبری کی (جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی ہے) حافظ ابن کثیرؒ نے جریر طبری کے حوالے سے نقل کیا آلوسیؒ، تھانویؒ نے نقل کیا وانّ جندنالھم الغالبون کے مقام پر۔

امام ابن جریر طبریؒ اس سوال کے دو جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ فرماتے ہیں کہ لفظ رُسلنا اگرچہ جمع کا ہے مراد اس سے بعض ہے معنیٰ یہ ہے کہ ہم اپنے بعض رسل کی اور ایمان والوں کی مدد کریں گے اور فرمایا کہ "وذالک

شائع فی کلام العرب" عرب کے کلام میں یہ درست ہے کہ جمع کا صیغہ بول کر اس سے بعض مراد لیں۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ نـنـصـر بمعنی انتصار کے ہیں انتقام لینا۔ پیغمبر اگر چہ شہید بھی ہوئے زکریا، یحییٰ، شعیب، لیکن اللہ تعالیٰ نے انتقام لیا کہ بخت نصر ایرانی کو مسلط کیا اور ان کی قوم کا کچومر نکالا۔

ایک تیسرا جواب علامہ سلام الدین دہلویؒ دیتے ہیں کمالین میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے وہ رسل مراد ہیں کہ جن کو جہاد کا حکم تھا رب نے ان کی مدد کی۔ جن کو جہاد کا حکم نہ تھا وہ شہید ہوئے جن مومنوں کو جہاد کا حکم نہ تھا وہ مومن شہید ہوئے۔

۵۵۔﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾

اہل حق کے ہاں پیغمبر معصوم ہیں:

روح المعانی، کبیر، ابن کثیر وغیرہ تمام تفسیروں میں یہاں طویل بحث ہے میں نہایت مختص خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ اہل حق کے ہاں پیغمبر معصوم ہیں صغیرہ سے بھی کبیرہ سے بھی۔ پھر یہ کیوں کہا و استـغـفـر لذنبک اور حدیث میں کیوں آتا ہے کہ میں ستر دفعہ اور ایک روایت میں سو دفعہ بے استغفار کرتا ہوں تو جب معصوم ہیں تو یہ استغفار آپؐ نے کیوں کیا؟

جواب یہ ہے کہ یہاں گناہ صغیرہ وکبیرہ مراد نہیں بلکہ وہ زلۃ مراد ہے جس کو رائے کی اجتہادی غلطی کہتے ہیں جیسے بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کی رائے تھی۔ عبداللہ ابن ابی کی جنازہ پڑھانے میں آپ کی ایک رائے تھی۔ شہد کی حرمت کے بارے میں آپؐ کی ایک رائے تھی لیکن جتنا مقام بلند ہوتا ہے اتنی پابندی زیادہ ہوتی ہے۔ باقی حدیث جو ہے اس کا ایک مطلب یہ لیتے ہیں کہ جو اجتہادی غلطیاں تھیں ان پر استغفار کی اور ایک مطلب یہ ہے کہ تعلیماً استغفار کرتے تھے تاکہ امت کیلئے تعلیم ہو۔

۶۰۔﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾

معالم التنزیل والے یہاں دعا کا معنی پکارہی کرتے ہیں " پکارو میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں" اسی کو شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ترجیح دی ہے کہ اس سے پکارنا ہی مراد ہے جبکہ دوسرے حضرات ادعـونـی سے معنی لیتے ہیں عبادت، کہ میری عبادت کرو۔

۶۱۔﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ﴾

ربط: اوپر قیامت کا مسئلہ تھا پھر توحید کا مسئلہ تھا آگے اس کے دلائل ہیں۔

۶۹۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيَاتِ اللّٰهِ﴾

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے منکر رب تعالیٰ کی توحید کے، رسالت کے، قیامت کے پہلے بھی تھے۔

۷۵۔ ﴿كُنتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴾

تفرحون اور تمرحون میں فرق:۔ تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ فرح کے معنی ہوتے ہیں عام خوشی اور مرح کے معنی شدة الفرح بہت زیادہ خوشی۔ فرح ایسی خوشی جو دل میں ہو اور مرح ایسی خوشی جس کا اثر بدن پر ہو۔

۷۹۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾

ربط: آخر میں پھر توحید کا مسئلہ حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کیونکہ مشرکین ان ہی مسائل میں زیادہ الجھتے تھے تو پہلے رسالت اور قیامت کا مسئلہ تھا اب توحید کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔

۸۳۔ ﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُم مِّنَ الْعِلْمِ﴾

دنیاوی علم پر بھی علم کا اطلاق ہوتا ہے:

میں دو آسان ترکیبیں عرض کرتا ہوں ایک تفسیر یہ ہے کہ فرحوا کی ضمیر راجع ہے بسوئے کفار، عندھم کی ضمیر راجع ہے بسوئے رُسُل۔

کافر خوش ہوئے اس چیز پر جو پیغمبروں کے پاس علم تھا یہ فرح استہزاء اور فرح انکار ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ جب ان کے پاس رسل آئے واضح دلائل لے کر تو کفار خوش ہوئے اس چیز پر جو کفار کے پاس علم تھا۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ کفار کے پاس کیا علم تھا کہ کفار کے پاس جو علم تھا کیا شرعاً اس پر علم کا اطلاق ہوتا ہے؟

تو امام رازیؒ، آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اطلاق ہوتا ہے سورۃ روم میں ہے **یعلمون ظاهرًا من الحيوة الدنيا** کہ وہ کفار جانتے تھے دنیا کی زندگی کے ظاہر کو اور آخرت سے وہ غافل ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ یہاں علم کا لفظ بولا گیا ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ وہ کافر خوش ہوئے اس پر جو ان کے پاس دنیا کا علم تھا۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ

۱۔﴿حٰمٓ oتَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾
ربط: تفسیر سبق الغایات میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں توحید اور تہدید تھی دھمکی تھی اس سورۃ میں بھی توحید ہے ''قل ائنکم لتکفرون بالذی الخ'' اور پھر تہدید ہے ''فان اعرضوا فقل انذر تکم'' تنزیل... الرحیم کو مبتدا بناتے ہیں ''کتاب فصّلت الخ'' خبر بناتے ہیں قرآنا عربیًا کو حال بناتے ہیں کتاب سے دراں حالیکہ وہ کتاب قرآن ہے عربی۔ بشیرًا و نذیرًا یہ ترکیب میں کیا ہے؟ کمالین، جمل وغیرہ میں ایک یہ ہے کہ قراناً عربیاً کی صفت ہے دوسری یہ کہ کتاب سے حال ہے۔

۶۔﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ﴾
روح المعانی، خازن، معالم التنزیل، مدارک وغیرہ میں ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے تو پردہ کس بات کا ہے میں تو تمہارے ہی جیسا بشر ہوں کوئی فرشتہ تو نہیں کہ تمھیں نظر نہ آؤں تو یہ حضرات اس کو من بیننا و بینک حجاب سے جوڑتے ہیں۔

جبکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ کانوں میں ڈاٹ ہیں تو میں تو بشر ہوں مجھے خدائی اختیار تو حاصل نہیں کہ میں ان کو ہٹادوں۔

۸۔﴿لَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ﴾
ممنون کے ایک معنی آتے ہیں منقطع کہ ان کا اجر منقطع نہ ہوگا اور دوسرا معنی ممنون کا کرتے ہیں احسان جتایا گیا۔ جس چیز کا احسان جتایا گیا ہو اس کی وہ وقعت نہیں رہتی جو وقعت اس چیز کی ہوتی ہے جس کا احسان نہ جتایا گیا ہو تو یہ جو تمہیں اجر ملے گا رب تعالیٰ احسان نہیں جتلائے گا۔

۹۔﴿قُلۡ اَئِنَّکُمۡ لَتَکۡفُرُوۡنَ بِالَّذِیۡ﴾
ابھی آپ نے ''الٰهکم الله واحد'' پڑھا اب اله واحد کے متعلق ہے کہ اس کا انکار کرتے ہو جس نے پوری زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔

وبٰرک فیها میں ها ضمیر ارض کی طرف لوٹتی ہے اور رواسی کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔

۱۰۔﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ﴾
سوآءً مفعول مطلق ہے ای استوت سوآءً للسائلین۔

۱۱۔﴿ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ﴾
استوٰی کا صلہ جب الٰی آئے تو اس کے معنی قصد اور ارادہ کرنا۔ اور اگر استوٰی کا صلہ علٰی آئے تو اس کا معنی مستقر ہونا، ٹکنا جیسے ''الرحمن علی العرش استوٰی''

۱۲۔﴿ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾

قضٰهن کی ضمیر کدھر جاتی ہے؟ تو اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ السماء کی طرف راجع ہے ثم استوی الی السمآء۔ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ سماء سماءۃ کی جمع ہے اور سموٰت جمع الجمع ہے لہٰذا ھن کی ضمیر سماء کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ جبکہ دوسرے فرماتے ہیں کہ سماء جنس ہے اور جنس میں تعدد کے معنی بھی ہوتے ہیں تو ھن کی ضمیر اس کی طرف لوٹ سکتی ہے صاحب کشاف اس پر مصر ہیں کہ ھن ضمیر مبہم ہے۔ ضمیر مبہم وہ ہوتی ہے کہ جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہوتا۔ آگے جو بیان ہوتا ہے وہ مرجع ہوتا ہے رُبّہ رجلًا اب رُبّہ کی ضمیر جو ہے یہ مبہم ہے۔ آگے رجلاً اس کی تمیز ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ھن کی ضمیر راجع ہے سبع سمٰوٰت کی طرف۔

۱۴۔﴿إِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾

بین ایدیھم ومن خلفھم یہ ظرف زمان ہے یا ظرف مکان ہے۔ تو محلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ظرف مکان ہے پیغمبران کے آگے سے بھی آئے اور پیچھے سے بھی مثلاً لوگ ادھر سے آرہے ہیں اللہ کے پیغمبر پہنچے "یا قوم اعبد وا اللّٰہ مالکم من الہ غیرہ" لوگ جارہے ہیں اپنے کاموں میں اللہ کے پیغمبر پیچھے ہیں "یا قوم اعبدو اللّٰہ مالکم من الہ غیرہ"

دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ظرف زمان ہے۔ ظرف زمان کا یہ معنی ہے کہ یہ جو قوم عاد و قوم ثمود کا ذکر گزرا ان سے پہلے بھی پیغمبر آئے نوح علیہ السلام، ادریس، آدمؑ تو زمانے کے لحاظ سے پہلے بھی پیغمبر آئے اور بعد میں بھی پیغمبر آئے آنحضرت ﷺ تک۔

۱۶۔﴿ فِيْ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾

دنوں میں ذاتی طور پر کوئی نحوست نہیں ہوتی

میں دو باتیں عرض کرتا ہوں ایک یہ ہے کہ دنوں میں ذاتی طور پر کوئی نحوست نہیں۔ کیوں کہ یہاں فرمایا فی ایام نحسات اور دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ہوا ہم نے مسلط کی" سبع لیالٍ وثمانیۃ ایام" (سات راتیں اور آٹھ دن لگا تار) تو اب ثابت ہوا کہ آٹھ دن تو منحوس ہیں تو اپنے لئے ایسا دن مقرر کرو جو منحوس نہ ہو۔ یہ دن اگر منحوس ہے تو یہاں تو اجمال ہے وہاں دوسری جگہ تو آٹھ دن کے لفظ موجود ہیں پھر تو کوئی دن بھی غیر منحوس نہ ہوگا۔ دوسری بات اگر ان دنوں میں ذاتی نحوست ہوتی تو ھودؑ اور ان کے مومنین ساتھی کیوں بچتے حالانکہ بچے تھے۔ اب ان دلائل کو سامنے رکھ کر معلوم ہوا کہ ذاتی طور پر دنوں میں کوئی نحوست نہیں ہے بلکہ یہ نحوست انکے انکار و کفر کی بناء پر ہے۔ جو ان دنوں میں واقع ہوئی اصل نحوست ان کے اعمال کی ہے۔

۱۹۔﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ﴾

ربط: یہ تو ان قوموں پر دنیا کا عذاب تھا جو اوپر اجمالاً ذکر ہوا تھا کہ "ولعذاب الاخرۃ اخزی" اب آگے آخرت کے عذاب کا تھوڑا سا ذکر کرتے ہیں۔

۲۲۔﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ ان اعضاء کا، جلود کا مقولہ ہے دوسرا یہ کہ یہ حق تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہے کہ وہ چمڑے وغیرہ کہیں گے تم چھپ تو نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہارے چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہے کہ اے مجرمو! تم اس سے تو نہیں چھپ سکتے تھے کہ تمہارے کان تمہارے خلاف گواہی دیں، آنکھیں گواہی دیں لیکن تم نے یہ گمان کیا کہ ''ان اللّٰہ لا یعلم کثیرًا مما تعملون'' یہ دیکھیں دنیا میں کوئی کافر بھی ایسا نہیں جو یہ کہے کہ رب نہیں جانتا لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔ تو اس عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے گویا وہ جانتا نہیں تو تم نے عمل اس کے خلاف کیا تو تمہارے اس عمل اور گمان نے تمہیں ہلاک کیا۔

۲۶۔﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾

ابھی آپ نے پڑھا کہ ان کے لئے قرناء ہیں جو ان کے لئے بُرے اعمال کو مزین کرتے ہیں۔ انہی قرناء کا آگے ذکر ہے۔ ولنجزینّهم أسوألذى اى ولنجزينهم جزاء أسوا ألذى كانوا يعملون تو اسوا صفت ہے جزاء کی۔ جزاءً بما كانوا اى يجزون جزاءً بما كانوا بأيٰتنا يجحدون۔

۲۹۔﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾

قابیل کافر تھا یا گناہ گار؟

یہاں روح المعانی میں، کبیر وغیرہ میں بڑی بحث ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ اضلّنا من الجن والانس میں انسانوں میں جو سب سے پہلے تھا وہ قابیل تھا ''اول من سن القتل'' اور جنوں میں ابلیس ہے۔ تو ان کافروں نے کہا کہ ہم قابیل اور ابلیس کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلنا چاہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک اور بحث بھی چھڑی ہے کہ آیا قابیل کافر تھا یا گناہ گار تھا؟ آلوسیؒ نے اسی مقام پر کہا کہ کافر نہ تھا گناہ گار تھا اور حضرت تھانوی صاحبؒ نے بیان القرآن میں چھٹے پارے میں بحث کی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ دو نہیں بلکہ ہر گمراہ کرنے والا انسان اور ہر گمراہ کرنے والا جن مراد ہے۔

۳۰۔﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾

ربط: اوپر نافرمانوں کا ذکر تھا اب فرمانبرداروں کا ذکر ہے وبضدها تتبين الاشياء.

۳۰۔﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ کہ مرتے وقت مومن کے سامنے جنت میں اس کی کوٹھی اس کا محل اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا جاتا ہے تا کہ دنیا سے جدائی کا صدمہ اُسے نہ ہو دوسری تفسیر کرتے ہیں کہ جس وقت قبروں سے نکلیں گے فرشتے انہیں کہیں گے کہ'' الا تخافوا ولا تحزنوا '' یہ تفسیر بیضاوی اور کبیر وغیرہ میں ہے اور اکثر پہلی تفسیر کو لیتے ہیں۔

۳۳۔﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَآ إِلَى اللّٰهِ﴾

ربط: اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو بُرے رفیق تھے اب ان کا ذکر ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پہلے جو تھے وہ تھے شیطان جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے والے ہیں اب ان کے مقابلے میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دعوت الی اللہ دیتے ہیں۔

۳۴۔﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ أَحْسَنُ﴾

محلیؒ معنی کرتے ہیں کہ ولا تستوی الحسنة ولا السیئة فی جزئیا تھما کہ نیکی اور بدی اپنی جزئیات میں برابر نہیں نیکی اعلیٰ درجے کی بھی ہے درمیانی بھی۔ بے کم درجے کی بھی، بدی اعلیٰ درجے کی بھی ہے ادنی کی بھی اور درمیانی درجے کی بھی ہے تو نیکی اور بدی کے جو افراد ہیں ان میں برابری نہیں یہ معنی محلیؒ کرتے ہیں لیکن اگلا جملہ اس کے ساتھ فٹ نہیں ہوتا ادفع بالتی ھی احسن (ٹال ایسے طریقے سے جو اچھا ہو) یہاں حسنة کا سیئہ کے ساتھ تقابل ہے کہ یہ آپس میں برابر نہیں۔ یہ نہیں کہ حسنات کے اجزاء، سیئات کے اجزاء اعلی اور ادنی ہیں۔

۳۶۔﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ﴾

ربط: اوپر داعی الی اللہ کا ذکر تھا آگے فرمایا کہ اے داعی الی اللہ یاد رکھنا کہ جب تمہیں شیطان کچوکا مارے تو اللہ کی پناہ لینا۔

۴۱۔﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾

الذین کفروا بالذکر لما جاء ھم یہ انّ کا اسم ہے۔ اب یہاں مفسرین کرامؒ کا اختلاف ہے کہ آیا انّ کی خبر مذکور ہے یا محذوف؟ مذکور ہے تو کہاں ہے، محذوف ہے تو کہاں ہے؟ ایک طبقہ کہتا ہے کہ خبر مذکور ہے اور وہ ہے "لایاتیہ الباطل من بین یدیہ" یہ خبر ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خبر آگے آتا ہے "اولٰئک ینادون من مکان بعید" جو حضرات کہتے ہیں کہ اس کی خبر محذوف ہے ان کا بھی اختلاف ہے محلیؒ خبر مانتے ہیں نجازیھم، کمالین اور جمل والے نے یہ خبر نکالی ان الذین کفروا بالذکر لما جاء ھم (معذبون)۔ بعضے نکالتے ہیں (مھلکون) (ہلاک کیے جائیں گے) بعض نکالتے ہیں (معاندون) (عناد سے کام لیتے ہیں)

۴۵۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾

ربط: ابھی آپ نے قرآن پاک کا ذکر سنا اور اس کے منکرین کا کہ "ان الذین کفروا بالذکر لما جاء ھم" تو طبعی طور پر آپ کو صدمہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صرف اس قرآن کا انکار نہیں کرتے آپ دیکھتے نہیں ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پس اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔

۴۷۔﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن، سبق الغایات میں یہ ربط بیان کیا ہے کہ پہلے تھا کہ جس نے اچھا عمل کیا تو اپنے نفس کے لئے کیا اور جس نے برائی کی تو وہ اس پر پڑے گی۔ اب نیکی کا بدلہ اور بدی کا بدلہ جو دیا جائیگا وہ قیامت کا دن ہوگا۔ آگے اس کا بیان ہے علم الساعۃ سے علم وقت الساعۃ مراد ہے۔

۴۹۔﴿وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ﴾

تفسیر السراج المنیر وغیرہ میں ہے کہ یؤوس کہتے ہیں ایسی ناامیدی کو جو دل کے اندر ہو اور قنوط کہتے ہیں ایسی ناامیدی کو جس کے آثار بشرے یعنی چہرے پر ہوں۔

سورة الشوریٰ

۱۔﴿حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ كَذَٰلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط دیا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا من لقآء ربھم اور اس میں توحید کا ذکر ہے۔ توحید، رسالت اور قیامت بنیادی مسئلے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ان کا تلازم ظاہر ہے کہ مشرک ان کا انکار کرتا ہے۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ یہ ربط بھی صحیح ہے لیکن پہلی سورۃ کے آخر میں تھا ''الآ انہ بکل شی ء محیط'' اس میں توحید تھی آگے بھی توحید کا ذکر ہے ''کذالک یوحیٓ الیک ای مثل ذالک الایحاء'' (جس طرح یہ وحی اللہ نے کی اس طرح وحی کرتا رہے گا)۔

۵۔﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾

تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، جمل، کمالین وغیرہ میں ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ''تکاد السمٰوٰت یتفطرن من فوقھن'' کہ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹنا شروع کرے کہ ساتواں چھٹے پر چھٹا پانچویں پر پانچواں چوتھے پر علی ہذا القیاس۔ اب یہ کیوں پھٹیں گے؟

ایک وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت ہیں حالانکہ فرشتوں کا وزن نورانی مخلوق ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ آسمان اوپر سے پھٹ جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے جو اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس تسبیح کی عظمت کے پیش نظر اور ذکر کے پیش نظر وہ آسمان بھی پھٹ جائیں گے جیسے آگے آپ پڑھیں گے'' لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبلٍ لرأیتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللّٰہ''۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں ان غلط باتوں سے رب تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ اگر فوراً پکڑنا چاہیں تو آسمانوں اور زمین کا نظام درہم برہم ہوجائے جیسے سورۃ مریم میں آتا ہے۔ ''وقالوا اتخذ الرحمن ولدًا لقد جئتم شیئًا ادًا تکاد السموات یتفطرن منہ و تنشق الارض و

تخر الجبال هدًا. ان دعوا للرحمن ولدًا. "ان تعلیلیہ ہے ای لاجل ان دعوا للرحمن ولدًا۔ تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کیں ہیں شرک کی بھی، اولاد کی بھی۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کیوجہ سے قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ جائے۔

۵۔﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾

میں نے عرض کیا ہے کہ "الموصولات لم توضع للعموم بل هي للعموم والخصوص" یہ شرح مواقف میں بھی ہے اصول سرخسیؒ میں بھی ہے۔ من موصولات میں سے ہے اب من فی الارض کا یہ معنی تھوڑا ہے کہ فرشتے سب زمین والوں کیلئے معافی مانگتے ہیں، ہندوؤں کیلئے بھی، سکھوں کیلئے بھی بلکہ مراد اس سے بعض ہیں آپ سورۃ مومن میں پڑھ چکے ہیں "ویستغفرون للذین آمنوا

۷۔﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى﴾

ای کما اوحینا الی الانبیاء من قبلک کذالک اوحینا الیک

۱۰۔﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ﴾

ربط: اوپر دو گروہوں کا ذکر تھا "فریق فی الجنة وفریق فی السعیر" اسی کے سلسلے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وما اختلفتم فیه من شیء (اور جس جس چیز کے بارے میں تم اختلاف کرتے ہو) فحکمه الی اللہ بعض نکالتے ہیں فحکمه مردود الی اللہ (اس کا حکم اللہ کی طرف رد کیا ہوا) ہے بعض نکالتے ہیں فحکمه مفوض الیٰ اللہ (اللہ کے سپرد کیا ہوا ہے)

۱۱۔﴿ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

کشاف والے کہتے ہیں کہ فیه کی ضمیر جعل میں جعل مصدر کی طرف راجع ہے (بکھیرتا ہے تم کو اس جعل اور بناوٹ میں)۔

جمل والے کہتے ہیں کہ فیہ کی ضمیر مذکور المرجع نہیں ہے وہ دو مرجع نکالتے ہیں۔ یذرؤکم فیه ای فی البطن

دوسرا یہ کہ فیه کی ضمیر راجع ہے بسوئے رحم یذرؤکم فی الرحم۔

۱۱۔﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾

اس کمثله میں کاف زائد ہے کیونکہ اگر کاف زائد نہ ہو تو کاف بھی بمعنی مثل کے ہوتا تو معنی یہ ہونگے کہ اللہ کے مثل کی مثل نہیں تو نفی تو مثل کے مثل کی ہوئی مثل تو ثابت ہوئی۔

۱۷۔﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ﴾

میزان سے کیا مراد ہے؟

ایک تو یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ کتاب ہی میزان ہے حق و باطل کے درمیان، عطف تفسیری ہے۔

دوسرا یہ کہ میزان سے عقل مراد ہے کہ عقل سے کھوٹی کھری بات میں انسان تمیز کرتا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ میزان سے میزان (ترازو) ہی مراد ہے جیسے کہ حسی چیزوں کا تم ترازو سے موازنہ کرتے ہو اس طرح یہ کتاب ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کھری کھوٹی باتوں کا امتیاز کرتے ہو۔

(۱۷)﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ﴾

اس قسم کا سوال آٹھویں پارے میں گزر چکا ہے کہ قریب کا لفظ تو مذکر ہے اور الساعۃ مؤنث ہے۔ تو یہ حمل کیسا ہے؟ تو اس کے تین جواب ہیں دو جواب پہلے ذکر ہو چکے ہیں،

تیسرا عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ **لعل الساعة قريب اى اتيان الساعة قريب**۔

۲۰۔﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي﴾

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے اسی قیامت کو حاصل کرنے والوں اور اس سے گریز کرنے والوں کا ذکر ہے۔

۲۳۔﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾

مودة فی القربیٰ کا معنی:

شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تم سے اس قرآن کے بیان کرنے پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا **الا المودة فی القربیٰ** مگر یہ کہ تم میری اہل بیت کیساتھ محبت کرو۔ (حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ ان کے ساتھ محبت کرو یہ میں تم سے سوال کرتا ہوں) تو وہ **مودة فی القربیٰ** کا معنی اہل بیت لیتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا عقلاً بھی باطل ہے نقلاً بھی باطل ہے۔

عقلاً اس لئے باطل ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ مدینہ طیبہ آپؐ ہجرت کر کے جاتے ہیں ہجرت کے تیسرے سال کے آخر میں حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ کے ساتھ نکاح ہوا رمضان ۴ھ میں حضرت حسنؓ کی ولادت ہوئی ۵ھ میں حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی تو یہ سورۃ تو مکی ہے اور مکہ میں نہ حضرت حسنؓ کا وجود نہ حضرت حسینؓ کا وجود اور نہ ان کے والدین کا نکاح ہوا تھا تو کیسے ہم مانیں کہ **مودة فی القربیٰ** کا یہ معنی ہے کہ تم اہل بیت سے محبت کرو

نقلاً اس لئے باطل ہے کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعید ابن جبیرؒ کی روایت ہے کہ یہ آیت اہل بیت سے محبت کرنے کے سلسلے میں ہے۔ فرمایا دیکھو یہ نہیں مطلب۔ آنحضرتؐ یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرا خیال نہیں رکھتے تو اس کو چھوڑو میری تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے کسی خاندان سے، پھوپھی کسی سے چچی وغیرہ میری تمہارے ساتھ جو قرابت ہے اس کا تو خیال رکھو۔

۲۴۔﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے یعنی نبوت معاذ اللہ تم سے چھین لیں اور اللہ تعالیٰ باطل کو خود مٹا دے اور حق کو خود ثابت کر دے اپنے فیصلوں سے، تیرا درمیان میں واسطہ ہی نہ رہے رب چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ کبیر، روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں بھی یہ تفسیر موجود ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ **فان يشاء الله** پس اگر اللہ چاہے " **يختم على قلبك بالصبر على اذا**

ھم'' تیرے دل پر صبر کی مہر لگا دے تا کہ انکی اذیت پر آپ صبر کریں ویمح اللّٰہ آگے جملہ مستانفہ ہے اور مٹا دے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کر دے حق کو اپنے فیصلوں سے۔

ویمح اللّٰہ میں واؤ کو بغیر کسی قاعدے کے محض تخفیف کیلئے گرا دیا یہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

یہاں یہ دوسری تفسیر محلیؒ نے کی ہے۔

۲۶۔﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ الذین آمنوا یہ مفعول ہے یستجیب کا اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے کہ دعا قبول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی جو مومنین ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ الذین امنوا مفعول نہیں بلکہ یستجیب کا فاعل ہے کہ قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔

قیل کے ساتھ یہ تفسیر کی گئی ہے کیونکہ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آتا ہے کہ پہلے تمام ضمائر اللہ کی طرف راجع ہیں یقبل التوبۃ، یعفوا عن السیئات وغیرہ میں، آگے بھی یزید ھم کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔

تو پہلی تفسیر زیادہ اولیٰ ہے کہ یستجیب کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور الذین امنوا اس کا مفعول ہے اور الذین سے پہلے مضاف محذوف ہے ای یستجیب دعاء الذین امنوا۔۔۔۔ان لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

۳۰۔﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر رزق کشادہ کرے تو لوگ زمین میں سرکشی کریں اسی سرکشی کے بارے میں فرمایا کہ جو تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے یہ تمہاری سرکشی کا نتیجہ ہے۔

۳۵۔﴿وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا﴾

ویَعلَمَ کا عطف کس پر ہے؟ اس میں بہت بحث ہے آسان بات وہ ہے جو محلیؒ نے کہی ہے فرماتے ہیں کہ یہاں ایک جملہ محذوف ہے اور یہ اس پر عطف ہے وہ ہے یغرقھم لینتقم منھم ویعلم الذین.... (اللہ تعالیٰ ان کو غرق کر دیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لیں اور تا کہ جان لیں وہ لوگ جو جھگڑے کرتے ہیں ہماری آیات میں)

دوسرے حضرات نکالتے ہیں یوبقھم لینتقم منھم، ویعلم الذین کا عطف لینتقم پر ہے۔ محلیؒ یُغرق کا لفظ نکالتے ہیں اور دوسرے حضرات یوبق کا لفظ نکالتے ہیں۔

۳۸۔﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾

منصوص مسائل میں مشورے کی ضرورت نہیں:

یہاں روح المعانی میں، کبیر میں، خازن میں کافی بحث ہے میں ملخص بات کرتا ہوں ایک تو مسئلے ہیں منصوص جو قرآن کی نص سے، حدیث سے، اجماع سے ثابت ہوں ان مسائل میں مشورے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غیر منصوص مسائل میں اہل حل وعقد لوگوں سے، علماء، صلحاء، فقہاء سے مشورہ لیں۔

۳۹۔﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾

یہاں دوشقوں میں اعتراض ہے ایک شق یہ ہے کہ ابھی آپ نے پڑھا" واذا ما غضبوا هم يغفرون" (غصہ آتا ہے ان کو تو معاف کرتے ہیں) یہاں بتایا کہ بدلہ لیتے ہیں تو اس میں تو آپس میں تعارض ہے۔ دوسرا یہ کہ دوسرے مقام پر آتا ہے" كاظمين الغيظ العافين عن الناس" مومنوں کی صفت ہے کہ غصہ پیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور یہاں ہے کہ بدلہ لیتے ہیں، یہاں بھی متقین ہیں وہاں بھی متقین ہیں۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مصداق الگ الگ ہیں۔ وہ انتقام لیتے ہیں کافروں سے اور معاف کرتے ہیں مسلمانوں کو" أشداء على الكفار رُحماء بينهم"

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی مسلمان وہاں بھی مسلمان ہے ایک مسلمان غلطی کرتا ہے اپنی غلطی پر نادم ہے پشمان ہے ایسے موقع پر اس کو معاف کرتے ہیں اور ایک وہ ہے جو غلطی کرتا ہے اور اس پر مصر ہے تو ایسے موقع پر اس کا علاج کرتے ہیں" فوكز ،موسٰى" کہ اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے۔

۴۱۔﴿وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ﴾

ربط: اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر تھا کہ انما السبيل على الذين.... گمراہ لوگوں کا ذکر تھا آگے اس کے مد مقابل مومنین کا ذکر تھا اب ان ظالمین کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا اس اضلال کے بعد" من بعده اى بعد اضلاله"

۴۵۔﴿وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا﴾

ھا ضمیر کا مرجع ہے عذاب لیکن وہ مذکر ہے اور یہ مونث تو فرماتے ہیں کہ اس کا مرجع النار ہے جس پر دلالت کرتا ہے لفظ عذاب جو" رأوا العذاب" میں ہے۔

۴۷۔﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ......﴾

(کوئی تمہارے لئے نکیر نہیں ہوگی) اس کو یوں سمجھیں کہ ایک جج فیصلہ کرتا ہے دوسرا اس کا دوست یا اس سے بڑے رتبے والا وہ اس کو تنبیہ کرتا ہے کہ تو نے فیصلہ اچھا نہیں کیا تو نے ظلم کیا ہے۔ رب تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا تو تمہارے لئے تمہارے فائدے کیلئے، ہمارے فیصلے پر کوئی انکار کرنے والا نہیں ہوگا کہ یہ کہے کہ ایسا فیصلہ کیوں ہوا اس پر نظر ثانی کرا ایسا کوئی نہیں ہوگا۔

۵۱۔﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾

اس مقام پر وحی کا مفہوم:

حضرت عثمانیؒ نے جو تحقیق یہاں کی ہے میرے خیال میں وہ بڑی مختصر اور آسان ہے۔ فرماتے ہیں کہ وحی کا مفہوم اس مقام پر یہ ہے جو بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا احیانا وحی ایسے آتی ہے كصلصلة الجرس جیسے گھنٹی بجتی ہے، فرشتہ نظر نہیں آتا تھا اندر ہی اندر وہ وحی کر جاتا ہے۔ وہ جو کہتا ہے مجھے یاد

ہو جاتا ہے تو اس سے وہ وحی مراد ہے کہ فرشتہ نہ انسانی شکل میں ہو اور نہ اپنی شکل میں اور اس کی مثال دیتے ہیں کہ تار گھر میں صرف کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے کوئی نظر نہیں آتا کہ غیر آدمی اس آواز کو نہیں سمجھتا لیکن جو اس میں کام کرتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے۔

۵۲۔ ﴿وَلَا الْاِیْمَانُ﴾

ایمان سے ایمان کی تفصیلات مراد ہیں کیونکہ پیغمبر پیدائشی طور پر مومن ہوتا ہے شرک ایک لحمہ کیلئے بھی نہیں کرتا

سورة الزخرف

۱۔﴿حٰمٓ ٥ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں کتاب کا ذکر تھا توحید اور رسالت کا ذکر تھا اس میں بھی یہی تین چیزیں ہیں پہلے کتاب ہے پھر توحید پھر رسالت ہے اور اسی مناسبت سے آگے واقعات بیان ہونگے نام اس کا زخرف ہے۔ زخــــرف کے معنی سونے کے آتے ہیں واؤ قسمیہ ہے۔

۵۔﴿أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِيْنَ﴾

محلیؒ نضرب کے معنی کرتے ہیں نمسک (روکنا)۔

صاحب کشاف نضرب کا معنی کرتے ہیں فننحي (پہلو تہی کرنا)

تو مطلب پہلی تفسیر کی رو سے یہ ہوا کیا ہم روک لیں گے تم سے قرآن پاک۔

دوسری تفسیر کی رُو سے مطلب یہ ہوگا کیا ہم پہلوتہی کریں گے تم سے اس ذکر کے بارے میں اور لوٹا دیں گے تم کو

اب صفحًا کیا ہے؟

جواب: ایک تفسیر یہ ہے کہ صفحًا مفعول لہ ہے اس کا معنی ہے کیا ہم روک لیں گے تم سے ذکر کو پہلوتہی کی وجہ سے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ صفحًا حال ہے اور مصدر ہے جمع کے معنی میں بعض معنی یوں کرتے ہیں أفنضرب عنكم الذكر صافحين (کیا ہم روک لیں گے تم سے قرآن کو دراں حالیکہ ہم پہلوتہی کرنے والے ہیں)۔

ان تعلیلیہ ہے اس واسطے کہ تم مسرف قوم ہو یعنی تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو اس وجہ سے ہم تم سے قرآن پاک کو روک لیں گے، نہیں بلکہ تم تک اس قرآن کو پہنچائیں گے ماننا اور نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

۱۳۔﴿لِتَسْتَوُوْا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾

ظہور کا لفظ جمع کا ہے اور ہ ضمیر مفرد لائے صاحب جلالین کہتے ہیں کہ "والانعام ماتر کبون" میں ما معنیً جمع اور لفظاً مفرد ہے اس ما کے لفظ کی مناسبت سے ظھورہٖ میں ہ ضمیر مفرد لائے اور استو یتم علیه میں علیہ ضمیر مفرد لائے اور معنیً چونکہ جمع ہے اس لئے ظہور جمع لائے۔

۱۵۔﴿أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ﴾

ربط: پہلے اجمال تھا "وجعلوا له من عباده جزء ا" آگے اس کی تفصیل ہے۔

۲۳۔﴿وَكَذٰلِكَ مَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ﴾

اس کی دو ترکیبیں کرتے ہیں ایک یہ ہے و کذالک ای الامر کذالک معاملہ یوں ہی ہے۔ آگے ماارسلنا کو جملہ مستانفہ بناتے ہیں علامہ ابوسعودؒ یہ کرتے ہیں۔

جبکہ بعض دوسرے حضرات جن میں بغویؒ بھی ہے آلوسیؒ اور خازنؒ بھی ہیں۔ وہ ایک ہی جملہ بناتے ہیں۔

"وكذالك اى كما قالوا لك كذالك ماارسلنا من قبلك فى قرية من نذير الا قال مترفوه

جیسے انہوں نے یہ بات کہی ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کہا۔

۲۶۔﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ﴾

ربط: تفسیر حقانی میں حقانیؒ اور بھی دوسرے بزرگ دو طریقے ربط کے بارے میں اختیار کرتے ہیں پہلا یہ کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے آباء کے طریقے پر چلتے ہیں" انا وجدنا اباء نا علی اُمةٍ الخ " آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے مشرکین عرب تمہارا دعویٰ ہے کہ ابراہیم تمہارے باپ ہیں تو ان کا بیان سن لو کہ اُن کا عقیدہ کیا تھا ان کا عقیدہ تھا "اننی براء مما تعبدون" تو تم نے ان کی پیروی کہاں کی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمہارے آباء غلط کار ہوں اور یقیناً تھے تو دیکھو ابراہیمؑ کی طرف تم نسبت کرتے ہو ابراہیم نے تو اپنے باپ کو کہا تھا اور اپنی قوم سے کہا" اننی برآء مما تعبدون " تو تم بھی آباء کی غلط باتیں سن کر بیزاری کا اعلان کرو نہ یہ کہ ان کی پیروی کرو اس وجہ سے یہ واقعہ بیان کیا۔

۲۸۔﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً﴾

جعلها کی ضمیر اننی برآء مما تعبدون یہ جو کلمہ ہے اس کی طرف لوٹتی ہے۔

۳۱۔﴿عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾

رجل موصوف ہے عظیم اس کی صفت ہے موصوف اور صفت کے درمیان فاصلہ نہیں آنا چاہیئے لیکن نحوی کتابوں میں لکھا ہے کہ جار مجرور کے درمیان میں فاصلہ آئے تو وہ کوئی فاصلہ نہیں ہوگا اور من القریتین جار مجرور ہے۔

اب ان دو بستیوں سے کیا مراد ہے؟ تو ایک سے مکہ مکرمہ اور دوسری سے طائف۔ مکہ مکرمہ میں قرآن اُترتا تو ولید ابن مغیرہ پر اُترتا اور اگر طائف میں اُترتا تو عروہ ابن مسعود ثقفیؓ پر اُترتا یہ یتیم ہی رب کو ملا۔ نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوٰة الدنیا اس کی تفصیل آگے آئے گی)

۳۱۔﴿بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾

اہل بدعت کا باطل استدلال:

سخریا کا مجرد مادہ کیا ہے؟ تو ایک گروہ کہتا ہے کہ سخریًا کا مجرد مادہ ہے تسخیر تو معنی یہ ہے کہ تا کہ بعض بعض کو خدمت گذار بنالیں ان سے کام لیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سخریًا کا مجرد مادہ مسخرة ہے تو معنی یہ ہے کہ اسلئے درجات بلند ہوئے (لام عاقبت کیلئے ہے) تا کہ یہ مسخرہ کریں۔ کہ دیکھو یہ کیسا ہے وہ کیسا ہے۔ اب یہاں ایک بات غور سے سن لیں زمانہ حال کے مبتدعین کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ رزق کو تقسیم کرتے ہیں جو کچھ دنیا کو ملتا ہے آپ ہی تقسیم کرتے ہیں یہ عقیدہ احمد رضا خان نے بیان کیا" الــمَنّ والاُلٰی " کتاب میں۔ مبسوط بحث میں نے" دل کا سرور" میں کردی ہے یہاں تھوڑی سی بات کرتا ہوں۔ پہلے ان کا دعویٰ سمجھیں پھر دلیل سمجھیں پھر توڑ سمجھیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں دلیل ان کی وہ روایت ہے جو بخاری شریف میں ہے (من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین انما انا قاسم والله یعطی) حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے لیکن ان کا یہ استدلال عقلاً بھی

باطل ہے اور نقلا بھی باطل ہے۔ نقلا اس لئے باطل ہے کہ یہ استدلال نص قطعی کے خلاف ہے، احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو مطلب قرآن اور احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہو وہ کبھی بھی قرآن کا مطلب نہیں ہوسکتا حدیث کا مطلب نہیں ہوسکتا۔ اب نص قطعی کے کیسے خلاف ہے؟ دیکھئے یہاں نحن قسمنا میں نحن ضمیر ہے اس کو مقدم لائے حصر کیلئے کہ ہم ہی نے تقسیم کی ان کے درمیان ان کی روزی تو نص تو یہ بتلاتی ہے کہ تقسیم کرنا رب کا کام ہے۔ پھر میں نے وہ حدیثیں پیش کیں ہیں حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کی آنحضرتؐ نے فرمایا'' ان اللّٰہ یعطی الدنیا من یحب ومن لا یحب ولا یعطی الایمان وفی روایۃ الدین الامن یحب'' اسی حدیث میں آگے آتا ہے ان اللّٰہ قسم بینکم أخلاقکم کما قسم بینکم أرزاقکم۔ تو تمہارا یہ کہنا نص کے بھی خلاف ہے۔ حدیث کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے کہ میرے جیسا گناہ گار یہ نہیں چاہتا کہ کوئی اسے یہ کہے کہ تم شراب تقسیم کرتے ہو ہیروئن تقسیم کرتے ہو تو آپ ﷺ کے بارے میں ایسا کہنا کونسا آپ کی مدح ہے بلکہ توہین اور گستاخی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ رب کیوں دیتا ہے؟ تو میں نے اس کا تفصیل کے ساتھ جواب دیا ہے کہ لایسئل عما یفعل وھم یسئلون ۔ رب تعالی قانون کا مکلّف نہیں ہے مخلوق مکلّف ہے۔ تو اس میں تو آنحضرتؐ کی انتہائی توہین ہے۔ رہا حدیث کا مسئلہ تو محدثین دو بابوں میں اس کو ذکر کرتے ہیں ایک باب العلم میں تو وہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں علم کو تقسیم کرتا ہوں واللّٰہ یعطی ای الفھم والتوفیق للعمل فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے۔ اور دوسرا مال غنیمت کے باب میں پیش کرتے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ میں مال غنیمت کو تقسیم کرتا ہوں دینے والا اللہ ہی ہے اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد بھی آپ دیتے ہیں صحت بھی آپ دیتے ہیں حاشا وکلا ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ باقی تفصیل دیکھنی ہو تو ''دل کا سرور'' دیکھیں۔

۳۳۔﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ أُمَّةً﴾

علامہ محلیؒ یہاں خوف کا لفظ نکالتے ہیں ''ولولا خوف ان یکون الناس'' اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک امت ہو جائیں گے یعنی کافر تو ہم بنا دیتے ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی۔ لیکن بیضاویؒ خوف کا لفظ نہیں نکالتے کیونکہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رب کو بھی کسی چیز کا خوف ہے۔ وہ نکالتے ہیں ''لولا ان یرغبوا فی الکفر'' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ کفر کی طرف راغب ہو جائیں گے اور لوگ ہو جائیں گے ایک ہی گروہ تو البتہ ہم کر دیتے ان لوگوں کیلئے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی۔

۳۶۔﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ﴾

ربط: اوپر کفار کا ذکر تھا آگے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ کافر رحمٰن کے ذکر سے اندھے ہیں'' وانھم لیصدو نھم عن السبیل ای عن سبیل الھدایۃ'' الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے۔

۴۵۔﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا﴾

تین تفسیریں یہاں نقل کی گئی ہیں بیضاوی، کشاف، روح المعانی، معالم التنزیل وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ سوال کران پیغمبروں کی اُمتوں سے جوتم سے پہلے آئے ہیں تو یہاں اُمم کا لفظ محذوف ہے واسئل من ارسلنا ای واسئل اُمم من ارسلنا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ سورۃ معراج کے واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تھی معراج کا واقعہ اس کے بعد پیش آیا تو مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبروں سے ملاقات ہوگی تو پیغمبروں سے پوچھ لینا اسراء کے موقع پر کہ کیا رحمن کے علاوہ اور الٰہ ہیں جن کی عبادت کی جاسکتی ہے۔ تو پیغمبروں سے براہ راست سوال کرنا مطلوب ہے۔ علامہ ابوالبرکات نسفیؒ مدارک والے کہتے ہیں کہ حقیقتاً سوال مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ کیا پہلے رسولوں کے دین میں، ان کی کتابوں میں ایسی کوئی چیز ہے کہ اللہ کے بغیر کوئی اور بھی الٰہ ہو؟

۴۶۔﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾

ربط: اوپر رسل کا لفظ تھا اب دو پیغمبروں کا ذکر کرتے ہیں ایک موسیٰؑ کا اور ایک عیسیٰؑ کا اس کی وجہ میں روح البیان کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ عرب کی سرزمین میں مشرکین کے بعد آبادی یہود کی ہے تیسرے نمبر پر نصاریٰ ہیں۔ یہ مشرکین انکے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے ان واقعات کو سنتے تھے اس لئے ان واقعات کو ذکر کیا۔

۴۷۔﴿وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا﴾

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر نشانی بڑی ہوتی ہے دوسری سے حالانکہ واقعہ یوں نہیں فرمایا کہ عربی میں کہتے ہیں ھما اخوان کل منھما اکبر من الآخر وہ دو بھائی ہیں ہر ایک ان میں سے اکبر ہے دوسرے سے مطلب یہ ہے کہ ہر ایک اپنے مقام پر عزت والا ہے۔ تو اکبر من اختھا کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک نشانی اپنے مقام پر بڑی ہے یعنی ان کی فضیلت دوسری پر نہیں۔

۵۲۔﴿أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ﴾

تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا ''أفلا تبصرون أم تبصرون فحينئذ انا خير من هذا الذى هو مهين '' کیا تم نہیں دیکھتے یا تم دیکھتے ہو تو اس وقت میں بہتر ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے۔

۵۷۔﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا﴾

ربط: پہلے موسیٰؑ کا ذکر تھا آگے عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔

۶۸۔﴿يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾

پیچھے اوپر متقین کا ذکر تھا آگے ان متقین کے اوصاف ہیں۔

۸۱۔﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾

تفسیر کبیر، خازن، مدارک وغیرہ تفسیروں میں دو تفسیریں ملیں گی امام بخاریؒ نے صرف ایک ہی لی ہے کتاب التفسیر میں وہ یہ ہے کہ ان نفی کے لئے ہے عابدین کا معنی جاحدین انکار کرنے والے عبد یعبد باب نصر سے آئے تو اس

کے معنی ہوتے ہیں عبادت کرنا، جیسے واعبدوا، لاتعبدوا، اور عبد یعبد سمع باب آئے تو اس کے معنی انکار کرنا
تو یہ عبد یعبد سمع باب سے ہے تو معنی یہ ہیں کہہ دیں نہیں ہے رحمٰن کیلئے اولاد میں منکرین میں سے پہلا ہوں۔
دوسری تفسیر عبد یعبد نصر سے ہے۔
ان شرطیہ ہے شرط کا خارج میں تحقق ضروری نہیں ہوتا۔ کہہ دیں کہ اگر ہوتا رحمٰن کیلئے ولد تو میں سب سے پہلے
اقرار کرتا عبادت کرتا۔

۸۶۔﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾

وہ جانتے ہیں کیا جانتے ہیں فرمایا "وهم يعلمون بقلوبهم ماشهدوا به بالسنتهم" وہ جانتے ہیں
دلوں سے اس چیز کو جس کی گواہی ان کے زبانوں نے دی یہ جلالین تک آپ کو ملے گا۔

سورة الدخان

۱۔﴿حٰمٓ ٥ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ﴾

رابط: تفسیر سبق الغایات میں یہ رابط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا "وهو الذي في السماء اله" کا ذکر تھا آگے بھی توحید کا ذکر ہے اور شرک کا رد ہے۔نام اس سورۃ کا دخان ہے۔

۳۔﴿إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾

لیلۃ مبارکۃ سے کونسی رات مراد ہے؟

روح المعانی، ابن کثیر، معالم التنزیل، خازن وغیرہ تفسیروں میں خاصی بحث ہے کہ اس لیلۃ مبارکۃ سے کیا مراد ہے؟ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے "انا انزلناه في ليلة القدر"

دوسری تفسیر یہ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے پندرھویں شعبان جس کے بارے میں حدیثوں میں آتا ہے کہ اس رات سال میں جن لوگوں نے مرنا ہوتا ہے ان کی فہرست حوالے کی جاتی ہے رزق تقسیم ہوتا ہے وغیرہ۔اگر یہ مراد ہو تو انزلناه في ليلة مباركة کا معنی آلوسیؒ اور عثمانیؒ کرتے ہیں کہ فیصلہ تو کیا گیا پندرھویں شعبان کو لیکن اس کا اجراء ہوا لیلۃ القدر میں اور عملی طور پر لیلۃ القدر میں قرآن اتارا گیا۔

۱۰۔﴿تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾

دخان مبین سے کیا مراد ہے؟

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں اور دونوں بخاری شریف میں موجود ہیں۔ایک عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک عبداللہ ابن عباسؓ کی ہے اور میں کہتا ہوں کہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ یہ تفسیر کرتے ہیں کہ آپؐ نے جب اہل مکہ کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا انہوں نے نہ مانا آپؐ نے ان کیلئے بددعا کی کہ پروردگار ان پر ایسے سال مسلط کردے کسنین یوسف جیسا کہ یوسفؑ کے زمانے میں قحط سالی کے سال تھے تو ایسی بھوک ان پر مسلط ہوئی "حتى أكلوا الميتة والجلود والعظام" جب اٹھتے تھے تو سامنے دھواں ہی دھواں ہوتا تھا۔

تو ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس دھواں سے یہ مراد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے جو دھواں ہے جیسا کہ دجال کا خروج، عیسیٰؑ کا نزول یا جوج ماجوج کا خروج وغیرہ نشانیوں میں سے ایک نشان دخان بھی ہے جیسا احادیث کی کتابوں میں ہے۔

۱۸۔﴿أَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ﴾

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں ان ادوا الى ما ادعو كم ياعباد الله. عباد کا نصب حرف یاء کی وجہ سے ہے جو محذوف ہے معنی یہ ہے کہ تم ادا کرو مجھے جس چیز کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اے اللہ کے بندو!، یہ تفسیر محلیؒ وغیرہ نے کی ہے۔

دوسری تفسیر کرتے ہیں کہ عباد اللہ، ادوا کا مفعول ہے معنی ہوگا کہ میرے حوالے کرو اللہ کے بندوں کو یعنی ان ارسل معنا بنی اسرائیل کہ ان بنی اسرائیل کو جن کو تو نے غلام بنایا میرے حوالے کردو۔ میں ارض مقدسہ میں لے جا کر ان کو آزادی دلاؤنگا۔

۳۰۔﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ﴾

ربط: اوپر موسیٰؑ کا قصہ تھا آگے اس کا تتمہ ہے۔

۳۱۔﴿مِنْ فِرْعَوْنَ﴾

یہ ترکیب میں کیا ہے؟ ایک یہ ہے کہ یہ بدل ہے العذاب المھین سے۔

دوسرا یہ کہ من فرعون کو حال بناتے ہیں معنی یوں کرتے ہیں جمل والے، کمالین والے کہ ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو عذاب مھین سے کائناً من فرعون اس حال میں کہ وہ عذاب ہونے والا تھا فرعون کی طرف سے۔

۳۷۔﴿أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

تُبَّع کون تھا نبی یا ولی؟

تفسیر بیضاوی، خازن، معالم التنزیل، مدارک، کمالین وغیرہ وغیرہ تفسیروں میں جو لکھا ہے اس کا میں خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ یمن کا علاقہ تھا، حمیر کا قبیلہ تھا اس میں ایک شخص تھا۔ اس کا نام اسعد بن ملیک ابوالکرب تھا اور آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت سے نوسو سال پہلے گزرا، بڑا صاف دل آدمی تھا، پڑھا لکھا تھا پہلی کتابوں میں انہوں نے آنحضرتؐ کے اوصاف پڑھے اور ذہن بھی بڑا صاف تھا تو پہلے آپؐ پر ایمان لایا اور اس نے تحریر دی کہ "من العبد الضعیف ابوالکرب اسعدبن ملیک الی محمد بن عبد اللّٰہ ورسول رب العالمین وخاتم النبین" لکھا کہ حضرت میں آپؐ کے آنے سے پہلے آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور میں یہ امید رکھتا ہوں کہ آپؐ میری سفارش کریں گے۔ اس نے ایک قصیدہ بھی لکھا جس کے ایک مصرع کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر میری عمر لمبی ہوئی اور میں زندہ رہا میں آپ کی خدمت کروں گا اور آپؐ کا تعاون کروں گا۔ یہ خط ابوایوب انصاریؓ کے خاندان میں چلا آتا تھا تو اس نے اپنی قوم کو دعوت دی قوم نے نہ مانا اللہ نے ان کو ہلاک کردیا۔

ابوداؤد میں، مستدرک میں، الترغیب والترھیب میں، مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا ادری اتبع نبی ام لا (میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہ تھے)۔ جمہور ان کو اللہ کا نیک بندہ ولی مانتے ہیں۔

۴۳۔﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ﴾

ربط: ابھی آپ نے یوم الفصل کا لفظ پڑھا اس دن مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا متقین کے ساتھ کیا ہوگا آگے اس کی تفصیل ہے۔

۵۴۔﴿وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ﴾

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہاں ان کے ساتھ (حوروں کے ساتھ) نکاح کیا جائے گا۔ امام بخاریؒ زوجنھم کا

معنی کرتے ہیں انکحناھم بحور عین۔ یہ اکثر تفسیروں میں ملے گا دوسرے کہتے ہیں کہ نکاح کرنا تکلیفی زندگی کے آثار میں سے ہے اور وہاں تکلیفی زندگی تو ختم ہے۔ وہ زوجنھم کا معنی کرتے ہیں قرنا ھم ہم ان کو جوڑ دیں گے حورعین کے ساتھ۔ حور حوراء کی جمع ہے اتنی خوبصورت کہ تعجب میں ڈالے۔

سورۃ الجاثیۃ

۱۔﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

ربط: پہلی سورۃ کا اختتام قرآن پر تھا "فانما یسرناہ بلسانک" اس سورۃ کا اسی کے ساتھ آغاز ہے "تنزیل الکتب من اللّٰہ العزیز الحکیم" تفسیر کبیر والے فرماتے ہیں کہ پہلی سورۃ کے آخر میں توحید کا ذکر تھا یہاں بھی آگے توحید کا ذکر ہے اس لئے کہ مشرکین جیسے زوردار انداز میں قیامت کا انکار کرتے تھے اس طرح توحید کا بھی انکار کرتے تھے۔

نام اس کا جاثیۃ ہے جاثیہ کے دو معنی کرتے ہیں بیضاوی میں ابوسعود میں، مدارک وغیرہ میں جاثیہ کا معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے والا۔

دوسرا معنی جاثیۃ ای مجتمعۃ جمع ہونا ہے۔

﴿وسخّرلکم مافی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منه﴾

اس کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ جمیعاً تاکید ہے "مافی السموات ومافی الارض" کی اور منه یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ھی منه۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ جمیعاً حال ہے ای حال کرنہٖ جمیعاً اور منه خبر ای ھی منه پھر حال کونسا ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ حال متداخلہ ہے۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حال مترادفہ ہے۔

۱۲۔﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ﴾

ربط: اوپر بھی توحید کا ذکر تھا آگے بھی توحید کا ذکر ہے۔

۱۴۔﴿لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ﴾

ایام اللہ سے کیا مراد ہے؟ دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے عذاب کے دن مراد ہیں

دوسری یہ ہے کہ رحمت کے دن اس سے مراد ہیں۔

۲۳۔﴿ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾

ھواہ مفعول اول ہے اتخذ کا اور الٰھہ مفعول ثانی ہے۔

۲۳۔﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ﴾

اس کی دو ترکیبیں ہیں ایک یہ ہے کہ علی علم حال ہے لفظ اللّٰہ سے ای واضلہ اللّٰہ حال کونہٖ علی علمٍ۔ کہ اللہ نے اس کو گمراہ کیا دراں حالیکہ اللہ کو علم ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ علی علم حال ہے اضلہ میں ہ ضمیر مفعول سے معنی ہوگا کہ اللہ نے اسکو گمراہ کیا دراں حالیکہ وہ جانتا تھا۔

فمن یھدیہ من بعد اللہ ای من بعد أضلالہ معنی ہے کہ پس کون ہے جو ہدایت دے اس کو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد۔

۲۴۔ ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا الدَّهْرُ﴾

کیا مشرکین خدا کے وجود کے منکر تھے؟

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین خدا کے وجود کے منکر تھے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ خدا کو مانتے تھے۔

ایک حدیث آتی ہے کہ "لا تسبوا الدھر وانی انا الدھر" او کما قالؐ یہ بخاری وغیرہ میں ہے اس کی تشریح میں بڑا کچھ کہا گیا ہے فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، تیسیر الباری، فیض الباری وغیرہ وغیرہ میں بڑی بحث ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے لاتسبوا الدھر زمانے کو بُرا نہ کہو وانی انا الدھر ای مصرف الدھر ومقلب الدھر زمانے کو پلٹنے والا، پھیرنے والا میں ہوں۔

فیض الباری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تو مشہور ہیں پانچ ہزار نام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، تفسیر مظہری، کبیر وغیرہ کے حوالے سے میں عرض کرتا ہوں اس صورت میں معنی ہوگا کہ ہمیں دھر ہلاک کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ معنی ان لوگوں کے عقائد کے زیادہ مناسب ہے۔ وہ خدا کے وجود کے منکر نہ تھے اور اگر دھر سے زمانہ مراد لیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ کچھ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا تمام کا نہیں۔

۲۵۔ ﴿مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾

یہاں سوال ہوگا کہ کان کی خبر منصوب اسم مرفوع ہوتا ہے اور یہاں حجتھم تو منصوب ہے تو یہ کیسا اس کا اسم ہے؟ جواب یہ ہے کہ حجتھم کان کی خبر مقدم ہے اسم نہیں ہے ان قالوا جو مقولہ ہے یہ اسم ہے کان کا۔

۲۷۔ ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾

ربط: اوپر بھی قیامت کا ذکر تھا آگے بھی قیامت کا ذکر ہے۔ پہلے للہ ملک السمٰوٰت والارض میں یہ بتایا کہ قیامت قائم کرنا زمین بنانا فنا کرنا سب رب کے کام ہیں۔ آگے فرمایا کہ جب ان کو بنا سکتا ہے ان کو بگاڑ بھی سکتا ہے قیامت ضرور آئے گی۔

۳۲۔ ﴿إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا﴾

سوال ہوگا کہ یہاں تو استثنی عن نفسہ ہے حالانکہ نفس شئی سے استثناء نہیں ہوتا ہے کہ نظن مستثنیٰ منہ بھی ظن ہے اور آگے ظنا مستثنیٰ بھی ظن ہے تو یہ استثناء کیسے ہوا؟ آپ کو انشاء اللہ جلالین تک ملے گا کہ مبرد" فرماتے ہیں کہ اصل یوں ہے ان نحن الا نظن ظنا۔

مبرد ابو العباس نحوی کا تعارف:

مبرد کا نام مع ولدیت، یہ ہے محمد ابن یزید ابن عبد الاکبر الازدی البصری، ابو العباس ان کی کنیت تھی۔ ۲۸۵ھ

میں ان کی وفات ہوئی۔ اور بصریین اسکو مُبرِد بکسر الراء پڑھتے ہیں اور کوفیون مبرَد بفتح الراء پڑھتے ہیں اصل مبرد ہے۔ اس کا معنی المثبت للحق یہ ساری بات (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ لتاش کبریٰ زادہ) میں ملے گی جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۳۶ و ۳۷ میں۔

سورة الاحقاف

ا۔﴿حٰمٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ﴾
ربط: تفسیر کبیر، ابوالسعود، سبق الغایات، بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت کا اختتام توحید کے مسئلے پر ہوا تھا "فللّٰہ الحمد رب السمٰوٰت ورب الارض رب العالمین" اور اس سورت کا آغاز توحید کے مسئلے پر ہو رہا ہے۔ نام اس کا احقاف ہے احقاف کا معنیٰ آگے انشاءاللہ آئے گا۔

۵۔﴿وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾
منکرین سماع موتیٰ کا استدلال

جو حضرات کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ مردے نہیں سنتے۔

یاد ہوگا میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ان کا استدلال اس آیت سے ناتمام ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ممن یدعوا من دون اللّٰہ. من دون اللّٰہ کے لفظ ہیں اور من دون اللّٰہ میں صرف مردے تو نہیں زندہ بھی تو ہیں فرشتے بھی، جنات بھی، پیغمبر بھی۔ اگر تم اس سے یہ ثابت کرو گے کہ مردے نہیں سنتے تو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ زندہ بھی نہیں سنتے۔ کیوں کہ فرشتے وغیرہ تو زندہ ہیں۔

روح المعانی، تفسیر مظہری وغیرہ کے حوالے ہم نے سماع موتیٰ میں ذکر کیے ہیں یہ تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس (من دون اللّٰہ) سے مراد اگر اصنام ہیں تو "ھم جمادات" وہ جمادات ہیں۔ اور اگر نیک بندے ہیں کعزیرؑ والمسیحؑ، والملائکۃ ھم عن دعائھم غفلون کا معنیٰ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ وہ دور سے کیا سنتے ہیں؟ اور قریب سے ہوں تو فرماتے ہیں کہ "لانھم فی احوالھم مشغولونؑ" (اپنے احوال میں مشغول ہیں۔) یہ لفظ بیضاوی میں، روح المعانی، مظہری میں موجود ہے۔

۹۔﴿وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ﴾
پیغمبر جس دن سے نبی ہوتا ہے اسی دن سے اسے اپنی مغفرت کا یقین ہوتا ہے:

احمد رضا خان نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی بخشش کا اور مغفرت کا علم نہ تھا جب سورۃ الفتح نازل ہوئی کہ 'لیغفر لک اللّٰہ ما تقدم من ذنب'' تو پھر آپ ﷺ کو بخشش کا اور مغفرت کا علم ہوا یہ سورۃ الفتح ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی اس سے پہلے تیرہ سال مکہ معظمہ میں اور چھ سال مدینے میں گویا انیس سال آنحضرتؐ کو بقول خان صاحب کے اپنی بخشش اور مغفرت کا علم نہ تھا۔ ہم نے ازالۃ الریب میں مبسوط بحث کی ہے۔

میں نے کہا اس سے بڑی آنحضرت ﷺ کی گستاخی کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کو ۱۹ سال تک اپنی مغفرت اور بخشش کا علم نہ تھا۔ یاد رکھیں یہ تفسیر اگرچہ بعض اسلاف سے منقول ہے لیکن امام رازیؒ نے کبیر میں، آلوسیؒ نے روح

المعانی میں اور دیگر حضرات نے تصریح کی ہے کہ پیغمبر جس دن نبی بنتا ہے اسی دن سے اسے اپنی مغفرت کا یقین ہوتا ہے۔ جب اس کو اپنی مغفرت کا یقین نہیں تو لوگوں کو مغفرت کی دعوت دینے کے کیا معنی۔ اب یہ کہ اس آیت کا کیا معنی ہے؟

تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہوگا تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں نہیں جانتا کہ میں بیمار ہوں گا۔ تندرست ہوں گا، فتح ہوگی شکست ہوگی، بارشیں برسیں گی، قحط سالی ہوگی، کیا ہوگا میں نہیں جانتا، یہ کبیر، روح المعانی، ابوسعود، مظہری وغیرہ تفسیروں میں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو آخرت کے ساتھ بھی لگائیں تو مغفرت اور بخشش کا تو پہلے دن سے علم ہوگا لیکن وہ جو تفاصیل ہونگی وہ نہیں جانتا۔ تو اپنی اور تمہاری تفصیلات کو نہیں جانتا جو کہ قیامت کو ہونگی۔

۱۰۔﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ مِثۡلِهِۦ﴾

وشهد شاهد من بنی اسرائیل میں شاهد سے کون مراد ہے؟

وہ شاہد عبداللہ بن سلامؓ ہیں علی مثله میں مثل کا لفظ زائد ہے ای علیه

دوسری تفسیر یہ ہے کہ شاھد سے تنہا عبداللہ بن سلام مراد نہیں بلکہ جو بھی اہل کتاب کے لوگ تھے ان میں عیسائی بھی تھے یہودی بھی حضرت اُسدؓ وحضرت اُسیدؓ وحضرت ابن یامینؓ وحضرت ثعلبہؓ یہودیوں میں سے اور اسی طرح نصاریٰ میں تمیم داریؓ، عدی بن حاتمؓ ہیں سلمان فارسیؓ ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ شهد شاهد سے موسیٰ کی ذات گرامی مراد ہے۔ آج بھی تورات میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ نے خطاب کر کے فرمایا کہ اسماعیل کی اولاد سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور یہ ان کی خوبیاں ہوں گی۔

بعض حضرات نے مثله میں مثل کو زائد تسلیم نہیں کیا وہ معنی کرتے ہیں کہ بتادے اگر یہ قرآن ہے اللہ کی طرف سے اور تم اس کا انکار کرتے ہو اور بنی اسرائیل کے گواہ نے اسی جیسی کتاب پر گواہی دی ہے وہ تورات ہے زبور ہے انجیل ہے۔ اور ان میں آپ ﷺ کی بشارت کا ذکر ہے۔

اب ایک بات یہ ہے کہ ان كان .. استكبرتم، شرط ہے اس کی جزاء یہاں مذکور نہیں ہے جزاء محذوف ہے صاحب کشاف اور علامہ محلیؒ جزاء نکالتے ہیں ألستم ظالمين (کیا تم ظالم نہیں ہو)

جبکہ قاضی بیضاوی، علامہ آلوسی، علامہ ابوسعودؒ فقد ظلمتم جزاء نکالتے ہیں۔

۱۱۔﴿وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَوۡ كَانَ خَيۡرٗا﴾

ربط: اوپر ایمان کا ذکر تھا فامن اس ایمان کے متعلق آگے ارشاد ہے۔ کافروں نے کہا مومنوں کے بارے میں لو کان کان کی ضمیر راجع ہے بسوئے ایمان اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ مسلمان مومن ہم سے سبقت نہ کر پاتے۔

یہاں ابن کثیرؒ نے لکھا کہ "واما اهل السنة و الجماعة فيقولون فى كل فعل و قول لم يثبت عن الصحابة هو بدعة لانه لو كان خيراً لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصائل الخير الا وقد بادروا اليها."

۱۵۔﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾

ربط: اوپر توحید کا ذکر تھا توحید کے بعد اب والدین کا حق بیان کیا۔ توتوحید میں حق تعالیٰ کے حقوق ہیں ماں باپ مجازی رب ہیں اس لئے توحید کے بعد والدین کا حق بیان کیا۔

۲۱۔﴿وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ﴾

ربط: اوپر ایمان کا ذکر تھا پھر والدین کے حقوق کا ذکر تھا آگے اس ایمان کے سلسلے میں دو واقعے نقل کرتے ہیں۔ ایک حضرت ہودؑ کی قوم کا کہ باوجود انسان ہونے کے اشرف المخلوقات ہونے کے انہوں نے ایمان کو قبول نہ کیا جو حشر ہوا وہ دیکھئے۔ اگلے رکوع میں جنات کے ایمان لانے کا ذکر ہے کہ دیکھو جنات میں استعداد کم ہے لیکن ایمان لائے تو کیسی کامیابی حاصل ہوئی۔

احقاف کا تعارف:

حقف کی جمع ہے اس کے معنی ہے ریت کا ٹیلہ۔ یہ کون سا علاقہ ہے تو ارض القرآن میں ہے۔

احقاف کے ایک طرف یمن، ایک طرف یمامہ ایک طرف عمان ایک طرف حضر موت ایک طرف مغربی یمن ان کے درمیان ایک علاقہ ہے اس کو اڈہنا بھی کہتے ہیں اور ربع خالی بھی کہتے ہیں یہ احقاف کا علاقہ ہے باقی تو سارے ٹیلے ہی ٹیلے ہیں صرف نجران کی طرف آبادی ہے۔

۲۴۔﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾

رأوہ کی ضمیر راجع ہے بما تعدنا میں ما کی طرف۔

۲۸۔﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً﴾

یہاں ترکیبی اعتبار سے دو باتیں عرض کرتا ہوں محلیؒ فرماتے ہیں کہ اتخذو کا مفعول اول محذوف ہے وہ ہے اتخذو اھم اور قربانًا یہ مفعول ثانی ہے الھۃ یہ قربانًا سے بدل ہے۔

جبکہ باقی حضرات جن میں علامہ آلوسیؒ بھی ہیں اندلسیؒ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مفعول اول تو محذوف ہے اور وہ ھم ہے مفعول ثانی الھۃ ہے اور قربانًا مفعول لہ ہے۔

تو معنی یہ ہے کہ انہوں نے ان کو بنا رکھا تھا الھۃ لاجل التقرب جیسے کہا کرتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ الخ۔

۲۹۔﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾

ربط: پہلے انسان کا ذکر تھا کہ یہ اشرف المخلوقات ہو کر نافرمانی کرتا ہے اب جنات کا قصہ سن لو کہ ان میں خیر کی استعداد کم ہے لیکن قرآن کو سننے کے ساتھ ہی کیسے قبول کر لیا۔

شان نزول:

اس آیت مبارکہ کا شان نزول بخاری وغیرہ کی روایت کے پیش نظر یہ ہے کہ جب آپؐ کو نبوت ملی تو اس وقت سے پہرے سخت ہو گئے یہ جنات شیطان اوپر جا کر کے فرشتوں کی باتیں سن لیتے تھے۔ جس دن آپؐ کو نبوت

ملی اسی دن سے پہرے سخت ہو گئے۔ جنات میں یہ بات پھیلی کہ ہم پہلے آتے تھے جاتے تھے سنتے تھے اور اتنی سختی نہ تھی اب اتنی سختی ہو گئی اس کی وجہ تلاش کرو تو نصیبین ایک مقام ہے جزائر میں اور بعض نے نینوا بھی لکھا ہے عراق میں ایک جگہ ہے تو وہاں ان کی بڑی کانفرنس ہوئی، انہوں نے غور کیا کہ یہ پابندی ہم پر کیوں لگی اس کی وجہ تلاش کرنے کیلئے مختلف علاقوں میں وفود بھیجے۔ ان میں سے ایک وفد عرب کے علاقہ میں تہامہ کے مقام پر گیا ان میں سے پانچ جنوں کے نام ہمیں ملے ہیں ابن دریدؒ کے حوالے سے۔

(۱) ایک کا نام تھا منشیٰ

(۲) دوسرے کا نام تھا ناشی

(۳) تیسرے کا نام تھا مناصین

(۴) چوتھے کا نام تھا ماضر

(۵) پانچویں کا نام تھا الاحقب

اس وقت پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں لیکن مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے بطن نخلہ اس مقام پر فجر کی نماز آپؐ پڑھ رہے تھے چند نفوس آپؐ کے پیچھے تھے وہ جنات کا ٹولہ جو اس علاقے میں مقرر تھا وہ پہنچ گیا انہوں نے قرآن سنا۔ سننے کے بعد انہوں نے حق پہچان لیا اور مسلمان ہو گئے اور وجہ سمجھ گئے کہ اب وحی اتر رہی ہے اس لئے پہرے سخت ہیں۔

سورة محمد

۱۔﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ اوپر تھا ''فھل یھلک الا القوم الفٰسقون'' کہ نہیں ہلاک کئے جائیں گے مگر فاسق لوگ تو کافر کہتے تھے کہ تم کہتے ہو ہم ہلاک ہوں گے حالانکہ ہم اچھے کام کرتے ہیں ان اچھے کاموں کا ہمیں کوئی بدلہ نہ ملے گا؟

آپ سورۃ توبہ میں پڑھ چکے ہیں ''أجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام'' وغیرہ تو فرمایا کہ ان کے اعمال سب اکارت ہوں گے۔

اس کا نام محمد ہے اور اس کا نام قتال بھی ہے۔

ذالک بان الذین کفروا الخ: ۔ذالک کا اشارہ پہلی دو چیزوں کی طرف ہے کافروں کے اعمال کو ضائع کرنا اور مومنوں کی حالت کو درست کرنا یہ اس لئے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا اور مومنوں نے حق کی پیروی کی اللہ نے ان کی حالت کو درست کر دیا۔

۴۔﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾

قیدیوں کے احکام:

منًّا اور فدآءً مفعول مطلق ہیں تمنّون منًّا وتفدون فدآءً. یہاں چار درجے ہیں مومنوں کے قیدی ہوں کافروں کے پاس، کافروں کے قیدی ہوں مسلمانوں کے پاس، ان قیدیوں کے بارے میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے۔

ایک طبقہ کہتا ہے کہ قیدیوں سے قیدیوں کا تبادلہ مت کرو۔ یہ بہادر طبقہ ہے

جبکہ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ اگر حالات ناساز ہوں تو ایسے سلسلے میں قیدیوں سے قیدیوں کا تبادلہ ہوسکتا ہے پھر اس کے بعد کیا ہوگا تو فرمایا کہ فاما منًّا بعدُ (کہ یا تو بغیر فدیہ کے احساناً چھوڑ دو) واما فدآءً (یا فدیہ لے کر چھوڑ دو)

آخری درجہ یہ ہے کہ ان کو غلام بنا کر رکھو۔

پہلا درجہ یہ ہے ان کو قتل کیا جائے دوسرا درجہ یہ ہے کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تیسرا درجہ یہ ہے کہ تبادلہ کرلیں چوتھا درجہ غلام بنانے کا۔

۸۔﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾

ای فتعسوا تعسًا ای هلکوا هلاکا (ان کے لئے ہلاکت ہے)

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾

ربط: اوپر دو گروہوں کا ذکر تھا مومنین اور کافر آگے ان کے نتیجے کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو مومنین ہیں اللہ ان کو ''جنّت

تجری من تحتها الأنهر' میں داخل کرے گا باقی دوسرے لوگ جو ہیں یعنی کافروہ فائدہ اٹھاتے ہیں دنیا میں کھاتے ہیں جیسا کہ جانور کھاتے ہیں۔

(۱۵)﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾

اکثر مفسرین کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ خبر ہے مبتدا اس کا محذوف ہے وہ ہے أفمن كان في هذا النعيم (کیا وہ شخص جو اس نعمت میں ہو) کمن هو خالد في النار۔)

۱۶۔﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ﴾

اوپر مؤمنوں کا اور کھلے کافروں کا ذکر تھا اب آگے منافقین کا ذکر ہے، یہ تو یہ بھی کافر بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں لیکن ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں۔

۱۶۔﴿قَالُوا لِلَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ انِفًا﴾

اس سوال کرنے کا کیا مقصد؟ ایک مقصد یہ ہے جیسے کہ کبیر، قرطبی وغیرہ میں ہے کہ ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی ان کی باتوں سے تم ہی بتاؤ اس نے کیا کہا ہے تو اپنی بے رغبتی اور بے شوقی کا اظہار کرتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس نے کیا کہا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ ان کی بات کو سمجھے ہیں یا نہیں اور سمجھنے کے بعد آپ کی بات سے متاثر ہو کر کیا اثر لیا ہے تو ان کو دیکھنا چاہتے تھے کہ انہوں نے کیا اثر لیا ہے۔

۱۸۔﴿فَقَدْ جَآءَ أَشْرَاطُهَا﴾

اشراط یہ جمع ہے شرط (بفتح الراء) کی اس کا معنی ہے علم (نشانی) تحقیق آئیں اس کی نشانیاں اور ایک ہوتا ہے شرط (بسکون الراء) اس کا معنی ہے مایتوقف علیه الشیٔ (جس پر کوئی چیز موقوف ہو)۔

۱۹۔﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ﴾

متقلّبکم اور مثواکم سے کیا مراد ہے؟

اس کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ متقلب سے صلب پدر مراد ہے اور مثوی سے رحم مادر مراد ہے۔

دوسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ متقلب سے مراد ہے ماں کا رحم مثوی سے مراد ہے زمین۔

ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ متقلب سے مراد زمین ہے جس پر تم پھرتے ہو مثوی سے مراد قبر ہے جس میں تم جاؤ گے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ متقلب سے جنت و دوزخ سے ادھر ادھر کی چیزیں مراد ہیں

اور مثوی سے مراد آخری ٹھکانہ اما الجنة واما النار. جنت یا دوزخ مراد ہے۔

۱۹۔﴿وَيَقُولُ الَّذِيْنَ امَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾

ربط: اوپر منافقین کا ذکر تھا آگے مومنین کا ذکر ہے اور مقصود منافقین کا ذکر ہے کہ مومنین کہتے ہیں کہ کوئی سورۃ کیوں نہیں اتاری گئی جس میں جہاد و قتال کا حکم ہو۔

۱۹۔﴿فَاَوْلٰی لَهُمْ . طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾
اس آیت کی تین ترکیبیں ہیں:
کشاف، روح المعانی، قرطبی، جمل وغیرہ میں ایک ترکیب یہ ہے اولٰی بمعنی مناسب کے لام بمعنی باء کے ہے اى فاولیٰ بهم پس زیادہ مناسب ان کے لئے طاعة و قول معروف، طاعت کریں اور اچھی بات کریں۔
• دوسری ترکیب یہ ہے فاولٰی لهم طاعة پس ان کے لئے مناسب ہے طاعۃ اور قول معروف حسن لک (اچھی بات آپ کیلئے مناسب ہے)۔
تیسری ترکیب یہ ہے اولیٰ بمعنی تهدید فاولیٰ لهم (ان کے لئے خرابی ہے)
اولیٰ مبتدا لهم خبر یہ مستقل جملہ۔ طاعۃ وقول معروف خیر لهم (طاعت اور اچھی بات ان کیلئے بہتر ہے)۔
﴿اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ﴾
تولیتم کے معنی اعراض کرنا اس لحاظ سے معنی یہ ہے کیا تم سے توقع ہے کہ تم اگر ایمان سے اعراض کرو تو یہی توقع ہے کہ زمین میں فساد مچاؤ گے، قطعی رحمی کرو گے تو تولیتم عن الایمان۔
دوسرا یہ کہ تولیتم کا معنی ہے کہ زمین کا اقتدار تمہارے ہاتھ میں آجائے کیا تم سے توقع ہے کہ تم زمین کے ولی بن جاؤ گے اقتدار تمہارے ہاتھ آجائے تو زمین میں فساد مچاؤ گے اور قطع رحمی کرو گے۔ اور جامع الصغیر للسیوطی میں روایات آتی ہے. کماتکو نو ن یو لی علیکم (کہ جیسے تم ہوں گے ویسے تمہارے بادشاہ ہونگے)
۲۹۔﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾
اوپر بھی منافقین کا ذکر تھا آگے بھی منافقین کا ذکر ہے۔
۳۰۔﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾
اہل بدعت کا علم غیب پر استدلال:
مولوی محمد عمر صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو منافقین کا علم نہ تھا ان کو نہیں جانتے تھے حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ ولتعر فنهم آپ منافقوں کو جانتے ہیں۔
ہم نے مبسوط بحث کی ہے ازالۃ الریب میں ایک بات یہاں کرتا ہوں کہ آپ کا یہ استدلال باطل ہے اس لئے باطل ہے کہ ہم نے اتقان کے حوالے سے عرض کیا ہے کہ یہ سورۃ پہلے کی ہے اور وہ آخری ہے جو گیارھویں پارے میں ہے "و من اهل المد ينة مر دوا على النفا ق لا تعلمهم نحن نعلمهم" کہ مدینہ طیبہ میں کچھ منافق ہیں جو اپنی منافقت پر اڑے ہوئے ہیں تو ان کو نہیں جانتا ہم ان کو جانتے ہیں بالالفاظ دیگر اس آیت کو کاٹنے کیلئے انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔
یہ استدلال اس لئے باطل ہے کہ اتقان میں ہے آخر سورۃ نزلت سورۃ التوبہ پہلی سورۃ کا اگر یہ مفہوم ہو کہ آپ ان منافقوں کو جانتے ہیں محال ہے کہ اس کے بعد رب تعالی فرماتے کہ تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

یہ پہلے کی ہے ترتیب ہم نے بتائی اتقان کے حوالے سے ہم نے کہا کہ ایک علم ہے ایک معرفت ہے اللہ تعالی نے نفی کی ہے لاتعلم (علم کی) معرفت یہ ہے کہ قرائن کے ساتھ جاننا جوظنی ہوتا ہے۔
دیکھو یہاں ہے **فلعر فتهم بسيما هم** (کہ تو ان کو پہچانتا ہے نشانیوں سے)

ولتعر فنهم اور تو ان کی شناخت کرے گا **في لحن القول**. علامت سے جاننا یہ ہے ظن کے درجے میں یہ معرفت ہے اور علم کی نفی ہے کہ حقیقی علم صرف رب کے پاس ہے **لا تعلمهم نحن نعلمهم** (کہ تم نہیں جانتے ہم ہی جانتے ہیں)

سورة الفتح

۱۔﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾

ربط: سبق الغایات میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ میں جہاد کا ذکر بھی تھا اور مال کے خرچ کرنے کا ذکر بھی تھا۔ اس میں بھی آگے جہاد کا ذکر ہے اور مال خرچ کرنے کا ذکر بھی ہے۔

شان نزول:

یہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو پانچ سال پورے گزر گئے چھٹے سال آپ کے دل میں بیت اللہ کی زیارت کا خیال پیدا ہوا اور آپ ﷺ نے خواب بھی دیکھا جس کا ذکر اگلے رکوع میں آئے گا۔

۵۔﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾

لیدخل میں لام کس کے متعلق ہے؟ تو آپ کو انشاء اللہ جلالین تک ملے گا۔

امر با لجهاد لید خل المؤ منین و المؤ منت.

۱۰۔﴿وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهِ﴾

بعض قراء اس کو علیہ الله (بکسر الھاء) پڑھتے ہیں، اور حفص اس کو علیه اللّٰه ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ جلالت کی وجہ سے اس پر ضمہ آیا ہے اور جلالت کا معنی یہ ہے کہ لفظ اللہ ہو اور اس سے پہلے ضمہ ہو تو لفظ اللہ کو پُر کر کے پڑھتے ہیں۔ تو اس لفظ اللہ کی عظمت کے پیش نظر ھا کو ضمہ دیا گیا تا کہ پُر ادا ہو یہ جلالت کا مفہوم ہے جو کہ علم الصیغہ میں ملے گا۔

۱۱۔﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ﴾

صلح حدیبیہ سے رہنے والے منافقین کی معذرت:

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں منافقین میں سے ایک بھی شریک نہ ہوا۔ انہوں نے معذرت کو پہلے ضروری نہیں سمجھا کہ ہمیں کیا ضرورت ہے معذرت چاہنے کی کہ یہ سارے مر جائیں گے یہ ان کا خیال تھا خدا کی حکمت دو صحابی تو راستے میں شہید ہو گئے باقی سب صحیح سالم واپس آ گئے۔ جب آئے تو ان کے طوطے اُڑ گئے اب آئے اور معذرت کرنے لگے۔ رب تعالی نے پہلے خبر دی کہ یہ معذرت کیلئے آئیں گے۔

سیقول لک المخلفون کہیں گے عنقریب وہ لوگ جن کو پیچھے چھوڑا گیا۔ ان کو کس نے پیچھے چھوڑا بعض کہتے ہیں کہ شیطان نے زین لھم الشیطان بعض کہتے ہیں کہ ان کے دوستوں نے ان کو پیچھے چھوڑا بعض نے کہا کہ نفس نے اور بعض نے کہا کہ رب نے ان کو اس میں داخل ہونے نہیں دیا کیونکہ آگے آ رہا ہے کہ لقد رضی اللہ عن المؤ منین اور یہ تو مومنین ہیں نہیں ہیں میں کہتا ہوں کہ سب تفسیریں صحیح ہیں۔

۲۰۔﴿وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ﴾

اس سے مراد بنو اسد اور بنو غطفان ہیں کہ آپ کے اور صحابہؓ کے مکہ چلے جانے کے بعد انہوں نے ارادہ کیا

کہ مدینہ میں اب کوئی نہیں لہٰذا اس پر حملہ کرنا چاہیے لیکن اللہ تعالی نے ان کو روک دیا اس طرح کہ انہوں نے خیال کیا کہ محمد ﷺ بڑے عقلمند ہیں انہوں نے ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا۔

۲۰۔﴿وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

تکون کی ضمیر کدھر کولوٹتی ہے۔تو جلالین تک آپ کو ملے گا کہ فعجل میں جو المعجّلہ مفعول کا صیغہ ہے وہ ہے اس کا مرجع ولتکون المعجلہ کہ یہ جوجلدی کی غنیمت ہے یہ تمہارے لئے (مومنوں کے لیے) نشانی ہے۔

۲۱۔﴿وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا﴾

یہاں اُخریٰ صفت ہے مغا نم کی. جو و مغا نم کثیرۃً میں ہے۔

ایک لفظی بحث اور ایک معنوی بحث:

یہاں ایک لفظی بحث ہے اور ایک معنوی بحث ہے

لفظی بحث یہ ہے کہ لو لا شرط ہے جزاء اس کی محذوف ہے۔وہ ہے "لو لا رجال....معرۃ بغیر علم (لا ذن لکم با لقتال) تو بعض نکالتے ہیں (لا ذن لکم با لفتح)

معنوی بحث یہ ہے کہ یہ لوگ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو کچھ مومن مرد اور کچھ عورتیں جو کسی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے انہوں نے پیچھے تبلیغ شروع کر دی اس تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سالوں میں خاصی تعداد میں مرد بھی اور عورتیں بھی مسلمان ہو گئے۔ جب تم ہجرت کر کے گئے تھے اس وقت وہ نہ تھے اب اگر لڑائی کی اجازت ہوتی تو تمہیں تو معلوم نہیں کہ یہ مسلمان ہیں تمہاری زد میں وہ بھی آجاتے جن کی وجہ سے بعد میں تمہیں تکلیف ہوتی۔

۲۹۔﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ﴾

بعض مفسرین کرام نے کزرع أخرج شطأہٗ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ مراد لئے ہیں اور فازرہٗ سے حضرت عمرؓ اور فا ستغلظ سے حضرت عثمانؓ اور فاستوی علی سوقہ سے حضرت علیؓ مراد لئے ہیں۔

۲۹۔﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾

اس سے حضرت امام مالک نے روافض (شیعہ) کے کفر پر استدلال کیا ہے کہ قرآن نے صحابہ سے بغض رکھنے والوں کو اور دشمنی رکھنے والوں کو کفار کہا ہے۔

سورة الحجرات

۱۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾
ربط: پہلی سورت کے آخر میں صحابہ کرامؓ کے فضائل اور مناقب تھے۔ اب یہ بتاتا ہے کہ ان سے اگر گناہ بھی ہو ئے اور ہوتے ہیں تو ان گناہوں کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلے ہیں مومن ہیں اب دو تین غلطیاں یہاں آ گے بیان فرماتے ہیں جو صحابہ کرامؓ سے ہوئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر بھی امنوا کہا کہ ایمان سے نہیں نکلے۔

شان نزول:

قبیلہ بنوتمیم کے لئے امیر مقرر کرنے پر اختلاف:

شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنوتمیم عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا اس کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے کہ حضرت آپ خود ہم میں ایک امیر نامزد کردیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت قعقاع بن معبدؓ کا نام لیا کہ اس کو نامزد کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں اقرع بن حابس کو نامزد کریں اس سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ما اردت الا اخلافی تو نے میرے خلاف رائے پیش کی۔

انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے آپ کی رائے وہ ہے۔ اب آپس میں یہ باتیں کرنے لگے آوازیں ان دونوں کی آپ ﷺ کی آواز پر بلند ہوئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! نہ آگے بڑھو اللہ اور اللہ کے رسول کے سامنے۔

۳۔﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ﴾

اس کے دو معنی کئے ہیں ایک یہ ہے کہ امتحن بمعنی أخلص معنی ہوں گے امتحن اللہ قلوبهم للتقوی ای اخلصها اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں کو تقوی کیلئے خالص کردیا۔

دوسرے حضرات امتحن کے معنی کرتے ہیں کہ امتحان لیا یہ آپکو جلالین تک انشاءاللہ ملے گا۔

٦۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾

شان نزول:

تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، خازن، مظہری تمام تفسیروں میں ہے۔ کہ ۵ ہجری میں بنومصطلق کا قبیلہ تھا آپ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنومصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا جب روانہ ہوئے تو خالی الذھن تھے جب ان کے قریب پہنچے پھر دل میں خیال آیا کہ میری تو ان کے ساتھ دشمنی ہے (ان میں سے بعض کے ساتھ) اگر وہ مجھے دیکھیں گے تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے وہ لوگ استقبال کیلئے آگے آگئے خدا کی قدرت جو دشمن تھے وہی استقبال کیلئے آگے آگئے۔ ان کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کو پیچھے دوڑایا یہ دیکھ کر انہوں نے بھی گھوڑے پیچھے دوڑائے مدینہ پہنچے کہا کہ حضرت وہ تو مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں صحابہ کرامؓ کے جذبات اُبھرے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں کہ وہ لوگ آکر کہنے لگے کہ حضرت ہم نہیں سمجھے کہ آپ کا نمائندہ آیا اور واپس چلا آیا۔ پھر بات سمجھ میں آئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی وہ شخص اگرچہ منافق نہ تھا لیکن یہاں کہا فاسق اس لئے حضرت تھانوی نے ترجمہ اس کا کیا ہے کہ کچا آدمی۔

۷۔﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾
لغت کی کتابوں میں حبب کا صلہ لام بھی ہے اور الی بھی ہے تو اب معنی ہوگا کہ اللہ نے محبوب قرار دیا الیکم ای لکم تمہارے لئے ایمان کو۔

فسق اور عصیان میں فرق:

فسق اور عصیان میں فرق کرتے ہیں کہ فسق ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس کی کوئی علامت بھی نظر آئے اور عصیان ایسا گناہ ہے جس کی علامت نظر نہ آئے مثلاً فقہاء ایسے آدمی کو جو داڑھی منڈواتا ہو یا قبضہ سے کم کرتا ہو فاسق کہتے ہیں کیونکہ سب کو نظر آتا ہے کہ داڑھی کٹی ہوئی ہے۔

۹۔﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾

شان نزول:

آپ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس اسلام کی دعوت دینے کیلئے گئے۔ گرمی کا زمانہ تھا پسینہ آیا ہوا تھا اس مقام پر پہنچے تو اس نے کہا تیرے گدھے کی بدبو نے مجھے اذیت پہنچائی گدھے کو پسینہ آیا تھا اس کی وجہ سے بو بھی آرہی تھی۔

کہنے لگا کہ تیرے گدھے کے پسینے نے مجھے تکلیف دی ایک صحابی بولے آنحضرت کے گدھے کا پسینہ تیرے پسینے سے بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔۔ الی آخرہ۔

۱۱۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى﴾
ربط: اوپر ذکر تھا کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرو زیادتی کرنے والے کے خلاف لڑو۔ اب آگے ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں کہ عموماً جن سے لڑائی پیدا ہوتی ہے مثلاً مسخرہ کسی سے کیا وہ مسخرے سے چھڑ کر کے لڑنے لگا

۱۱۔﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾
اس کا ایک یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ بھی تو تمہارے جیسے ہیں ان پر کیوں عیب لگاتے ہو اپنی جانوں پر عیب کیوں لگاتے ہو۔ ایک معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ تم ان پر عیب لگاؤ گے وہ تم پر لگائیں جب وہ تم پر عیب لگائیں گے تو تم اپنی جان پر عیب لگانے کا خود سبب بنے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے کہنے لگے حضرت کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے۔ کہا ہاں تم کسی کی ماں کو گالی دو گے وہ تمہاری ماں کو گالی دے گا تو اپنی ماں کو گالی دینے کا سبب تم بنے۔

۱۱۔﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾
اس کے معنی قاضی بیضاوی وغیرہ کرتے ہیں اللقب مطلقا یعنی مطلق لقب کسی کا رکھنا لیکن عرف عام میں اللقب السوء (برا لقب)۔ مثلاً کسی کو کہہ دینا اوٹینڈے یا کسی کو کہنا اوکریلے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ اگر عیب آدمی کے اندر موجود ہو اور غائبانہ اس عیب کو بیان کیا جائے تو یہ بھی ممنوع ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہیں اور تم بیان

کرتے تے ہوتو تم نے بہتان باندھا۔ ہاں چند مقامات ایسے ہیں جہاں شریعت نے اجازت دی ہے۔ جیسے آپ کو کسی نے ایسی نازیبا بات کہی آپ مفتی کے پاس گئے فتویٰ پوچھتے ہیں کہ فلاں نے یہ کہا ہے میں کیا کروں تو یہ ہے عیب لیکن آپ کا نزاعیب بیان کرنا مقصد نہیں بلکہ آپ اپنے لئے لائحہ عمل چاہتے ہیں کہ میں کیا کروں؟

علامہ آلوسی نے یہاں ایک بات لکھی ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کا عیب بیان کیا۔ غیبت کی اس کو علم نہیں ہوا نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ اس وقت تک وہ صرف اللہ کا حق ہی ہے۔ سچے دل سے توبہ کرے گا تو معاف ہو جائے گا اور اگر اس شخص کو خبر ہو چکی بالواسطہ یا بلاواسطہ تو پھر اس میں حق العبد بھی ہے جب تک وہ معاف نہیں کرے گا معاف نہیں ہوگا۔

سورة ق

۱۔﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾

ربط : پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ تم جو عمل کرتے ہو رب تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔آگے جس وقت اس عمل کا نتیجہ نکلے گا۔ اس وقت یعنی قیامت کا ذکر ہے کہ تمہارے عمل کا وہاں حساب ہوگا

اس سورۃ کا نام ق ہے۔قاف سے قدیر بھی مراد لیا گیا ہے،قادر بھی۔

﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾

قسم ہے قرآن مجید کی اب یہاں مفسرین کرام کے دو طبقے ہیں۔

ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ جملہ قسمیہ ہے اور جواب قسم مذکور ہے۔

دوسرا کہتا ہے کہ محذوف ہے۔جو کہتے ہیں کہ مذکور ہے پھر ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ جواب قسم کیا ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ قد علمنا ماتنقص الارض یہ جواب قسم ہے۔اس قد پر لام ہونا چاہئے تھا لقد لیکن کلام لمبا ہو فاصلہ زیادہ ہو تو پھر لام نہیں آتا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آگے آئیگا "ما یلفظ من قو ل الا لدیه رقیب عتید" یہ جواب قسم ہے یہ جمل، کمالین وغیرہ میں موجود ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ جواب قسم محذوف ہے۔جن میں علامہ محلی بھی ہیں وہ ہے .والقر ان المجید ما امن کفارمکة بمحمد ﷺ (کہ کفار مکہ محمد پر ایمان نہیں لائے)

۴۔﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ﴾

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ مرتے ہیں اور زمین اپنے اندر ان کو سموتی ہے تو ہم جانتے ہیں کہ کون مر گیا اور کون زمین میں دفن ہوا جب ہم جانتے ہیں تو نکالیں گے بھی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سورۃ سجدہ میں پڑھا "أ اذا ضللنا فی الارض" کہ جب ہم زمین کے اندر مل جائیں گے خلط ملط ہو جائیں گے تو پھر کیا تمیز ہوگی کہ ہمارے اجزاء کونسے ہیں زمین کے اجزاء کونسے ہیں؟

تو اس کا جواب دیا کہ تم جو کہتے ہیں أاذا ضللنا کہ جب ہم زمین کے اجزاء کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے تو قد علمنا ما تنقص الارض (ہم جانتے ہیں کہ کن کے اجزاء کو زمین گھٹاتی ہے) ان کے اجزاء کو اور زمین کے اجزاء کو ہم جانتے ہیں۔

۹۔﴿وَحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾

محلی فرماتے ہیں الحصید صفت ہے۔موصوف محذوف کی اور وہ ہے ذرع ای حب الزرع الحصید.

۱۲۔﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴾

ربط : اوپر کفار کی تکذیب کا ذکر تھا" بل کذبو ا با لحق" کہ انہوں نے حق کو جھٹلایا آپ کو ان کی تکذیب کا صدمہ ہوتا

تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسکین دی کہ یہی جھٹلانے والے نہیں بلکہ قوم نوح نے تکذیب کی، کنویں والوں نے تکذیب کی۔

۱۶۔﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾

ربط: اوپر مکذبین کا ذکر تھا آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کے دل میں کوئی اچھا خیال ہو یا بُرا خیال ہو، ایمان ہو، کفر ہو کوئی چیز بھی ہو وہ سب رب تعالیٰ جانتا ہے۔ سارے ظاہر کو باطن کو رب تعالیٰ جانتا ہے۔

۱۷۔﴿إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾

اشکال:

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ يتلقى المتلقين دو ہیں تو قعید مفرد کیوں لائے؟

تو ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لئے برابر ہے۔

دوسرے کہتے ہیں کہ ایک کا متعلق مذکور ہے ایک کا محذوف ہے۔ تو اصل میں یوں ہے اذ يتلقى المتلقين عن اليمين قعيد و عن الشما ل قعيد۔

۱۸۔﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾

کیا فرشتے دل کی باتوں کو بھی لکھتے ہیں؟

یہاں سے قول کا اثبات ہے کہ جو بات بھی انسان کرتے ہیں فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے۔ اور فعل کا لفظ آگے آئے گا کرِ اما کا تبین يعلمون ما تفعلون یہاں سے فعل کا اثبات ہے۔

اب یہاں یہ بحث چلتی ہے کہ دل میں جو باتیں پیدا ہوتی ہیں آیا ان کو بھی فرشتے لکھتے ہیں؟ تو ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کو بھی لکھتے ہیں حافظ ابن تیمیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

پھر سوال ہوتا ہے کہ علیم بذات الصدور تو صفت ہے رب تعالیٰ کی تو فرشتے بھی اگر دل کی باتیں جانتے ہیں تو پھر یہ صفت تو رب تعالیٰ کے لئے نہ رہی؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ بذا ات الصدور کا معنی ہے کہ تمام دلوں کی باتیں رب جانتا ہے جو مقرر فرشتے ہیں وہ دوسروں کے دلوں کی باتیں نہیں جانتے جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ دل کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یہ اپنے استدلال میں طبرانی کی روایت پیش کرتے ہیں۔ جس کا حوالہ آگے آئے گا، امام غزالیؒ کا ایک اور مسلک ہے کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو نیکی کے ارادے کے بعد رائحة طيبة اچھی خوشبو دل سے پیدا ہوتی ہے جس سے اجمالی طور پر وہ سمجھتے ہیں کہ نیکی کا ارادہ کیا تعین نہیں کر سکتے کہ کیا ہے۔ اور اگر کوئی بُرا ارادہ کرتا ہے تو پھر رائحہ کریھہ ایک بدبوی پیدا ہوتی ہے اس سے فرشتے اجمالی طور پر یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس نے کسی بُری چیز کا ارادہ کیا۔

۲۱۔﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾

سائق اور شہید سے کیا مراد ہے؟ ایک تفسیر یہ ہے کہ سائق سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اس کو چلا کر لائے گا اور شہید سے اس کے اعضاء مراد ہیں۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ سائق اور شہید دونوں فرشتے ہیں ایک اس کو چلائے گا دوسرا اگر وہ آدمی نیک ہے تو نیکی کی گواہی دے گا اگر بد ہے تو اس کی گواہی دے گا۔

۲۴۔﴿أَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ﴾

روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ میں یہاں خاصی بحث ہے کہ القیا سے کیا مراد ہے؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ دو فرشتے مراد ہیں ان دونوں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم دونوں جہنم میں ڈال دو ہر کافر اور ضدی کو۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ قال قرینہ میں تو ایک فرشتے کا ذکر ہے۔ تو القیا میں نون خفیفہ الف سے بدلی ہے اصل میں تھا القین تحقیق تو ڈال جہنم میں کل کفار عنید ہر کافر اور ضدی کو

تیسری تفسیر یہ ہے کہ القیا میں الف تثنیہ، تثنیہ فاعل کیلئے نہیں بلکہ تکرار فعل کیلئے ہے۔ اصل میں تھا اَلْقِ اَلْقِ ڈال تو، ڈال تو،

۳۰۔﴿اِذْ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾

روح المعانی، کبیر وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ کیا اور کوئی ہے تو اس کو بھی لا یئے ابھی مجھ میں جگہ ہے

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جہنم کو کیا تو پر ہو چکی ہے تو وہ کہے گی هل من مزید کیا مجھ میں اور جگہ ہے مجھ میں کوئی گنجائش نہیں اب میں پر ہوں دوسری محلی وغیرہ نے کی ہے۔

سورة الذّٰریٰت

۱۔﴿وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا o فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا o فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا o فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا﴾

مذکورہ صفات میں چار تفسیریں:

اوپر بھی قیامت کا ذکر تھا اس سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ تفسیر خازن، قرطبی، مظہری، البحر المحیط اور کبیر وغیرہ جو تفسیریں ہیں میں ان کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ یہ تمام ہواؤں کی صفات ہیں قسم ہے ان ہواؤں کی جو اُڑاتی ہیں اُڑانا یہ کپڑے اُڑاتی ہیں کاغذ اُڑاتی ہیں گرد وغبار اُڑاتی ہیں پس وہ اٹھاتی ہیں بوجھ کو یعنی یہ بادلوں کو اکٹھا کرتی ہیں بادلوں میں بوجھ ہوتا ہے یہ ان کو اٹھاتی ہیں پس چلتی ہیں آسانی سے پس تقسیم کرتی ہیں آسمان میں اللہ کے حکم سے جو بادل جہاں پہنچانا ہو وہاں پہنچا تی ہیں اور جس کو بکھیرنا ہو اس کو بکھیرتی ہیں تو اس تفسیر کے مطابق یہ تمام صفات ہواوں کی ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ الذاریات ذروًا سے مراد ہیں ہوائیں۔ فالحملٰت و قرًا سے مراد ہیں بادل جو اپنے اندر بارش کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور فالجریات یسرًا سے مراد ہیں ستارے جو آسمان کے اندر چلتے ہیں آسانی سے اور فالمقسمات امرًا سے مراد ہے فرشتے کہ اللہ کے حکم کے مطابق جو کام ان کے سپرد ہیں وہ تقسیم کرتے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ فالجاریات یسرا سے کشتیاں مراد ہیں جو سمندر میں چلتی ہیں اور مقسمٰت امرًا سے فرشتے مراد ہیں

بعض حضرات ان کو مجاہدین کی صفات بھی قرار دیتے ہیں معنی ہے کہ قسم ہے مجاہدین کی جماعتوں کی جو باطل کے منصوبوں کو اُڑاتی ہیں

فالحملٰت وقرا وہ توحید اور صحیح مسائل کے بوجھ کو اُٹھاتی ہیں چلتی ہیں وہ جماعتیں آسانی سے تقسیم کرتی ہیں امر کو جو جس علاقے کے متعلق کام ہو اس کو تقسیم کرتی ہیں

اور بعض نے علماء کی صفات بھی قرار دی ہیں کہ قسم ہے علماء کی ان جماعتوں کی جو بکھیرتی ہیں علم کو بکھیرنا اور اٹھاتی ہیں وہ جماعتیں علم کے بوجھ کو اور وہ جماعتیں چلتی ہیں آسانی سے اور تقسیم کرتی ہیں وہ جماعتیں علم کو

۵۔﴿إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ما کو مصدریہ بناتے ہیں معنی یہ کرتے ہیں ان وعدکم یا ان وعدھم لصادق (وعدہ ان کا سچا ہے) دوسرا یہ کہ ما کو موصولہ قرار دیتے ہیں اور ہ ضمیر کو محذوف مانتے ہیں۔ معنی کر تے ہیں انما توعدونہ لصادق (بے شک وہ چیز جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ سچا ہے)

۷۔﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾

حبک حبکۃ کی جمع ہے بمعنی الطریقہ (راستہ)۔ آسمان کے اندر ستاروں کے راستے ہیں۔ فرشتوں کے راستے ہیں، اور حُبُک کے ایک معنی کرتے ہیں ذات الحسن والبهاء (قسم ہے آسمان کی جو حسن والا،

رونق والا ہے) اور حبک کے معنی جال کے بھی کرتے ہیں (قسم ہے اس آسمان کی جو جال دار ہے) آسمان کے اندر ستارے نظر آتے ہیں جیسے جال پھینکا ہو۔

۸۔ ﴿إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾

قول مختلف سے کیا مراد ہے؟

قول مختلف سے کیا مراد ہے؟ تین تفسیریں اس کی مشہور ہیں.

ایک یہ کہ قرآن کریم مراد ہے کوئی کہتا ہے کہ قرآن کریم کہانت ہے کوئی کہتا ہے سحر ہے کوئی کہتا ہے کہ افتراء ہے مختلف باتیں ہیں دوسری تفسیر یہ ہے کہ قول مختلف سے مراد ہے آنحضرتؐ کی ذات گرامی کوئی کہتا ہے کہ یہ شاعر ہے کوئی کہتا ہے کہ کاہن ہے کوئی کہتا ہے مفتری ہے معاذ اللہ یہ دونوں تفسیریں آپ کو انشاء اللہ جلالین تک میں ملیں گی۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ قول مختلف سے یوم دین (بدلہ کا دن) قیامت مراد ہے۔ اس بارے میں اہل حق مانتے ہیں کہ قیامت آئے گی منکرین قیامت کہتے ہیں کہ نہیں آئے گی۔ جو ماننے والے ہیں ان میں عیسائی کہتے ہیں کہ صرف روحانی ہوگی۔ اہل حق کہتے ہیں کہ نہیں جسمانی ہوگی۔

۲۴۔ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں ہے کہ اوپر دو قسم کے لوگوں کا ذکر تھا ایک متقین دوسرے وہ جو دوسری مد میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آگے چند واقعات نقل کرتے ہیں ایک طرف متقین ہیں ابراہیمؑ، لوطؑ، صالحؑ، نوحؑ اور دوسری طرف فاسقین ہیں نافرمان ہیں اُن کا عمل اور تھا اور ان کا عمل اور تھا۔

۲۹۔ ﴿وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾

یہ عجوز قالت کا فاعل نہیں ہے بلکہ مقولہ ہے۔

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۔ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴾

۴۷۔﴿ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴾

ربط: اوپر بھی ترھیب قوموں کو عذاب سے ڈرانا اب ہے ترغیب کچھ نعمتیں بیان کی ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر کچھ سمجھ آجائے۔

۵۶۔﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ...... ﴾

معتزلہ کا استدلال:

روح المعانی، کبیر میں اور بھی تفسیروں میں یہاں لمبی چوڑی بحث ہے۔ میں نہایت مختصر سی بات بخاری کے حوالے سے عرض کرتا ہوں پہلے اشکال سمجھیں پھر جواب سمجھیں۔

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا کہ "وما خلقت الجن والا نس الالیعبد ون" اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر تاکہ وہ میری عبادت کریں بخاری میں لیعبد ون کا معنی لیو حدون کیا ہے تاکہ وہ میری توحید کا اقرار کریں۔

تو کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کا ارادہ عبادت سے متعلق تھا جو خیر ہی خیر ہے شر جو کرتے ہیں اس کے ساتھ رب کا ارادہ متعلق نہیں ہوتا۔ تو لام کو غرض کیلئے قرار دیتے ہیں کہ رب کی غرض مخلوق کو پیدا کرنے سے عبادت تھی تو اب شر کے ساتھ رب کا ارادہ وابستہ نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس کے دو جواب دیئے ہیں نہایت مختصر کتاب التفسیر میں اس سورۃ ذٰریات کی تفسیر میں دیکھ لیں۔ پہلا جواب فرماتے ہیں کہ لفظ جن اور انس اگرچہ عام ہے مراد اس سے خاص ہے اھل السعادتین یعنی جنوں میں جو سعادت والے ہیں انسانوں میں جو سعادت والے ہیں ہم نے ان کو عبادت کیلئے پیدا کیا تو لفظ عام ہے مراد اس سے خاص ہے۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ لام غرض کیلئے نہیں لام استعداد کیلئے ہے۔ جیسے خلقت البقر ۃ للزرع بیل کو پیدا کیا گیا ہے اس میں استعداد ہے کھیتی کی۔

تو یہاں لام استعداد کیلئے ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا اس لئے کہ ان میں عبادت کی استعداد تھی۔

۵۹۔﴿ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ ﴾

قرآن میں سجل، دلو، اور ذنوب یہ تین لفظ آتے ہیں۔ ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ دلو کے معنی وہ ڈول جس میں پانی ہو یا نہ ہو، سجل کے معنی وہ ڈول جس میں کچھ پانی ہو بالکل بھرا نہ ہو، اور ذنوب وہ ڈول جو بھرا ہوا ہو۔

اب سمجھیں کہ آپ نے کنویں میں ڈول ڈالا وہ جس وقت بھرا ہوا نہیں ہوتا تو اوپر تیرتا ہے پانی سے بھر گیا تو ڈوب گیا تو کہنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کا ڈول پہلے لوگوں کے ڈول کی طرح گناہوں سے بھر چکا ہے۔ جیسے ان کے ڈول ڈوبے ایسے ان کے ڈوبیں گے تو جلدی کا مطالبہ نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ ذنوب کے معنی ہے حصہ اور نصیب معنی یہ ہے کہ ظالموں کیلئے بھی حصہ ہے جیسا پہلے لوگوں کیلئے تھا۔ جیسا عذاب کا حصہ ان لوگوں کیلئے تھا ایسا ان کیلئے ہے۔

سورة الطور

۱۔﴿وَالطُّوْرِ ‎.‎ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ‎.‎ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ‎.‎ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَالسَّقْفِ
الْمَرْفُوْعِ ‎.‎ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ ۲۹

ربط: پہلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا'' من یومھم الذی یو عدون'' آگے بھی قیامت کا ذکر ہے کہ قیامت کا دن آرہا ہے۔

نام اس کا طور ہے۔طور پہاڑ کا نام ہے۔

کتاب مسطور سے کیا مراد ہے؟

خازن میں، معالم التنزیل میں بیضاوی میں اور تفسیروں میں ملے گا کہ مراد اس (کتب مسطور) سے تورات ہے کیونکہ طور کی مناسبت سے اس کا ذکر ہے۔

دوسری تفسیر کتاب سے مراد ہے کتب سماویہ میں سے ہر کتاب۔

تیسری تفسیر میں ہے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔

چوتھی تفسیر کتاب سے مراد ہے ہر آدمی کا نامہ اعمال ''اقرا کتابک کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا'' سب تفسیریں حق ہیں۔

۴۔﴿ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴾

بیت اللہ کے عین محاذات میں ساتویں آسمان پر فرشتوں کا مطاف (طواف گاہ) ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ بخاری کی روایت ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور جو فرشتہ ایک دفعہ طواف کر لیتا ہے قیامت تک اس کی دوبارہ باری نہیں آتی۔

۶۔﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾

اس کا معنی ہے سمندر بھرا ہوا اور ایک معنی کرتے ہیں سمندر آگ میں جلایا ہوا، قیامت کے قریب سمندر کو آگ لگ جائے گی۔

تو مسجور کے دو معنی ہوئے ایک بھرا ہوا اور دوسرا معنی جلایا ہوا۔

۲۱۔﴿وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾

ایک شخص ہے وہ بڑا نیک ہے اس کو جنت میں اس کے اعمال کی بدولت اعلیٰ درجہ ملا اس کی اولاد اور رشتہ دار مثلاً ادنیٰ درجے میں ہیں اب اس کا دل چاہے گا کہ ہم سب اکٹھے ہوں تو اب اس کی عقلی طور پر چند صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اس کو کہا جائے گا کہ تو ادنیٰ درجے میں ان کے پاس چلا جا وہاں تیرے عزیز ہیں لیکن یہ صورت نہیں ہو گی کیونکہ اگر یہ صورت ہو تو اس کے عمل میں کمی ہوئی بدلہ پورا نہیں ملا اس کو۔

دوسری صور[illegible]ت یہ ہے کہ کچھ ان کو اوپر کہا جائے کچھ اس کو نیچے اُتارا جائے وسطی درجے میں تمام کو رکھیں اس

میں بھی اس کے عمل میں کمی ہوئی کلاً نہ سہی بعضاً سہی یہ دونوں صورتیں نہیں ہوگی۔ ہوگا یہ کہ ان کو اس کے مقام پر پہنچادیا جائیگا۔

۲۱۔﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾

یہاں کشاف میں، روح المعانی میں، خازن میں، درمنثور وغیرہ میں دو تفسیریں مشہور ہیں

صاحب کشاف تو کہتے ہیں کہ ہر آدمی اپنے کئے پر گروی ہوگا ان خیرًا فخیر وان شرًا فشر۔

جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ رھین کے لفظ میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ کہ وہ محبوس ہوگا، قید ہوگا اور قید ہونا اچھی صفت نہیں لہٰذا کل امری کا فر بما کسب رھین ہر کافر اپنے کئے میں گروی رکھا جائیگا۔

اور دلیل پیش کرتے ہیں مجاہد بن جبر کہ کل نفس بما کسبت رھینة الا اصحٰب الیمین، ہر آدمی کو اس کے کئے میں گروی رکھا جائے گا مگر اصحاب یمین کو۔

۲۳۔﴿يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا﴾

بھرے ہوئے پیالے کو کاس کہیں گے اور خالی کو زجاجہ اس لئے بعض نے یہاں کأسًا کا معنی شراب کے کئے ہیں۔ کہ آپس میں ایک دوسرے سے پیالے کو لیں گے وہ اس سے یہ اس سے لیکن "لا لغوٌ فیھا ھا" کی ضمیر خمر (شراب) کی طرف لوٹتی ہے اور فی تعلیلیہ ہے اس شراب کی وجہ سے نہ کوئی بیہودگی ہوگی اور نہ گناہ میں مبتلا ہونگے۔

اور بعض نے کہا کہ ھا کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے کہ اس جنت میں نہ کوئی بیہودگی ہوگی اور نہ گناہ۔

۲۴۔﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ﴾

یہ غلمان کون ہوں گے روح المعانی، معالم التنزیل، ابن جریر، مواہب الرحمٰن، درمنثور غیرہ کا خلاصہ میں عرض کرتا ہوں ایک یہ کہ اپنے بچے (نابالغ) جو ہوں گے اس سے مراد وہ ہیں

دوسری تفسیر یہ ہے کہ "اطفال المشرکین خَدَمُ اھل الجنة" طبرانی کی روایت ہے کہ جنت میں کافروں کے بچے جنتیوں کے خادم ہوں گے۔

تیسری تفسیر یہ کہ غلمان جنت کی مخلوق ہیں کوئی کستوری سے کوئی مشک سے پیدا ہوں گے۔

۲۹۔﴿فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ﴾

کہانت کا معنی اور حکم:

ربط: اوپر قیامت کا ذکر تھا آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک ان کو نصیحت کرتے رہیں۔ قیامت کا مسئلہ سنائیں، توحید کا سنائیں، رسالت کا سنائیں، آپ مذکر ہیں، اور آپ کاھن و مجنون نہیں ہیں مجنون کا معنی تو آپ سمجھیں ہیں اب کاھن کا معنی سمجھیں

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ کہانت کا معنی یہ ہے کہ بعض آدمی کوئی جنات کے ساتھ کوئی ستاروں کے ذریعے

کوئی علم رمل، کوئی علم سینا، کے ذریعے کچھ چیزیں معلوم کرتے ہیں۔اور یہ کسی کا صحیح ہوتا ہے کسی کا غلط،
حدیث میں آتا ہے من اتی کا هنا أو امراة فی دُبر ها فقد کفر بما انز ل علی محمدؐ۔
یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔

۳۵۔﴿أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ﴾

آپ ساتویں پارے میں پڑھ چکے ہیں" قل ای شیء اکبر شهادة قل اللّٰه شهید بینی و بینکم" تو اللہ تعالی پر لفظ شیء کا جب اطلاق ہوگا تو وہ دو معنی میں ہوگا ایک تو یہ کہ شیء شاءٍ فاعل کے معنی میں ہو" چاہنے والا"۔

دوسرا شیء بمعنی مشیء مفعول" چاہا گیا"۔اب اگر شیء کو مشیءٌ (مفعول) کے معنی میں لیں گے تو رب پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا لیکن لفظ شی جو رب پر بولا گیا ہے وہ شاءٍ فاعل کے معنی میں ہے۔

یہاں معنی کرتے ہیں ای مشیء بغیر شیء ای بغیر خالق قرینہ کیا ہے ام هم الخالقون کہ خالق کے بغیر پیدا کئے گئے۔

۳۸۔﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ﴾

حین تقوم کا یہ معنی بھی کرتے ہیں حین تقوم للصلوٰة تو نماز میں آپؐ سبحانک اللّٰهم وبحمدک پڑھتے تھے۔حین تقوم کا یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ حین تقوم للتبلیغ تبلیغ کیلئے کھڑے ہوتے تو الحمد للّٰه نحمده و نستعینهٗ پہلے پڑھتے تھے حین تقوم کا یہ معنی بھی کرتے ہیں حین تقوم من منا مک الحمد للّٰه الذی احیا نا بعد ما اما تنا و الیه النشور پڑھتے تھے۔

سورة النجم

۱۔﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾

ربط: پہلی سورۃ کا اختتام ادبار النجوم نجوم پر ہوا تھا اور اس سورۃ کا آغاز والنجم اذا ھویٰ نجم سے ہو رہا ہے تو لفظی ربط ہے کہ اُس کا اختتام نجوم پر اس کا افتتاح نجوم پر

معنوی ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں بھی واصبر لحکم ربک تو اپنے رب کے حکم کیلئے صبر کر تو ہماری حفاظت میں ہے اس میں آپ کی نبوت کا ذکر ہے اور اس سورۃ میں بھی آپ کی نبوت کا ذکر ہے کہ راہ راست پر چلنے والا ہے اور وہ بہکا نہیں۔

نام اس کا سورۃ النجم ہے اب نجم سے کیا مراد ہے؟

آپ کو تفسیروں میں یہ بھی ملے گا والنجم ای الثریا کہکشاں اکٹھے جو ستارے ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔

یہ بھی ملے گا کہ نجم سے مراد زحل ستارہ ہے۔

یہ بھی مجاہدؒ سے ملے گا کہ النجم کل نجم فی السماء (ہر ستارہ جو آسمان میں ہے)

اخفشؒ فرماتے ہیں کہ النجم سے پودے مراد ہیں جو زمین پر جھاڑیاں اور پودے ہیں۔

لیکن جمہور پہلا ہی معنی کرتے ہیں

ضلالت اور غوایت میں فرق اور نجم کے ساتھ ان کا تعلق:

"ما ضل صاحبکم وما غویٰ" امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں اور بھی حضرات نے لکھا ہے کہ ضلالت اور غوایت میں فرق ہے غلط فہمی کا شکار ہو کر راستے سے بھٹک جائے تو یہ ضلالت ہے۔

دیدہ دانستہ غلط راستے پر چلے تو یہ غوایت ہے صاحبکم سے مراد یہاں آنحضرتؐ ہیں۔

یہاں نجم کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے کہ قسم ہے ستارے کی جب ڈوبنے لگے نہ تو غلط فہمی کا شکار ہو کر تمہارا ساتھی بہکا اور نہ دیدہ دانستہ غلط راستے پر چلا تو تعلق کیا ہے؟

تو محققین بیان فرماتے ہیں کبیر والے، آلوسیؒ، اندلسیؒ کہ جیسا ستارہ اپنی ایک لائن پر ہے۔اپنے راستے پر ہے طلوع سے لے کر غروب تک اپنا راستہ نہیں چھوڑتا اسی طرح یہ پیغمبر صراط مستقیم پر ہے وہ راستہ صراط مستقیم کا نہیں چھوڑتے اور غوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ستارہ غروب ہونے کو ہوتا ہے تو اس وقت روشنی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو آنحضرتؐ جب تشریف لائے سارا ملک عرب تاریکی اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔تو اس وقت روشنی حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔

۳۔﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾

آپ ﷺ نے کوئی بات بھی اپنی خواہش نفسانی سے نہیں کی:

اس مقام پر یہ بحث چلتی ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بولتے ہیں وحی کے مطابق بولتے ہیں۔حالانکہ

بکثرت ادلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے بعض دفعہ اپنے اجتہاد سے بھی باتیں کیں اور بعض دفعہ آپ کی رائے میں غلطی بھی ہوئی جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں، تحریم شہد کے بارے میں وغیرہ تو وہ وحی نہیں تھی۔

جب کہ ''وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یو حی''اس میں تو حصر ہے کہ آپؐ جو نطق کرتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں اس کا مناسب جواب وہ ہے جو آلوسیؒ نے روح المعانی میں دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رائے کی جو غلطی ہوئی اجتہادی غلطی ہے اس میں آپ کی خواہش نفسانی کا دخل نہیں تھا وہ آپ کی اپنی صوابدید تھی درست تھی تو اللہ تعالیٰ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی درست نہ تھی تو رب نے نکیر فرمائی لیکن کوئی بھی بات اپنی خواہش نفسانی سے نہیں کی۔

۱۳۔﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾

دو دفعہ آپؐ نے جبرائیلؑ کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا ایک دفعہ آپؐ مکہ مکرمہ میں تھے اجیاد کے مقام پر تو جبرائیلؑ نے اپنے پر پھیلا رکھے تھے له ست مائة أجنحة آپ کے چھ سو پر تھے اور دوسری دفعہ سدرۃ المنتہی کے پاس۔

۹۔﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾

جمہور اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ جبرائیلؑ آپ ﷺ کے قریب ہوئے آپؐ میں اور جبرائیلؑ میں دو کمان کا یا اس سے بھی قریب کا فرق رہ گیا۔

بعض تفسیروں میں یہ بھی ہے کہ'' صاحبکم دنا'' تمہارے ساتھی یعنی آنحضرتؐ قریب ہوئے پھر اور قریب ہوئے رب تعالیٰ کا اتنا تقرب ہوا کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم کا فرق رہ گیا۔

اب دو کمانوں سے کیا مراد ہے؟ تفسیر کبیر، خازن، السراج المنیر وغیرہ تفسیروں میں جو لکھا ہے میں عرض کرتا ہوں۔ پہلے بطور تمہید کے سمجھیں عرب کے لوگ لڑائی کرتے تھے وہ ایک دوسرے کو اپنا حلیف بناتے، دوست بناتے، تو کمان ہی سے ان کی زیادہ تر لڑائی ہوتی تھی تو جب دو آدمی آپس میں دوست بنتے تو اپنی کمانیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے یہ علامت ہوتی کہ سختی میں تجھے کام آوں گا مجھے تو کام آئے گا تو مطلب یہ نکلا کہ جتنی دو کمانیں قریب ہوتی ہے جبرائیلؑ آپؐ کے اتنے قریب ہوئے۔

۱۰۔﴿فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾

یہاں بعض مفسرین جن میں محلیؒ بھی ہیں معنی کرتے ہیں ''فا وحی الی عبدہ ای فا وحی اللہ الی عبد ہ جبر ائیل ما اوحی جبرائیل الی رسو ل اللہ ﷺ'' (اللہ نے اپنے بندے جبرائیلؑ کی طرف وحی کی وہ جو اس نے آپؐ کو وحی کی تو عبد سے مراد جبرائیلؑ ہیں) یہ بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اپنے بندے حضرت محمدؐ کو جو وحی کی یہ آپ کو خازن، روح المعانی قرطبی وغیرہ میں ملے گا۔ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۃ بقرہ کا آخری حصہ دیا بغیر جبرائیلؑ کی وساطت کے یہ روایت نسائی میں موجود ہے۔

۱۱۔﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾
الفواد پر الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے ای فواد النبی علیہ السلام.

اور کذب کے معنی لغت کی کتابوں میں انطأ کے بھی آتے ہیں۔ کذب ای اخطا، یہاں اخطا کے معنی میں کر تے ہیں۔

قاموس میں، صراح میں، عمدۃ القاری، فتح الباری میں کذب بمعنی اخطأ موجود ہے۔ نہ خطا کی آپ کے دل نے جو آپ نے دیکھا جو کچھ وہاں معراج کی رات دیکھا بالکل اس میں غلطی نہیں ہوئی۔

(ہ کی ضمیر راجع ہے شدید القویٰ کی طرف ''ولقد رأه نزلة اُخریٰ میں اور معنی ہے البتہ تحقیق تمہارے ساتھی نے دیکھا اس شدید القویٰ یعنی جبرائیلؑ کو نزلة اُخریٰ ای مرة اُخریٰ دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پا س)

۲۰۔﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى . وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى﴾
لات، عزیٰ اور مناۃ کی تحقیق:

یہ لات، عزیٰ اور مناۃ کیا ہیں؟ یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی۔ بعضے کہتے ہیں لات یہ تأنیث ہے اللہ کی لفظ اللہ مذ کر ہے اور عزیٰ یہ تانیث ہے عزیز کی اور مناۃ یہ تانیث ہے۔ منان کی تو مطلب یہ ہے کہ تم ذکور کے صیغے چھوڑ کر اناث کی طرف جاتے ہو۔

دوسری تفسیر بخاری کتاب التفسیر میں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لات نام کا ایک آدمی تھا یہ حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا عمرو بن ود اس کا نام تھا بڑا سخی تھا جب یہ فوت ہو گیا تو حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ قبر اس کی طائف میں بنائی اور اس کی قبر پر انہوں نے میلہ اور عرس لگانا شروع کر دیا اور اس کا مجسمہ بنا کر مکہ میں بھی نصب کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں اپنی کتاب بدور البالغہ میں و کانوا یستعینون به عند الشدائد کہ مصائب کے وقت اس سے مدد مانگتے تھے۔

اور عزیٰ کے متعلق نسائی شریف میں لکھا ہے ۸ھ میں آپؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے فرمایا کہ جا کر عزیٰ کو قتل کر کے آؤ۔ مکہ مکرمہ سے چند میل دور ایک مقام تھا وہاں کیکر کے درخت تھے کچھ مکانات تھے اور ملنگ وہاں بیٹھتے تھے کوئی وہاں گھی چھوڑ جاتا کوئی مکھن، کوئی بکری تو خالد بن ولید گئے۔ ان درختوں کو کاٹ کر آئے اور مکانات کو گرا آئے ملنگوں کو بھگایا قتل نہ کیا واپس آئے تو آنحضرتؐ نے پوچھا اور فرمایا کہ تو نے عزیٰ کیساتھ کیا کیا تو فرمایا کہ حضر ت وہاں تو کوئی بھی نہ تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ دوبارہ جا جب دوبارہ گئے تو امراۃ ناشزۃ شعرھا عورت ہے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں گرد وغبار لے کر سر پر ڈالتی ہے۔ واویلہ کرتی ہے یا عزی غفرانک میری تو گت بن گئی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تلوار کے ساتھ اس کا سر قلم کر دیا وہ اصل میں پری تھی۔ کبھی ظاہر ہو جاتی کبھی چھپ جاتی۔ اور

اس نے یہ شرک کا اڈہ بنایا تھا جب قتل کر دیا تو فرمایا کہ آج کے بعد اس کی عبادت نہ ہوگی۔
عزیٰ کے بارہ میں میں نے نسائی کا خلاصہ عرض کر دیا۔
مناۃ کے بارے میں تفسیر الاتقان فی علوم القرآن میں ہے کہ ایک آدمی کا نام تھا بڑا نیک اور پارسا تھا۔ لوگ اس کی پوجا کرتے تھے اور یہ درجے میں بھی اس سے ذرا پیچھے تھا پہلا درجہ لات کا پھر عزیٰ کا پھر مناۃ کا تھا۔ یہ مکہ سے ذرا دور تھا۔

۲۶۔﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا﴾

ربط: اوپر شرک کا رد تھا کہ نہ لات کے پاس کچھ ہے اور نہ عزیٰ اور مناۃ کے پاس یہ تمہارے اپنے خانہ ساز رب ہیں آگے ان کے شرک کی ایک شق تھی "ھؤلاء شفعاء نا عند اللہ، مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی" اور فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مان کر کہتے تھے کہ وہ بڑی پیاری بیٹیاں ہیں رب کی اور ان کی بات رب ٹالتا نہیں ہے اس لئے ہم ان کی پوجا کرتے ہیں اس کا رب تعالیٰ نے رد کیا "وکم من ملک" الی آخرہ۔

۲۸۔﴿إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیثیں ظنی ہیں اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظن نہیں کفایت کرتا حق سے کچھ بھی لہٰذا احادیث کا کوئی اعتبار نہیں اس کے دو جواب پہلے گزر چکے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ "لا یغنی من الحق شیئاً فیما ھو مطلوب فیہ العلم" عقیدے میں ظن فائدہ نہیں دیتا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا لیکن عمل اس سے (حدیث) ثابت ہو سکتا ہے۔

۳۱۔﴿لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ أَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا﴾

یہ لیجزی کا لام کس کے متعلق ہے تو کہتے ہیں کہ اوپر دو لفظ تھے من ضل اور من اھتدیٰ تو اس کی مناسبت سے یہاں فعل نکالتے ہیں "یضل ویھدی لیجزی" الخ معنی یہ ہے کہ اس لئے بہکاتا ہے تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنہوں نے برے عمل کئے اور ہدایت دیتا ہے تاکہ نیکوں کو نیکی کا بدلہ دے۔

حسنیٰ سے جنت بھی مراد ہے اور حسنیٰ سے یہ بھی مراد ہے کہ ایک کرے گا نو رب تعالیٰ اپنی طرف سے دے گا۔ ایک کرے گا چھ سو نانوے رب تعالیٰ اپنی طرف سے دیں گے۔

۳۲۔﴿إِلَّا اللَّمَمَ﴾

لمم کے معنی چٹ جانا مراد اس سے آلودہ ہونا، صغیرہ گناہ۔

۳۳۔﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى﴾

ولید بن مغیرہ کا اسلام سے متاثر ہونا:

ربط: ابھی آپ نے دو گروہوں کا ذکر پڑھا، اچھے کام کرنے والے اور برے کام کرنے والے انہی برے کام کرنے والوں کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں، تفسیروں میں لکھا ہے کہ کسی وقت ولید بن مغیرہ اسلام سے متاثر ہوا اور اس نے کلمہ پڑھا۔ جب اس کے دوستوں کو پتہ چلا تو بڑے پریشان ہوئے کہنے لگے کہ اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔ تیرہ بیٹے ہیں اپنی

گھر کی فوج ہے اگر یہ مسلمان ہوگیا تو ہمارے لئے مشکلات پیش آئیں گی چنانچہ ابولہب وغیرہ آ گئے اور گھیرے میں لے لیا کہنے لگے کہ تو نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اور تو اس کا گرویدہ ہوگیا ہے، اس نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر قیامت آ گئی تو کہیں مجھے تکلیف نہ ہو ابوجہل نے کہا کہ تو کچھ اجرت مجھے دے دے تو تیرا گناہ میں اٹھالوں گا تو اپنا عقیدہ بدل دے چنانچہ اس نے ایسا کیا اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

۳۹۔﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾

ایصال ثواب پر مفصل بحث:

تفصیل تو ہم نے کی ہے ''راہ سنت'' میں اور پھر مزید تشریح ہم نے کی ہے ''باب جنت'' میں۔

یہاں مختصری بات میں عرض کرتا ہوں۔ منکرین ایصال ثواب تو ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں وہ کون لوگ ہیں؟ اس میں خاصی تفصیل ہے۔

مالی قسم کا صدقہ اس میں ائمہ اربعہؒ متفق ہیں کہ مالی طور پر ایصال ثواب کریں تو پہنچتا ہے۔ بدنی طور پر کرے تو پہنچتا ہے یا نہیں

دو امام فرماتے ہیں کہ پہنچتا ہے اور دو امام فرماتے ہیں کہ نہیں پہنچتا۔

بدنی سے مراد یہ ہے کہ نفلی نماز پڑھی، نفلی روزہ رکھا قرآن کریم پڑھا اس کا ثواب بخشا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ثواب پہنچتا ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نہیں پہنچتا۔ جو حضرات ایصال ثواب کے حق میں ہیں ان کے دلائل بڑے قوی ہیں اس لئے متاخرین شوافع میں امام بغویؒ نے جو کٹر شافعی ہیں انہوں نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔

غیر مقلدین میں امیر زمان نے ''سبل السلام'' میں، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں تصریح کی ہے کہ حق بات وہی ہے جو احناف کہتے ہیں۔ ان کے اپنے غیر مقلدین حضرات کے جو فتاویٰ ہیں فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ حق بات وہی ہے جو احناف کہتے ہیں کہ بدنی ایصال ثواب بھی پہنچتا ہے لیکن اجرت پر ہو تو نہیں پہنچتا۔

ہم نے مبسوط بحث کی ہے اس پر راہ سنت میں کہ اگر آپ قرآن پڑھ کر چائے کی ایک پیالی بھی پئیں گے تو ثواب کچھ بھی نہیں پہنچے گا، پیسے لیں گے تو ثواب کچھ بھی نہیں پہنچے گا اور وہاں ہم نے حوالے نقل کئے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کے کہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے لیکن قاری یا حافظ کو یہ معلوم ہو کہ مجھے وہاں کچھ ملے گا تب بھی ثواب نہیں پہنچے گا اور شامی کے حوالے ہم نے نقل کئے ہیں کہ پڑھنے والا بھی گناہ گار اور پڑھوانے والا بھی گنار گار اور اس مسئلہ میں احمد رضا خان کے حوالے بھی ہم نے نقل کئے ہیں وہ بھی اس پر متفق ہے۔ پوری بات راہ سنت میں دیکھ لیں۔

تو ایصال ثواب کی مد میں اُجرت ہو تو اس کا ثواب نہیں پہنچتا۔ بغیر اُجرت کے ہو تو مردہ کو کیا زندہ کو بھی

ایصال ثواب ہوسکتا ہے دلیل اس کی ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ عراق میں ایک شہر تھا اُبلہ اسکا ایک شخص ابو ہریرہؓ کے پاس آیا۔۔۔۔۔۔فرمایا کہ جب تم واپس جاؤ گے تو اس کا ثواب مجھے بھی پہنچانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آلی اخرہ۔
اس حدیث کے پیش نظر تاج الاصول میں جو حدیث کی شرح ہے اس میں لکھا ہے کہ زندہ کو بھی ثواب پہنچتا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ ثواب نہیں پہنچتا وہ اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھیں ''وان لیس للا نسان الا ماسعٰی'' (کہ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو اس نے خود کوشش کی)۔

تو قرآن کہتا ہے کہ خود کوشش کی ہو تو پہنچتا ہے دوسرے کا ثواب کیسے پہنچے گا۔ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ استدلال باطل ہے اس لئے کہ قرآن پاک میں آتا ہے''ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان'' (اے پروردگار ہمیں بھی بخش دے اور ان کو بھی بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے) اب اگر ثواب نہیں پہنچتا تو قرآن پاک میں رب تعالیٰ نے یہ مہمل طریقہ کیوں بتلایا۔پھر تم نماز جنازہ میں بھی تو دعا پڑھتے ہو جب ثواب نہیں پہنچتا تو کیوں یہ مہمل کام کرتے ہو۔

رہا اس آیت کا جواب تو علامہ صدر الدین بولویؒ شرح عقیدۃ الطحاوی میں، ملا علی قاریؒ مرقات میں اور شرح فقہ اکبر میں، علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں، حافظ ابن قیمؒ کتاب الروح میں اور بھی بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت تو ہماری دلیل ہے تمہاری تھوڑی ہے۔مثلاً ایک آدمی نے شادی کی اولاد اس کی پیدا ہوئی اور مر گیا اب اس کے مرنے کے بعد اولاد اس کے لئے دعا کرتی ہے تو'' الا ماسعی'' اپنی کوشش کا نتیجہ ہی تو ہے۔

﴿ وَأَنْتُمْ سَامِدُوْنَ﴾

یہ سامدون کیا ہے؟ تو روح المعانی، معالم التنزیل، بیضاوی، کمالین اور جمل میں یہ معنی بھی ملیں گے کہ سامدون ای حافظون دوسرا معنی سامدون ای متکبرون. تیسرا معنی سامدون ای معرضون چوتھا معنی کہ قرآن سن کر تم گیت گاتے ہو۔

سورہ القمر

۱۔﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ﴾

ربط: ابھی آپ نے اوپر پڑھا ازفت الأزفة قریب آگئی قیامت آگے بھی اقتربت الساعة قیامت کے قرب کا ذکر ہے۔

شان نزول:

یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے چودھویں رات تھی ایک اچھا خاصا ہجوم آپ ﷺ کے پاس آیا کسی نے کہا اس سے یہ مطالبہ کرو کسی نے کہا کہ یہ کرو کسی نے کہا کہ اگر یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم آپ ﷺ کو مان لیں گے فرمایا ''انما الأيات عند الله'' نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اگر میری تائید کردے تو مانو گے انہوں نے کہا کہ ہاں ضرور مانیں گے۔آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا، چاند کا ایک ٹکڑا مشرق کی طرف اور ایک ٹکڑا مغرب کی طرف چلا گیا۔اب یہ ان کی منہ مانگی مراد تھی چاہیے تو یہ تھا کہ مان لیتے لیکن کہنے لگے کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔

۲۔﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

ایک معنی کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے قوی، دوسرا معنی یہ کرتے ہیں مستمر استمرار سے ہے کہ یہ لگا تار جادو ہے پہلے کبھی سانپ سے عصا اور عصا سے سانپ بنتا تھا کوئی آگ کو گلزار کر دیتا ہے۔تیسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ یہ مر، یمر سے ہے کہ یہ جادو ہے جانے والا۔

۳۔﴿كُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ﴾

مستقر کو اسم فاعل کا صیغہ بھی قرار دیتے ہیں معنی یہ کہ ہر کام ٹکانے والا ہے۔اچھے کام کرنے والوں کو جنت میں اور برے کام کرنے والوں کو دوزخ میں۔

محلیؒ نے یہی معنی کیا ہے بعض حضرات اس کو مصدر میمی بھی قرار دیتے ہیں کہ ہر معاملہ اپنے وقت پر ٹکا ہوا ہے یعنی ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔

۹۔﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾

جب انہوں نے معجزہ دیکھا اور پھر بھی نہ مانا تو طبعی طور پر آنحضرت ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا کہ انہوں نے اپنے منہ سے یہ بات مانگی تھی آنکھوں سے انہوں نے دیکھ لیا پھر بھی تکذیب کر دی۔اللہ تعالیٰ آگے بطور تسلی کے چند واقعات مکذبین کے پیش کرتے ہیں۔

۱۵۔﴿وَلَقَد تَّرَكْنَاهَا آيَةً﴾

یہ ھاء کی ضمیر کدھر کو جاتی ہے تو ایک گروہ کہتا ہے کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے الفعلة معنی ہوگا البتہ ہم نے چھوڑا اس فعل یہ کارروائی بطور نشانی۔

محلی" وغیرہ یہی معنی کرتے ہیں جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ھاء کی ضمیر راجع ہے بسوئے ذات الواح ودسر ہم نے یہ کشتی چھوڑی نشانی۔

۱۶۔﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾

نــذر کے مصدری معنی بھی کرتے ہیں اور نذر کے معنی نذیر کی جمع کے بھی کرتے ہیں "کیف کـــان عـــذابـــی وانذار نذری" کہ کیسے ہوا میرا عذاب اور میرے ڈرانے والوں کا ڈرانا۔

۲۰۔﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ الحاقۃ میں آتا ہے نـخـل خاویة اور وہاں مؤنث اس کی صفت آئی ہے اور یہاں مذکر اس کی صفت آئی ہے تو تمام مفسرین کرام" فرماتے ہیں کہ یہ ہے تو مؤنث جمع کا صیغہ لیکن یہاں فواصل جو ہیں دسر، نذر، منقعر اس کی مناسبت سے منقعر کی تاء اُڑ گئی ہے اصل میں منقعرة ہے۔

(۲۳)﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ﴾

ربط: کفار کی تکذیب کی وجہ سے آپ کو طبعی تکلیف ہوئی تھی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے چند واقعات پیغمبروں کے بیان کئے یہ تیسرا واقعہ ہے۔

۲۴۔﴿لَفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾

سعر کے معنی جنون کے بھی کرتے ہیں اگر ہم نے اس کی بات مانی تو ہم گمراہی میں اور جنون میں ہوئے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کمالین والے کہتے ہیں کہ ســعــر ســعــیــر کی جمع ہے سعیر کے معنی شعلہ مارنے والی آگ۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم نافرمانی کروگے تو آگ کے شعلوں میں چلے جاؤگے تو یہ استہزاء کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر اس کی بات کو مانیں گے تو مان کر ہم پھر گمراہ ہو جائیں گے اور آگ کے شعلوں میں چلے جائیں گے۔

۳۱۔﴿فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ﴾

یہاں مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے" فـكـانـو اكهشيم حظيرة المحتظر" محتظر کے معنی باڑ لگانے والا الحظیرۃ کے معنی باڑ هشیم کا معنی چورہ، پس ہو گئے جیسا کہ باڑ لگانے والے کے باڑ کا چورہ، مفہوم یہ ہے کہ جہاں کسی نے بھیڑ، بکریاں وغیرہ رکھنی ہوتی ہیں تو کناروں پر وہ کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں تاکہ موذی جانور نہ جائے۔ جس وقت وہ وہاں سے منتقل ہوتا ہے تو پھر اس باڑ پر جا در پھرتے ہیں اور اس کو چورہ چورہ کر دیتے ہیں کیونکہ وہاں رہنا تو ہوتا نہیں اس لئے جانور اس کو روندتے ہیں اور چورہ چورہ کر دیتے ہیں تو تشبیہ دی کہ جیسے باڑ حفاظت کیلئے ہوتی ہے پھر بعد میں جانور اس کو چورہ چورہ کر دیتے ہیں ایسے ہی یہ بھی چورہ چورہ ہو گئے۔

سورة الرحمٰن

۱۔﴿اَلرَّحۡمٰنُ ۔عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۔خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۔عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۔اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۔وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدَانِ ۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ﴾

ربط: تفسیر کبیر، ابوالسعود، سبق الغایات وغیرہ میں ربط کے متعلق دو باتیں لکھی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معجزے تو بہت زیادہ ہیں لیکن دو معجزے بہت بڑے ہیں ایک حسی اور وہ ہے شق قمر اور دوسرا معنوی جو قرآن کریم ہے۔ پہلی سورۃ میں حسی معجزے کا ذکر تھا اب اس سورۃ میں معنوی معجزے کا ذکر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں نافرمانوں کی تباہی اور بربادی کا ذکر تھا اس سورت میں نعمتوں کا ذکر ہے تو پہلی سورت میں ترہیب تھی اس میں ترغیب ہے۔

۶۔﴿وَالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ﴾

یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ستارہ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نجم کے معنی پودے کے ہیں۔

۲۶۔﴿كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ﴾

ربط: اوپر رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا کہ زمین پیدا کی آسمان پیدا کیا، انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا، جنوں کو آگ سے پیدا کیا، کشتیاں چلتی ہیں اب آگے بتاتے ہیں کہ یہ سب فنا بھی ہوں گی کل من علیھا فان.

۳۱۔﴿سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ﴾

امام رازیؒ معنی کرتے ہیں کہ یہ عرب کا مقولہ ہے کہ آدمی فارغ ہوتا تھا ''وما بہ شغل'' لیکن کہتا تھا سنفرغ لک ای اخذک میں غفلت میں تجھے پکڑوں گا حالانکہ اس وقت بھی وہ مصروف نہیں ہے تو معنی یہ ہے کہ میں اچانک تمہیں پکڑوں گا۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا معنی سنقصد، ہم ارادہ کریں گے۔

جنوں اور انسانوں کو ثقلین کیوں کہتے ہیں تو اس لئے کہ ان پر تکلیف کا بوجھ ڈالا گیا۔

۳۵۔﴿يُرۡسَلُ عَلَيۡكُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ﴾

دیانند سرسوتی کا اعتراض:

آریہ سماج کا ایک منہ پھٹ لیڈر تھا دیانند سرسوتی اس نے کتاب لکھی ہے سکیارت پرتاش اس کا چودھواں باب قرآن پاک پر اعتراضات کیلئے وقف ہے۔ بسم اللہ سے وہ خبیث شروع ہوا ہے اور آخر تک چلا گیا ہے یہاں اس نے یہ کہا معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد کہتا ہے کہ ایسا لگتا ہے قرآن کا مصنف جاہل ہے، عقل سے محروم ہے اس لئے کہ اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ نعمت کیا ہے اور غیر نعمت کیا ہے وہ کہتا ہے تم پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے دھویں پھینکے جائیں گے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو یہ آگ کے شعلے اور دھویں کون سی نعمت ہے آگے پھر دوزخ کا ذکر آتا ہے۔ ھذہ

جھنم التی الخ کہ اس میں تمہیں ڈالا جائے گا اور یہ دوزخ کونسی نعمت ہے یہ اس نے اعتراض کیا۔
جواب: اللہ جزائے خیر عطا فرمائے مفسرین کرامؒ کو کہ بروقت انہوں نے باتیں بتائیں ہمارے نزدیک مختصر جواب وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے دیا ہے کہ ہر آیت میں نعمت جتائی کوئی اب نعمت ہے اور کسی کی خبر دینا نعمت ہے کہ اس سے بچیں خبر دی کہ اگر تم نے نافرمانی کی تو آگ کے شعلے پڑیں گے جہنم میں جائیں گے تو بروقت خبر دینا بھی نعمت ہے۔

۳۷۔﴿وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾

یہ عام مفسرین تو کہتے ہیں کہ دھان تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں لیکن صاحب کشاف کہتے ہیں کہ دھان سرخ چمڑے کو کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ اس دن آسمان پھٹے گا پس ہو جائے گا وہ گلابی رنگ کا جیسا کہ ادیم أحمر سرخ رنگ کا چمڑہ۔

۳۷۔﴿فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾

اس میں اذا شرطیہ ہے جزاء اس کی محذوف ہے وہ ہے "فما اعظم الھول"

۳۹۔﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾

دوسرے مقام پر آتا ہے "لنسئلنھم اجمعین" اور یہاں ہے کہ نہیں سوال کئے جائیں گے۔
تو تفسیر مدارک، ابوسعود وغیرہ میں تطبیق یہ دی ہے کہ استعلام یعنی معلوم کرنے کی خاطر سوال نہیں ہوگا کہ تم نے یہ گناہ کئے ہیں یا نہیں بلکہ اس لئے یہ سوال ہوگا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کئے ہیں؟ جبکہ میں نے کتابیں بھی بھیجیں تھیں عقل بھی دی، نبی بھی بھیجے تھے، پھر کیوں کیا؟

۶۳۔﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾

ربط: اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو ناکام ہیں کسی پر دھواں پڑ رہا ہے کسی پر آگ کے شعلے، کسی کو جہنم میں گھسیٹا جا رہا ہے۔
اب دوسری مد کے لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کو کامیابی ہوگی۔

۷۰۔﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ﴾

خیرات کے معنی خوب سیرت اور حسان کے معنی خوبصورت۔

سورة الواقعه

۱۔﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾
ربط: پہلی سورت میں بھی قیامت کا ذکر تھا اور نیکوں اور بُروں کے ساتھ جو کچھ ہونا ہے اس کا ذکر تھا اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور نیکوں اور بروں کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کا ذکر ہے۔
۲۔﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ کاذبۃ کو مصدر بھی بناتے ہیں یعنی اس کے وقوع کیلئے کوئی جھوٹ نہیں اور اس کو نفس کی صفت بھی بناتے ہیں لیس لوقعتها نفس كاذبة۔
۱۳۔﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ. وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾
اس آیت کی دو تفسیریں:
یہاں روح المعانی، بیضاوی، خازن وغیرہ میں خاصی بحث ہے
ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ جو سابقون ہوں گے پہلوں میں اچھی خاصی جماعت ہوگی پچھلوں میں کم۔
پہلوں سے مراد ہیں آنحضرت ﷺ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں وہ اور ان کے صحابی اور پچھلوں میں آپ کے صحابی ہیں تو مجموعی لحاظ سے وہ پہلے تعداد میں زیادہ ہیں اور یہ کم ہیں
دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اسی امت کے پہلے اور پچھلے مراد ہیں۔ پہلے لوگ صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین ان میں سابقون زیادہ ہوں گے اور پچھلوں میں کم۔
۳۷۔﴿عُرُبًا أَتْرَابًا﴾
اتراب تِرب کی جمع ہے یہ معنی بھی ہے کہ آپس میں عورتیں ہم عمر ہوں گی۔ اور یہ معنی بھی ہے کہ اس مرد کے ساتھ اس عورت کی عمر برابر ہوگی۔
۴۰۔﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ. وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾
ربط: پہلے اصحاب الیمین کا ذکر تھا کہ پہلے والوں میں بھی اچھی خاصی جماعت ہوگی اور پچھلوں میں بھی۔
اب یہاں سے اصحاب الشمال کا ذکر ہے۔
۵۵۔﴿فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ﴾
محلیؒ سے یہاں غلطی ہوئی ہے مفسرین نے ان کو معاف نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ هیم هیمان کی جمع ہے هیمان کے معنی عطشان تو هیم کے معنی پیاسے ہوئے۔
جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ محلیؒ سے غلطی ہوئی ہے هیم أهيم کی جمع ہے هیمان کی جمع نہیں ہے جمل، کمالین، صاوی وغیرہ سب میں ہے۔
۷۳۔﴿وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾
السقِیُ (بکسر القاف) ایسی جگہ جہاں نہ پانی ہو نہ گھاس ہو تو اب مقوی کا معنی ایسی جگہ کو طے کرنے والا جو بے آب وگیاہ ہو تو اب لازمی معنی اس کے کر دیئے مسافر کے۔
۷۵۔﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾
ربط: پہلے قیامت کا ذکر تھا اور جن طبقات نے جنت ودوزخ میں جانا تھا ان کا ذکر تھا۔ پھر قیامت کے اثبات کے دلائل

۷۵۔ اب یہاں سے قرآن پاک کی عظمت بیان کرتے ہیں اس لئے کہ اس قرآن کے ذریعے رب تعالیٰ نے توحید، رسالت اور قیامت کا مسئلہ واضح کیا فرمایا **فلا اقسم**، اگر لفظ قسم ہو یا حرف قسم ہو تو اس سے پہلے لا اور ما زائدہ آتے ہیں یہ قسم کی تاکید کیلئے آتے ہیں۔

۷۷۔ ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾

یہ جواب قسم ہے اب یہ قسم اور جواب قسم میں کیا مناسبت ہے؟ تو جیسے ستارے اپنے راستے پر چلتے ہیں اور پھر غروب کے مقام پر غروب ہوتے ہیں کوئی بھی ان میں دائیں بائیں نہیں ہو سکتا ایسے ہی قرآن کریم صراط مستقیم بتلاتا ہے کوئی کمی بیشی اس میں نہیں۔

﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

قرآن کریم کو بغیر وضو ہاتھ لگانے میں امام بخاری کے اختلاف اور دلائل کا جائزہ:

یمسہ میں ہ ضمیر کدھر راجع ہے تو اس میں خاصی بحث ہے۔ حضرات ائمہ اربعہ ؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو بغیر وضو ہاتھ لگانا درست نہیں جبکہ امام بخاریؒ اور امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو بغیر وضو کے بھی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

جو جمہور ہیں انہوں نے اپنی دلیل میں یہ آیت بھی پیش کی ہے کہ ضمیر راجع بسوئے قرآن ہے نہ اس کو ہاتھ لگائیں مگر پاکیزہ لوگ۔ تو معلوم ہوا کہ بے وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے اور متعدد حدیثیں پیش کرتے ہیں ایک حضرت ابن عمرؓ کی "**لایمس القرآن الا طاهر**" "**لا تمس القرآن الا وانت طاهر**" امام بخاری یہاں دو تاویلیں کرتے ہیں لیکن دونوں تاویلیں ان کی درست نہیں ہیں۔

پہلی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ہ ضمیر جاتی ہے **کتاب مکنون** کی طرف تو معنی یہ ہے کہ اس لوح محفوظ کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاکیزہ فرشتے۔ یہ بات تو بظاہر بڑی معقول ہے لیکن آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں **تنزیل من رب العالمین** تو تنزیل تو قرآن ہے نہ کہ لوح محفوظ، لوح محفوظ کو تو نازل نہیں کیا گیا زمین پر۔

دوسری بات امام بخاریؒ یہ فرماتے ہیں کہ **مطهرون** سے مراد ہے مسلمان کہ وہ تو اس سلسلے میں پاک ہی پاک ہیں۔

جواب تاویل کا یہ ہے کہ بے شک مسلمان تو پاک ہی ہوتا ہے ہم مانتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنے گورنر عمرو بن حزمؓ کو بہت سے ہدایت نامے بھیجے ان میں یہ بھی تھا "**لاتمس القرآن الا وانت طاهر**" یہ حدیث صحیح ہے اب اس کا تو یہ معنی نہیں کریں گے کہ تو قرآن کو ہاتھ نہ لگا مگر پہلے مسلمان ہو جا کیونکہ وہ تو پہلے سے مسلمان ہے کافر تو ہے نہیں۔ تو حق بات یہی ہے کہ قرآن پاک کو بلا وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے ہاں زبانی پڑھنا **عند الکل** جائز ہے سوائے جنابت کی حالت کے۔

۹۵۔ ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ﴾

معارف لدنیہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مجدد الف ثانیؒ کا اس میں فرماتے ہیں کہ درجے تین ہیں۔ ایک ہے **علم الیقین** ایک ہے **عین الیقین** ایک ہے **حق الیقین**۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ آگ جلاتی ہے اس کا کسی کو یقین آ جائے تو اس کو **علم الیقین** کہتے ہیں، ہماری آنکھ کے سامنے آگ نے کپڑا جلایا تو یہ ہے **عین الیقین** اور ایک ہے **حق الیقین** درجہ۔ ہے کہ خود اس آگ میں ہمارا ہاتھ آیا اور جلا تو یہ **حق الیقین** کا درجہ ہے۔

سورة الحدید

۱۔﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

ربط: ایک ربط تو یہ دیتے ہیں کہ پہلی سورت کا اختتام تسبیح پر ہوا تھا'' فسبح باسم ربک العظیم'' اس سورت کا آغاز سبح للہ (تسبیح) سے ہے۔

دوسرا ربط یہ ہے کہ پہلی سورت کا اختتام قیامت کے مسئلے پر ہوا اس کا آغاز توحید سے ہے۔

۳۔﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

روح البیان والے علامہ اسماعیل حقیؒ صوفی قسم کے بزرگ ہیں اور رطب و یابس سب کچھ انہوں نے جمع کیا ہے انہوں نے یہاں اس سے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے کہ آپ ﷺ اول ہیں آخر ہیں ظاہر ہیں باطن ہیں لیکن وہ لوگ صاف عقیدے کے ہوتے تھے اس لئے وہ مناسب تاویل کے ساتھ ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے۔ اب وہ اول کا معنی کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اول مخلوقات میں سے ہیں اول ما خلق اللہ روحی اور آخر سے مراد لیتے ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں خاتم النبیین ہیں'' انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم'' ظاہر اس لحاظ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب اور ظاہر کر دیا'' لیظھرہ علی الدین کلہ'' اور باطن اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں آپ کو دیں کمالات آپ کو دیئے وہ بہت بہتر ہیں۔

۱۱۔﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾

ربط: اوپر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تھا آگے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اللہ کو دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا۔

۱۴۔﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾

ربط: اوپر منافقین کا ذکر تھا آگے مومنین کا ذکر ہے لیکن ایک غلطی پر ان کو تنبیہ ہے تفسیر مدارک، السراج المنیر وغیرہ میں ہے کہ مہاجرین جب ہجرت کر کے گئے تو مدینہ طیبہ کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا پیداوار بڑی اچھی تھی رزق وافر ملا اور ایک دن بیٹھ کر دل لگی کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حالت پسند نہیں آئی کہ اتنی خوش گپیاں اور دل لگیاں نہیں ہونی چاہئے۔

۱۸۔﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾

المصدقین یہ ان کا اسم ہے اور المصدقات اس پر عطف ہے یہ جملہ اسمیہ ہے اور معانی کے اصول کے منافی ہے کہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر ہو کیونکہ جملوں میں تناسب ضروری ہوتا ہے تو پہلا مصدقین اور مصدقات یہ اسمیہ ہے اور اگلا جملہ واقرضو اللہ قرضا حسنًا یہ جملہ فعلیہ ہے تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر کیسے ہوا؟ تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ المصدقین پر جو الف لام داخل ہے یہ الذین کے معنی میں ہے اور آگے جملہ اسمیہ اس کا صلہ ہے اور معنی یہ ہے الذین تصدقوا واللتی تصدقن یہ بھی جملہ فعلیہ ہے اور اقرضوا اللہ قرضا حسنا یہ بھی فعلیہ ہے۔

۲۰۔﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ﴾

ربط: اوپر اس کا ذکر تھا کہ مؤمنین کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ دلوں میں خشیت پیدا ہو اور اللہ کی طرف توجہ کریں دلوں میں سختی پیدا نہ ہو اب آگے جو چیز غفلت میں ڈالنے والی ہے اس کا ذکر ہے۔

﴿اَعْجَبَ الْکُفَّارَ﴾

تعجب میں ڈالتی ہے کسانوں کو جیسے مثال ہے "رایت کافرا ابن کافر یکفر کافحدا فی کافر عند کافر" میں نے جاٹ کو دیکھا جو کافر کا بیٹا تھا یکفر دانے چھپار ہا تھا، فی کافر رات میں عند کافر نہر کے پاس۔

۲۲۔﴿فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا﴾

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کی ھا کہ ضمیر راجع بسوئے مصیبت ہے یعنی مصیبت پیدا کرنے سے پہلے۔ دوسری یہ ملے گی کہ اَرض کی طرف راجع ہے زمین کے پیدا کرنے سے پہلے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ انفسکم کی طرف راجع ہے کہ تمہارے نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے۔

۲۳۔﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾

یہاں مختال بھی نکرہ ہے فخور بھی نکرہ ہے لانفی کے نیچے داخل ہے نکرہ اگر تحت النفی ہو تو تعمیم ہوتی ہے اس لیے الذین یبخلون ویامرون الناس یہ اس کی صفت ہے اور واقع ہو سکتی ہے۔

دوسری تفسیر الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل یہ ہے مبتدا، خبر اس کی محذوف ہے وہ ہے لھم وعید شدید۔ یہی معنی محلیؒ نے کئے ہیں۔

۲۵۔﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ﴾

الکتب پر الف لام جنس کا ہے۔ زمخشری نے مع کو اپنے معنی میں لے کر عجیب عجیب تاویلیں کی ہیں جبکہ جمہور مع کو علی کے معنی میں لیتے ہیں ای علیھم الکتب.

۲۵۔﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

تین چیزیں حضرت آدمؑ کے ساتھ آسمان سے اتریں:

تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہے فرماتے ہیں کہ تین چیزیں حضرت آدمؑ کے ساتھ آسمان سے اتریں۔ السندان والکلبتان والمطرقة یعنی ایک وہ جس پر لوہے کو کوٹا جاتا ہے اور کلبتان وہ چمٹا جس کے ساتھ لوہے کو پکڑا جاتا ہے اور مطرقة کا معنی ہتھوڑا۔

یہ تینوں چیزیں حقیقتاً اوپر سے اُتریں۔

۲۶۔﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاھِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا النُّبُوَّۃَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ لقد ارسلنا رُسُلنا ہم نے اپنے رسول بھیجے اب ان رسولوں میں سے بعض کا ذکر ہے۔

٢٩ ۔ ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

لئلا کا لام متعلق ہے اعلم محذوف کے ساتھ اس نے یہ خبر بتائی ہے اور آگے لا کو مزیدہ بناتے ہیں معنی ہوگا کہ اس نے یہ خبر بتائی ہے تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ وہ کسی چیز پر بھی قادر نہیں ہیں اللہ کے فضل سے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام اعلم کے ساتھ ہی متعلق ہو اور لا مزیدہ نہ ہو معنی یہ ہے کہ اس نے یہ خبر بتائی کہ تم ایمان لاؤ تا کہ یہ اہل کتاب نہ جان لیں کہ وہ قادر نہیں کسی چیز پر اللہ کے فضل سے۔ یعنی یہ خیال نہ کریں کہ ہم اب ایمان نہیں لا سکتے اللہ کا فضل حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے تمہیں بتایا کہ ایمان لاؤ اب بھی تمہارے لئے موقع ہے اللہ کے فضل کو حاصل کرنے کا۔

سورة المجادلة

۱۔﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ﴾

ربط: بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ عیسائیوں نے رہبانیت گھڑلی جو رب تعالیٰ نے ان پر نہیں لکھی تھی۔ یہاں ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت نے بھی ایک مسئلہ اپنی طرف سے بنا رکھا تھا اور رب کا حکم نہ تھا وہ یہ کہ اگر اپنی بیوی کو محرمات میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دیتے جیسا کہ "انت علی کظهر اُمی "تو اس کو ہمیشہ کیلئے حرام سمجھتے تھے حالانکہ یہ رب تعالیٰ کا حکم نہ تھا۔

نام اس سورت کا مجادلہ ہے پہلی آیت میں التی تجادلک کا لفظ موجود ہے۔

اوس بن صامت کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کا واقعہ:

شان نزول یہ ہے کہ مشہور صحابی تھے اوس بن صامتؓ ان کی بیوی تھی خولہ بنت ثعلبہؓ تو ان کی اپنی بیوی کے ساتھ ان بن ہوگئی، گھریلو ناچاقی ہوگئی اور خاوند نے بیوی کو کہہ دیا کہ "انت علی کظهر اُمی" بیوی بڑی پریشان ہوئی کہ بچوں کا کیا ہوگا میں کہاں جاؤں گی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے پاس پہنچی اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ حضرت اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس کیلئے حرام ہوگئی ہے کیونکہ دستور یہی تھا حکم نازل نہ ہوا تھا وہ کبھی روتی کبھی فریاد کرتی کبھی کہتی کہ میں اپنے بچوں کو کس کے پاس چھوڑوں گی، وہ کیا کھائیں گے میں کیا کھاؤں گی بار بار تکرار کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حکم نازل فرمایا کہ ایسا کرنے سے ہمیشہ کیلئے حرام نہیں ہوجاتی۔ کفارہ دینا پڑے گا۔

۳۔﴿ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ﴾

اشکال:

اب یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہاں ہے کہ جن لوگوں نے اپنی عورتوں سے ظہار کیا ثم یعودون پھر وہ لوٹے اس بات کی طرف "منكرًا من القول وزورًا" کہ وہ بڑی بات ہے جھوٹ ہے تو جس کو رب تعالیٰ نے منكر امن القول وزوراً فرمایا پھر اس کی طرف لوٹنے کی ترغیب کیوں دی۔

تو ہمارے ہاں مختصر جواب وہ ہے جو امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں دیا ہے وہ یہ ہے کہ "ثم یعودون لنقض ما قالوا" جو بات انہوں نے پہلے کہی تھی اس کے توڑنے کے لئے۔

۷۔﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾

ربط: اوپر رب تعالیٰ کی وسعت علمی کا ذکر تھا کہ "احصاہ اللّٰہ و نسوه" آگے بھی رب تعالیٰ کی وسعت علمی کا ذکر ہے۔

۸۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى﴾

ربط: اوپر نجوی (سرگوشی) کا ذکر تھا اب اس سرگوشی کے متعلق [illegible]تے ہیں کہ بعض لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اس سے ان کو روکا گیا [illegible] ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس سے کچھ نہ کچھ آواز پیدا ہوتی ہے اور بیان کرنے والا بیان نہیں

کر سکتا اور سننے والوں کے سننے میں خلل پیدا ہوتا ہے تو ایسی سرگوشیوں سے منع کیا اور منافق ایسی سرگوشیاں کرتے تھے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ﴾

ربط: اوپر سرگوشی کا بیان تھا اب سرگوشی کیلئے چونکہ مجلس میں بیٹھنا ہوتا ہے ایک دوسرے کی بات کو سننا پڑتا ہے۔ اس مناسبت سے آگے مجلس کے آداب بیان فرمائے۔

۱۴﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾

ربط: پہلے آپ نے سنا کہ یہودی جب آتے تھے تو آپ کو "السام علیکم" کے لفظ سے سلام کرتے تھے اور یہ منافق ان ہی یہودیوں میں سے تھے۔ یہاں منافقوں کی تردید ہے کہ وہ یہود سے دوستی کرتے ہیں اس لئے ان سے باز رہیے اور دوستی نہ کریں "ماھم منکم ولا منھم" تمہارے اس لئے نہیں کہ دل تمہارے ساتھ نہیں اور ان کے اس لئے نہیں کہ زبانیں ان کے ساتھ نہیں، زبانیں تمہارے ساتھ ہیں اور دل ان کے ساتھ ہیں۔

۱۶۔﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ یہ قسمیں کھاتے تھے کہ خدا کی قسم ہم مؤمن ہیں اب مومن ان کی قسموں پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے قتال و جہاد نہیں کرتے تھے، ان کے ساتھ قتال و جہاد کرنا چاہیے تھا، ان کے مال کو غنیمت کا مال سمجھنا چاہیے تھا لیکن ان کی قسموں کی وجہ سے ان کے ساتھ جہاد نہ کر سکے تو ان کے ساتھ جہاد کرنے سے ان کی قسمیں روکتی رہیں یہ معنی ہے "فصدوا عن سبیل اللہ" کا۔

سورة حشر

۱۔﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

بنو نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ:

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ ان منافقوں نے اس قوم سے دوستی کی غضب اللہ علیہم جن پر اللہ کا غضب ہوا یعنی یہود۔ یہود دوستی کے قابل ہیں ہی نہیں۔ اس سورت میں یہود بنی نضیر کا واقعہ ہے، یہ خاندان تھا یہود کا، آپ ﷺ کا ان سے معاہدہ تھا، انہوں نے وعدہ شکنی کی اور آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کا قصد کیا۔

واقعہ یوں پیش آیا جیسے فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہے۔ کہ ایک مسلمان سے غلطی میں آدمی مارا گیا، یہود بنی نضیر کا آپ سے معاہدہ تھا کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں گے دیت میں بھی مالی خون بہا میں بھی۔ اور ویسے بھی ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے ''انتم ونحن قوم علی من سوانا'' تو جس مسلمان سے آدمی مارا گیا۔ اس کی دیت کے سلسلے میں آپ ان کے پاس جانا چاہتے تھے انہوں نے کہا کہ حضرت آپ ﷺ یہاں تشریف لائیں تو یہاں بات کرتے ہیں۔ ایک مکان تھا بہت اونچا اس مکان کے نیچے آپ ﷺ کیلئے چارپائی ڈالی اور اوپر کچھ لڑکوں، بچوں اور عورتوں کو کھڑا کر دیا اور آپ ﷺ کی چارپائی کے عین اوپر بہت بڑا پتھر رکھا اور آپ ﷺ کے سر پر گرانے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرئیل آئے اور آپ ﷺ کو خبر دی کہ آپ کے ساتھ تو یہ کارروائی کریں گے آپ فوراً واپس چلے گئے اور فرمایا کہ تم نے غدر کیا ہے وہ اس پر مصر ہو گئے کہ اچھا غدر کیا ہے تو غدر ہی سہی پھر آپ نے ان کے خلاف کارروائی کا حکم دیا تو قلعوں میں چلے گئے معمولی جھڑپیں ہوئیں ایک جگہ درخت تھے ان درختوں کا انہوں نے مورچہ بنایا اس کے پیچھے سے تیر چلاتے تھے، ان درختوں کو کاٹا گیا پھر ان کو یہاں سے جلاوطن کیا گیا تو یہ یہود بنو نضیر کا واقعہ ہے کہ ایسوں سے دوستی کرتے ہو جو کسی مقام پر بھی وعدہ کی پابندی نہیں کرتے۔

۲۔﴿مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾

اول حشر سے کیا مراد ہے؟

ایک تو یہ ہے کہ حشر کے معنی اجتماع کہ وہ مومنوں کے مقابلے میں اکٹھے ہوئے جب مومنین ان کے مقابلے میں جمع ہوئے تو پہلے ہی اجتماع میں وہ مرعوب ہو گئے۔

دوسرا یہ مراد لیتے ہیں کہ آپ نے ان کو جب مدینہ سے خیبر کی طرف نکالا یہ اول حشر ہے اور دوسرا حشر وہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کو خیبر سے شام کی طرف نکالا گیا۔ یہاں صاحب جلالین سے غلطی ہوئی ہے وہ اول حشر کا معنی شام کی طرف ان کا نکالنا مراد لیتے ہیں حالانکہ اول حشر مدینہ سے خیبر کی طرف ہے شام کی طرف تو دوسرا حشر ہے جو فاروقی دور میں ہوا۔

۷۔﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

اہل حق کا مسلک ہے کہ رزق رب دیتا ہے، صحت رب دیتا ہے، اولاد رب دیتا ہے، سب کچھ رب دیتا ہے

اور کسی کے اختیار میں کچھ نہیں۔

احمد رضا خان بریلوی کا ایک شیدائی یوں کہتا ہے:

کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا جو دیا تم نے دیا احمد رضا

بات ہے ایمان کی حق کی قسم آپ سے ایمان ملا احمد رضا

دل ملا، آنکھیں ملیں، ایمان ملا جو ملا تم سے ملا احمد رضا

میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تفصیل ''دل کا سرور'' میں دیکھ لیں۔

میں نے پہلی بات یہ کی ہے کہ یہاں ما اتاکم سے مال دینا مقصود نہیں ہے بلکہ جو حکم آپ دیں وہ لو۔قرینہ ہے وما نھاکم مقابلہ میں نہی ہے۔جو حکم تمہیں دیں وہ مانو جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ تو یہاں رزق اور اولا دوغیرہ تو مراد نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیاق وسباق تو فئی کے مال میں ہے۔اگر مال مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ جو کچھ فئی کے مال میں سے تمہیں دیں غنیمت کے مال میں سے تمہیں دیں تو لے لو۔تو یہ دینا مافوق الاسباب تو نہیں بلکہ اسباب کے تحت ہے۔

۷۔﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾

یہ لام کس کے متعلق ہے؟ تو یہاں آپ کو دو باتیں ملیں گی ایک یہ کہ او پر فئی کا مسئلہ تھا تو یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی الفیء للفقراء المهاجرين۔

دوسرا اس کو فعل کے متعلق کرتے ہیں ''ای اعجبوا للفقراء المهاجرين' کہ تعجب کرو تم فقراء مہاجرین پر جو گھروں سے نکالے گئے گھروں اور مالوں کے مالک تھے اور وہاں سے نکالے گئے۔

۹۔﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

یہاں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ یہاں مضاف الیہ محذوف ہے اور الدار پر الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے معنی یہ ہے والذين تبوّؤا دار الهجرة جنہوں نے ٹھکانہ بنایا دار ہجرت میں وہ مدینہ طیبہ ہے والفوا الايمان اور مانوس ہوئے ایمان سے۔

دوسرا یہ کرتے ہیں کہ ایمان سے پہلے مضاف محذوف مانتے ہیں معنی یوں کرتے ہیں والـذيـن تبـوّؤا دار الهجرة ودار الايمان۔جنہوں نے ٹھکانہ بنایا ہجرت کے گھر کو اور ایمان کے گھر کو وہ مدینہ ہے۔

۹۔﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

ابوطلحہ انصاری کا واقعہ:

آیت کے اس ٹکڑے کا شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا شام کا وقت تھا شام کی نماز پڑھنے گئے۔آپ ﷺ نے خادم سے کہا کہ جا کر عائشہ صدیقہؓ سے کہہ کہ ضیف رسول اللہ آپ کا مہمان

ہے کھانے کیلئے کوئی چیز دو انہوں نے فرمایا میرے پاس کچھ بھی نہیں خادم نے ایسے ہی آ کر کہا۔ آپ ﷺ نے اس کو دوسری بیوی کے پاس بھیجا حتی کہ نو کے پاس بھیجا کسی کے گھر سے کچھ بھی نہ ملا آپ ﷺ نے مسجد میں کہا تم میں سے کوئی میرے مہمان کو کھانا کھلا سکتا ہے۔

ابوطلحہ انصاریؓ نے کہا کہ حضرت میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا چنانچہ اسے گھر لے گئے۔۔۔ بیوی کو چراغ گل کر دینے کو کہا۔۔۔ الخ۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۱۱۔﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِم﴾

ربط: اوپر یہود بنونضیر کی وعدہ شکنی کا اور ان کے ساتھ لڑائی کا ذکر تھا آگے وعدہ شکنی کا سبب بیان کرتے ہیں کہ وعدہ شکنی انہوں نے اس لئے کی کہ منافقین نے ان کو اُکسایا تھا کہ تم لڑو ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے۔

۲۱۔﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ﴾

آگے اس کتاب کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان میں تقوی آتا ہے اور انسان نفاق سے بچ جاتا ہے آخرت بھی سنورتی ہے دنیا بھی بنتی ہے۔

۲۱۔﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

یہاں ملحدین نے اعتراض کیا ایک غلط شوشہ چھوڑا ہے کہتے ہیں کہ اوپر تو ایک بیان تھا کہ اگر قرآن کو ہم پہاڑ پر اتارتے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ یہ مثال دی ہے جبکہ آگے فرمایا وتلک الامثال لیکن ان نادانوں نے سمجھا نہیں ہے اوپر مثالیں بیان ہوئی ہیں "مثل ھؤ لاء کمثل الذین من قبلھم. کمثل الشیطان" یہ مثالیں اوپر بیان ہوئی ہیں۔

۲۴۔﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

خالق کے معنی ہیں مادہ پیدا کرنے والا مثلاً انسان کا مادہ ہے پہلے نطفہ پھر لوتھڑا پھر بوٹی، اور باری کا معنی ہے روح پیدا کرنے والا اور مصور کا معنی ہے تصویر دینے والا۔

سورة الممتحنة

۱۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾

ربط: پہلی سورت میں یہود اور منافقین کا ذکر تھا کہ ان کے ساتھ تم لڑائی کرو، آگے بقیہ کفار کو دوست نہ بنانے کا بیان ہے۔ اس آیت کا پس منظر حاطب ابن ابی بلتعہ کا واقعہ ہے۔

۷۔﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ کافروں کے ساتھ دوستی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ خود دوستی کے اسباب پیدا کردے گا تمہاری اس اطاعت سے اللہ تعالیٰ دوستی پیدا کردے گا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایمان کی توفیق دے گا وہ ایمان لے آئینگے پھر تمہاری اور ان کی دوستی ہو جائے گی۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ﴾

شان نزول:

شان نزول اس کی یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر ہمارا کوئی آدمی ایمان لاکر تمہارے پاس آجائے تو تم اس کو ہماری طرف لوٹاؤ گے یہ مشرکین نے کہا اور اگر تمہارا کوئی آدمی ہمارے پاس آیا تو ہم اس کو نہیں لوٹائینگے کچھ عرصہ بعد کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط چند عورتوں کے ساتھ مدینہ چلی گئیں شرط کے مطابق مشرکین نے آدمی بھیجے کہ وہ ہمیں واپس لوٹادو آنحضرت ﷺ نے لوٹانے سے انکار کیا کیونکہ صلح نامہ میں لفظ رجل تھا اور وہ عورت تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۱۔﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ﴾

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن ہے معاذ اللہ اس کی بیوی مرتدہ ہو کر کافروں کے پاس چلی گئی جس کافر سے نکاح کیا وہ اس مسلمان کو کچھ بھی نہ دے گا۔ وہاں کے کافر کی بیوی آئی مسلمان کے نکاح میں آگئی اس مسلمان نے اس کافر کو جو رقم دینی تھی اس کو مت دے بلکہ اس مومن کو دے جس کی بیوی چلی گئی کافروں کے پاس۔

﴿وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ﴾

اس کا ایک معنی یہ کرتے ہیں کہ عورتیں ہیں ان کی اولاد پیدا نہیں ہوتی وہ کسی کا بچہ اٹھا لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ میرا ہے اور بچہ جب پیدا ہوتو ماں کے بین ایدیھن وارجلھن ہی گرتا ہے کہ اٹھایا ہوا بچہ ہے اس کو اپنا بنا لیا شوہر کے نسب کے ساتھ ملا دیا

دوسرا معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ بالکل ہاتھوں پاؤں کے سامنے کسی نے کچھ نہیں کیا تم کہتے ہو تم چور ہو تم زانی ہو تم یہ ہو تم وہ ہو تو مشاہدہ کے بغیر دوسرے پر الزام مت لگاؤ۔

۱۳۔﴿كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُوْرِ﴾

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ من اصحاب القبور یہ کفار کی صفت ہے جیسے کافر جو قبروں میں جا چکے ہیں وہ ناامید ہیں کیونکہ اب وہاں عملی زندگی تو ہے نہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آخرت سے ایسے ناامید ہیں یہ یہودی جیسے کفار اصحاب قبور کی حیات کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں لن یبعث اللّٰہ من یموت. جو مر گیا اس کو رب زندہ نہیں کرے گا۔

سورة الصف

۱۔﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت میں تھا کہ کافروں سے دوستی مت کرو اب یہ بیان کرتے ہیں کہ کافروں سے دوستی نہ کرو لڑو ان سے قتال کرو ان سے۔

۲۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

بعض حضرات نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ واعظ کو عامل بھی ہونا چاہیئے جو عامل نہ ہو وہ وعظ بھی نہ کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! لم تقولون مالا تفعلون۔ فرماتے ہیں کہ ان کا استدلال درست نہیں۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ واعظ کو عامل ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ اگر وہ عامل نہیں تو وعظ ہی چھوڑ دے فریضے اس کے ذمہ دو ہیں ایک خود عمل کرنا دوسرا یہ کہ دوسرے سے عمل کروانا اس کو ترغیب دینا اگر ایک رہ گیا تو دوسرے کو کیوں چھوڑتا ہے۔

۶۔﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾

ملحدین کا آپ ﷺ کے نام احمد پر اعتراض اور اس کا جواب:

کبھی اسم تفضیل میں فاعل کے معنی کی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی مفعول کے معنی کی زیادتی ہوتی ہے۔ ملحدین نے یہاں ایک اعتراض اٹھایا ہے وہ یہ کہ تم کہتے ہو کہ آپ ﷺ کا نام ہے احمد سب سے زیادہ حمد کرنے والا اور یہ بھی تم کہتے ہو کہ آپ کی نبوت کا زمانہ ہے تیئس سال اور کل عمر ہے تریسٹھ سال کہتے ہیں کہ تریسٹھ سال میں کتنی حمد کی ہوگی اس سے تو موسیٰ کی حمد زیادہ ہے ان کی ایک سو بیس سال عمر تھی۔ ہارونؑ کی زیادہ ہے ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ ابراہیمؑ کی عمر دو سو سال تھی ان کی حمد زیادہ ہے نوحؑ کی عمر چودہ سو سال تھی اُن کی حمد زیادہ ہے آدمؑ کی عمر ہے ہزار سال انکی حمد زیادہ ہے تو کہتے ہیں کہ یہ جو تم نے احمد نام رکھا ہے محض عقیدت کی بناء پر ہے واقع سے اس کا کوئی تعلق نہیں؟ میں اس کے دو جواب مختصر عرض کرتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے آپ ﷺ نے جن جوامع الکلم سے رب تعالیٰ کی تعریف کی وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ ابوداؤد مستدرک، الترھیب والترغیب، عمل الیوم واللیل لابن سنی وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے حضرت جویریہؓ کے گھر آپ ﷺ تھے صبح پھٹی تو سنتیں پڑھ کر آپ مسجد میں چلے گئے نماز پڑھائی پھر چاشت پڑھ کر آئے حضرت جویریہؓ کے سامنے گٹھلیاں تھیں ان پر اللہ کا ذکر کر رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس حالت میں آپ کو چھوڑ کر گیا تھا اب تک اسی حالت میں بیٹھی ہو عرض کیا جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمات ایسے کہے کہ ان کا وزن ان کے ساتھ کیا جائے تو ان کا ثواب زیادہ نکلے گا۔

وہ چار کلمات یہ ہیں "سبحان اللہ وبحمدہٖ عدد خلقہ" تین دفعہ یہ میں نے پڑھا دوسرا "سبحان

اللّٰہ وبحمدہٖ رضانفسہٖ " تین دفعہ یہ پڑھا۔ "سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ مداد کلماتہٖ " تین دفعہ یہ پڑھا "سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ زنۃ عرشہٖ " تین مرتبہ یہ پڑھا۔ اگران کوتولا جائے تو تمہاری عبادت سے بھاری نکلیں گے تو جن الفاظ کے ساتھ آپ نے اللہ کی تعریف کی وہ یقیناً زیادہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے مسند احمد وغیرہ کی روایت میں یہ ہے کہ جنت میں ایک سوبیس صفیں ہوں گی اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی باقی چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

یہ امت جو بھی اللہ کی حمد وثنا بیان کرتی ہے چونکہ آپ نے ہی اچھا طریقہ بتلایا ہے ہم یہاں کہتے ہیں سبحان اللہ تو اس کا ثواب آٹو میٹک آپ ﷺ کے اعمال نامہ میں لکھ دیا جا تا ہے تو احمد کا لفظ اگر سب سے زیادہ تعریف کرنے والے کے معنی پر ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۱۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

ربط: اوپر قتال کا ذکر تھا کہ یقاتلون فی سبیلہٖ کہ اللہ کے محبوب بندے اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اب اسی قتال کے متعلق ارشاد ہے تومنون باللّٰہ پہلے بھی آمنوا تھا آگے بھی ہے تومنون باللّٰہ تو یہ تحصیل حاصل ہے؟

اس کی دو تفسیریں آپ کو ملیں گی کہ امنوا سے اگر مخلص ایمان والے مراد ہوں تو تؤمنون سے تدومون علی الایمان۔ (اے ایمان والو ایمان پر دائم رہو) مراد ہے۔

تو نفس ایمان اور چیز ہے دوام علی الایمان اور چیز ہے تو تحصیل حاصل نہیں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یٰآیھا الذین اٰمنوا کا معنی اٰمنوا بافواھھم اپنے مونہوں سے ایمان لانے والے تومنون باللّٰہ صحیح معنوں میں ایمان لاؤ۔

یغفرلکم ذنوبکم یہ جزاء ہے اور شرط اس کی محذوف ہے ای ان تفعلوا ذالک یغفر لکم من ذنوبکم

۱۳۔﴿ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

موصوف اس کا محذوف ہے اور عامل بھی محذوف ہے ویعطکم نعمۃ اخرٰی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک اور نعمت دے گا وہ کیا ہے نصر من اللّٰہ وفتح قریب.

سورة الجمعة

۱۔﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

ربط: ابوسعود، سبق الغایات وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت میں تھا عیسیٰؑ نے خوشخبری سنائی کہ ایک رسول میرے بعد آئیں گے ان کا نام ہوگا احمد، اب اس سورت میں ان ہی کا ذکر ہے ہو الذی بعث فی الأمیین رسولاً۔ وہاں ان کی آمد کی خوشخبری تھی یہاں ان کے آنے کا واقعہ ہے کہ وہ آ گئے۔

۲۔﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾

ایک آیت تو پہلے گزری ہے النبی الامی الذی یجدونہ الخ بعض نے یہ بھی معنی کیا ہے کہ اُمیین کا معنی مکہ والوں میں کیونکہ مکہ کا علاقہ ہے ام القریٰ تو امیین کا معنی ام القریٰ والے۔

۸۔﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَإِنَّهٗ مُلَاقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ إِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

کافیہ: شرح جامی وغیرہ میں ہے کہ انّ کی خبر پر فاء داخل نہیں ہوتی جبکہ یہاں فانہ یہ انّ کی خبر ہے اور اس پر فاء داخل ہے تو آسان جواب وہ ہے جو محلیؒ نے دیا ہے فرماتے ہیں الفاء مزیدۃ فاء زائدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اسم انّ متضمن معنی شرط ہو تو پھر اس کی خبر پر فاء کی گنجائش ہے۔

۹۔﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

ربط۔ اوپر یہود کی مذمت تھی یہود کی تو بہت ساری خرابیاں تھیں، ایک خرابی یہ تھی کہ یوم السبت ان کی عبادت کا دن تھا اور انہوں نے ہفتہ کے دن عبادت نہ کی، آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے جمعہ کا دن ہے۔

۱۱۔﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾

حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں روایتیں نقل کی ہیں۔ اب تو خطبہ پہلے ہوتا ہے اور نماز بعد میں ہوتی ہے۔ اس وقت نماز پہلے ہوتی تھی اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا یہ اس وقت کی بات ہے کہ نماز پڑھ لی اور خطبہ ہو رہا ہے باہر کسی نے منادی کی کہ فلاں علاقے سے آٹا آیا ہے، کپڑے آئے ہیں ہے تھوڑی سی مقدار جن لوگوں نے لینا ہے لے لیں۔ بارہ آدمیوں کے علاوہ باقی سارے چلے گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔

سورة المنافقون

۱۔﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴾

ربط: پہلی سورت میں نبی کی آمد کا بیان تھا ھو الذی بعث فی الامیین رسولا اوراس رسول کو ماننے والوں کا ذکر تھا۔اب اُن کا ذکر ہے جو زبانوں سے تو کہتے ہیں کہ اللہ کا رسول ہے لیکن دل سے نہیں مانتے۔

شان نزول:

شان نزول کے بارے میں امام نسائی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا جو ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں ہوا۔

جبکہ حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ غزوہ مریسیع کا واقعہ ہے جو ہجرت کے پانچویں سال شعبان کے مہینہ میں پیش آیا۔بات بنتی امام نسائی کی ہے، واقعہ یہ پیش آیا کہ چند منافق جمع تھے، رات کا وقت تھا منافقوں نے یہ خیال کیا کہ ہماری باتیں کوئی نہیں سنتا۔

انہوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں آنخضرت ﷺ کے خلاف، اسلام کے خلاف، قرآن کے خلاف کہتے تھے کہ دیکھو جی اس کا پیٹ نہیں بھرتا، مدینہ پر قبضہ کیا اس نے پھر مکہ پر قبضہ کیا پھر خیبر پر اب رومیوں کے خلاف لڑنا چاہتا ہے پھر کہا کہ یہ غلطی ہماری ہے ہم نے ان کو خرچہ دیا، مکانوں میں جگہ دی وغیرہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے کہا کہ اب مدینہ میں گئے تو میں سب سے عزت والا ہوں اس ذلیل کو یعنی آنخضرت ﷺ کو معاذ اللہ نکالوں گا۔زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سنیں۔۔۔۔۔آپ کو آکر بتلایا آپ ﷺ نے ان منافقین کو بلا کر پوچھا کہ تم نے رات کو یہ باتیں کی ہیں کہنے لگے حضرت وہ زبانیں نہ چلی جائیں وہ ہونٹ فنا نہ ہو جائیں، حضرت ایسی باتیں۔اس کو کہو کہ کوئی گواہ تو پیش کرے اتنی انہوں نے آپ کو تسلی دلائی

بخاری کی روایت ہے فصدقه و کذبنی اور مجھ پر ناراض بھی ہوئے۔یہاں تک کہ دوسرے صحابہ بھی اور میرے چچا نے مجھے کہا کہ احمق تو نے کیسی بات کی ہے۔

آنخضرت ﷺ نے تجھے جھوٹا کہا تو تجھے سچا کون کہے گا۔۔۔۔۔۔۔الخ

یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی۔آنخضرت ﷺ نے مجھے بلا کر کہا اے زید ان اللّٰه قد صدقک کہ اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی۔

۹۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾

ربط: اوپر اس بات کا ذکر تھا کہ منافقین نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں پر مت خرچ کرو۔

اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ کافروں کو تو اپنے مالوں اور اولاد پر گھمنڈ ہے تمہیں نہیں ہونا چاہئے۔

۱۰۔﴿لَوْ لَا اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ﴾

یہ فاَصَّدَّقَ کیا ہے؟ تو ایک بات میں عرض کرتا ہوں کہتے ہیں کہ لو لا میں لو تمنی کے لئے ہے اور لا مزیدۃ ہے اور فاصدق یہ جواب تمنی ہے اس لئے اس پر نصب آیا۔

۱۰۔﴿وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

یہ جزاء ہے شرط محذوف ہے وہ ہے ان اخرتنی اگر تو نے مجھے مہلت دی "اکن من الصالحین" تو میں نیکوں میں سے ہو جاؤں گا۔

سورة التغابن

۱۔﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ ﴾

ربط: آپ نے پہلے پڑھا کہ رسول آئے، مومنوں نے مانا، یہود نے کھلا انکار کیا اور منافقین نے زبان سے مانا۔ اب اس سورۃ میں یہ بیان کرنا ہے کہ آپ نے جو اصولی باتیں بیان کیں وہ تین چیزیں ہیں

پہلی توحید ہے الم یأتکم نبؤ الذین کفروا تک یہ توحید ہے۔ پھر آگے واللہ غنی حمید تک رسالت کا مسئلہ ہے آگے قیامت کا مسئلہ ہے۔

یہ تین مسئلے اس سورۃ کے ابتدائی رکوع میں بیان کئے گئے ہیں کہ بنیادی باتیں جو اللہ کے رسول نے بیان کی ہیں وہ یہ ہیں'' فمنکم کافر ومنکم مؤمن'' یہاں کافر کو مؤمن پر مقدم کیوں لائے؟

تو کہتے ہیں کہ کفار کثرت میں تھے اور آج تک ہیں اس لئے کافر کو مقدم کیا۔

قیامت کے دن کو تغابن ''نقصان کا دن کہنے کی وجہ''

یوم التغابن: تغابن کے معنی لفظی ہیں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا اب اس کا معنی کرتے ہیں سود اور زیاں، نفع اور نقصان۔ اب وہ تغابن کیسے ہوگا یہاں آپ کو معالم التنزیل میں ابن کثیر میں، خازن میں اور درمنثور میں ملے گا کہ ہر آدمی کا ایک مقام ہے جنت میں اور ایک مقام ہے جہنم میں۔ ایک ہے بالفعل ایک ہے بالقوۃ۔ اگر مؤمن ہے اس کی نیکیاں زیادہ ہیں تو وہ بالفعل جنت میں جائے گا لیکن خدانخواستہ اگر وہ کمی کرتا ہے تو اس کا بالقوۃ مکان جہنم ہوگا۔ اسی طرح کافر کا بھی ایک بالفعل مکان ہے اور وہ دوزخ ہے اور بالقوۃ جنت ہے اگر ایمان لاتا اور نیکی کرتا تو وہ مکان اس کو مل جاتا اب ہوگا یہ کہ جب مومن جنت میں جائے گا تو اپنا بالفعل مکان تو اس کا ہے ہی اور جو بالقوۃ کافر کا تھا وہ بھی اس کو مل جائے گا۔

۱۱۔﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

اور مصیبت رب کے اذن سے آئے گی۔

۱۶۔﴿ فاتقوا اللہ ماستطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرًا لانفسکم ﴾

کہتے ہیں کہ یہاں فعل محذوف ہے ای یکن خیرا لانفسکم۔ یہ مذکور تمہارے لئے بہتر ہوگا وہ ہے اللہ کا تقوی، سننا، اطاعت کرنا، انفاق، بعض نے یکن کی ضمیر صرف انفاق کی طرف لوٹائی ہے کہ انفقوا یکن خیرًا لانفسکم انفاق کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

سورة الطلاق

ا۔﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾

ربط: آپ نے پہلی سورت میں پڑھا کہ "ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم" بے شک تمہاری بیویوں میں سے بعض اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ بیوی کی دشمنی بسا اوقات طلاق کا سبب بنتی ہے اس لئے اس سورت میں آگے طلاق کا ذکر ہے۔ نام اس سورت کا طلاق ہے۔ پہلی آیت میں طلاق کا لفظ موجود ہے۔

ا۔﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یاایھا النبی یہ ہے سر دار طلقتم تو جمع کا صیغہ ہے آگے طلقوھن بھی جمع ہے تو مفرد کو جمع کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا۔

تو آپ کو تمام تفسیروں میں یہ بات ملے گی جلالین تک میں ملے گی کہ اس کی آسان دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ "یاآیھا النبی و اُمته اذا طلقتم النساء" نبیؐ اور آپ کی امت کو خطاب ہے۔ دوسری تاویل یہ کرتے ہیں کہ یاآیھا النبی قل لھم تو ان سے کہہ دے "اذاطلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن"

﴿اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾

مگر یہ کہ کریں بے حیائی کھلی۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ زنا کا ارتکاب کریں۔ دوسرا یہ لیتے ہیں کہ فحش گوئی سے کام لیتی ہوں گالی گلوچ سے تو پھر بھی گھر سے ان کو نکال سکتے ہیں۔ اسی طرح زنا کریں تو بھی گھروں سے نکال سکتے ہیں

لاتدری:۔ کی ضمیر راجع بسوئے نفس۔ کوئی نفس نہیں جانتا "لعل اللّٰه یحدث بعدذالک امرًا"

۲۔﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾

یعنی جب وہ عدت کو پہنچنے کے قریب ہوں کیونکہ عدت پوری ہونے کے بعد روکنے کا حق نہیں ہے۔ اور یہاں آگے امساک کا لفظ آرہا ہے۔

﴿يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾

ای من کل منضیق : ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے بنائے گا۔

۸۔﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا﴾

ربط: اوپر رب تعالیٰ نے نفقہ کا، عدت کے شمار کرنے کا بچے کو دودھ پلانے کا یہ مسائل بیان کئے آگے فرماتے ہیں کہ رب کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا اگر نافرمانی کرو گے تو وہی حشر ہوگا جو پہلے لوگوں کا ہوا۔

۱۰۔﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾

یہاں بحث تو طویل ہے کشاف، بیضاوی، کمالین، جمل وغیرہ میں۔ میں مختصری بات عرض کرتا ہوں کہ یہ

رسولاً کیوں منصوب ہے؟

توفراء فرماتے ہیں کہ ذکرًا جومصدر منون ہے۔تومصدر ہواور منون بھی ہوتو وہ عامل ہوتا ہے تو رسولاً کانصب ذکرًا مصدر منون کی وجہ سے ہے۔ 31

دوسرا یہ کہ یہاں فعل محذوف ہے وہ ہے۔ وأرسل رسولا ۔تیسرا یہ کہ رسولاً کالفظ بدل ہے ذکرًا سے اور یہ ذکرًا چونکہ منصوب ہے اور بدل مبدل منہ کااعراب ایک ہوتا ہے لہذا رسولاً بھی منصوب ہے۔

اس پر سوال ہوگا کہ ذکرًا تو مصدر ہے وصف ہے اور رسولاً ذات ہے تو ذات وصف سے کیسے بدل بنے گی؟ کہتے ہیں کہ مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے۔قد انزل اللّٰه الیکم ذات ذکرہ رسول اذات کالفظ محذوف ہے۔چوتھی بات یہ ہے کہ رسولا کانصب علی الاغراء ہے ای الزموا رسولاً۔رسول کولازم پکڑو۔

۱۲۔﴿لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

یہ لام کس کے متعلق ہے؟ تو کہتے ہیں کہ فعل محذوف ہے اعلمکم لتعلموا الخ اللہ تعالی نے یہ خبر تمہیں بتائی تا کہ تم جان لو" ان اللّٰه علی کل شیء قدیر"

حدیث حضرت ابن عباسؓ اور مسئلہ ختم نبوت:

یہاں طویل الذیل بحث چلتی ہے تمام تفسیروں میں، ابن جریر،طبری، ابن کثیر، روح المعانی، کشاف، بیضاوی، خازن سب میں وہ یہ ہے کہ ایک حدیث ہے حضرت ابن عباسؓ سے کہ زمینیں سات ہیں اور ان سات زمینوں میں "آدم کآدمکم و نوح کنوحکم وابراهیم کا براهیمکم" الخ ان میں بھی پیغمبر آئے ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ایک طبقہ کہتا ہے کہ صحیح ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ صحیح نہیں ہے اس سلسلہ میں دو بزرگوں نے کتابیں لکھیں ہیں۔مولانا عبدالعلیم لکھنویؒ نے "دفع الوسواس عن اثر ابن عباس" لکھی ہے۔دوسرے حضرت نانوتویؒ نے کتاب لکھی "تحذیر الناس لاثر ابن عباس" اور اس میں اشکال کی بات یہ ہے کہ اس میں آتا ہے ومحمد کمحمد کم تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کے علاوہ اور بھی موجود ہیں تو پھر ختم نبوت تو نہ ہوئی اس سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ زمانی لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں لاشک فیہ لیکن آپ کی ختم نبوت ہے مرتبی کہ تمام نبوت کے مراتب آپ میں موجود ہیں۔تو آپ خاتم النبیین ہیں مرتبے کے اعتبار سے اگر اور زمینوں میں کوئی اور شخصیت ثابت ہو تو پھر بھی ختم نبوت پر زد نہیں پڑتی۔ہم نے بانی دارالعلوم دیوبند میں اسی مسئلہ پر بسط سے بحث کی ہے۔

سورۃ التحریم

۱۔﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾

آپ ﷺ کا شہد پینے کا واقعہ:

ربط: اس کا سمجھنا شان نزول پر موقوف ہے۔ شان نزول یہ ہے کہ چونکہ آپ کو شہد طبعی طور پر پسند تھا آپ نے حضرت زینبؓ کے گھر سے شہد کھا لیا، آپ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام بیویوں کے گھروں میں جاتے تھے اور حالت دریافت فرماتے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آپس میں میں مشورہ کیا کہ آج حضور آئیں گے تو ہم ان سے کہیں گے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے جب آپ تشریف لائے تو حفصہؓ نے کہا کہ اکلت المغافیر تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو میں شہد کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں قسم بھی کھائی کہ واللہ لااشرب ولا اکل عسلاً لیکن فرمایا حضرت حفصہؓ سے کہ کسی کو بتلانا نہیں۔ وہ بھی مجبور تھی کیونکہ ان کی اور حضرت عائشہؓ کی بات ایک تھی انہوں نے ان کو بتلایا۔ بعد میں آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی کے پتہ چلا تو آپ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ تو نے وہ بات بتا دی حضرت حفصہؓ نے کہا کہ آپ ﷺ کو کس نے بتایا آپ ﷺ نے فرمایا نبأنی العلیم الخبیر۔ پھر اس کے بعد آپ نے شہد استعمال کیا اور قسم کا کفارہ دیا۔ اب اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

پہلا مسئلہ تو یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے گھر میں بھی بیویوں کا عقیدہ یہ نہ تھا کہ آپ کو غیب کا علم ہے ورنہ وہ مشورہ کیوں کرتیں پھر یہ کیوں پوچھتی ''من انباک ھذا'' آپ ﷺ کو کس نے بتایا آپ نے جواب میں فرمایا نبأنی العلیم الخبیر یہ نہیں فرمایا تمہیں پتہ نہیں ہم عالم الغیب ہوتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ آپ کے گھر میں بھی یہ عقیدہ تھا کہ آپ حاضر ناظر نہیں ہیں اگر یہ عقیدہ ہوتا تو آپس میں ساز باز کیوں کرتیں۔

تیسرا مسئلہ یہ نکلا کہ آپ مختار کل نہیں ہیں جو چاہیں حلال کریں جو چاہیں حرام کریں۔ اگر مختار کل ہوتے تو آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا لم تحرمّ۔

۳۔﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ ﴾

یہاں سے ایک اور بات بھی ثابت ہوئی۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث کوئی شئے نہیں ایک تاریخی چیز ہے۔ دوسری صدی، تیسری صدی کی پیداوار ہے آپ ﷺ کے زمانے میں لکھی نہیں ہوتی تھیں جو حدیثیں لکھی گئی تھیں آپ ﷺ نے مٹانے کا حکم دیا۔ مبسوط بحث ہم نے (شوق حدیث) میں کر دی ہے۔

پھر وہ دھوکہ دینے کیلئے کہتے ہیں کہ پہلے تو حدیث ہے ہی نہیں کوئی شئے لیکن اگر کوئی چیز ہم حدیث کو مانیں تو وہ قرآن ہی ہے وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں فبایّ حدیث بعدہ یؤمنون۔ اس قرآن کے بعد کس بات کو وہ مانیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق ہوا ہے۔

اس آیت سے اس کا جواب یوں نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کے کلمات پر حدیث کا لفظ بولا ہے تو قرآن

سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے کلمات پر حدیث کا اطلاق ہوا ہے۔

۳۔﴿إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ﴾

آگے ان دو بیویوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم توبہ کرو اللہ کی طرف پس تحقیق سے مائل ہو چکے دل تمہارے یعنی تمہارے دلوں نے خطا کی۔

اگر یہ معنی کریں تو ان تتوبا کی جزاء محذوف ہوگی بعض نکالتے ہیں "تقبل" اگر تم توبہ کروگی تو تمہاری توبہ قبول کی جائے گی۔ بعض نکالتے ہیں تقبل تو بتکما۔ اگر توبہ کروگی تو تم دونوں کی توبہ قبول کی جائے گی۔

اور دوسرا معنی یہ بھی کیا ہے کہ اس میں جزاء محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے وہ ہے کہ اگر تم توبہ کروگی اللہ کی طرف تو تحقیق تمہارے دل مائل ہیں توبہ کی طرف تم میں توبہ کی استعداد ہے تو فقد صغت قلوبکما یہی اس کی جزاء بن جائے گی۔

۴۔﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴾

یہاں ایک نحوی اشکال ہے وہ یہ ہے کہ لفظ اللہ انّ کا اسم ہے وہ قاعدہ کے مطابق منصوب ہے آگے جبرئیل یہ کیوں مرفوع ہے۔ صالح المؤمنین کیوں مرفوع ہے اور الملا ئکۃ کیوں مرفوع ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ بھی منصوب ہوتے اس لئے کہ انّ کا عطف ان کے اسم لفظ اللہ پر ہے اور معطوف معطوف علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔؟

اس کا جواب تمام تفسیروں میں یہ دیتے ہیں کہ لفظ اللہ پر ان کا عطف نہیں بلکہ محل لفظ اللہ پر ان کا عطف ہے۔ کہ اگر ان نہ ہوتا تو اللہ کا لفظ مرفوع ہوتا مبتدا ہونے کی وجہ سے۔

۵۔﴿ ثَيِّبَاتٍ وَّأَبْكَارًا﴾

نحاۃ کی ایک اصطلاح "واوثمانیہ" کی وضاحت:

میں نے پہلے کہا تھا کہ ایک واؤ ہے جس کو نحوی کہتے ہیں واؤ ثمانیہ۔ اس کا مفہوم روضۃ الریآن فی اسئلۃ القرآن وغیرہ میں ہے کہ سات جملے پہلے ہوں ان پر واؤ نہ ہو آٹھویں جملے پر واؤ ہو اس کو واؤ ثمانیہ کہتے ہیں۔ یا لفظ ثمانیہ ہو اور اس پر واو ہو یا ویسے مفہوم ہو جس کی تعداد آٹھ ہو۔

یہاں مسلمات سے سائحات تک بمع ثیبات کے سات جملے ہیں جن پر واو نہیں اور آٹھویں پر (ابکاراً پر) واؤ ہے۔ یہاں واو اس لئے لائے کہ دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں کہ ثیبات بھی ہوں اور باکرہ بھی ہوں اور گیارھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آتا ہے التائبون العابدون سے لیکر الامرون بالمعروف تک پر واو نہیں اور والناھون عن المنکر پر واو ہے۔ یہ واو ثمانیہ ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ امر اور ہوتا ہے نہی اور ہوتی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی چیز امر بھی ہو نہی بھی ہو۔ سورۃ کہف کے تیسرے رکوع کی آخری آیت میں آتا ہے سیقولون ثلثۃ رابعھم پر واو نہیں ہے۔ خمسۃ سادسھم پر واو نہیں ہے اور آگے سبعۃ و ثامنھم پر واو ہے یہ ثامن کے لفظ پر واو آئی ہے

سورۃ زمر کے آخر میں آتا ہے وسیق الذین کفروا.........فتحت ابوابھا یہاں واؤ نہیں ہے آگے آتا ہے وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا...... وفتحت ابوابھا۔اس پر واؤ ہے۔اس لئے کہ جنت کے دروازے آٹھ ہیں جہنم کے سات ہیں اس کو واؤ ثمانیہ کہتے ہیں۔

۸۔﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾

ربط: اوپر ازواج مطہرات میں سے دو کی توبہ کا ذکر تھا ان تتوبا الی اللّٰہ۔آگے عام مومنوں کو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو توبہ کرو توبۃ نصوحاً اخلاص کی توبہ۔

۸۔﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

یہ کیوں کہیں گے یہ تفسیر بھی آپ کو معالم التنزیل وغیرہ میں ملے گی کہ منافقوں کے لئے معمولی سی چمک ہوگی قیامت میں کیونکہ کلمہ تو انہوں نے پڑھا ہوگا تو جب یہ چمک ختم ہوگی تو وہ کہیں گے پروردگار ہمارے نور کو مکمل کرنا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ أتمم لنا نورنا۔ہمارے اس نور کو دائم رکھنا۔

۱۰۔﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا﴾

ربط: اوپر آپ نے پڑھا یٰٓایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔بچانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو وعظ ونصیحت کرو۔ویسے تم دوزخ سے نہیں بچا سکتے دیکھتے نہیں نوحؑ کی بیوی پیغمبر کی بیوی تھی،لوطؑ کی بیوی پیغمبر کی بیوی تھی،لیکن چونکہ انہوں نے ان پیغمبروں کے ساتھ عقیدے کی اور ایمان کی خیانت کی تو پیغمبر بھی ان کو کفایت نہ کر سکے۔

۱۱۔﴿وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾

یہاں سے مومنوں کے لئے مثال بیان فرماتے ہیں کہ اگر تم خود نیک ہو اور تمہاری دوستی بُرے کے ساتھ ہے تب بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔دیکھتے نہیں حضرت آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی تھی مومن تھی نسبت بُرے کے ساتھ تھی لیکن کامیاب ہوئی۔

۱۲۔﴿وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ﴾

آگے فرماتے ہیں کہ تمہاری نیک کے ساتھ بھی نسبت نہیں،بد کے ساتھ بھی نسبت نہیں،خود مومن ہو جیسے مریم تو سارا دارومدار نیکی پر ہے۔

سورة الملک

۱۔﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ربط: پہلی سورت کے آخر میں تھا کہ وصدقت بکلمت ربھا و کتبہ و کانت من القانتین کہ حضرت مریمؑ نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کی کتابوں کی، اللہ تعالی کے کلمات میں سب سے پہلے ہے توحید یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سب سے پہلے فرماتے ہیں "یٰقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من اللہ غیرہ" اس لئے اس سورۃ کا آغاز توحید سے ہو رہا ہے۔

۲۔﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً﴾

یہاں یہ بحث ہے کہ موت وجودی چیز ہے یا عدمی۔

بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت وجودی ہے خلق الموت والحیٰوۃ تو بعض تو موت کو وجودی چیز قرار دیتے ہیں اور بعض موت اور حیٰوۃ کے درمیان عدم وملکہ کی صفت نکالتے ہیں۔

۹۔﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ﴾

اس کی تین تفسیریں آپ کو ملیں گی۔ کبیر، روح المعانی، مواہب الرحمٰن، البحر المحیط وغیرہ میں ایک یہ ہے کہ ان کفار کا مقولہ ہے کہ وہ جو ہمارے پاس نذیر آئے تو ہم نے کہا کہ نہیں ہو تم مگر بڑی دور کی گمراہی میں۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالی کا مقولہ ہے کفار سے کہا اے کفار نہیں ہو تم مگر بڑی گمراہی میں۔ کہ تم نے ہمارے پیغمبروں کی تردید کی۔

تیسرا یہ کہ یہ مومنوں کا مقولہ ہے کہ مومنوں کی زبانوں سے کہا گیا کہ اے کفار تم تو خود گمراہی میں ہو پیغمبروں کو کیسے تم گمراہ کہتے ہو۔

۱۰۔﴿وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾

جہنم سے بچنے کیلئے ایک گر ہے تحقیق دوسرا ہے تقلید:

تفسیر عزیزی، حقانی وغیرہ میں یہ ہے کہ جہنم سے بچنے کیلئے ایک گر ہے تحقیق، دوسرا ہے تقلید۔ یا تو خود اتنا محقق ہو کہ قرآن، حدیث، فقہ اسلامی سے مسائل کو اخذ کر سکے یہ مفہوم ہے نعقل کا اور اگر یہ نہیں تو دوسرے کی سن لے یہ ہے تقلید تو فرماتے ہیں کہ جہنم سے بچنے کے لئے ایک تحقیق ہے ایک تقلید ہے تو کہیں گے کہ ہم میں تحقیق بھی نہ تھی تقلید بھی نہ تھی تقلید تو ہم نے کی نہیں تحقیق کا مادہ نہیں تھا۔ تقلید تو "واتبع سبیل ما اناب الیہ (جو میری طرف رجوع کرتے ہیں ان کی پیروی کر) سے ثابت ہے کیونکہ اتباع و تقلید کا ایک ہی معنی ہے۔

ہم نے مبسوط بحث کی ہے الکلام المفید فی اثبات التقلید میں۔

۱۵۔﴿ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا﴾

ربط: اوپر بھی رب کی توحید کا ذکر تھا کہ بلند آواز سے کہو یا آہستہ کہو رب جانتا ہے آگے اس کی نعمتوں کا ذکر ہے کہ وہ

ذات ہے جس نے زمین تمہارے تابع کی۔

۱۷۔﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ﴾

ای فستعلمون کیف انذار نذیر۔ کہ ڈرانے والے کا ڈرانا کیسا ہوا۔

۱۹۔﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ﴾

ربط: اوپر رب تعالی نے زمین کا ذکر کیا پھر آسمان کا اب جو فضا کا ذکر کر رہے ہیں زمین و آسمان کے درمیان جو (فضا) ہے اس کی طرف بھی توجہ کریں اور خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت ان کو معلوم ہو۔

۲۷﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ راوہ میں ہ ضمیر من ھذا الوعد میں وعد کی طرف لوٹتی ہے۔ کہ جب دیکھیں گے اس وعد کو اُداس ہو جائیں گے چہرے کافروں کے۔

دوسری تفسیر میں یہ ہے کہ فلما راوہ، جب کفار نے دیکھا وہ وعدہ بدر کے موقع پر کہ بالکل ان کے قریب آ چکا ہے۔ تو ان کے چہرے اداس ہو گئے کہ ستر مارے گئے ستر گرفتار ہوئے باقی بھاگ گئے تو راو ماضی کو اپنی حقیقت پر حمل کرتے ہیں جبکہ دوسرے حضرات ماضی کو تحقق وقوع کیلئے لیتے ہیں۔

سورۃ القلم

۱۔﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾

پہلی سورت کے آخر میں تھا کہ قیامت کا علم صرف رب کو ہے و انما انا نذیر مبین میں تو صرف رب کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

اب اسی نبوت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کبھی کہتے ہیں کہ مجنون ہے کبھی کچھ کہتے ہیں فرمایا ان کو کہنے دو آپ ﷺ اپنے کام کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔

ن والقلم وما یسطرون سے کیا مراد ہے؟

نٓ کے کیا معنی ہیں؟ خازن، معالم التنزیل، کمالین، جمل وغیرہ میں یہاں کئی تفسیریں ہیں ایک یہ کہ نٓ النور سے مخفف ہے النور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، بعض کہتے ہیں کہ الناصر سے ہے ناصر بھی اللہ کی ایک صفت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ النصیر سے ہے نصیر بھی اللہ کے وصفی ناموں میں سے ایک نام ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نٓ سے مراد ہے دوات، عربی میں نٓ کے معنی دوات بھی آتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ قلم کے ساتھ اس کی زیادہ مناسبت ہے۔ کیونکہ دوات میں سیاہی ہوتی ہے قلم سے لکھا جاتا ہے۔

آگے وما یسطرون ہے۔ یہ تفسیر بھی ہے کہ نون سے مراد ہے مچھلی، کہ سات زمینیں اس مچھلی کی پیٹھ پر ہیں۔ خازن اور معالم التنزیل میں روایتیں موجود ہیں۔

ب: اس کا مایسطرون کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتے لکھتے ہیں تو قلم سے قلم تقدیر مراد ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ "اول ما خلق اللّٰہ القلم فقال لہ اکتب" تو قلم تقدیر سے اللہ کے حکم سے فرشتوں نے جو کچھ لکھا ان میں یہ بھی تھا کہ

۲۔﴿مَآ أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾

یہ بھی ہے کہ مایسطرون سے مراد انسان ہے جو تاریخ لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قلم سے لکھنے والے مورخ۔ دوات سے سیاہی لینے والے، کاغذوں پر لکھنے والے، آپ ؐ کی تاریخ لکھیں گے وہ تاریخ گواہی دے گی کہ آپ رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے اپنوں نے تو خیر لکھی غیر مسلموں کی کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ اور ان کی تاریخ میں بھی آپ ؐ کے اوصاف ہیں۔

۸۔﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾

ولید بن مغیرہ کی دس صفات ذمیمہ کا ذکر:

رابط: اوپر ذکر تھا کہ آپ ؐ مجنون نہیں ہیں بلکہ آپ خلق عظیم کے اونچے مرتبے پر ہیں۔ آپ کے خلق عظیم سے انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے پروگرام بنایا تھا رب نے آپ ؐ کو آگاہ کیا۔

وہ یہ کہ مکہ میں ایک شخص تھا، ولید بن مغیرہ اس کا نام تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کے والد تھے۔ تیرہ اس کے بیٹے تھے ان میں سے تین مسلمان ہوئے خالد بن ولید، ہشام ابن ولیدؓ، ولید بن ولیدؓ، نوکر چاکر زیادہ تھے مال بہت زیادہ تھا۔ مجلس بھری رہتی تھی۔ کافروں نے اس کو کہا کہ تو اثر والا آدمی ہے جا کے تو محمد ﷺ کو سمجھا کہ "اجعل الالھۃ

الھا واحدا ان ھذا لشیء عُجاب" اس کو کہہ دیں کہ یہ بات چھوڑ دیں۔ اس سے جھگڑا اور اختلاف پیدا ہوگا شہر میں، ہم نے بھی رہنا ہے آپ نے بھی رہنا ہے یہاں بھائی بھائی کا دشمن ہے اس کی ذمہ داری آپ پر ہے میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ آپ کے خلق عظیم سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی رب تعالیٰ نے پہلے سے خبر دے دی کہ فلا تطع المکذبین۔ مکذبین کی اطاعت نہ کرنا۔

۱۱۔﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴾

طعنہ زن، کثرت سے چغلی لے جانا والا، زنیم کا معنی الملصق بقوم ولیس منھم ۔ کہ قوم کے ساتھ ملایا گیا ہو اور قوم میں سے نہ ہو۔ یہ مغیرہ نے اس کو اپنے ساتھ ملایا تھا اصل میں کسی اور کا تھا اب اس کے معنی بعض نے حرام زادہ بھی کئے ہیں۔

۱۷۔﴿ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ ﴾

باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ:

ربط: اوپر آپ نے پڑھا کہ ولید بن مغیرہ بڑا مال والا تھا آگے مال والوں کا ایک قصہ بیان کر رہے ہیں۔ اب یہ قصہ ہوا ہے یا فرضی ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ صرف سمجھانے کیلئے ہے لیکن تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے ہے کہ یہ حبشہ کا واقعہ ہے اور سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یمن کا ہے۔ دونوں باتیں تفسیر درمنثور وغیرہ میں ملیں گی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی تھا بڑا نیک اور پارسا۔ اس کا باغ تھا اس کے تین بیٹے تھے اس کا معمول یہ تھا کہ زمین سے اس باغ سے جو کچھ پیدا ہوتا تو جس دن وہ پھل اتارتا تو تین حصے کرتا ایک وہیں مسکینوں اور یتیموں میں تقسیم کرتا حالانکہ انکی شریعت میں ثلث نہیں دینا تھا اور ایک حصہ زمین کی خدمت کیلئے رکھ دیتا کہ اس میں خرچہ وغیرہ ہوگا ایک حصہ اپنے اہل وعیال کو دے دیتا۔ موت کے وقت اپنے بیٹوں کو کہا اے بیٹو دیکھو یہ باغ رب نے دیا زمین رب نے دی میری موت کے بعد جو میں کرتا تھا وہی تم بھی کرو۔ اس کے مرنے بعد وہ تین بھائی جو تھے ان میں دو ایک طرف ہو گئے اور ایک دوسری طرف "قال اوسطھم" اوسط کے معنی افضل کے کرتے ہیں اور اوسط کے معنی درمیانہ کے بھی کرتے ہیں۔ ان دو نے کہا کہ ہمارا باپ بڑا بے وقوف تھا کہ سارا سال محنت کر کے کماتا خود تھا، کھا جاتے مفت خورے ہم نہیں دیں گے ہم وہ بھی اپنے گھر لائیں گے۔ وہ درمیانہ بولا دیکھو باپ کے اچھے طریقے کو برقرار رکھو۔ لیکن ایک تھا کسی نے نہ سنا اب جس وقت باغ پک گیا تو ایک نے دوسرے کو صبح جگایا آہستہ آہستہ بولتے تھے تاکہ ہماری آواز کوئی مسکین نہ سن لے جب گئے تو پہلے تو خیال تھا کہ یہاں باغ تھا پھر کہنے لگے کہ نہیں ہم راستہ بھول گئے پھر غور وفکر سے دیکھا کہ جگہ تو وہی ہے تو کہا کہ نہیں ہم محروم ہیں عذاب کے طور پر اوپر سے آگ آئی اور اس کو جلا کر رکھ دیا تھا انہوں نے توبہ کی تو رب نے دوبارہ باغ دے دیا۔

۲۰۔﴿ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴾

صریم کا ایک معنی کرتے ہیں کالـلیـلة السوداء المظلمة (ایسی رات جو کالی سیاہ ہو) دوسرے معنی کرتے ہیں کالزرع المحصود ایسی کھیتی جو کٹی ہوئی ہو۔

۲۵۔﴿وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ﴾

ای علی منع قادرین بزعمهم

۳۷۔﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا کہ ایسے نافرمانوں کے لئے عذاب ہے اب ان کے مدمقابل متقین کا ذکر ہے کہ متقین کیلئے ان کے رب کے ہاں آرام کے باغات ہیں۔

۴۲۔﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ﴾

ساق کی تجلی اور منافقوں کی بری حالت:

روح المعانی، کبیر، خازن، معالم التنزیل وغیرہ تفسیروں میں یہاں خاصی بحث ہے میں دو مختصر باتیں عرض کرتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ کشف ساق اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ہے خاص، جس کو ہم نہیں جانتے۔ وہ جس وقت کشف ساق کی صفت کا ظہور ہوگا سجدے کی طرف دعوت دیئے جائیں گے اور جو دنیا میں اخلاص کے ساتھ سجدہ نہیں کرتے تھے بخاری میں ہے کہ ان کی کمر تختہ بن جائے گی بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے سجدہ اخلاص سے کیا وہ سجدہ آسانی کیساتھ کریں گے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کشف ساق کا یہ معنی جب شدت اور ہول طاری ہوگا، عموماً جب آدمی چل رہا ہو اور سختی ہو تو اپنی پنڈلی کو ننگا کر کے چلتا ہے تو کشف ساق یہ شدت اور سختی سے کنایہ ہے۔ یعنی قیامت کے دن جب سختی کا اظہار ہوگا اس وقت سجدے کی طرف دعوت دیئے جائیں گے۔

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ﴾.

ان مخففہ من المثقلہ ہے بعض نکالتے ہیں وانهم اور بعض انه ہ ضمیر اسم نکالتے ہیں۔ بیضاوی، روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں ایک مطلب یہ ہے کہ قریب تھا جو کافر ہیں کہ اپنی نگاہوں سے تجھے پچھاڑ دیں، گرا دیں۔ پھسلا دیں، جب انہوں نے ذکر سنا۔ کیا معنی؟

ایک معنی یہ ہے نظر لگا دیں العین حق۔ وہ یوں کہ تعجب کرتے أهذا الذی یذکر الهتکم یہ ہے جو تمہارے الہوں کا ذکر کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نظر لگا کر تجھے پھسلانا چاہتے ہیں۔

دوسری تفسیر اس کی یہ کرتے ہیں کہ آنکھوں سے اشارے کر کے آپ کو اپنی آنکھوں سے پھسلانا چاہتے ہیں۔

سورة الحآقة

۱۔﴿ اَلْحَاقَّةُ . مَا الْحَاقَّةُ . وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحَاقَّةُ . كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ .﴾

ربط: پہلی سورت کے آخر میں آخرت کا لفظ بھی پڑھا قیامت کا لفظ بھی پڑھا اس سورۃ میں اسی آخرت اور قیامت کا ذکر ہے۔

نام اس کا الحآقة ہے۔ حآقه کے معنی حق ہونے والی گھڑی۔

۵۔﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ﴾

اس کا ایک معنی کرتے ہیں۔ بطغیانهم الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے ان کو ہلاک کیا ان کی سرکشی کی وجہ سے۔ دوسرا معنی الطاغیه کے کرتے ہیں الصیحة (جبرائیل کی آواز)۔

تیسرا معنی طاغیہ کے کرتے ہیں۔ الــرجــفة (زلزلہ) شاہ عبدالقادرؒ صاحب اور شیخ الہند ترجمہ کرتے ہیں زلزلہ۔

۶۔﴿فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں ”اخاعتــت عــلـى الخـزان“ یعنی ہوا کے کنٹرول کرنے والے فرشتوں کے کنٹرول سے نکل گیا۔

۷۔﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ هــا کی ضمیر راجع ہے بسوئے ریــح. ریــح کا لفظ عرب میں مؤنث ہے۔ تو اس ریح کی طرف لوٹائیں تو فی تعلیلیہ ہوگا معنی یہ ہوں گے پس دیکھو گے تم ان کو فیهــا ای لاجــل ریــح ہوا کی وجہ سے صرعیٰ پچھاڑے ہوئے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے الارض جس زمین میں وہ رہتے تھے معنی یہ ہے کہ قوم کو دیکھیں گے زمین میں پچھاڑے ہوئے اس صورت میں فی ظرفیہ ہوگا۔

۱۲۔﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾

تاکہ بنائیں ہم تمہارے لئے اس کارروائی کو تذکرہ اور یاد کریں اس کارروائی کو یاد رکھنے والے کان۔

یومئذٍ ثمنية: یہ ثمانیہ کس کی صفت ہے۔ آپ کو تمام تفسیروں میں ملے گا

بعض کہتے ہیں ثمانية صفوف آٹھ صفیں ہوں گی ایک صف میں کتنے ہوں گے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نفوس کی صفت ہے ثمانية نفوس آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

﴿فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾

هــاؤم بــمـعـنى خذوا. كتبيه میں ھا سکتہ ہے۔ ھائے سکتہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کے آخر میں ھا ملاتے ہیں تاکہ آخری حرف پر اعراب ظاہر ہو۔ اور آخری حرف کی حرکت واضح ہو ”کِتَـا بِيَــهْ“ اصل میں کتابی تھا یاء سکتہ کو آخر میں ملایا تاکہ یاء کا فتحہ ظاہر ہو۔

۲۷۔﴿يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾

یاتھا میں ھا کی ضمیر راجع بسوئے موت یالیتھا ای الموتۃ فی الدنیا کانت القاضیۃ ۔کاش کہ یہ موت یہی فیصلہ کرنے والی ہوتی یعنی جب مر چکا تھا پھر دوبارہ نہ اٹھتا۔

صاحب کمالین اورصاحب جمل کہتے ہیں کہ ھاء کی ضمیر راجع بسوئے الحالۃ ای یلیت ھذہ الحالۃ کاش کہ یہ حالت ہی فیصلہ کردینے والی ہوتی۔

۳۳۔﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾

کفار اصول وفروع دونوں کے مکلّف ہیں یا صرف اصول کے؟

یہاں یہ بحث ہے کہ کفار پہلے اصول کے مکلّف ہیں وہ مان جائیں تو پھر فروع کے مکلّف ہیں یا بیک وقت اصول وفروع دونوں کے مکلّف ہیں؟

ایک طبقہ کہتا ہے کہ کفار بیک وقت اصول اور فروع کے مکلّف ہیں۔یہ حضرات اپنی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ''انہ کان لا یؤمن باللہ العظیم. ولا یحض علی طعام المسکین''

جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ کفار پہلے اصول کے مکلّف ہیں وہ مان جائیں تو پھر فروع کے مکلّف ہیں۔

یہ حضرات حضرت معاذؓ کی روایت جو بخاری اور مسلم میں ہے اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اے معاذ تو جا اہل یمن کے پاس اور ان سے کہہ'' ان یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ'' اگر وہ مان لیں تو پھر ان سے کہہ کہ پانچ نمازیں ہیں روزے ہیں حج ہے۔

۳۶۔﴿وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ﴾

تفسیر ابن، جریر طبری، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ میں ایک تفسیر یہ ہے کہ غسلین وہاں ایک جھاڑی ہے جیسے زقوم ایک جھاڑی ہے

اور یہ تفسیر بھی آپ کو اکثر تفسیروں میں ملے گی کہ زخم ہوتا ہے اس کو دھوتے ہیں، خون اور پیپ ہوتی ہے اس دھوون کو غسلین کہتے ہیں۔

۳۸۔﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾

ربط: پہلے رکوع میں قیامت کا اثبات تھا اس میں قرآن کا اثبات ہے۔لا اگر قسم پر داخل ہو تو مزیدہ ہوتی ہے۔

۴۷﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾

یہاں یہ اشکال ہے کہ احد مفرد ہے حاجزین جمع کیوں لائے؟ تو تمام تفسیروں میں آپ کو ملے گا کہ احد نکرہ ہے اور من اس پر داخل ہے۔سیاق نفی میں ہے جب نکرہ ہو اس پر من داخل ہو سیاق نفی میں ہو تو اس میں تعمیم ہوتی ہے جب تعمیم ہے تو حاجزین اس کے عین مطابق ہے کوئی تعارض نہیں۔

قادیانیوں کا اس آیت سے استدلال:

قادیانیوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب جھوٹے ہوتے تو جس وقت نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو رب نے اس کو کیوں ہلاک نہ کیا۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ اگر جھوٹا ہوتو ہم اس کو ہلاک کر دیں گے۔ اس سلسلہ میں مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسریؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی نے پہلے صریح لفظوں میں نبوت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ دجل اور فریب کرتا رہا جب ۱۹۰۲ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو چھ سال کے بعد ہیضے میں مبتلا ہوا اور بیت الخلاء میں مر گیا۔ اس مسئلہ پر ''عشرہ کاملہ'' عمدہ کتاب ہے۔

سورة المعارج

۱۔﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾

ربط۔ پہلی سورت میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے

نام اس سورۃ کا معارج ہے معرج بکسر المیم و بفتحہ اس کے معنی ہے سیڑھی کے۔

۳۔﴿مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ﴾

''من اللہ'' جار مجرور کا تعلق واقع کے ساتھ ہے۔ معنی یہ ہے کہ جو عذاب واقع ہونے والا ہے اللہ کی طرف سے ہے جو سیڑھیوں والا ہے۔

یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالی رفیع الدرجات (بلند درجوں والا) ہے۔

یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ پہلا آسمان پھر دوسرا پھر تیسرا یہ سب فرشتوں کے لئے سیڑھیاں ہیں۔

۳۶۔﴿فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُهْطِعِیْنَ﴾

ربط: اوپر تو نیک لوگوں کا ذکر تھا کہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں جنکی یہ علامات ہیں اب آگے ان نافرمانوں کا ذکر ہے جو آپ کی بات کو نہیں مانتے تھے۔

۳۷۔﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ﴾

یہاں دو تفسیریں ہیں ایک تو جمہور مفسرین کی ہے اور ایک حافظ ابن کثیرؒ کی ہے

جمہور یہ معنی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جس وقت کچھ بیان فرماتے تھے تو کافر دائیں طرف سے، بائیں طرف سے گروہ در گروہ دوڑتے ہوئے آتے تھے کہ یہ کیا کہتا ہے ہمیں اس کے کلام میں کوئی اعتراض کی جگہ ملے۔

حافظ ابن کثیرؒ یہ معنی کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ بیان کرتے تھے تو یہ کافر دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے گروہ در گروہ ہو کر آپ ﷺ سے بھاگتے تھے۔

سورة نوح

۱۔﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ یہ کافر ایسے بھاگتے ہیں "تفسیر ابن کثیر" آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بھاگنا آج نہیں "فلم یزدھم دعاءی الا فرارا" پیغمبروں کی باتیں سن کر بھاگنے والے پہلے بھی تھے۔ حضرت نوحؑ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

۴۔﴿يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے ساتھ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

اور دوسرے حضرات من کو تبعیضیہ قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد حقوق اللہ تو سارے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

۱۳۔﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾

تفسیر بیضاوی، السراج المنیر وغیرہ میں لاترجون کا معنی کرتے ہیں مالکم لا تعتقدون کیا ہے تمہیں کہ نہیں ... کرتے تم اللہ کے وقار کا، اللہ کی عظمت کا۔

... کہ لام بمعنی من کے ہے معنی یہ ہے کہ کیا ہے تمہیں کہ نہیں امید رکھتے تم اللہ کے وقار کی۔ اللہ تعالیٰ کی عظ... کہ مومن ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"... ... للہ. ولرسولہ وللمومنین" جیسے مسلمان ہو جاؤ عزت اور وقار تمہیں حاصل ہو جائے گا۔

﴿وجعل القمر فيهن نورًا وجعل الشمس سراجًا﴾

جا جعل القمر فیھن ای فی مجموعھن سورج کو چراغ کے ساتھ تشبیہ دی ہے وجہ تشبیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چراغ ایک ایسی چیز ہے کہ کمرے کے اندر بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور کمرے کے باہر بھی اسی طرح سورج سے بھی استفادہ ہے۔

۲۳۔﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

انسانوں میں بت پرستی کی ابتداء کیسی ہوئی؟

بخاری کتاب التفسیر میں ودًا، سواعا کے بارے میں لکھا ہے کہ اسماء رجال صالحین من قوم نوحؑ کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، تفسیر عزیزی وغیرہ میں ہے کہ ود حضرت ادریسؑ کا لقب تھا اور باقی چار ان کے نیک، بزرگ ... بیٹے اور صحابی تھے۔

ہوا یہ کہ جب حضرت ادریسؑ اور ان کے بیٹے دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان لوگوں کو روحانی غذا نہ ملی، اُداس، پریشان، غمگین نظر آتے تھے دیکھا تو ایک بڑا بزرگ صفت آدمی آیا کہنے لگا کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟ کہنے

لگے کہ ہمارے بزرگ تھے وقتاً فوقتاً ہمیں نصیحت کرتے تھے اب وہ چلے گئے ہمیں روحانی سبق نہیں مل رہا اس لئے ہم پریشان ہیں کہنے لگا میں سب تمہاری پریشانی دور کر دیتا ہوں ایسا کرو وہ تو چلے گئے۔ تم ان کے مجسمے بنا کر پاس رکھو۔ گھروں میں بھی رکھو عبادت خانوں میں بھی اور یوں سمجھو کہ وہ بزرگ تمہارے پاس ہی ہیں یہ تھا ابلیس۔ ان سے عبادت تو ان کی نہیں کروا سکتا تھا کیونکہ وہ پختہ ذہن کے تھے جب وہ لوگ فوت ہو گئے تو پھر ان کی اولاد سے ان بتوں کی عبادت کروانے لگا۔

اب یہاں یہ بات ہے کہ ان ناموں میں سے پہلے تین پر تو لا آیا ہے لیکن آخری دو پر الگ لا نہیں آیا تفسیر عزیزی میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک پہلے جو تین تھے وہ بڑے عہدے کے تھے ان پر لا مستقل لائے اور اگلے اس عہدے اور طاقت کے نہ تھے اس لئے وہاں لا مستقل نہیں لائے۔

۲۴۔﴿وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا﴾

یہ اضلوا کی ضمیر کدھر جاتی ہے تو یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ یہ الهة کی طرف راجع ہے انہوں نے گمراہ تو نہیں کیا لیکن گمراہی کا سبب بنے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اضلوا کی ضمیر راجع بسوئے من ہے جو "واتبعوا من" میں ہے اور من معنا ... عام ہے۔ انہوں نے پیروی کی ان سرداروں کی، وڈیروں کی جنہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا۔

۲۶۔﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾

اس دیار کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ داخل دار۔ یہ بھی معنی کرتے ہیں دیاراً ای احداً کسی ایک کو بھی ... چھوڑ۔ اور دیار، دار یدور سے بھی ہے معنی یہ ہے کہ زمین میں چکر لگانے والا، دوران کرنے والا بنادے۔

یہاں یہ بحث چلتی ہے کہ کیا وہ طوفان نوح ساری زمین پر آیا۔ یا مخصوص زمین پر؟ جمہور کہتے ہیں کہ ساری زمین پر آیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخصوص علاقے پر آیا۔

۲۷۔﴿إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

بریلویوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ یہ جو وہابی ہمیں کہتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے کل کی خبر بھی نہیں جانتے اور مافی الارحام بھی نہیں جانتے ان کا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

دیکھو نوح فرماتے ہیں ان تذرھم اگر تو ان کو چھوڑے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے یہ آئندہ کی تو خبر ہے اور لایلدوا الا فاجرًا کفارًا نہیں جنیں گے مگر فاجر کافر تو یہ مافی الارحام کا علم ہوا۔

اس کا جواب سورۃ ھود میں گزر چکا ہے کہ

واوحی الی نوح انه لن یؤمن من قومک الا من قد اٰمن

نوح کو وحی کے ذریعے یہ بتایا گیا تھا کہ آئندہ تیری قوم ہرگز ایمان نہیں لائے گی تو یہ جو کہا کہ انک ان تذرھم یضلوا عبادک یہ رب کی وحی کے بعد انہوں نے کہا۔

سورة الجن

۱۔﴿ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا . يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات فی نسق الآیات وغیرہ میں ربط یہ لکھا ہے کہ پہلی سورۃ میں نوحؑ کی قوم کا ذکر تھا کہ انہوں نے نوحؑ کی باتوں کو نہ مانا حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے اور یہاں ان کے مدمقابل جنات کا ذکر ہے کہ جن میں خیر کی استعداد کم ہوتی ہے لیکن حق سننے کے ساتھ ہی فوراً قبول کرلیا۔ پہلے چھبیسویں پارہ میں گزر چکا ہے "واذ صرفنا الیک نفراً من الجن" کی تفسیر میں کہ بطن نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز آپ پڑھا رہے تھے اور اس وقت پانچ یا سات یا نو جن آئے اور انہوں نے قرآن پاک سنا اور مسلمان ہوکر چلے گئے اسی کا ذکر ہے قل اوحی الی۔ اس وقت آپ کو درخت نے بتایا تھا اب وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع دی جارہی ہے۔

۷۔﴿وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا﴾

بیضاوی، روح المعانی وغیرہ میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ انھم کی ضمیر راجع ہے انسانوں کی طرف اور ظننتم کی ضمیر راجع ہے جنات کی طرف اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان از ،نوں نے خیال کیا جیسا کہ اے جنو! تم نے خیال کیا کہ ہرگز اللہ نہیں کھڑا کرے گا کسی کو یعنی مرنے کے بعد زندگی نہیں ہے۔

دوسرا مطلب کہ اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ انھم ظنوا کی ضمیر راجع ہو بسوئے جنات اور ظننتم کی ضمیر راجع ہو انسانوں کی طرف معنی یہ ہے کہ ان جنوں نے خیال کیا جیسا کہ اے انسانو! تم نے خیال کیا۔ کیونکہ پہلے جنوں کا ذکر بھی ہے اور انسانوں کا ذکر بھی ہے اس لئے دونوں تفسیریں کی گئی ہیں۔

۸۔﴿أَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ ﴾

لمس کا معنی چھونے کے ہیں لیکن مفردات راغب وغیرہ میں لمسنا کے معنی ہیں رمنا و قصدنا ہم نے ارادہ کیا قصد کیا تو معنی یہ کرتے ہیں کہ ہم نے قصد کیا آسمان کا۔

۱۰۔﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ﴾

بیضاوی، فوائد عثمانیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا آنحضرت ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا۔ اب ہم یہ نہیں جانتے کہ لوگ قرآن کو قبول کر کے آپ کی نبوت کو ..ل کر کے بھلائی کے راستے پر چلیں گے یا انکار کی وجہ سے خدا کے عذاب کا شکار ہوں گے۔

۱۱۔﴿ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا ﴾

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ کنا میں نا ضمیر کان کا اسم ہے اور وہ ذات ہے اور طرائق قددا موصوف، صفت یہ وصف ہے تو ذات پر ذوی العقول پر اس وصف کا حمل کیسے ہوا کہ ہم راستے بنے ہوئے ہیں؟

کشاف والے کہتے ہیں کہ یہاں ذوی کا لفظ نکالیں گے کنّا ذوی طرائق قددا۔ ہم مختلف راستوں والے ہیں جو

بٹے ہوئے ہیں۔
بیضاوی اور روح المعانی میں فی نکالتے ہیں ''کنا فی طرائق قددا'' ہم مختلف راستوں میں بٹے ہوئے ہیں۔۔
۱۷۔﴿لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيهِ﴾
فیہ کی ضمیر راجع ہے بسوئے ماء اور فی کو تعلیلیہ بھی قرار دیتے ہیں تاکہ ہم ان کو ازمائش میں ڈالیں۔ پانی کی وجہ سے اور فی کو ظرفیہ بھی قرار دیتے ہیں تاکہ ہم اس پانی میں اس کا امتحان لیں۔
۲۰۔﴿قُلۡ إِنَّمَآ أَدۡعُواْ رَبِّي وَلَآ أُشۡرِكُ بِهِۦٓ أَحَدٗا﴾
ربط: اوپر جنات کے بیان میں تھا کہ ولن نشرک بربنا احدا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ آگے اس توحید کا ذکر ہے۔ الا بلغاً من اللہ و رسلٰتہٖ اکثر تو الا کو استثناء قرار دیتے ہیں لا املک سے۔ میں نہیں مالک تمہارے لئے مگر اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا،
فراء اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ الاحرف استثناء نہیں بلکہ ان شرطیہ ہے اور لا نفی کا ہے اور شرط کو وہ موخر مانتے ہیں اور جزاء کو مقدم مانتے ہیں معنی یوں کرتے ہیں ان لا بلٰغا من اللہ......لن اجد من دونہ ملتحدا اگر نہ پہنچاؤں میں اللہ کے احکام، پیغامات تو اللہ کے ورے میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔
﴿عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلَىٰ غَيۡبِهِۦٓ أَحَدًا﴾
احمد رضا خان صاحب کا اس آیت سے استدلال:
احمد رضا خان صاحب نے ''خالص اعتقاد'' میں اور بھی کتابوں میں اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کو کلی علم غیب تھا کہتے ہیں کہ عالم الغیب ہے، نہیں مسلط کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر مرتضٰی من الرسول تو انحضرت ﷺ پسندیدہ، چنے ہوئے پیغمبر تو ہیں نا اس میں تو شک نہیں تو جب مرتضٰی من الرسول ہوئے تو غیب پر مسلط اللہ نے کر دیا۔ کلی غیب کا علم ہے وہ یظھر کا معنی کرتے ہیں مسلط کر دیا۔
ہم نے مفصل بحث تو ''ازالۃ الریب'' میں کی ہے۔ یہاں دو تین باتیں میں عرض کرتا ہوں آیت کو سمجھانے کی حد تک۔ ایک یہ کہ اس غیبہ سے کیا مراد ہے؟ اگر غیبہ سے مراد ہے امور غیبیہ بعض غیب، غیب کی خبریں تو آمنا و سلمنا اور اگر اس سے مراد کلی غیب ہے کہ غیب کا ایک فرد بھی خارج نہ ہو تو یہ باطل ہے
اولاً اس لئے باطل ہے کہ یہ سورۃ الجن چالیسویں نمبر پر ہے پورے قرآن کی مثلاً ایک سو چودہ سورتیں ہیں تو یہ سورۃ الجن چالسویں نمبر پر اتری تو ابھی تو پورا قرآن جو غیب ہے وہ نہیں آیا۔ سورۃ البقرہ، آل عمران، سورۃ توبہ جیسی سورتیں وہ سب ابھی تک نہیں اتریں تھیں تو کیا وہ پہلے آپ کو بتا دی گئیں تھیں اگر کلی غیب مراد ہو تو یہ باطل ہے۔
اس لئے کہ اس سورت کے بعد قرآن کی لمبی لمبی سورتیں اتریں وہ بھی تو غیب کا حصہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے اس آیت سے پہلے ہے'' قل ان أدری اقریب ما توعدون'' تو کہہ دے میں نہیں جانتا کہ آیا قریب ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے یا اس کیلئے کوئی میعاد ہے۔ اب اگر آگے والی آیت کا یہ مطلب لیں کہ کلی غیب جانتے ہیں تو آیتوں

کے درمیان تعارض ہے اس لئے کہ پہلے ہے کہ تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اور آگے والی آیت کا مطلب ہو کہ سب کچھ
جانتے ہیں تو تعارض ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں نفی ہے سورۃ توبہ میں ہے
12/12 ’’**ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لاتعلمھم نحن نعلمھم**‘‘ تم ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں اس
طرح سورۃ تحریم میں واقعہ ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ علامہ آلوسیؒ الا کے استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں معنی کرتے ہیں کہ
عالم الغیب ہے اپنے غیب خصوصی پر کسی کو مطلع نہیں کرتے ’’**لکن مَن ارتضٰی من رسول**‘‘ لیکن جس رسول پر راضی
ہو پس بے شک اس کے آگے اور پیچھے پہرے لگا کر اس پر وحی اتارتا ہے۔

سورة المزمل

۱۔﴿يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

ربط: پہلی سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کی رسالت کا ذکر تھا کہ مرتضٰی من الرسل ہیں وحی ان کی طرف اتاری جاتی ہے آگے اسی وحی کے متعلق جو قرآن ہے فرماتے ہیں ''ورتل القرآن ترتیلا'' ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

سورۃ مزمل کا جب پہلا حصہ نازل ہوا تو ایک سال تک آپ پر بھی اور صحابہ پر بھی تہجد کی نماز فرض تھی بعد میں منسوخ کر دی گئی۔ اگلے رکوع میں وجہ آئیگی کہ کیونکہ کہ تم اس پر قابو نہیں پاسکو گے بیمار ہوں گے سفر میں ہوں گے جہاد میں ہوں گے تو اب اس کی فرضیت منسوخ ہے

نام اس سورۃ کا مزمل ہے اصل میں تھا متزمل تاء کو زاء کر کے زاء کو زاء میں مدغم کر دیا۔

۱۸۔﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾

بہ میں باء کو فی کے معنی میں بھی لیتے ہیں، اس دن آسمان پھٹ جائے گا۔

اور باء کو اپنے معنی میں بھی لیتے ہیں کہ اس دن کی ہولنا کی کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔

۲۰۔﴿يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

اللہ کے فضل سے مراد ہے ہجرت۔ یہ تفسیر بھی ہے کہ اللہ کے فضل سے مراد ہے تجارت کا سفر۔ یہ بھی تفسیر ہے کہ اللہ کے فضل سے مراد دین کا علم حاصل کرنا ہے۔

۲۰.﴿تجدوه عند الله هو خيرًا﴾

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ھو ضمیر فصل ہے اور ضمیر فصل میں قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ بین المعرفتین آتی ہے اور یہاں خیراً یہ نکرہ ہے تو بین المعرفة والنكرة کیسے آئی؟

اس سوال کو جلالین نے چھیڑا ہے اور جواب دیا ہے خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ خیرا اسم تفضیل ہے۔

اسم تفضیل جب من کے ساتھ مستعمل ہو تو اس پر الف لام نہیں آتا جیسے معرفہ پر الف لام نہیں آتا تو یہ نکرہ معرفہ کے مشابہ ہے۔

سورة المدثر

۱۔﴿یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ . قُمْ فَاَنْذِرْ . وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ . . . وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ . وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ﴾
ربط: پہلی سورت میں یا یھاالمزمل کہہ کرفرمایا کہ آپ عبادت کرتے رہیں اور قیام کریں اس میں یہ ہے کہ آپ لوگوں کو تبلیغ کریں۔

۴۔﴿وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ﴾
بعض کہتے ہیں کہ حسی کپڑے مراد ہیں یہ جو پہنے ہوئے ہیں کیونکہ نماز کی شرائط میں سے طھارۃ الثوب بھی ہےاور بعض کہتے ہیں کہ ثیاب سے مراد اخلاق ہے﴿ولباس التقوٰی ذالک خیر﴾

۵۔﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾
اشکال:

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آپ معاذ اللہ پہلے اس گندگی میں مبتلا تھے۔ پھر امر کے صیغے کے ساتھ فرمایا ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُر﴾
تو جلالین تک میں انشاء اللہ آپ کو ملے گا کہ دم علی ھجرہ،توان بتوں سے بچنے پر دوام کر جیسے پہلے کرتا رہا۔

۱۱۔﴿ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا﴾
وحیداً کو حال بنایا ہے خلقت کی تاء ضمیر سے خلقت حال کونی وحیدا ۔اور وحیدًا کو مفعول من سے بھی حال بنایا ہے میں نے پیدا کیا اس کو حال کونہ وحیداً۔ جب پیدا ہوا تو اکیلا تھا۔ ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔

۲۸۔﴿لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ﴾
قرطبی، البحرالمحیط وغیرہ میں ہے۔ لاتبقی جزءً من اجزاء البدنِ ولاتذر فردًا من افراد المجرمین ای لا تترک۔

۳۰۔﴿عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾
جہنم کے فرشتوں کی تعداد انیس ہونے کی وجہ:

تفسیر عزیزی میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ بسم اللہ کے انیس حروف ہیں لہٰذا اس مناسبت سے جہنم کے فرشتے بھی انیس ہیں۔

دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہیں پانچ نمازوں کے لئے ہوئے تو باقی انیس رہ گئے۔ لہٰذا اس مناسبت سے جہنم کے بھی انیس فرشتے ہیں۔

تیسری بات یہ لکھتے ہیں کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ایک دروازے پر ہوگا ایک فرشتہ باقی دروازوں پر ہوں گے تین تین فرشتے تو اس طرح انیس ہوئے، اب ایک پر ایک اور باقی پر تین ہونگے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کے ذمے ہیں تین چیزیں دل سے تصدیق کرے، زبان سے اقرار کرے اور بدن

سے عمل کرے۔کافروں نے تینوں چھوڑ دیئے تو چھ طبقے جہنم کے کفار کیلئے ہونگے۔اور ساتواں طبقہ اہل توحید کے لئے ہوگا،جنہوں نے تصدیق بھی کی ہوگی اقرار بھی کیا ہوگا ان کی کوتاہی صرف عمل کی ہوگی لہٰذا وہاں ایک فرشتہ ہوگا حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں اور وجہ بیان کرتے ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں کرنے کی ہیں۔بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا الٰه الا اللّٰه وا قام الصلٰوة یعنی تلفظ بالشهادتین ،اقامة صلوة، ایتاء زكوة، صوم رمضان ،حج بیت اللّٰه۔الخ

اور پانچ چیزیں ہیں ترک کی وہ ہیں''وان لایشرکن باللّٰه شیئا یعنی سرقه، زنا، قتل ، خصوصا قتل اولاد، بهتان، عصیان فی المعروف" الخ

اور کہتے ہیں کہ نو ایسی چیزیں ہیں جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے امنت باللّٰه وملئکته قیامت پر یقین ہو جنت پر ہو،دوزخ پر ہو اور حدوث عالم پر کتابوں پر،رسولوں پر،تقدیر پر یہ نو اور دس انیس ہوئے۔

۴۰۔﴿فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَ لُوْنَ﴾

یہ یتسأ لون باب تفاعل ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک دوسرے سے سوال کرنا ہوگا اور آگے عن المجرمین کا لفظ ہے یکطرفہ کارروائی ہے تو پھر یہاں باب تفاعل کیسے آیا؟

تو آسان بات یہ ہے کہ تفاعل یہاں صرف مجرد کے معنی میں ہے یہ نہیں کہ یہ ان سے سوال کریں وہ ان سے کریں۔صرف مجرموں سے سوال کریں گے۔

۵۱۔﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾

حضرت ابوھریرہؓ قسورة کا معنی کرتے ہیں شیر (اسد)

ابوموسیٰ اشعریؓ معنی کرتے ہیں رُماة تیرانداز،جنگلی گدھے ہوں اور ان کو پتہ چل جائے کہ تیر انداز آگیا ہے۔تو دم دبا کر بھاگ جاتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ معنی کرتے ہیں کہ آدمیوں کی جماعت کو جب جنگلی گدھے دیکھتے ہیں کہ آدمی آرہے ہیں تو پھر وہ ایسے بھاگتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہیں۔

۵۶۔﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾

اس کا معنی یہ ہے کہ هوا هل ان یتقٰی منه کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے اہل ہیں کہ اس سے ڈرا جائے واهل المغفرة ای اهل ان یغفر لمن اتقاه کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے اہل ہیں کہ جو اس سے ڈرے وہ اسے بخشے۔

سورۃ القیمۃ

۱۔﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾

ربط: واضح ہے ابھی آپ نے پڑھا کلا لا یخافون الاخرۃ کہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے۔اس سورت میں بھی آخرت اور قیامت کا ذکر ہے۔

۲۔﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾

نفس کی تین اقسام ہیں ایک جو آپ نے تیرھویں پارے میں پڑھا (۱) وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ یعنی نفس امارہ۔

(۲) دوسرا نفس لوامۃ، نفس لوامہ اس کو کہتے ہیں کہ اگر آدمی سے کوئی غلطی ہو جائے تو نفس اس کو ملامت کرے اور ایک آگے آتا ہے (۳) نفس مطمئنہ۔

۵۔﴿ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کے آگے آنے والی چیز ہے اس کا انکار کرتے ہیں تو یفجر کا معنی یکذب جھٹلاتا ہے۔

دوسرا معنی یہ کرتے ہیں کہ انسان نافرمانی کرے اپنے رب کے سامنے اور اسی نافرمانی کی باتوں میں سے یہ سوال کرتا ہے "ایان یوم القیمة".

اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ انسان جو آگے ارادے کرتا ہے کہ میں یہ کروں گا یہ کرونگا تو اپنے آگے آنے والی چیزوں میں گناہوں کے ارادے کرتا ہے۔

۹۔﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾

سورج اور چاند دونوں کو اکٹھا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا:

یہ جمع کیسے ہوں گے؟ تو ایک تو یہ ہے کہ چاند کو بے نور کر دیا جائیگا اور سورج کو بھی بے نور کر کے اس کے ساتھ جمع کر دیا جائیگا بے نوری میں۔

اور ایک یہ بھی ہے حدیث میں آتا ہے درمنثور وغیرہ کی روایت ہے کہ سورج اور چاند دونوں کو اکٹھا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا، ان کا گناہ تو کوئی نہیں لیکن سورج اور چاند کے پجاریوں کو یہ بتانا ہوگا کہ جن کی تم پرستش کرتے تھے یہ تمہیں دوزخ سے نہیں بچا سکتے عذاب کے طور پر نہیں ڈالا جائیگا اس لئے کہ یہ مکلف نہیں ہیں بلکہ یہ بتلانے کیلئے کہ "لو کان ھولاء الھة ماوردوھا" کہ اگر یہ معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ ڈالے جاتے۔

۱۰۔﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴾

مَفَرّ میں یہ بات ہے کہ یہ ظرف کا صیغہ۔ہے معنی ہے بھاگنے کی جگہ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ فر، یفر کا ظرف مَفَرّ نہیں آتا بلکہ مَفِرّ آتا ہے تو اس کو مصدر کے معنی میں لیں گے کہاں ہے بھاگنا۔

۱۶۔﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾
شان نزول:

اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب جبرائیلؑ وحی لاتے تھے تو آپؐ ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے تا کہ میں بھول نہ جاؤں کیونکہ قرآن جب پڑھا جارہا ہو تو ساتھ ساتھ پڑھنا قرآن پاک کی عظمت کے خلاف ہے اس لئے کہ قرآن کا حکم ہے اذا قری القران فاستمعوا له وأنصتوا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر آپ پر پابندی لگادی کہ لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعهٗ الخ اب اگر یہ ہو تو اس کا ماقبل سے کیا تعلق ہے تو پھر تعلق وہی ہوگا جو مولانا عثمانیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلے تھا "ایحسب الانسان الن نجمع عظامه" کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو نہیں جمع کریں گے۔ کریں گے جیسے قرآن کو ''ان علینا جمعه و قرانه'' کہ جیسے قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا ہمارا کام ہے اسی طرح ان کی ہڈیوں کو جمع کرنا بھی ہمارا کام ہے۔
یہی ربط مولانا تھانویؒ بھی لکھتے ہیں۔

دوسرا کبیر وغیرہ نے ایک قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب کہا جائیگا کہ اقرأ کتابک کفی بنفسک علیک الیوم حسیبا۔ تو وہ بڑی تیزی سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیزی سے مت پڑھ ٹھہر ٹھہر کے پڑھ۔ اگر یہ ہو تو پھر ماقبل سے تعلق واضح ہے کہ ماقبل میں بھی قیامت کا ذکر تھا اور یہ بھی قیامت ہی کے دن پڑھے گا۔

۱۳۔﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾
جنت میں رؤیت باری کا مسئلہ

صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ چودہویں رات کا چاند ہو، دھند بھی نہ ہو کوئی پردہ بھی نہ ہو تمہیں نظر آتا ہے یا نہیں آتا فرمایا آتا ہے۔ دوپہر کا وقت ہو بادل نہ ہوں، دھند نہ ہو کوئی چھت نہ ہو تو سورج نظر آتا ہے یا نہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا آتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے تم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہو کذالک سترون ربکم۔

زمخشری اور دوسرے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا اس آیت کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ الیٰ حرف جارہ نہیں بلکہ یہ جمع ہے اِلـیٰ کی جس کے معنی ہے نعمت تو معنی کرتے ہیں بہت سے چہرے اس دن سرسبز ہوں گے نعماء ربها ناظرة اپنے رب کی نعمتوں کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

سورۃ الدھر

۱۔﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر میں تھا کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے۔ ان یترک سدی کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائیگا۔ آگے فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو راستہ بھی بتایا کہ یا شکر کرے یا کفر کرے تو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ذمہ کچھ کام بھی لگایا ہے۔

نام اس سورۃ کا دھر ہے تفسیر کبیر اور ابو سعود وغیرہ میں اس مقام پر ہے ھل بمعنی قد کہ یہاں ہل استفہام کے معنی میں نہیں بلکہ ھل قد کے معنی میں ہے۔

۱۱﴿فَوَقَاهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾

امام بخاری کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں النضرۃ فی الوجہ والسرور فی القلب یہ نضرۃ چہرے پر خوشی کے آثار کو کہتے ہیں دل کے اندر جو خوشی ہے اس کو سرور کہتے ہیں۔

۱۳۔﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾

اس بارے میں علماء کے دو طبقے ہیں

ایک طبقہ تو یہ کہتا ہے کہ جنت میں نہ سورج ہوگا نہ چاند تو اس قول کے مطابق لا یرون فیھا الخ ٹھیک ہے۔ تو اس وقت روشنی کیسے ہوگی تو کہتے ہیں کہ جیسے سورج کے طلوع ہونے سے قبل روشنی ہوتی ہے ایسی ہی روشنی ہوگی سورج نہیں ہوگا

دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ نفی سورج کی ذات کی نہیں اس کی تمازت اور حرارت کی ہے کہ سورج تو ہوگا مگر اس کی تمازت اور گرمی محسوس نہ ہوگی قرینہ یہ ہے "دانیۃ علیھم ظللھا ای ظلال اشجارھا" کہ ان پر درختوں کے سائے ہوں گے تو کہتے ہیں کہ یہ سائے تو تب ہوں گے جب سورج ہو۔

۲۳۔﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا﴾

ربط: اوپر ذکر تھا اناھدیناہ ہم نے انسان کو ہدایت دی آگے فرمایا کہ اس قرآن کو نازل کرکے اس کو ہدایت دی۔

سورة المرسلات

۱۔﴿ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا . فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ﴾

مذکورہ صفات کس کی ہیں؟ اس میں چار تفسیریں ہیں:

ربط: پہلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا ابھی آپ نے پڑھا ویذرون وراھم یومًا ثقیلاً۔ اس سورۃ میں بھی اسی یوم ثقیل اور قیامت کا اثبات ہے۔

معالم التنزیل، مواہب الرحمٰن وغیرہ تفسیروں میں جو کچھ لکھا ہے میں اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں

ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ سب عرفاً ،عصفا ہواؤں کی صفات ہیں۔

عرفاً کے معنی ہیں گھوڑے کی گردن پر جو بال ہوتے ہیں لائن کے ساتھ تو انکو عرفا کہتے ہیں چونکہ وہ بال لائن میں ہوتے ہیں اس لئے معنی کرتے ہیں لگا تار،

قسم ہے ان ہواؤں کی جو چلائی جاتی ہیں لگا تار پس تیزی سے چلتی ہیں تیزی سے چلنا اور پھیلاتی ہیں پھیلانا۔

۵۔﴿فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا﴾

جو ڈالتی ہیں ذکر کو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو ہوا کی آواز ہم سنتے ہیں یہ عالم اثبات میں وہ ہوا ہے جو متکیف بکیفیة الصوت ہو کر آپ کے کان میں پہنچتی ہے۔ کیوں ڈالتی ہے؟ عذر یا نذر کے واسطے۔

﴿عُذْرًا أَوْ نُذْرًا﴾

یہ مفعول لہ ہے تا کہ کوئی معذور ہو جائے یا ڈر جائے

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی صفات ہیں قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں لگا تار یعنی موعودون کی مدد کیلئے تیزی سے چلتے ہیں تیزی سے چلنا۔

خدا کی رحمت کو بکھیرے چلے جاتے ہیں اور کافروں کی فوجوں کو متفرق کر دیتے ہیں اور ذکر کو ڈالتے ہیں یعنی وحی کو لاتے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہیں مجاہدین اسلام قسم ہے ان مجاہدین کی جو بھیجے جاتے ہیں لگا تار اور تیزی سے چلتے ہیں تیزی سے چلنا اور اپنے پروگرام کو پھیلاتے ہیں اور دشمنوں کی صفوں کو تتر بتر کر دیتے ہیں اور ذکر کو ڈالتے ہیں یعنی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں۔

یہ تفسیر بھی کی ہے کہ اس سے مبلغین اسلام مراد ہیں۔ قسم ہے ان مبلغین اسلام کی جن کو بھیجا جاتا ہے لگا تار اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی اور تیزی سے چلتے ہیں اور اپنی باتوں کو بکھیرتے ہوئے جاتے ہیں۔

اور حق اور باطل میں فرق کرتے ہیں۔ ذکر کی بات کو ڈالتے ہیں لوگوں کے کانوں میں اس سے علماء کی جماعتیں بھی مراد لی گئی ہیں۔

۳۰۔﴿اِنْطَلِقُوْا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴾

اس سایہ کی تین شعب کیوں ہوں گی؟ تو کسی تفسیر میں منقول نہیں ہے میرے پاس ایک بابجی بیٹھتے تھے انہوں نے سبق کے دوران مجھ سے یہ بات پوچھی کہ تین شعبوں کی کیا وجہ ہے تو میں نے کہا کہ دیکھیئے میں دو باتیں اپنی طرف سے کہتا ہوں منقول نہیں ہیں۔ایک بات تو یہ کہتا ہوں کہ تین شعب اس لئے ہوں گی کہ آدمی کے ذمے تین چیزیں ہیں تصدیق بالقلب ،اقرار باللسان، عمل بالارکان تو چونکہ انہوں نے یہ تین چیزیں نہیں کیں۔اس لئے تین شعبیں ہوں گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصل اصول بھی تین ہیں توحید، رسالت، معاد، ان تینوں کو بھی انہوں نے جھٹلایا اس لئے تین شعبیں ہوں گی۔

سورة النّبا

۱۔﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ . عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ﴾

نباء عظیم کی تفسیر:

ربط: نباء عظیم کی تفسیر پر موقوف ہے اس کی ایک تفسیر یہ ہے نباء عظیم سے قرآن مراد ہے تو ربط واضح ہے پہلی سورت کے آخر میں فبای حدیث بعده یؤمنون اس میں بھی قرآن کا ذکر ہے اور آگے والی سورت میں بھی قرآن کا ذکر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نباء عظیم سے قیامت مراد ہے تو پھر بھی ربط واضح ہے۔

پہلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا ویل یومئذ للمکذبین اور اس میں بھی قیامت ہی کا ذکر ہے۔

۴۰۔﴿وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا﴾

يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا کی دو تفسیریں:

اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ جانوروں کو جب بدلہ دینے کے بعد مٹی کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر کہے گا کہ کاش میں بھی مٹی ہوتا۔

دوسری تفسیر شیخ اکبر ابن العربی فتوحات مکیہ میں، شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں یہ معنی کرتے ہیں کہ کافر سے ابلیس مراد ہے کہ جب انسان کو جنت ملے گی تو اس وقت ابلیس کہے گا کہ کاش میں بھی خاکی ہوتا میں نے فخر کرتے ہوئے خاکی کو سجدہ نہ کیا جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے۔

سورة النزعات

۱۔﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا﴾

النّٰزِعٰت وغیرہ صفات کس کی ہیں؟

ربط: پہلی سورت میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ کیونکہ مشرکین ومنکرین قیامت بڑے زوردار طریقے سے قیامت کا انکار کرتے تھے اللہ تعالی نے مختلف اسالیب، طرق اور ادلہ سے قیامت کا اثبات کیا۔

والنّٰزعات کے معنی تفسیر خازن، تفسیر عزیزی، معالم التنزیل اور قرطبی وغیرہ میں مختلف بیان کئے ہیں

پہلی یہ کہ تمام صفات فرشتوں کی ہیں قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان نکالتے ہیں، الٰی اخرہ یہ قسم ہے جواب قسم محذوف ہے وہ ہے لتبعثن یا کفار مکة.

دوسری تفسیر یہ ہے کہ النزعات غرقاً کو تبلیغی جماعت پر فٹ کریں یہ جماعتوں میں، مسجدوں میں، دفتروں میں سے آدمیوں کو کھینچ کرلاتے ہیں چلہ دے دو، سہ روزہ دے دو، پوری عمر، زندگی دے دو، چھوڑتے نہیں ہیں۔

۲۔﴿وَالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا﴾

اور وہ جوان کے کام کی گرہیں ہوتی ہیں ان کو کھولتے ہیں کہ کام خدا پورا کرے گا کام ہوتا رہے گا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مجاہدین کی صفتیں بھی مراد ہیں معنی ہوگا کہ وہ مجاہدین کھینچ لیتے ہیں اپنے قیدیوں کو دشمن کی فوج میں گھس کر اور ان کی گرہیں کھول دیتے ہیں۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ علماء کی جماعتیں بھی اس سے مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ علم کی گہرائی میں ڈوب کر وہاں سے نکات نکالتے ہیں، لوگوں کے شکوک وشبہات کی گرہوں کو کھولتے ہیں، اور تیرتے ہیں علمی میدان میں، ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں۔

۶۔﴿یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾

اس یوم کا عامل فعل محذوف ہے لتبعثن یوم ترجف ......الخ. قلوب یومئذٍ واجفة ای اصحاب القلوب یومئذٍ واجفة الخ.

۱۵۔﴿هل اتاک حدیث موسٰی﴾

تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ آنخضرت ﷺ کو کفار کی اس تدبیر سے سخت صدمہ پہنچتا تھا چنانچہ حق تعالی نے حضرت موسیٰ کا واقعہ پیش کیا کہ آپ صدمہ نہ کریں یہ باتیں پہلے بھی ہوتیں تھیں۔

۲۵۔﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰی﴾

یہاں دو تفسیریں نقل کی گئی ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ آلاخرۃ اور الاولیٰ کلمة کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ آخری جو کلمہ تھا وہ انا ربکم الاعلی تھا اور پہلا جو کلمہ تھا ما علمت لکم من اله غیری تھا ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کو پکڑا۔

دوسری تفسیر بیضاوی، روح المعانی اور خازن میں ہے کہ الاخرۃ اور الاولیٰ سزا کی صفت ہے کہ اللہ تعالی نے

اس کو پکڑا آخرت کی سزامیں اور دنیا کی سزامیں ۔ دنیا کی سزاتو آپ پہلے سن چکے ہیں جو غرق ہوئے۔

۲۷۔﴿ءَ أَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَآءُ بَنَاهَا﴾

کفار چونکہ قیامت (آخرت) کا انکار کرتے تھے آگے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ تمہاری خلقت مشکل ہے یا آسمان کی۔

زمین وآسمان میں سے پہلے کس کو بنایا؟

۳۰۔﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحَاهَا﴾

بیضاوی میں ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے چند چیزیں پوچھیں کہ قرآن پاک میں یہ آیتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں پہلے آسمان کا ذکر ہے پھر آتا ہے والارض بعد ذالک دحٰھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی خلقت پہلے ہے اور زمین کی خلقت بعد میں ہے۔اور سورۃ حٰمٓ سجدہ میں ہے الذی خلق الارض فی یومین.....ثم استوٰی الی السماء...فقضٰھن سبع سمٰوٰت تک سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین بنائی پھر آسمان بنایا ہے، بظاہران دونوں میں تعارض ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے جو بخاری شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ زمین کا مادہ پہلے پیدا کیا پھر آسمانوں کی پیدائش کے بعد اس مادے کو پھیلایا جیسا پیڑا ہوتا ہے۔اس طرح زمین کی خلقت پہلے ہوئی ہے مادے کے اعتبار سے اور اس کو پھیلایا بعد میں ہے لہٰذا سورۃ حمٓ سجدہ میں اس کے مادے کی خلقت کا بیان ہے اور یہاں اس کے پھیلانے کا بیان ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض نہ رہا۔

سورة عبس

۱۔ ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا انما انت منذر من یخشھا کہ ان کو منوانا یا ان کے پیچھے پڑنا یہ تیرے ذمے نہیں۔ یہاں بھی اس کا بیان ہے کہ ان کفار کے پیچھے نہ پڑیں۔

شان نزول:

آپ ﷺ کے پاس قریش کے سردار بیٹھے تھے آپ ان کے ساتھ مصروف گفتگو تھے اثناء گفتگو کبھی خاموشی ہو جاتی ہے کیونکہ مسلسل تو آدمی نہیں بولتا اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو ابن ام مکتومؓ آئے چونکہ وہ نابینا تھے اور ان کو معلوم نہ تھا کہ گفتگو ہو رہی ہے، جب خاموشی ہوئی انہوں نے خیال کیا کہ شاید گفتگو ختم ہو گئی ہے چنانچہ انہوں نے سوال کیا آپ ﷺ کو یہ بات نہایت ناگوار ہوئی ناگوار اس لئے ہوئی کہ جب ان کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے تو ان کے ساتھ گفتگو مکمل تو کریں پھر اوروں کے ساتھ شروع کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سورة التکویر

۱۔ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾

ربط: پہلی سورۃ میں بھی قیامت کا ذکر تھا اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

۱۴۔ ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ﴾

اس سے پہلے بارہ علامتیں یہ شرط ہیں یہ آیت ان کی جزا ہے۔

۱۵۔ ﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ﴾

خُنَّس یہ جمع ہے خُنساء کی پانچ ستارے ہیں جن کو خنساء متحیرہ کہتے ہیں

مریخ ہے زحل ہے مشتری، عطارد وغیرہ یہ پانچ ستارے ہیں چلتے ہیں چلتے چلتے آگے رک جاتے ہیں۔ پھر واپس آتے ہیں پھر چھپ جاتے ہیں ان پانچ ستاروں کو خنساء کہتے ہیں۔

کُنَّس یہ جمع ہے کَنساء کی معنیٰ ہوگا قسم ہے ان پیچھے ہٹنے والوں چلنے والوں، چھپ جانے والوں ستاروں کی۔

۲۴۔ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾

اس آیت سے اہل بدعت نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سارا غیب جانتے ہیں آپ اس میں بخل نہیں کرتے۔ ہم نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ سورۃ تکویر ساتویں نمبر پر اتری ہے اور اس کے بعد ایک سو سات سورتیں بعد میں اتری ہیں جب یہاں پر آپ ﷺ کیلئے غیب مانتے ہیں تو کیا وہ ۱۰۷ سورتیں غیب میں نہیں مانتے جو اس کے بعد اتری ہیں۔

ویل للمطففین

۱۔﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾

ربط :تفسیر بیان القرآن اور سبق الغایات وغیرہ میں لکھا ہے کہ پہلی سورۃ (الانفطار) میں انسان کے اعمال کے لکھنے کا ذکر تھا کہ کراماً کاتبین لکھتے ہیں اس سورت میں خصوصیت سے ان اعمال کا ذکر ہے جو عباد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یعنی حقوق العباد کہ قیامت کے دن ان کے بارے میں بھی با قاعدہ سوال ہوگا ان کو بھی ملحوظ رکھو۔ویل جہنم کا ایک طبقہ ہے جس سے جہنم کے دوسرے طبقے پناہ مانگتے ہیں اس کی گہرائی اتنی ہے اگر پتھر اس میں پھینک دیا جائے تو ستر سال کے بعد اس کی تہہ تک پہنچتا ہے اتنا گہرا ہے یہ طبقہ۔اور ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے بھی آتے ہیں۔''ویل للمطففین'' خرابی ہے (ہلاکت ہے) کمی کرنے والوں کیلئے۔

۷۔﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ﴾

تفسیر خازن، معالم التنزیل، ابن کثیر، روح المعانی، کبیر وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک مقام ہے اس کا نام ہے سجین جو کفار، مشرکین اور نافرمان لوگوں کی ارواح کا مستقر ہے۔

۱۴۔﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب بھی انسان گناہ کرتا ہے تو گناہ کی وجہ سے ایک کالا سا نقطہ دل پر پڑتا ہے اور گناہ کیا تو اور نقطہ اور گناہ کیا تو اور نقطہ۔چھوٹا سا ٹکڑا تو ہے دل ان گناہوں کی وجہ سے غلاف بن جاتا ہے۔جب گناہوں کا غلاف بن جاتا ہے تو دل کو نیکی کی طرف رغبت نہیں ہوتی اور گناہوں سے گریز نہیں ہوتی۔

۱۸﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ﴾

علیین اور سجین کیا ہیں اور کہاں ہیں؟

تفسیر روح المعانی، معالم التنزیل وغیرہ میں تصریح ہے کہ یہ علیین ساتویں آسمان پر ہے نیک لوگوں کی ارواح کا یہ مستقر ہے یہاں بہت بحث ہے مگر میں ایک حوالہ نقل کرتا ہوں شوق ہو تو وہاں دیکھ لینا وہ یہ ہے کہ

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کی ارواح کا مستقر علیین ہے اور بدلوگوں کی ارواح کا مستقر سجین ہے۔ومع ذالک باوجود اس کے کہ ان کی ارواح کا مستقر علیین ہے ان ارواح کا ابدان کے ساتھ تعلق ہے۔اور بدلوگوں کی ارواح، باوجود اس کے کہ ان کا مستقر سجین ہے ان ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ ہے۔ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے نوع من الحیاۃ حیات کی ایک نوع حاصل ہوتی ہے کیونکہ منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں تو وہ اس کو سمجھ سکے اور نکیرین کو جواب دے سکے اور زائر کے کلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور قبر کے اندر تکلیف کو محسوس کرتا ہے راحت کو محسوس کرتا ہے ایسا جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔تفسیر مظہری کا پورا حوالہ بمعہ عربی عبارت درج ذیل ہے۔ان مقر ارواح المومنین فی علیین ار فی السماء السابعة ونحو ذالک کما مر ومقر ارواح الکفار فی السجین ومع ذالک لکل روحٍ منها اتصال بجسده فی قبره لایدرک

كنهُ الا اللّٰه تعالى وبذالك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة ويحس اللذة والالم ويسمع الزائر ويجيب المنكر والنكير و نحو ذالك مما ثبت بالكتاب والسنة (تفسير مظهری ج ۱۰ ص ۱۲۴)

سورة الانشقاق

۱۔﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ مومن کافروں پر قیامت کے دن ہنسیں گے دنیا میں تو مومنوں نے تکلیف اٹھائی لیکن آخرت میں پتہ چلے گا۔

آگے فرماتے ہیں کہ آخرت کیلئے محنت درکار ہے محنت کے بغیر کام نہیں بنے گا۔

اذالسماء میں اذا کیا ہے؟ اس میں مفسرین کرامؒ کا اختلاف ہے آپ کو ایک تفسیر جلالین، کمالین اور جمل میں ملے گی۔ایک طبقہ کہتا ہے کہ اذا شرطیہ ہے اس کی جزا کیا ہے تو جزا کے متعلق ایک طبقہ کہتا ہے کہ مذکور ہے۔دوسرا کہتا ہے محذوف ہے۔جو کہتے ہیں کہ مذکور ہے ان میں ایک قول یہ ہے کہ اذنت لربھا اس کی جزا ہے اور واو مزیدہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آگے جو ملقیہ آتا ہے یہ اس کی جزا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں اس کی جزا محذوف ہے۔وہ کیا محذوف ہے؟

ان میں پھر ایک گروہ کہتا ہے اذالسماء انشقت واذنت لربھا الخ شرط ہے علمت کل نفس ما عملت یہ اس کی جزاء ہے۔

محلیؒ فرماتے ہیں کہ جزاء محذوف ہے اور وہ ہے لقی الانسان عمله۔(انسان اپنے عمل کو ملے گا)۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ اذا شرطیہ نہیں بلکہ ظرفیہ ہے تو یہاں اذکر اذا السماء انشقت نکالا جائے گا یعنی اذکر محذوف نکالا جائیگا اور آگے اس کی جزا کی ضرورت نہیں ہوگی واذنت لربھا ای واذنت لحکم ربّھا کہ جب سنے گا اپنے رب کے حکم کو اور اس کے لئے حق بھی یہی ہے کہ اپنے رب کے حکم کو سنے۔

۱۸۔﴿وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ . لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾

چاند پر جانا کوئی مستبعد نہیں بلکہ آسمان پر جانا بھی ممکن ہے:

بعض حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آسمان پر جانا ممکن ہے چاند پر جانا ممکن ہے۔

ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ بڑے وسیع الظرف تھے جس وقت امریکہ نے اپنا خلائی جہاز پہلی مرتبہ چھوڑا اس میں تین آدمی بٹھا کر بھیجا۔

تو اس موقع پر چونکہ نئی چیز تھی تو کئی ساتھی آئے کہنے لگے کہ کیا یہ سچ ہے کہ آسمان پر کوئی جا سکتا ہے چاند پر جا سکتا ہے؟ میں نے کہا دیکھو بھئی اس میں انکار کی کوئی بات نہیں

قدوری کنز،هدایۃ سب کتابوں میں یہ بات ہے کہ اگر کسی آدمی نے یہ قسم اٹھائی کہ واللہ لاَصعدنَ السماء خدا کی قسم میں آسمان پر چڑھوں گا۔تو کہتے ہیں کہ یہ قسم یمین منعقدہ ہوگی یا نہیں؟

کہتے ہیں یمین منعقدہ ہوگی اس لئے کہ آسمان پر جانا ممکن ہے شرط یہ ہے کہ اس کیلئے اسباب ہوں اسباب نہ ہونے کیوجہ سے حانث ہوجائیگا کفارہ دینا پڑے گا آسمان پر جانا ممکن ہے لہذا اس مسئلہ کو تمام فقہاء نے لکھا ہے۔

سورة البروج

ا۔﴿ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾

بروج کے متعلق پہلے بتلا چکا ہوں کہ آسمان میں منزلیں ،ہیں فرشتوں کے راستے ہیں۔

﴿والیوم الموعود﴾

حدیث میں آتا ہے کہ یوم موعود سے مراد ہے قیامت کا دن،شاہد سے مراد ہے جمعہ کا دن اور مشہود سے مراد ہے عرفہ کا دن۔

﴿قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ﴾

یہاں واقعہ جو ہے اس کو مسلم شریف، ترمذی شریف، مسند احمد میں بیان کیا گیا ہے (یہاں پر حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ، نے بالتفصیل بیان فرمایا اس کو آپ ان کتابوں میں اور تفسیروں میں خود مطالعہ کرلیں لکھنے کی گنجائش نہیں بوجہ طوالت قصہ)

سورة الطارق

۱۔﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾

ربط: اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے مومنوں پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو سوچنا چاہیئے کہ انسان کو 33/33
رب نے پیدا کس سے کیا دوسروں کو جو حقیر سمجھتا ہے اپنی حقیقت کو دیکھے کہ کس چیز سے پیدا ہوا اگر یہ بات سمجھ جائے کہ اصل میں کیا تھا میری حقیقت کیا ہے تو تکبر سے غرور سے حسد سے رہائی ہوگی۔

۳۔﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾

ستارہ چمکیلا یہ کونسا ستارہ ہے آپ کو یہ بھی ملے گا قیل القمر قیل الثریا قیل الزحل قیل کل نجم۔ بعض نے کہا چاند ہے بعض نے ثریا کہا بعض نے زحل کہا اور بعض نے کہا کہ ہر ستارہ ہے۔

۴۔﴿إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾

حافظ سے کون مراد ہے؟

لـمّـا بمعنی الاّ کے ہے۔ نہیں کوئی نفس مگر اس پر نگران ہے حافظ سے مراد کون ہے؟ اس میں تین تفسیریں ہیں (۱) حافظ اللہ تعالیٰ ہیں۔ جو سب پر حاکم و نگران ہیں۔ ۲۔ اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں کہ وہ اعمال کے نگران ہیں جیسا کہ پہلے گزرا وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون ۔(۳) اس سے مراد حفظہ ہیں جو ہر انسان کیساتھ ہوتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر پہلے سورۃ رعد میں گزر چکی ہے۔

۸۔﴿إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ﴾

رجعہ میں ہ ضمیر راجع بسوئے ماء کہ وہ اس پانی کو احلیل (پیشاب کی نالی) میں لوٹانے پر قادر ہے۔ یہ تفسیر بخاری کی کتاب التفسیر میں ہے۔ (۲) دوسری تفسیر کہ ہ ضمیر راجع بسوئے انسان ہے معنی ہوگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اس انسان کو لوٹانے پر قادر ہے۔

۱۱۔﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾

ذات الرجع کا معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ آسمان سے بارش اتری پھر کچھ وقفہ ہوا پھر اتری پھر کچھ وقفہ ہوا پھر اتری۔ اور ذات الصدع کا معنی ہے کہ زمین جب پھٹتی ہے تو اس سے اناج، پودے، درخت پیدا ہوتے ہیں۔

۱۳۔﴿إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾

ہ کی ضمیر کس طرف راجع ہے؟ (۱) یہ قرآن کی طرف راجع ہے بے شک یہ قرآن البتہ ایسی بات ہے جو فیصلے کی ہے۔ (۲) ہ کی ضمیر راجع ہے بسوئے اوپر جو حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بے شک وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے معنی ہوگا کہ یہ لوٹانے کی بات فیصلے کی بات ہے۔

سورة الاعلیٰ

۱۔﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی﴾

ربط: آپ نے اوپر پڑھا کہ انسان کو اپنی حقیقت کو دیکھنا چاہیئے کہ کیا تھا اس کے بارے میں آگے فرماتے ہیں کہ اسی انسان کو رب نے پیدا کیا اور اس کی تمام چیزیں مقدر کیں اسکی ہدایت و رہنمائی کیلئے اسباب پیدا کئے پیدائش سے پہلے کے اسباب پیدا کئے اور پیدائش کے بعد کے اسباب بھی پیدا کئے اعضاء اس نے دیئے عقل اور سمجھ اس نے دی کتابیں اس نے بھیجیں تو چاہیئے کہ تسبیح بیان کرے اپنے رب اعلی کی۔

۶۔﴿سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی﴾

اصول فقہ کی کتابوں میں طویل بحث ہے وہ یہ ہے کہ نسیان بھی انحضرت ﷺ کے حق میں نسخ کی ایک قسم ہے جس حکم کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرتے تھے اس کو آپ کے ذہن سے نکال دیتے تھے۔

اس کی تفصیل اظہار الغیب میں ہم نے لکھ دی ہے۔

۸۔﴿وَنُيَسِّرُکَ لِلْيُسْرٰی﴾

یسریٰ سے مراد کیا ہے؟ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد شریعت ہے کہ یہ شریعت پہلی شریعتوں سے آسان ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے جنت۔

جنت اس لئے آسان ہے کہ اس میں کوئی کام کرنا تو پڑے گا نہیں۔

معنی ہوگا تیرے لئے آسان کردیں گے شریعت پر چلنے کو یا جنت حاصل کرنے کو۔

۹۔﴿فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی﴾

اس کے دو معنی کئے گئے ہیں (۱) نصیحت کر تحقیق کہ نصیحت نفع دیتی ہے۔

(۲) دوسرے ان کو شرطیہ بناتے ہیں معنی ہوگا کہ نصیحت کر اگر نصیحت نفع دے۔

مطلب یہ ہوگا کہ ایک مرتبہ تبلیغ تو فرض ہے یہ ان کے بارے میں ہے جن کو ایک دفعہ تبلیغ کی کہ اگر نفع ہو تو نصیحت کر۔

سورة الغاشية

۱۔﴿ هَلْ أَتٰکَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾

ربط: پہلے آپ پڑھ چکے "والأخرة خير وابقٰى" اس میں قیامت کا ذکر تھا اور اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے تحقیق کہ آپ کے پاس آچکی چھا جانے والی کی بات۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک غاشیہ بھی ہے جیسا کہ آخرۃ۔ ھل بمعنی قد کے ہے یہاں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾

اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں (۱) وہاں ہتھکڑیاں ہوں گی بیڑیاں ہونگی چلیں گے تو مشقت میں چلیں گے اس وقت ان کی کیفیت گویا عاملۃ ناصبہ ہوگی۔

(۲) دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں انہوں نے عمل بھی کیا۔ تکلیفیں بھی برداشت کیں۔ اب یہ کافر بہت سے اچھے کام تو کرتے ہیں صدقے وغیرہ دیتے ہیں تکلیفیں تو اٹھاتے ہیں لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کارآمد نہیں۔

۱۱۔﴿لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً . فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾

تفسیر جمل اور کمالین میں اس کے تین معنی بیان کئے ہیں ایک ہے لاتسمع فيها نفس لاغية لاغیہ نفس کی صفت ہے۔

(۲) لاغية یہ کلمہ کی صفت ہے نہیں سنے گا تو اس میں کوئی کلمہ لاغية بیہودہ کلمہ۔

(۳) لاغية یہ مصدر ہے اس کے معنی ہے بیہودہ بات، بکواس۔

۲۱۔﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴾

کسی غیر مسلم نے کہا ہے کہ قرآن کا مصنف بڑا جاہل قسم کا ہے (معاذ اللہ) کہ قرآن میں آگے کہتا ہے فذکر نصیحت کر و نصیحت کرنے والے کے ساتھ اونٹ کا کیا جوڑ ہے؟ مذکر کے ساتھ پہاڑوں کا کیا جوڑ ہے؟ زمین کا کیا جوڑ ہے؟ ان جملوں کا آپسمیں کیا جوڑ ہے۔

لیکن ان نادانوں نے سمجھا نہیں مذکر کیساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔ سب جانوروں میں جفاکش جانور ہے اونٹ۔ بتایا کہ مذکر کو جفاکشی میں اونٹ کے مانند ہونا چاہیئے اور مذکر کو اپنے اخلاق کے اعتبار سے ایسا بلند ہونا چاہیئے جیسا آسمان بلند ہے اور مذکر کو اپنے عقیدے میں ایسا پختہ ہونا چاہیئے جیسا پہاڑ اور تواضع ایسی ہو جیسے زمین بچھی ہوئی ہے کسی پر غصہ نہ ہو تو ان چیزوں کا تو مذکر کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔

سورۃ الفجر

۱۔﴿وَالْفَجْرِ ..وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾

ربط: ابھی آپ نے پڑھا الا من تولی و کفر کہ جن لوگوں نے ایمان سے اعراض کیا اور کفر کیا۔ آگے کچھ اجمالی واقعات ذکر کرتے ہیں الم تر کیف فعل ربک بعاد، فرعون، عاد، ثمود یہی لوگ ہیں حق سے اعراض کرنے والے اور کفر کرنے والے۔

اس سورت کا نام الفجر کیوں ہے؟ تفسیر ابن جریر طبری، روح المعانی، کبیر، مظہری وغیرہ میں یہاں خاصی بحث ہے الفجر سے کیا مراد ہے؟

ایک تفسیر یہ ہے فجر کل یوم۔

ایک تفسیر یہ بھی ملے گی فجر یوم النحر ، یہ بھی ملے گی فجر یوم الفطر ، یہ بھی ملے گی فجر یوم عرفة ، یہ بھی ہیکہ محرم کی پہلی فجر جب سال کا آغاز ہو۔ لیال عشر یہ دس راتیں کونسی ہیں؟ اس میں آپ کو یہ بھی ملے گا کہ یہ ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں۔

یہ بھی ملے گا کہ رمضان کا آخری عشرہ (دس دن) مراد ہیں۔

یہ بھی آپ کو تفسیر ملے گی کہ اس سے محرم کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔

والشفع والوتر سے کیا مراد ہے؟

والشفع والوتر سے کیا مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہیں نمازیں مثال کے طور پر فجر کی دو رکعتیں ہیں ظہر کی چار رکعتیں ہیں عصر کی چار اور شام کی تین رکعتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد رات کے مقابلے میں دن ہے سیاہ کے مقابلے میں سفید، گرم کے مقابلے میں سرد ہے وغیرہ۔

۴۔﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ﴾

ایک تفسیر یہ ہے کہ یسر میں ھو ضمیر راجع بسوئے واللیل ہے معنی ہے اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (ختم ہونے لگے) آخری وقت مراد ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یسر میں ھو ضمیر راجع بسوئے آنحضرت ﷺ ہے کہ قسم ہے اس رات کی جس میں آپ چلے (معراج کی رات)۔ جواب قسم محذوف ہے لتعذبن یا کفار مکه اے کفار مکہ! تم ضرور عذاب دیئے جاؤ گے۔

۷۔﴿إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾

عاد بن ھود بن ارم بن سام بن نوح اختصار کے طور پر قوم عاد کو عاد ارم کہتے ہیں اور قوم ثمود کو عاد ثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

۲۲۔﴿وَجَآءَ رَبُّکَ﴾
متقدمین معنی کرتے ہیں کہ تیرارب آئے گا اپنے شایانِ شان جو اس کے لائق نزول ہے۔

۲۶۔﴿وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾
ستر ہزار زنجیریں ہوں گی اور ہر زنجیر کو ستر ستر ہزار فرشتے پکڑ کر لائیں گے اور ان مجرموں کو میدان حشر میں باندھ کر لایا جائیگا۔

۲۴۔﴿یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ﴾
اگر حیات سے مراد ہے آخرت کی زندگی تو لام تعلیلیہ ہے معنی یہ ہوں گے کاش کہ میں آگے کر لیتا لاجل حیاتی یعنی آخرت میں میں نے زندہ رہنا ہے اس لئے میں کچھ آگے کر لیتا۔ اور اگر اس حیات سے دنیا کی زندگی مراد ہے تو لام بمعنی فی کے ہوگا معنی ہوگا کہ کاش مین آگے بھیجتا اپنی اس زندگی میں جو میرے لئے تھی۔

۳۰﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ .وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾
بعض کہتے ہیں فی عبادی ای فی جملة عبادی میرے بندوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ بعض فی بمعنی مع کے کرتے ہیں ای مع عبادی میرے بندوں کے ساتھ ہو کر میری جنت میں داخل ہو۔

سورة البلد

۱۔﴿ لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴾

ربط: پہلے آپ نے پڑھا نفس مطمئنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں بغیر مشقت کے حاصل نہیں ہوسکتیں فرمایا

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴾

پریشانیاں اور تکلیفیں ہوں گی ان کی وجہ سے نفس کو اطمینان ملے گا۔

۲۔﴿وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾

حلّ ،یحل (ن) حلول سے،تو اترا ہوا ہے اس شہر میں۔اور حل یحل (ض) حلال سے بھی ہے تو اس شہر کو حلال کرنے والا ہے وہ کیسے؟ وہ یوں کہ جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حرم میں لڑائی دن کے اس حصے میں میرے لئے حلال ہے طلوع آفتاب سے لیکر عصر تک آپ کیلئے لڑائی حلال تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے پہلے یہاں لڑائی حرام تھی اس کے بعد بھی حرام ہوگی۔

یہ روایت بخاری کی ہے صرف طلوع آفتاب سے عصر تک کی بات مسند احمد کی ہے۔

۳۔﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾

بعض فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد مراد ہیں قرینہ بعد والی آیت ہے "لقد خلقنا الانسان فی کبد"

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ صرف حضرت آدمؑ مراد نہیں بلکہ ہر جننے والا اور اس کی اولاد مراد ہیں اس میں انسان بھی ہے جانور بھی ہے کیڑے مکوڑے بھی کیونکہ یہ سلسلہ تناسل تو قیامت تک رہے گا۔

۴.﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾

ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے کیا مطلب؟اس سے مراد ہے ابوالاشد اُسید بن کلدہ۔یہ انحضرت ﷺ کا سخت مخالف تھا اور آپ کے مقابلے کیلئے مال خرچ کرتا تھا۔

۱۰۔﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾

روح المعانی وغیرہ میں اس سے مراد ہے ماں کے دو پستان:

اور یہ بھی ہے کہ نجدین سے مراد ہے خیر کا راستہ اور شر کا راستہ۔دونوں مطلب مراد ہو سکتے ہیں۔

۱۷۔﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾

اس میں ترتیب حقیقی نہیں بلکہ ترتیب ذکری ہے یہ مطلب نہیں کہ پہلے یہ کام کرو پھر ایمان لاؤ۔

سورة الشمس

۱۔﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾

ربط: تفسیر سبق الغایات وغیرہ میں ہے کہ اوپر بھی دو قسم کے لوگ تھے اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ آگے بھی دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک وہ ہیں جو تقویٰ والے ہیں جنہوں نے نفس کو درست کرلیا اور دوسرے وہ جنہوں نے نفس کو خاک میں ملا دیا۔

۱۰۔﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

دسس یدسس (تفعیل) سے مشتق ہے اخفاء الشیء فی الشیء ۔اب لفظی معنی اس کے یہ ہیں ناکام ہوا وہ جس نے اپنا نفس گناہوں میں چھپا دیا۔

۱۴۔﴿بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا﴾

اس میں ایک تفسیر یہ ہے کہ ھا کی ضمیر راجع بسوئے دمدمہ جو مصدر ہے دمدمہ کو رب نے برابر کر دیا اور یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ ھا کی ضمیر راجع ہے بسوئے ثمود۔

سورة اللیل

۱۔﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾

ربط: سبق الغایات وغیرہ میں ہے کہ اوپر بھی دو طبقوں کا ذکر تھا متقین اور نافرمان۔آگے بھی ان ہی دو طبقوں کا ذکر ہے۔﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى.....و اما من بخل ...الخ﴾

۳۔﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾

سوال: ہوتا ہے کہ ذکر اور انثی تو دونوں اس میں آگئے خنثی مشکل تو اس میں داخل نہیں؟

جواب: محلیؒ نے یہ دیا کہ خنثیٰ مشکل کا خنثیٰ ہونا ہمارے ہاں مشکل ہے اللہ تعالی کے ہاں وہ متعین ہے یا ذکر ہے یا انثیٰ۔

علامہ ابوالفضل ہمدانیؒ بڑے فقیہ گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ نوع آخر ہے نہ ذکر ہے نہ انثی اب اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اگر کسی نے کہا ''ان لقیت الیوم ذکرًا او انثی فامرأتی طالق" اگر میں آج ذکر سے ملا یا انثی سے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔پھر یہ آدمی خنثی کو ملا تو ان کے ہاں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ شرط مفقود ہے۔

سورة الضحٰی

۱۔﴿ وَالضُّحٰی . وَاللَّيۡلِ إِذَا سَجٰى﴾

یہ آیت ایک طعنہ جو آپ ﷺ کو دیا گیا کہ تجھے تیرے رب نے چھوڑ دیا۔اس پر نازل ہوئی (تفصیل تفسیر میں ہے)اللہ تعالی نے فرمایا کہ تجھے تیرے رب نے نہیں چھوڑا وماقلٰی (مفعول محذوف ہے)۔اور نہ اس نے تیرے ساتھ بغض کیا۔

۴۔﴿وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡأُوۡلٰى﴾

اورآخرت تیرے لئے بہتر ہے دنیا سے اور یہ معنی کئے گئے کہ ابھی تک جووحی [illegible] اترے ہیں۔ یہ تو تھوڑے ہیں اس کے بعد اور جو اتریں گے وہ اور زیادہ بہتر ہوں گے۔

اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ دنیا کیا ہے، آخرت بہتر ہے تیرے لئے۔

۷۔﴿وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾

ووجدک ضالا کی تین تفسیریں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ پہلے گزرچکا ہے "ماتدری ماالکتاب ولا الایمان ماکنت تعلمها انت ولا قومک من قبل هذا" معنی ہوگا کہ آپ بے خبر تھے اللہ نے آپ کو خبردار کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آپ چھوٹے بچے تھے مکہ کے پہاڑوں میں بکریاں چرانے کیلئے گئے تو راستہ بھول گئے اللہ تعالی نے آپ کو راستہ بتلا دیا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ عبد مناف کے پاس آپ شام کے سفر میں تھے تاریکی ہوئی تو ابلیس لعین آیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو دور لے گیا ساتھیوں سے دور لے جا کر چھوڑا اتنے میں ایک فرشتہ آیا اس نے شیطان کو تھپڑ مارا اور بھگایا اور آپ کو اپنی جگہ پہنچایا۔

۱۰۔﴿وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ﴾

کہتے ہیں بسا اوقات سائل کو جھڑکنا کارثواب ہے وہ کون ہے مثلاً ایک بچہ ہے، ہے بھی خوبصورت وہ سوال کرتا ہے اور ہے بھی تندرست تو ایسے کو جھڑکنا ثواب ہے کیونکہ اگر آپ اس کو پیسے دیں گے تو وہ سمجھے گا کہ اس طرح لوگ پیسے دیتے ہیں تو وہ نیک وبد کے پاس جائے گا اخلاق اس کے خراب ہوں گے یا عورت ہے باندی ہے تو اس کی بھی حوصلہ شکنی کرنی چاہیئے تاکہ نیک وبد کے پاس جا کر اور کا اور نہ ہو جائے۔

اسی طرح اگر ہٹا کٹا تندرست آدمی ہے تو اس کی بھی حوصلہ شکنی کرو اور اس سے کہو کہ بھئی ہاتھ تیرے ٹھیک ہیں آنکھیں تیری ٹھیک ہیں ٹانگیں تیری ٹھیک ہیں کما کر کھاؤ تو گویا ان کو جھڑکنا ان کی اصلاح کی خاطر ہے ہاں اگر معذور ہے تو اس کو جھڑکنا جائز نہیں۔

سورۃ الم نشرح

۱۔﴿ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

اس سے کیا مراد ہے؟ تو ایک تفسیر تو یہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا معنوی طور پر اللہ تعالی نے سینہ کھول دیا کہ اپنی مشرک قوم میں بیان کرتے وقت شرح صدر ہوگا۔ اور آپ کا بوجھ ہم نے اتار دیا وہ جس نے آپ کی کمر کو جھکا دیا تھا۔ وہ کیسے اتارا اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے آدمی دیئے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ تعاون کیا۔

چار دفعہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا:

یہاں تفسیر عزیزی وغیرہ میں آپ کو بڑی بحث ملے گی کہ چار دفعہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا۔ ایک دفعہ جب حلیمہؓ کے پاس تھے وہاں فرشتوں نے آکر آپ ﷺ کا سینہ چاک کر دیا۔ دوسری مرتبہ جب آپ جوان ہوئے تو آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا اور جوانی کے جو جذبات تھے ان کو نکال دیا اور تیسری دفعہ نبوت ملنے سے قبل جب غار حراء میں جایا کرتے تھے اس وقت چاک کر دیا گیا۔ چوتھی مرتبہ جب آپ ﷺ معراج پر جا رہے تھے تو آپ کا سینہ مبارک حطیم میں چاک کیا گیا۔

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾

(۱) ایک تفسیر یہ ہے کہ اذا فرغت من الصلوٰۃ جب نماز سے فارغ ہوں تو مشقت اٹھا اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔ یہ بھی آپ کو ملے گا اذا فرغت من التبليغ جب آپ تبلیغ سے فارغ ہوں کیونکہ یہ نیک عمل ہے اس کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اذا فرغت من الجهاد لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس وقت جہاد فرض نہیں تھا البتہ اگر مستقبل کے بارے میں ہو کہ مستقبل میں جب جہاد فرض ہو جائے تو جہاد سے فراغت کے بعد تو یہ صحیح ہے۔

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

یہاں ایک بحث ہے کہ فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا ہے یا نہیں۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ نہیں ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ جبکہ بقیہ جمہور اس کے قائل ہیں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے النفائس المرغوبه في الدعاء بعد المكتوبة۔ اس میں انہوں نے کچھ حدیثیں بھی پیش کی ہیں کچھ حوالے بھی پیش کئے ہیں اس میں ثابت کیا ہے کہ اس سلسلے میں فرض نماز کے بعد، برفع الایدی اجتماعی شکل میں دعا جائز ہے۔ اور اس پر اس وقت کے جتنے بھی اکابر ہیں تقریبا سو سے زیادہ ہوں گے سب کی تصدیقات اس پر موجود ہیں۔

غیر مقلدین حضرات میں سے مولانا مبارک پوری مرحوم کی کتاب تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں وہ پانچ حدیثوں کا حوالہ دیتے ہیں اور پانچ حدیثوں کا حوالہ دے کر کہتے ہیں

قلت: فرض نماز کے بعد اجتماعی شکل میں برفع الایدی دعا کرنا جائز ہے۔

اسی طرح فتاویٰ نذیریہ میں بھی موجود ہے اور ثنائیہ میں بھی البتہ تراویح کے بعد اور وتروں کے بعد تو اس سلسلے میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ جائز ہے جبکہ دوسرے ہمارے اکابر نہیں کرتے۔ حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن ختم ہونے پر چاہے ویسے ختم ہو یا تراویح میں اس کے بعد دعا مسنون ہے۔

سورة التين

۱۔﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ . وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ . وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ . لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾

ربط: پہلی سورت میں ذکر تھا شرح صدر کا یہاں اس جگہ اس مقام کا ذکر ہے جہاں شرح صدر ہوا اور وہ ہے مكة مكرمة وهذا البلد الامين۔

والتین والزیتون:

تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں جبلین ہیں دو پہاڑ ہیں۔ قرینہ کیا ہے کہتے ہیں یہ جو آگے وطور سینین ہے یہ پہاڑ ہے تو اس کی مناسبت سے یہ شام میں جو دو پہاڑ ہیں ان کی قسم۔

دوسری تفسیر یہ ہے التین سے مراد ہے انجیر اور زیتون سے مراد ہے وہ جس سے تیل نکلتا ہے۔

۵۔﴿ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ﴾

مطلب یہ ہے کہ بوڑھا ہوگا جوانی والے کام نہیں کرسکتا۔ یہ آپ کو جلالین تک میں ملے گا کہ جو بوڑھے ہوجائیں بیماری کی وجہ سے کام نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ ان کو پنشن دیتے ہیں۔ کہ جوانی میں جو کام کرسکتا تھا اب بوڑھاپے میں نہیں کرسکتا اللہ فرشتوں کو فرماتے ہیں جو کام یہ آدمی جوانی میں کرتا تھا اب بڑھاپے میں یہ اعمال کے اعمال نامہ میں لکھو۔

۷۔﴿ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾

فما يكذبك يا محمد ﷺ یہ سننے کے بعد کہ رب نے ان کو احسن تقویم میں پیدا کیا کونسی چیز ان کو آپ کی تکذیب پر آمادہ کرتی ہے کیا جس رب نے ان کو احسن تقویم میں پیدا کیا وہ قیامت نہیں لاسکتا کیا وہ احکم الحاکمین نہیں ہے۔ دوسری تفسیر کہ ضمیر راجع ہو انسان کی طرف معنی ہوگا کہ کونسی چیز ہے اے انسان جو تجھے تکذیب پر آمادہ کرتی ہے کیا رب نے تجھے احسن تقویم میں پیدا نہیں کیا کیوں تو بدلے کے دن کی تکذیب کرتا ہے۔

سورة العلق

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾

ربط: اوپر بلدامین کا ذکر تھا اب اسی بلدامین کے رقبے میں آپ ﷺ پر قرآن پاک اترا غار حرا میں اور وہ مکہ کے رقبے میں شامل ہے حرم میں بھی شامل ہے۔

غار حرا میں نزول وحی کی ابتداء:

آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے جبرائیلؑ آئے اور آپ سے کہا اقــــرء آپ نے فرمایا ما انابقارئٍ میں نہیں پڑھ سکتا جبرائیلؑ نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب دبایا پھر آپ نے پڑھا۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور اس عمر میں ساتھ ساتھ پڑھنا کوئی مشکل نہیں جبکہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ساتھ ساتھ پڑھ سکتے ہیں، بچے کو کہو کہ پڑھ بیٹا بسم اللہ وہ بھی کہتا ہے پڑھ بیٹا بسم اللہ تو چالیس سال کی عمر میں آپ نے کیسے فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں اور علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔ کہ اصل بات یہ ہے کہ جبرئیلؑ کے پاس ریشم کا ایک ٹکڑا تھا اس میں کچھ لکھا ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اقرأ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں اور جو بچے کو پڑھایا جاتا ہے وہ تو زبانی ہوتا ہے یہاں تو لکھا ہوا تھا زبانی نہیں تھا۔

۲۔﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾

ڈارون اور اس کے پیروکار کہتے ہیں کہ انسان ابتداء میں مینڈک تھا پھر اس سے مچھلی بنی پھر ترقی کر کے یہ بندر بنا پھر انسان بن گیا، اس آیت سے ان کے نظریے کی تردید ہو جاتی ہے۔

۹۔﴿اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی .عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾

الذین ینھٰی منع کرنے والا ابوجہل تھا عبداً سے مراد ہے آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں آپ نے نماز پڑھنی شروع کی تو ابوجہل نے کہا کہ اگر میں نے آپکو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں تیری گردن کچل دوں گا۔

۱۷۔﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ﴾

زبـــانیۃ یہ جمع ہے زبنیۃ کی زبن کے معنی آتے ہیں دفع کرنا۔ یہ فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو مجرموں کو پکڑ کر کے دوزخ میں پھینکے گی۔

سورۃ القدر

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۔ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۔ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾

ربط: اوپر قرآن کے نزول کا ذکر تھا کہ یہ آیتیں اقرأ باسم ربک الخ اتری ہیں اب آگے سارے قرآن کا ذکر ہے۔

ا۔﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾

ہم کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے ذات میں بھی صفات میں بھی اور افعال میں بھی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ نہیں ثالث ثلاثہ رب ایک نہیں تین ہیں وہ مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں دیکھو تمہارا قرآن بھی کہتا ہے کہ الہ بہت سارے ہیں قرآن میں انّا انزلناہ جمع کے صیغے لائے ہیں تو معلوم ہوا کہ خدا تو بہت ہیں۔ اگر ایک ہوتا تو یوں کہتے انیّ انزلتہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جمع تعظیم کیلئے ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کئی ہیں۔

لیلۃ القدر کونسی رات ہوتا ہے؟

آنحضرت ﷺ کو لیلۃ القدر کی فضیلت جب سنائی گئی۔ تو بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ یکم رمضان سے دس رمضان تک اعتکاف میں رہے۔ کوئی اشارہ نہ ہوا جب دس راتیں پوری کر چکے تو آپ کو اشارہ ہوا کہ جس رات کو آپ تلاش کرتے ہیں وہ آگے ہے تعیین کے ساتھ پھر بھی نہیں بتایا۔ پھر آپ نے رمضان کے بیسویں تک اعتکاف کیا اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے اشارہ ہوا التی تطلبہ امامک جس رات کو آپ ﷺ تلاش کر رہے ہیں وہ آگے ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں اس کو تلاش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان کے آخری دس راتوں میں ہے اور فرمایا کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے جو طاق ہیں ان میں تلاش کرو ان طاق راتوں میں جس نے عبادت کی تو یقین جانے اس کو لیلۃ القدر مل جائیگی۔ باقی یہ کہ اس دن پانی دودھ بن جاتا ہے درخت سجدوں میں گر پڑتے ہیں یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے" کلها من الخرافات "ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر وجدانی کیفیت قائم ہو تو کوئی انکار نہیں۔

وجدانی کیفیت کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ آدمی اپنے نفس میں کچھ شوق و ذوق پائے۔ مثلاً میں بھوکا ہوں تو میری بھوک آپ کو تو نہیں محسوس ہوئی امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بدلتی رہتی ہے کسی رمضان میں ۲۳ کو کسی میں ۲۵ کسی میں ۲۹ کو وغیرہ۔

۳۔﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾

تفسیر ابن جریر طبری، ابن کثیر، خازن وغیرہ تمام تفسیروں میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا اس کا معمول تھا کہ رات کو نماز پڑھتا اور دن کو جہاد کرتا اس کی عمر ہزار مہینے ۸۳ سال کی تھی۔

اس سے پہلے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اکثر لوگوں کی عمر ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان رہے گی اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں۔

جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کی عمر ۸۳ سال تھی تو صحابہ کو قلق ہوا کہنے لگے کہ ہماری عمریں بھی ۸۳ سال تک پہنچتیں ہماری عمریں تو ۶۰، ۷۰ کے درمیان ہیں اس موقع پر یہ آیت اتری کہ تمہاری ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

اس پر یہ اشکال ہوگا کہ ہزار مہینے میں بھی لیلۃ القدر ضرور ہوگی کیونکہ وہ ہر سال میں ہوتی ہے اور آیت قرآنیہ کے موافق وہ بھی ہزار مہینے سے افضل ہوگی، وہکذا پس اس سے لاتناہی مقدار کی لازم آتی ہے؟

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں، امام رازیؒ تفسیر کبیر میں تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ ۸۳ یا ۸۴ سال وہ ہیں جن میں لیلۃ القدر نہ مانی جائے۔یعنی ایسے ۸۳ یا ۸۴ سال جن میں لیلۃ القدر نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ عرب والے ایک رات پہلے کرتے ہیں ہم ایک رات بعد میں کرتے ہیں۔تو کس کا اعتبار ہوگا جواب یہ ہے کہ لوگ جہاں رہتے ہیں انہی کے افق کا اعتبار ہوگا۔اسی طرح لیلۃ القدر جہاں ہو جو عبادت کرتا ہے وہیں اس کی لیلۃ القدر کا اعتبار ہوگا۔

۴. ﴿ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴾

یہاں پر بعض نے کہا کہ یہاں الروح سے مراد ہے ارواح کہ روحیں آتی ہیں۔لیکن ایسی کوئی بات ثابت نہیں۔اس سلسلے میں ایک بزرگ گزرے ہیں ہندوستان میں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔تمام خرافات اس میں جمع ہیں۔کہ یہ روحیں جمعرات کو آتی ہیں جمعہ کو آتی ہیں۔عید کی رات آتی ہیں دروازے کے ساتھ لگ کر کہتی ہیں نکحتم ازواجنا و اکلتم اموالنا۔اور تمام روایتوں میں حلوے اور کھیر کا ذکر ہے، یہ تمام کی تمام خرافات ہیں۔ البتہ خرق عادت کے طور پر، پیغمبر ہو تو معجزے کے طور پر، ولی ہو تو کرامت کے طور پر کسی وقت دنیا میں آئے۔تو اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہوگا، خارق عادت ہو یا معجزہ، کرامت ہو۔

سورة البیّنة

ربط :اوپر ذکر تھا "انا انزلناه فی لیلة القدر" بے شک ہم نے قرآن اتارا ہے لیلۃ القدر میں آگے فرماتے ہیں کہ قرآن بھی بڑی عظمت والی شئے ہے جس ذات پر یہ قرآن اترا ہے وہ بھی بہت عظمت والے ہیں۔

تمہید سنیئے بعض بیماریاں معمولی ہوتی ہیں ان معمولی بیماریوں میں معمولی ڈاکٹر معمولی طبیب معمولی دوائیاں کام دیتی ہیں بعض بیماریاں پیچیدہ ہوتی ہیں ان بیماریوں میں معمولی حکیم معمولی ڈاکٹر کام نہیں دیتا اور نہ معمولی دوائیاں کام آتی ہیں ان بیماریوں کیلئے حکیم بھی اعلیٰ ڈاکٹر بھی اعلیٰ دوائیاں بھی اعلیٰ کام آتی ہیں۔

جس وقت آپ تشریف لائے تھے اس وقت عرب کی سرزمین کفر سے، شرک سے، قتل اولاد سے، زنا سے، چوریوں سے، بھری پڑی تھی ایسے ماحول میں لوگوں کے عقیدے بدلنا اخلاق بدلنا بہت مشکل تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو نہ بھیجتے قرآن جیسی کتاب نہ بھیجتے تو اس کفر و شرک کو چھوڑنا بہت مشکل تھا۔

اس لئے فرمایالم یکن الذین کفروا

۵۔﴿وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ﴾

نحاۃ کوفیین یہ کہتے ہیں کہ دین القیمة میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے وہ دین کو موصوف مانتے ہیں القیمة کو صفت مانتے ہیں اور تاء تانیث کی نہیں مانتے بلکہ تاء مبالغہ کی مانتے ہیں جیسے رجل علامة معنی ہوگا ایسا دین جو بہت ہی سیدھا ہے۔

اور نحاۃ بصریین یہ کہتے ہیں کہ یہاں موصوف محذوف ہے وہ ہے دین الملّة القیمة۔

سورة الزلزال

۱۔﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾

ربط: تفسیر بیان القرآن اور سبق الغایات میں یہ ربط لکھا ہے کہ پہلی سورت کے آخر میں تھا جزاء هم عند ربهم کہ ان کا بدلہ یہ ہوگا اب آگے اس بدلے والے دن کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ بدلے والا دن کونسا ہوگا؟

وہ قیامت ہے اس سورت میں قیامت کا ذکر ہے۔

یہاں زلزلے سے کونسا زلزلہ مراد ہے؟

تو یہ تفسیر بھی آپ کو ملے گی کہ نفخہ اولیٰ کے وقت کا زلزلہ حضرت اسرافیلؑ جب صور پھونکیں گے تو زمین لرز اٹھے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے سونا، چاندی، پیٹرول وغیرہ باہر پھینک دے گی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا جب حضرت اسرافیلؑ دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو زمین میں زلزلہ ہوگا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر پھینک دے گی۔

سورة العدیٰت

۱۔﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا﴾

ربط: پہلی سورت میں تھا کہ جس نے اچھا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا جس نے بُرا کیا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اکثریت انسانوں کی نافرمان ہے۔ پہلے گزرا ہے و اکثر هم الفاسقون۔

۴۔﴿فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا﴾

قرطبی، البحر المحیط میں آپ کو یہ تفسیر بھی ملے گی کہ فاثرن بہ میں ہ ضمیر راجع ہے العدیٰت میں العدو کی طرف بمعنی دوڑنا معنی ہوگا پس اڑاتے ہیں اس دوڑ کی وجہ سے غبار کو۔

صبح کے وقت جب شبنم برستی ہے تو کم غبار اٹھتا ہے یہ کمال مبالغہ ہے کہ ایسے تیزی سے دوڑیں گے کہ صبح کے وقت غبار کو اڑائیں گے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ہ کی ضمیر راجع ہے بسوئے صبح اور بہ میں باء بمعنی فی کے ہے عبارت یوں ہوگی فاثرن فی الصبح نقعا پھر اڑاتے ہیں صبح میں غبار کو۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کیوں کھائی؟

تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ انسان گھوڑے کا عارضی مالک ہے اس کا خالق نہیں گھوڑے کو حق تعالیٰ نے پیدا کیا اس کیلئے گھاس اور پانی خدا نے پیدا کیا اس کے سانس لینے کیلئے ہوا رب نے پیدا کی صرف انسان اس کا عارضی آقا ہے پھر بھی گھوڑا کتنا وفادار ہے کہ تیروں کی بارش میں اس کے حکم سے دشمن کی صفوں میں گھستا ہے انکار اور نافرمانی نہیں کرتا لیکن انسان جس کو اللہ نے پیدا کیا اس کی خوراک وغیرہ سب کچھ کو پیدا کیا وہ اپنے خالق اور مالک حقیقی کا حکم نہیں مانتا اور نافرمان ہے اور انسان اس پر گواہ بھی ہے مانتا بھی ہے لیکن اس کے دل میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہے۔

سورة القارعة

﴿ اَلْقَارِعَةُ .مَا الْقَارِعَةُ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ . يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾

ماقبل سے ربط: اوپر ذکر تھا اذابعثر ما فی القبور قبروں سے نکالا جائے گا اب اسی قیامت کا ذکر ہے کہ جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی حالت کیا ہوگی۔ 3

القارعۃ قیامت کا ایک نام ہے قیامت کا نام آخرت بھی ہے واقیہ بھی، ھاویہ بھی ہے متعدد نام ہیں۔

سورة التكاثر

﴿ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ . حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ . كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ . ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ بعض لوگ ہوں گے جن کے موازین بھاری ہوں گے نیکیاں بھاری ہوں گی۔اور کچھ لوگ خفت موازینہ ان کے موازین ہلکے ہوں گے۔اب ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے جن کی نیکیاں کم ہوں

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ . حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾

زرتم المقابر کی دو تفسیریں:

تم کو تکاثر نے غافل رکھا کوئی کہتا ہے میری اولاد زیادہ، کوئی کہتا ہے میرا مال زیادہ میری دکانیں زیادہ تیری دکانیں کم بس میری اور تیری میں لگے رہے۔

یہاں تک کہ تم نے (مقابر مقبرہ کی جمع) کی زیارت کی یعنی مرنے کے وقت تک تم اس چیز میں لگے رہے یہاں تک کہ موت آئی اور تم کو قبروں میں پہنچا دیا۔

دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں تفسیروں میں موجود ہے کمالین، جمل وغیرہ میں کہ مکہ مکرمہ میں دو خاندان رہتے تھے ایک خاندان کا نام بنو ہم دوسرے عبد مناف تھے ان کا آپس میں اختلاف ہوا ایک نے کہا کہ ہم زیادہ ہیں دوسرے نے کہا کہ ہم زیادہ ہیں فیصلہ ہوا کہ مردم شاری کرو مردم شاری کے بعد پتہ چلے گا مردم شاری کی تو بنو ہم کے لوگ کم نکلے ان کو بڑی پریشانی ہوئی کہ ہم مقابلہ میں ہار گئے تو کہنے لگے کہ قبروں کو بھی گنو جب قبروں کو گنا تو بنو ہم کی قبریں زیادہ تھی۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم مردم شاری کیلئے مردوں کو بھی گنتے ہو اس مردم شاری نے تمہیں اتنا غافل کر رکھا ہے۔

سورة والعصر

﴿وَالْعَصْرِ .اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ .اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

ربط :اوپر ذکر تھا الھکم التکاثر کا کہ اس تکاثر نے مال کی کثرت نے اولاد کی کثرت نے تمہیں غفلت میں ڈالا اب زمانے کی قسم اٹھاتے ہیں کہ یہ تکاثر تمہیں زمانے میں ہوا۔

والعصر یہاں تفسیریں کئی ہیں۔

(۱) عصر کا معنی مطلق زمانہ ہے کیونکہ انسان زمانے کے اندر شر کرتا ہے خیر کرتا ہے نیکی کرتا ہے بدی کرتا ہے اس لئے زمانے کی قسم کھائی۔

دھر کہتے ہیں مطلق زمانے کو اور عصر کہتے ہیں مامضی من الزمان جو پہلے گزر چکا ہے جو زمانہ پہلے گزر چکا ہو اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں جو ہوا سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ عصر سے مراد عصر کا وقت ہے یعنی عصر کے وقت کی قسم اس لئے کہ فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔

یہ بھی آپ کو تفسیر ملے گی کہ صلوۃ عصر کی قسم کیونکہ حدیث میں آتا ہے. من فاتت صلوۃ العصر فکا نما وتر مالہ واھلہ جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی تو اتنا نقصان ہوا جیسا کہ اس کا مال بھی ختم ہوا اور اولاد بھی ختم ہوئی۔

"ان الانسان لفی خسر الا الذین" فرمایا کہ سارے انسان نقصان وخسارے میں ہیں مگر ان چار صفات والے خسارے میں نہیں ہیں۔

یہاں آپ کو تفسیروں میں عاص بن وائل کا نام بھی ملے گا ولید بن مغیرہ کا بھی ملے گا۔ابو جہل کا بھی ملے گا وغیرہ یہ نام جو ہیں آپ یوں سمجھیں کہ بطور مثال کے پیش کئے ہیں۔

سورة الھمزہ

﴿ وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍۙ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ‌ۚ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ‌ۖ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾

ھمزہ لمزہ کے معنیٰ میں اختلاف ہے ایک طبقہ کہتا ہے۔

ھمزہ وہ ہے کہ منہ پر کسی کو طعن کرنا اور لمزہ پس پشت طعن کرنا اور اس کے برعکس بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا۔ جن کفار کا میں نے نام لیا ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آنحضرتؐ کو معاذ اللہ یہ طعنہ دیتے تھے کہ تیرے پاس کونسی دولت ہے کہ رب نے تجھے نبی بنادیا اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں لو لا نزل ھذا القر ان علی رجل من القر تین عظیم.

سورة الفیل

﴿ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِؕ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِىۡ تَضۡلِيۡلٍۙ وَّاَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَۙ تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍۙ فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ ﴾

ربط: امام رازی تفسیر کبیر میں اس سورۃ اور پہلی سورۃ میں یہ ربط لکھتے ہیں۔ کہ دیکھئے کعبۃ اللہ کی توہین کرنے کا جس نے ارادہ کیا اس کو رب نے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور حضورؐ کی جو توہین کرتا ہے منہ پر بھی اور غائبانہ بھی وہ کیسے بچ سکتا ہے اس سورۃ ھمزہ لمزہ کا ذکر تھا کہ جس نے آپ کی توہین کی وہ کیسے بچے گا جب وہ جنہوں نے کعبہ کی توھین کی نہ بچ سکے۔

کعبۃ اللہ کا درجہ زیادہ ہے یا آپ کے روضہ اقدس کا درجہ زیادہ ہے؟

اہل حق کا یہ مسلک ہے کہ خدا کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ آپ ﷺ ہی ہیں۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں اور یہ بات درمختار میں ہے شامی میں ہے، عالمگیری میں ہے روح المعانی میں ہے کسی شخص نے امام ابن عقیل حنبلی سے سوال کیا کہ کعبۃ اللہ کا درجہ زیادہ ہے یا آپ ﷺ کے روضہ اقدس کا درجہ زیادہ ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ تیرا سوال مجمل ہے یہ قابل تفصیل ہے تیری کیا مراد ہے اگر تیری مراد یہ ہے کہ آپ کے روضہ اقدس میں آپؐ کا وجود اس قبر میں نہ مانا جائے۔ اور پھر اس کا تقابل کعبۃ اللہ سے ہو تو پھر کعبۃ اللہ افضل ہے اور اگر آپ ﷺ کا وجود اس میں مانا جائے تو پھر فرماتے ہیں کعبہ کیا، عرش کیا، کرسی کیا قلم کیا کونین میں کوئی اس کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا اس کے ساتھ تقابل نہیں کر سکتا۔ خالق خالق ہے مخلوق مخلوق ہے۔ مراتب میں فرق کرو خدا کو خدا کہو مخلوق کو مخلوق کہو۔ حاجت روا صرف وہ ہے مشکل کشا صرف وہ ہے عالم الغیب والشہادۃ صرف وہ ہے حلال حرام کرنے والا صرف وہ ہے عزت وذلت دینے والا صرف وہ ہے۔

(اس کے بعد شیخ التفسیر والحدیثؒ نے تفسیر کبیر کے حوالے سے پورا قصہ بیان فرمایا لیکن یہاں لکھنے کی گنجائش نہیں)

ابا بیل کسی خاص پرندے کا نام نہیں ابا بیل جمع ابو ل جیسا کہ عجو ل کی جمع عجا جیل آتی ہے یا ابیل کی جمع ہے جیسا کہ سکین کی جمع سکا کین آتی ہے۔ سجیل اس کی جمع سجا جیل آتی ہے اس ابابیل کا معنی ہے جوق در جوق۔

سورۃ قریش

﴿ا. یلف قریش......الخ﴾

ربط:۔ ماقبل میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے کعبۃ اللہ کی توہین کا ارادہ کیا ان کا حشر یہ ہوا اور جنہوں نے کعبۃ اللہ کی توہین نہ کی حق تعالیٰ نے اس کی برکت سے ان کی بھوک بھی ختم کی اور خوف بھی دور کیا۔

علامہ شربلائی سراج المنیر والے فرماتے ہیں کہ فلیعبدو ا میں فائے مزیدہ ہے۔اور لا یلف کا تعلق اس سے ہے اور چاہیئے ان کو کہ عبادت کرے اس شہر (مکہ مکرمہ) کے رب کی۔

سورۃ الماعون

۱۔﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ .فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ . فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ . الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ﴾

ربط: ماقبل میں فرمایا کہ مکہ والوں کی اللہ تعالیٰ نے بھوک ختم کی خوف دور کیا لیکن اس کے باوجود ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے یوم آخرت (جزاء) کی تکذیب کی۔

اب یہاں کوئی ابوجہل کا نام لے گا، کوئی عاص کا لے گا کوئی ابی بن خلف کا لے گا میں کہتا ہوں سارے ہیں جس نے کسی کا نام لیا وہ بطور مثال سمجھانے کیلئے۔

۳۔﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾

بعض محذوف نکالتے ہیں ولا یحض نفسہ اور بعض کہتے ہیں ولا یحض غیرہ میں کہتا ہوں دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔

۵.﴿الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾

مکہ کے جو مخلص مسلمان تھے وہ بھی اس میں نہیں ہیں کہ ان کی تردید ہو اور مدینہ کے مسلمان بھی مراد نہیں کیونکہ وہ تو نماز پڑھتے تھے اور منافق تو تھے ہی نہیں تو اس سے مراد کفار ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

۷۔﴿ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾

الماعون کا معنی حقیر چیز مثلاً گھروں میں جو عام استعمال ہوتی ہیں مرچ، مصالحہ، نمک وغیرہ۔

الکوثر

﴿انا اعطینک الکوثر......الخ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ یکذب با لدین بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں ان کی تردید تو اپنے مقام پر، آنحضرت ﷺ کو ستاتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں کہ جب حضرت قاسم فوت ہوئے تو کہنے لگے کہ یہ تو ابتر ہے مقطوع النسل ہے اس کا بیٹا کوئی نہیں اور اس کا دین کتنے دنوں تک چلے گا۔

الکوثر کیا ہے؟

الکوثر: جنت کے اندر ایک نہر ہے اور وہیں سے پانی نکلتا ہے میدان محشر میں وہاں حوض کوثر ہے۔ ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ ہر نبی کیلئے کوثر ہے اور میرا کوثر سب سے بڑا ہے آپ نے سمجھانے کیلئے فرمایا کہ وہ چوکنا ہوگا چار کونوں والا برابر برابر۔ اور ایک کونہ اس کا یوں سمجھو کہ یہاں سے جربا تک ہے۔ اور وہاں ایسے برتن ہونگے جیسے اسمان کے ستارے اور حوض کوثر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا جو ایک دفعہ پیئے گا اس کو عمر بھر دوبارہ پیاس نہ لگے گی شوقیہ پینا چاہے تو جتنا چاہے پی لے۔

حدیث بخاری میں ہے کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا اور کچھ لوگ ہوں گے فرشتے ان کو دھکیل کر پیچھے لے جائیں گے میں ان سے کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی معلوم ہوتے ہیں و یقول ربہ تعالی "انک لا تدری ما احدثوا بعدک" بے شک تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں گھڑیں۔

شاہ ولی اللہؒ سمجھانے کیلئے فرماتے ہیں کہ حوض کوثر یوں سمجھے کہ یہ قرآن وہاں حوض کوثر کی شکل میں ہوگا جس نے قرآن کو سمجھا اس کے مطابق عقیدہ رکھا۔ عمل کیا وہ اس حوض کوثر سے پانی پیئے گا اور جس نے ایسا نہ کیا وہ حوض کوثر سے پانی نہیں پیئے گا۔

سورة الکافرون

﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا الْكَـٰفِرُوْنَ .لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ .وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ .وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ .وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ .لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

ربط :ابھی ذکر تھا کہ جو رب کا دشمن ہے کفر پر ڈٹا ہوا ہے یہی ابتر ہے۔انہیں کفار کے ایک وفد نے آپ ﷺ کے سامنے پیشکش کی کہ صلح صفائی کریں یہاں آپ کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہوئے تو ایسا کریں کہ آپ ہمارے الہ کی عبادت کریں اور ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں تا کہ صلح صفائی سے وقت پاس ہو۔اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو نازل فرمایا کہ تمہارے لئے تمہارا عمل اور میرے لئے میرا عمل اور میں تمہارے الہوں کی عبادت نہیں کرتا اور تم میرے اللہ کی عبادت مت کرو۔یہ آپ ان کو فرمائیں۔

سورة النصر

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ .وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا .فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾

ربط :ابھی ذکر کیا کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔اس کے بارے میں فرمایا کہ ایک دن آئے گا کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا کہ دین حق میں فوج درفوج داخل ہوں گے،اس کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا،اس میں پیشگوئی فرمائی کہ مکہ فتح ہوگا لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوں گے پھر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔

سورة اللھب

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ . مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ .سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ . وَامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ . فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾

ابولہب کا آپ ﷺ کو پتھر مارنا:

ربط :اوپر ذکر تھا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوں گے۔اس میں یہ ذکر ہے کہ ایک وقت تھا کہ اس دین سے روکنے والوں کی یہ حالت تھی۔پھر اس دین میں وہ لوگ داخل ہوئے جس کا ذکر اوپر گزرا۔

آپ کی عمر ۴۵ سال تھی نبوت کا پانچواں سال تھا صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر کھڑے ہوئے لوگوں کو آواز دی مرد،عورتیں، بچے بوڑھے جوان آگئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑ ابوقبیس کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے یا نہیں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں،فرمایا تو میں آنے والے عذاب شدید سے پہلے تم کو ڈراتا ہوں ان میں سے ایک عبدالعزی تھا ابولہب جو آپ کا چچا تھا تو اس نے پتھر آپ کو مارا اور کہا تبالک سائر الایام الھذا جمعتنا۔تو ہلاک ہو پورا زمانہ کیا تو نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا کہ یہ بات سنائے؟اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔اس کے بعد ابولہب کو چیچک کی بیماری لگی گھر والوں کو پتہ چلا تو کہا کہ اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بیماری ہمیں بھی لگ جائے گی۔کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ایک حبشی غلام کو کرایے پر لائے وہ اس کو کھانا

پانی دیتا تھا بعد مین مر گیا اور پکڑ کر ایک گڑھے میں دفن کیا۔
وامراتہ۔ یہ ابولہب کی بیوی ابوسفیان کی حقیقی بہن تھی اس کا نام ام جمیل بھی آپ کو ملے گا اور ام جمیلہ بھی ملے گا۔ جلالین تک آپ کو ملے گا کہ یہ آپؐ کے راستے میں رات کو کانٹے بچھاتی تھی اور یہ بھی آپ کو تفسیروں میں ملے گا حمالۃ الحطب کا معنی کہ وہ چغل خور تھی۔ کہ چغل خور کو کہتے ہیں کہ یہ تنکے اکٹھے کرتا ہے اِدھر کی بات اُدھر اُدھر کی بات ادھر۔ کیونکہ تنکوں کو اکٹھا کرنے سے ان کو آگ لگتی ہے اسی طرح چغلی سے بھی لوگوں کے درمیان آگ لگ جاتی ہے۔

سورۃ اخلاص

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ .اللّٰهُ الصَّمَدُ .لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ .وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

ربط: اوپر تھا کہ ابولہب نے آپ کو پتھر مارا آپ نے فرمایا قولوا لاالہ الا اللّٰہ تفلحو۔ آپ نے توحید کو بیان فرمایا آگے اس سورت میں اس توحید کا ذکر ہے۔ یہاں پر آپ کو تفسیروں میں ملے گا کہ کفار نے آپ سے کہا اذکر لنا ربک اپنے رب کا نسب نامہ تو بیان کر، حلیہ بیان کر اس کی صفات بیان کر اگر تیرا رب ہے۔
فرمایا کہ رب ذاتاً اور وصفاً بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں سارے اس کے محتاج ہیں۔

سورة الفلق

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ .مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ .وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ .وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ. وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾

ربط: اوپر ذکر تھا کہ اکیلا رب ہی ہے اور کسی کے پاس کچھ نہیں آخری دو سورتیں ان کا نام ہے معوذ تین بچانے والی سورتیں اصل تو بچانے والے اللہ ہیں یہ اس کیلئے سبب ہیں۔

لبید بن عاصم یہودی کا آپ ﷺ پر جادو کرنا:

شان نزول: یہ ہے، بخاری میں روایت آتی ہے کہ یہود نے آپ پر مختلف اوقات میں جادو کیا۔ ان کا جادو کارگر نہ ہوا پھر خیبر کے یہودی آئے مدینہ میں ایک یہودی تھا لبید بن عاصم یہ جادو کا بڑا ماہر تھا، فیس اس کی بڑی تھی ہر آدمی اس کے پاس نہیں آسکتا تھا فیس زیادہ ہونے کی وجہ سے خیبر کے یہودی آئے کہنے لگے انت اسحر نا۔ تو ہم میں سے سب سے زیادہ جادوگر ہے ہم نے جادو کیا آنحضرتؐ پر لیکن ہمارے جادو کا کوئی اثر نہ ہوا تو اب جادوگر اس نے کہا تین دینار میں لوں گا انہوں نے کہا لے لیں تو اس نے جادو کیسے کیا اس کے پاس لڑکیاں تھیں جاریات کا لفظ بخاری میں آتا ہے اس نے ایک دھاگہ لیا اور اس میں گیارہ گرہیں لگائیں ہر گرہ پر کچھ پڑھتا اور اس کی چیلیاں بھی پڑھ کر پھونک مارتیں اس سلسلے میں اس نے آپ کا ایک مجسمہ بنایا اور اس میں سوئیاں چبھوئیں۔

بخاری میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے ڈاڑھی مبارک کے کچھ بال حاصل کئے اور سر مبارک کے کچھ بال اور کچھ دھاگہ، کنگھی کے دندانے، اور یہ اس طرح حاصل کئے کہ ایک یہودی بچہ آپ کی خدمت میں رکھا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گا اور اس کو سمجھایا کہ آپ ﷺ جب کنگھی کریں تو جو بال اس میں پھنسے ہوں ان کو رکھیں چنانچہ ان بالوں وغیرہ کو لیا اور اس پر جادو کیا اور اس جادو کا آپ پر یہ اثر ہوا کہ دینی معاملے میں تو آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن دنیوی معاملے میں یوں اثر ہوتا تھا کہ پانی پیا تو خیال ہوا کہ نہیں پیا، کھانا کھایا تو خیال گزرا کہ نہیں کھایا کسی بیوی کا حق ادا کیا تو خیال گذرا کہ ادا نہیں کیا، اور اداس اداس پریشان و غمگین رہتے تھے۔ یہ کتنا عرصہ ہوا فتح الباری میں چھ مہینے لکھا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک سال ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ سال والی سند صحیح ہے۔ آپ نے بار بار دعا کی اور حدیث میں آتا ہے کہ کان رسول اللہ ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا کہ آپ ﷺ جب دعا کرتے تو دعا تین دفعہ کرتے وہ تین دفعہ کے لفظ یہ ہیں اللّٰھم اغثنا اللّٰھم اغثنا اللّٰھم اغثنا، یہ نہیں کہ جو سر حد میں تین دفعہ دعا کرتے ہیں۔

تو اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے بار بار دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج بتلا دیا۔ دو فرشتے آئے جبرائیلؑ اور مکائیلؑ جبرائیلؑ آپ کے سر کی طرف کھڑا ہوا اور مکائیلؑ پاؤں کی جانب کھڑا ہوا آپس میں ان کا مکالمہ اور گفتگو شروع ہوئی پاؤں والے نے پوچھا اس کو کیا ہوا سرہانے والے نے کہا کہ اس پر جادو کیا گیا ہے۔ دوسرا سوال کیا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن عاصم نے، کہا کس چیز میں؟ کہا کنگھی کے دندانے میں، دھاگہ ہے، لوٹا ہے یہ چیزیں ہیں، کہاں ہیں؟ وہ بئر ذی اروان میں ہیں (بئر ذی اروان مدینہ سے باہر ایک غیر آباد کنواں تھا)۔ سوال کیا کہ بئر ذی اروان میں

کس جگہ پر یہ چیزیں ہیں کہا تحت راعوثۃ .راعوثۃ وہ پتھر ہے جو پانی نکالنے کے لئے اس پر پاؤں رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ بڑے ہشاش بشاش ہوئے۔حضرت عائشہ نے پوچھا حضور ؐ آج تو آپ ﷺ بڑے خوش ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میری بیماری مجھے رب نے بتلا دی آپ ﷺ صحابہ کو لے کر وہاں گئے تو بئر ذی اروان سے وہ چیزیں نکلیں۔آپ نے اسی کنویں میں ان کو دفن کر دیا۔اس موقع پر یہ دو سورتیں نازل ہوئیں معوذتین۔آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے تھے اور ایک ایک گرہ کھلتی تھی۔اور بدن مبارک ایسا تھا جیسا کہ کوئی اس سے سوئی نکالے تو پہلے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن بعد میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ان دونوں سورتوں کو رات کو پڑھتے اور اپنے اوپر پھونک مارتے۔فلق کے معنی صبح کے آتے ہیں اور بعض نے معنی کیا ہے دانے کو پھاڑنے والا۔

حسد بہت بڑا گناہ ہے:

حسد سب سے بڑا گناہ سمجھا گیا ہے جس سے قرآن میں پناہ آئی ہے اور ابوداؤد میں ہے کہ حسد ایسے نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔حسد کہتے ہیں کسی کے کمال وغیرہ کو دیکھ کر تمنا کرنا کہ اللہ کرے اس کے پاس یہ چیز نہ رہے خواہ مجھے ملے یا نہ ملے۔

سورة الناس

الناس کی قید کیوں لگائی؟ تو آپ کو یہ بات جلالین تک میں ملے گی کہ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور زمین کی خلافت اصالۃً اس کو دی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ رب الجن بھی ہے رب الحیوانات بھی ہے تو یہ انسان کے اشرف ہونے کی وجہ سے فرمایا رب الناس. خناس وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹنے والے۔آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ابلیس لعین ہر جگہ اس کے چیلے ہوتے ہیں وہ خود سمندر پر تخت بچھا کر بیٹھا ہے اور اپنے چیلوں کو بھیجتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی ہے جو اس کو بری باتیں القا کرتا ہے اور ایک فرشتہ ہے جو اچھی باتیں القا کرتا ہے۔

تمت بالخیر

☆☆......☆☆......☆☆......☆☆

افضل مارکیٹ، 17 اردو بازار، لاہور۔
Email: darulhusna2009@gmail.com
042-37215B9, 0331-4415241, 0332-3096016